بسم اللہ الرحمن الرحیم

علمی و تحقیقی رسائل

جلد بیست و چہارم

24

1. برزخ و قبر کی حیات
2. ضعیف و موضوع حدیث کا حکم

مصنف

مُفتی محمد رضوان

ادارۂ غفران

راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد24

علمی وتحقیقی رسائل

(1)...برزخ وقبر کی حیات

(2)...ضعیف وموضوع حدیث کا حکم

مصنّف

مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

www.idaraghufran.org

نام کتاب: علمی وتحقیقی رسائل (جلد24)

مصنّف: مفتی محمد رضوان خان

طباعتِ اوّل: ذوالحجہ1445ھ - جون2024ء

صفحات: 720

ملنے کے پتے

رسائل کی اجمالی فہرست

نام رسائل — از صفحہ نمبر

تفصیلی فہرست رسالہ اول

(برزخ وقبر کی حیات)

مضامین	صفحہ نمبر

تفصیلی فہرست رسالہ دوم
(ضعیف وموضوع حدیث کا حکم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیشِ لفظ

''مجلسِ فقہی'' ادارہ غفران، راولپنڈی

مولانا مفتی محمد رضوان خان صاحب حفظہ اللہ (مدیر: ادارہ غفران، راولپنڈی) کے علمی وتحقیقی رسائل کی چوبیسویں جلد کے مضامین ورسائل، بحمد اللہ تعالیٰ، نظرِ ثانی وغیرہ کے متعلقہ مراحل سے گزر کر اشاعت کے مرحلہ میں داخل ہورہے ہیں۔

اس جلد میں درجِ ذیل تحقیقی، علمی اور تفصیلی موضوعات پر مشتمل رسائل شامل ہیں:

(1)...برزخ وقبر کی حیات

(2)...ضعیف وموضوع حدیث کا حکم

مزید کئی جلدوں کے رسائل ومضامین پر بھی بحمد اللہ تعالیٰ نظرِ ثانی اور پروف ریڈنگ وغیرہ کا کام جاری ہے، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو بصدق واخلاص مکمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔آمین۔

ادارہ غفران سے منسلک مختلف اہلِ علم نے اس جلد کے رسائل کا مطالعہ کیا، اور مفید مشورے اور قابلِ اصلاح امور کی نشاندہی کی، جن میں سے بعض امور سے مؤلف نے کلی، یا جزوی اتفاق کیا، اور بعض پر مؤلف کو شرح صدر نہ ہوا، اس لیے ان میں حسبِ منشاء ترمیم، یا اس کی توضیح کی، اور اس طرح کی جزوی چیزوں میں نیک نیتی کے ساتھ، حسبِ ذوق وحسبِ استعداد، اختلاف، شرعی وفقہی اعتبار سے مذموم نہیں۔

مذکورہ حضرات نے اس مجموعہ کو تحقیق پر مبنی اور وقت کے اہم موضوع پر مشتمل محسوس کیا۔

دعاء ہے کہ یہ مجموعہ، اللہ کی بارگاہ میں قبول ومنظور ہو، اور علمی وفقہی دنیا میں اعتدال کے قائم ہونے اور غلو، یا افراط وتفریط سے حفاظت کا باعث بنے، اوراس سلسلہ میں سعی وکاوش کرنے والے جملہ حضراتِ اہلِ علم کے لیے مغفرت اور ترقی درجات کا ذریعہ ہو۔ آمین۔

اسمائے گرامی: اراکینِ مجلسِ فقہی، ادارہ غفران

(1)......مفتی محمد رضوان صاحب (صدر مجلس)

(2)......مولانا طلحہ مدثر صاحب (ناظم)

(3)......مولانا محمد ناصر صاحب (رکن)

(4)......مولانا طارق محمود صاحب (رکن)

(5)......مولانا عبدالسلام صاحب (رکن)

(6)......مولانا غلام بلال صاحب (رکن)

(7)......مولانا محمد ریحان صاحب (رکن)

05/رجب المرجب/1445ھ - 17/جنوری/2024ء بروز بدھ

ادارہ غفران، چاہ سلطان، راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی وتحقیقی سلسلہ

برزخ وقبر کی حیات

قرآن وسنت اور جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کی تصریحات کی روشنی میں
دنیا سے فوت ہونے کے بعد قیامت قائم ہونے سے پہلے کی حیات
اور عالمِ برزخ وقبر میں راحت وتکلیف اور ثواب وعذاب کا ثبوت
برزخی راحت وتکلیف کے روح اور جسم سے متعلق ہونے کی تحقیق
انبیائے کرام وشہدائے عظام کی دنیوی وفات، اور برزخی حیات پر کلام
اس موضوع، اور اس باب سے متعلق مختلف اصحابِ علم کی عبارات وحوالہ جات
کی روشنی میں تحقیقی ومعتدل کلام، اور متعدد شبہات کا ازالہ
سماعِ موتیٰ اور مسائلِ علمیہ وعملیہ میں اختلاف کا درجہ

مؤلف
مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

علمی و مذہبی ماحول سے وابستگی کے بعد علمی و مذہبی دنیا میں بہت سے دینی، علمی و فقہی مسائل میں روایتی و رسمی نوعیت کا اختلاف سننے اور پڑھنے میں آتا رہا، جس کو ابتداء میں بندہ خود بھی بڑی اہمیت دیتا رہا، جب اس طرف توجہ ہوئی، اور روایتی و رسمی نوعیت کی تقلیدِ جامد اور بے جا تعصب و تحزّب کی فضاء سے نکل کر اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم سے غیر روایتی اور غیر رسمی مطالعہ و تحقیق کی توفیق عطاء فرمائی، تو معلوم ہوا کہ موجودہ دور کے اصحابِ علم کا ایک بڑا طبقہ، بعض ایسے مسائل کی کھود کرید اور ان کی نوعیت و کیفیت کی تعیین اور اپنے مخالفین کی تضلیل و تفسیق میں مصروفِ عمل ہے، جن پر اس نوعیت و کیفیت کے اعتبار سے قرآن و سنت میں اہمیت نہیں دی گئی، اور کلام نہیں کیا گیا، بلکہ خیرُ القرون کے مبارک ادوار اور سلفِ صالحین سے بھی اس نوعیت و کیفیت کا کلام نہیں ملتا۔

چنانچہ اس دنیا سے فوت ہونے کے بعد برزخ وقبر میں جو حیات حاصل ہوتی ہے، اس میں ایک عرصہ سے اصحابِ علم کے ایک بڑے طبقہ کی صلاحیتیں، اس چیز میں استعمال ہوتے رہنے کا مشاہدہ ہوا کہ دنیاوی حیات کے مقابلے میں، وہ حیات کس کیفیت ونوعیت کی ہوتی ہے، اور برزخ وقبر میں کس طرح کے حالات جسم کے اوپر کس کیفیت ونوعیت کے ساتھ پیش آتے ہیں، اور قبر سے میت کا تعلق کس نوعیت کا ہوتا ہے، اور اس کے نتیجے میں میت، زندہ کے کلام کو سنتی ہے، یا نہیں، اور سنتی ہے، تو کسی طرح سنتی ہے، ان ہی کانوں سے جو اِس کو دنیا میں سننے کے لیے عطاء کیے گئے تھے، یا کسی اور طرح سے سنتی ہے؟ اور قریب سے سنتی ہے، یا دور سے بھی سنتی ہے؟ اور قریب سے سننے کی صورت میں قریب ہونے کی کوئی حد بھی ہے، اگر ہے، تو

کتنی؟ وغیرہ وغیرہ۔

اس بحث وتمحیص کے نتیجے میں ایک ہی مسلک ومذہب کی طرف منسوب، ایک طبقہ ''حیاتی'' اور دوسرا طبقہ ''مماتی'' کہلایا جانے لگا، اور دونوں طبقات کی طرف سے ایک دوسرے کے ساتھ بحث وتمحیص، مناظرہ ومباحثہ اور مجادلہ ومنازعہ وغیرہ کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑا، حالانکہ ''حیاتی'' کہلایا جانے والا طبقہ، برزخ میں جانے سے پہلے، دنیاوی موت واقع ہونے کا منکر نہیں، کیونکہ ہر فردِ بشر کے موت کا وقت مقرر ہونے، اور موت کا ذائقہ چکھنے پر قرآن وسنت کے واضح دلائل موجود ہیں، جن کے انکار کی گنجائش نہیں، اسی طرح ''مماتی'' کہلایا جانے والا طبقہ قبر وبرزخ کی مخصوص حیات کا منکر نہیں۔

نیز مرنے کے بعد قیامت قائم ہونے سے پہلے کے زمانے کے ''عالمِ برزخ'' کا زمانہ ہونے، اور اس عالم میں روح کو عذاب وراحت دیے جانے، اور روح کا جسم کے ساتھ فی الجملة تعلق ہونے اور سماعِ موتیٰ کے حکمِ الٰہی پر معلق ہونے پر مذکورہ دونوں جماعتوں کے سنجیدہ بڑے طبقات کا اتفاق ہے، مگر روح کا وہ تعلق، جسم کے ساتھ، اور جسم کا قبر کے ساتھ کس کیفیت ونوعیت کا ہوتا ہے؟ اور اس کو دنیا کی حیات سے کس درجہ کی مشابہت ومماثلت حاصل ہوتی ہے، اور میت، زمین پر موجود، زندہ شخص کے کلام کو سن سکتی، یا سن پاتی ہے، یا نہیں؟ اور اس مطلق حکم میں انبیائے کرام بھی شامل ہیں، یا ان کو قبر کے قریب سے سننے کا استثناء حاصل ہے، اور قبر کے قریب سے کتنا قریب ہونا مراد ہے، اور موجودہ زمانے میں عوام کے لیے کیا قبر نبوی کے اتنے قریب پہنچنا ممکن بھی ہے کہ نہیں؟ صرف اس حد تک اور اس میں بھی زیادہ تر نوعیت وکیفیت کی تعیین وتمثیل اور تشبیہ میں اختلاف ہے، جس کی حیثیت اکثر وبیشتر تعبیرات، یا زیادہ سے زیادہ اجتہادی نوعیت کے اختلاف سے زیادہ نہیں۔

لیکن طرفین سے بعض کم علم اور بطورِ خاص بعض سٹیجی، یا متعصب افراد وحضرات نے عوام کے سامنے عالمِ غیب سے متعلق ''رجماً بالغیب'' کا مصداق بن کر، اس مسئلہ کی وہ گت بنادی

ہے کہ ''الأمان و الحفیظ '' ایک دوسرے کی طرف سے ذرا ذرا سی بات کو ہوا دی جاتی ہے، ایک دوسرے کی تحقیر وتذلیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جاتا ہے، طعن وتشنیع، الزام بازی، بہتان تراشی تک سے گریز واجتناب نہیں کیا جاتا، منبر ومحراب اور تقریرات وتحریرات میں ان چیزوں پر مختلف قسم کے تبصرے و تجزیے کیے جاتے ہیں، اور مجامع و محافل میں منتظمین، سامعین و حاضرین کو خوش کرنے ، واہ واہ حاصل کرنے ، یا وظیفہ خوری کے لیے ایسی ایسی باتوں پر طرح طرح کے قصے، واقعات و حکایات اور خواب و مکاشفات اور اپنے اپنے بزرگوں کے چند ملفوظات وارشادات سنا کر نعرہ بازی کی اور کرائی جاتی ہے، جن کا قرآن و سنت کی نصوص اور سلفِ صالحین کے مزاج ومذاق سے خاطر خواہ تعلق اور واسطہ نہیں ہوتا۔

کیفیت کے اختلاف کو حقیقت کا اختلاف، تعبیر کے اختلاف کو تحقیق کا اختلاف، عنوان کے اختلاف کو معنون کا اختلاف سمجھا جاتا ہے، ایک دوسرے کے خلاف فتوے حاصل کیے جاتے ہیں، بلکہ ایک دوسرے کے خلاف فتوے جاری کیے جاتے ہیں، کسی کو غالی، کسی کو گستاخ و بے ادب اور کسی کو اہلُ السنۃ والجماعۃ سے خارج وغیرہ اور نہ جانے کیا کچھ قرار دیا جاتا ہے، ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز پڑھنا گوارا نہیں کیا جاتا، بلکہ ہماری معلومات کے مطابق بعض علاقوں میں ان مسائل کی وجہ سے مسلمانوں اور بعض اصحابِ علم کی بہت سی قیمتی جانیں بھی جاچکی ہیں، اور اس کی وجہ سے خاندانی، علاقائی اور عوامی وعلمی سطح پر، قطع رحمی وقطع تعلقی کے واقعات کا بھی ایک طویل سلسلہ ہے، اور بھی نہ جانے کیا کیا داستانیں ہیں، جن کا سخت گناہ اور عنداللہ باعثِ مؤاخذہ ہونا، مبحوث فیہا مسائل میں مذکورہ کھود کرید اور ان کی کیفیت ونوعیت کی تعیین سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، جس کی آج امتِ مسلمہ کے بڑے طبقہ کو فکر نہیں۔

اس صورتِ حال کے نتیجے میں قرآن وسنت کی رُو سے برزخ وقبر کے عذاب سے ڈرانے، اور برزخ وقبر کی راحت ونعمت پر ابھارنے کا جو مقصود تھا، اور وہ انسان کی عملی زندگی میں حرکت وبرکت اور تقویٰ وطہارت پیدا کرنے کا ذریعہ تھا، اور جس پر اصولی اعتبار سے مذکورہ

دونوں طبقات کا اتفاق تھا، وہ مقصود، پسِ منظر میں چلا جاتا ہے، اور سارا معاملہ اِدھر اُدھر کے بحث ومباحثہ کی بھول بھلیوں میں گم ہو کر رہ جاتا ہے، چنانچہ مختلف اوقات میں یہ بات کثرت سے مشاہدہ میں آتی رہی کہ اس قسم کے بحث ومباحثہ کے عادی لوگوں کو اس موضوع سے متعلق قرآن وسنت کی معتبر نصوص کو اسی طرح سے ملاحظہ ومطالعہ اور بیان ونقل کرنے کی توفیق نہیں ہوتی، جس طرح سے ان کو اللہ اور اس کے رسول نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بیان ونقل کیا، اور پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے تابعین کے سامنے بیان ونقل کیا، اور یہ سلسلہ سلفِ صالحین میں اسی طرح چلتا رہا، نہ تو اس موضوع پر مذکورہ نوعیت وکیفیت کے سوالات واستدلالات کیے گئے، اور نہ ان پر اس نوعیت وکیفیت کا مکالمہ ومباحثہ کیا گیا، چہ جائیکہ ان باتوں کی وجہ سے ایک دوسرے کے خلاف دھڑے بندی کی جائے۔

قرآن وسنت کی صاف ستھری تعلیمات اور سلفِ صالحین کی پیروی واتباع کے بجائے، غیر معتبر احادیث وروایات، اپنے اپنے چند بزرگوں کے ارشادات وملفوظات، اور بے سند واقعات وحکایات، مکاشفات اور خوابات کو **مطمحِ نظر** بنا کر پیش کیا جاتا ہے، اور اس میں ایسی ایسی باتوں کو اہمیت دی جاتی ہے، یا بالفاظِ دیگر ایسی باتوں کو اُجاگر اور ہائی لائٹ کیا جاتا ہے، جن پر برزخ وقبر اور عالمِ غیب کے اہم امور کا دارومدار نہیں، اور وہ باتیں قرآن وسنت کی طرح ہر ایک کے لیے حجت نہیں۔

اور اگر ان افراد میں سے کسی بندۂ الٰہی کو قرآن وسنت کی کوئی معتبر نص ذکر کرنے کی توفیق حاصل بھی ہوتی ہے، تو اس کی ایسی ایسی تاویلات وتوجیہات اور تفسیرات وتشریحات کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے، جو فروعی وثانوی نوعیت کی ہوتی ہیں، اور ان میں اختلاف، دراصل اجتہادی نوعیت کا ہوتا ہے، پھر اس کے بعد اپنی من پسند تاویلات وتوجیہات اور تفسیرات وتشریحات سے اختلاف کرنے والے کو قرآن وسنت کی نصوص کا منکر اور اہلُ السنۃ والجماعۃ سے خارج قرار دیا جاتا ہے، جو کہ معتدل اور سلفِ صالحین کا طریقہ ہرگز نہیں، پھر اپنے اس

طرزِ عمل کو سلفِ صالحین کی طرف منسوب کرنے کیا مطلب؟

اس افراط وتفریط کے ماحول میں ضرورت ہے کہ اس طرح کے مسائل میں افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اور ہر طرح کے تعصب وتحزّب سے بالاتر ہوکر، راہِ اعتدال کو اختیار کیا جائے، اور اس سلسلے میں محققین، محدثین اور ایسے اصحابِ علم کے حوالہ جات وعبارات سے استفادہ کیا جائے، جن کے علم وتحقیق کو مختلف طبقات کی طرف سے اہمیت دی جاتی ہے، اور ان میں بہت سی شخصیات مبحوث فیہ نوعیت کے اختلاف سے پہلے کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں، اور روایتی ورسمی نوعیت کے اختلافات کو نظرانداز کیا جائے، اسی مقصد کے لیے آنے والے مضمون کو تحریر کیا گیا ہے، تاکہ موجودہ زمانے میں بعض کم علم، یا متعصب، وغالی، یا سٹیجی وبازاری قسم کے لوگوں کی طرف سے عوامی اور سٹیجی دنیا میں لگائے گئے تماشہ کی حقیقت کو سمجھا جاسکے، اور افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال کو اختیار کیا جاسکے، اور امتِ مسلمہ کے شیرازہ کو منتشر ہونے سے محفوظ رکھا جاسکے، جس کی اسلام میں مذکورہ فروعی واجتہادی نوعیت کے مسائل اور ان کی نوعیات وکیفیات میں بحث وتمحیص، کھود کرید اور مباحثہ ومجادلہ کے مقابلے میں زیادہ اہمیت اور خلاف ورزی پر بڑی سخت وعید ونکیر وارد ہے۔

اس موقع پر بندہ کو یہ بات واضح کردینے میں بھی الحمدللہ تعالیٰ کسی کی ملامت کا خوف نہیں کہ بندہ نے اس مسئلہ کی تحقیق کرتے وقت اہلُ السنۃ والجماعۃ کے کسی خاص طبقہ وجماعت کی ترجمانی اور تعصب وتحزّب کو بنیاد نہیں بنایا، بلکہ راجح اور حق بات، جہاں سے بھی ملی، اس کو نقل وبیان کرنے اور اس کی مناسب توجیہ وتوضیح کرنے میں الحمدللہ تعالیٰ بخل سے کام نہیں لیا۔

اللہ تعالیٰ حق واعتدال کو قائم رکھنے، اور افراط وتفریط سے بچنے اور امتِ مسلمہ کو شریعت کے اہم اور بنیادی اہداف ومقاصد پر متفق ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

محمد رضوان خان 20 / ربیع الاول/ 1443ھ۔ بمطابق 27 / اکتوبر/ 2021ء بروز بدھ

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(پہلا باب)

برزخ وقبر کی روحانی وجسمانی حیات سے متعلق نصوص

اس موقع پر ہمارا مقصود، دنیا سے مرنے، اور اس کے بعد عالمِ برزخ وقبر کے بارے میں راحت وخوشی اور تکلیف وعذاب پر مشتمل جملہ اور تمام احوال کو پیش کرنا نہیں، بلکہ فوت ہونے کے بعد عالمِ برزخ وقبر میں ہر شخص کے لیے اس کے حسبِ ایمان اور حسبِ عمل، اصولی انداز میں عذاب وراحت کا ثبوت اور اس کے لیے روح کے بدن کے ساتھ تعلق کو ثابت کرنا، اور اس بارے میں افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال کی نشاندہی مقصود ہے، اس لیے اس سلسلہ میں پہلے باب کے ذیل میں مختلف فصلوں کے تحت قرآن وسنت کی چند نصوص، اور پھر دوسرے باب کے ذیل میں مختلف اہلِ علم حضرات کی عبارات وحوالہ جات کی روشنی میں اس مسئلہ کی توضیح وتشریح پیش کی جاتی ہے، جس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ ایک ''تتمہ'' اور آخر میں اس بحث کا خلاصہ پیش کیا جائے گا۔

امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ مضمون غیر متعصب اور غیر معاند حق کے متلاشی لوگوں کے لیے کافی وافی ہوگا، اور جن حضرات کا مقصود طلبِ حق نہ ہو، بلکہ ضد وعناد اور انکار وجدال مقصود ہو ،ان کے لیے تو بڑے بڑے دفتر بھی ناکافی ہیں۔

اور بندوں کے ذمہ تو، اللہ اور اس کے رسول کے پیغام، اور حق بات کا پہنچا دینا ہے، جس طرح رسول کے ذمہ بھی حق کا واضح طور پر پہنچا دینا ہے، بندوں کو منوانا، اور قائل کرنا، ان کے ذمہ بھی نہیں، پھر دوسرے کے ذمہ کیسے ہوسکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ

(سورة النحل، رقم الآية ۳۵)

ترجمہ: اسی طرح کیا ان لوگوں نے، جو اِن سے پہلے تھے، پس نہیں ہے رسولوں کے ذمہ، مگر واضح چیز کا پہنچا دینا (سورہ نحل)

اور اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ہی ارشاد ہے کہ:

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (سورة النحل، رقم الآية ۳۵)

ترجمہ: پھر اگر وہ (لوگ) اعراض کریں، تو بس آپ کے ذمہ واضح چیز کا پہنچا دینا ہے (سورہ نحل)

اور اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ہی ایک مقام پر ارشاد ہے کہ:

قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (سورة النور، رقم الآية ۵۴)

ترجمہ: کہہ دیجئے آپ کہ اطاعت کرو تم اللہ کی، اور اطاعت کرو تم رسول کی، پھر اگر اعراض کریں وہ (لوگ) تو بس اس (اعراض کرنے والے) پر اس کا بوجھ ہوگا، اور تمہارے اوپر تمہارا بوجھ ہوگا، اور اگر اطاعت کرو گے تم اس (رسول) کی، تو ہدایت پاؤ گے، اور نہیں ہے رسول کے ذمہ، مگر واضح چیز کا پہنچا دینا (سورہ نحل)

اور قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِنْ تُكَذِّبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (سورة العنكبوت، رقم الآية، ۱۸)

ترجمہ: اور اگر تکذیب کرو گے تم، تو یقیناً تکذیب کر چکیں کئی قومیں، تم سے پہلے، اور نہیں ہے رسول کے ذمہ، مگر واضح چیز کا پہنچا دینا (سورہ عنکبوت)

اور قرآن مجید ہی میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَإِنْ أَعْرَضُوْا فَمَا أَرْسَلْنَاکَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا إِنْ عَلَيْکَ إِلَّا الْبَلَاغُ (سورة الشورىٰ، رقم الآية ۴۸)

ترجمہ: پھر اگر اعراض کریں وہ (لوگ) تو نہیں بھیجا ہم نے (اے رسول) آپ کو اُن پر نگران بنا کر، نہیں ہے آپ کے ذمہ مگر پہنچا دینا (سورہ شوریٰ)

اور قرآن مجید ہی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَأَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ (سورة التغابن ، رقم الآية ۱۲)

ترجمہ: اور اطاعت کرو تم اللہ کی، اور اطاعت کرو تم رسول کی، پھر اگر اعراض کرو تم، تو بس ہمارے رسول کے ذمہ، تو پہنچا دینا ہے واضح چیز کا (سورہ تغابن)

ان اصولی تعلیماتِ ربانی کو پیشِ نظر رکھ کر آنے والا مضمون ملاحظہ کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ بصدق و اخلاص اپنی رضاء کے مطابق حق بات کہنے، سننے اور اس کو قبول کرنے کی توفیق عطاء فرمائے، اور لایعنی اور فضول باتوں اور جنگ وجدل سے اجتناب کرنے و کنارہ کش رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

(فصل نمبر 1)

برزخ وقبر کی حقیقت

پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے فوت ہونے کے بعد سے لے کر بروزِ قیامت دوبارہ زندہ ہوکر اٹھنے کے درمیان کے زمانہ کو''برزخ''قرار دے دیا ہے، اور''برزخ''کے معنیٰ''آڑ''کے آتے ہیں، اسی لیے اس کو''عالمِ برزخ''کہا جاتا ہے۔

''عالمِ برزخ''میں مُردہ پر جو حالات، غمی، یا خوشی کی شکل میں پیش آتے ہیں، ان کو اللہ نے ایمان بالغیب اور اپنی حکمتِ خاص کی بناء پر بندوں سے آڑ اور پردہ میں رکھ دیا ہے، البتہ بعض اوقات کسی حکمت ومصلحت سے اللہ، کسی پر مُردہ کی حالت کو ظاہر بھی فرمادیتا ہے۔

اور مُردہ کو جہاں دفن کیا جاتا ہے، یا جس جگہ میں میت کا جسم، موجود ہوتا ہے، خواہ سلامت ہو، یا منتشر ومتفرق اور متغیر اجزاء کی شکل میں ہو، اس مقام سے میت کی روح کا تعلق ہوتا ہے، جس کی بناء پر وہ اپنی روح کے ساتھ ساتھ جسم میں بھی راحت، یا تکلیف کو پاتا، اور محسوس کرتا ہے۔

اور برزخ میں عذاب کی شکل میں پیش آنے والے حالات اتنے ہولناک ہیں کہ اگر ان کو بندوں پر ظاہر کردیا جاتا، تو وہ ڈر وخوف اور وحشت ودہشت کی وجہ سے مُردوں کو دفن کرنا ہی چھوڑ دیتے، اور اس طرح اللہ کے ایک اہم حکم کی مخالفت کرکے گناہ گار ٹھہرتے، اور برزخ میں پیش آنے والے حالات سے پھر بھی نہ بچ پاتے۔

اس سلسلہ میں قرآن وسنت کی چند نصوص ملاحظہ فرمائیں۔

سورہ مومنون کا حوالہ

قرآن مجید کی سورہ مومنون میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ. لَعَلِّيْ أَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (سورة المومنون، رقم الآيات ۹۹، ۱۰۰)

ترجمہ: یہاں تک کہ جب آتی ہے ان میں سے کسی کے پاس موت، تو کہتا ہے وہ کہ اے میرے رب! لوٹا دیجیے مجھے (دنیا کی طرف) تاکہ میں عمل کروں نیک، ان چیزوں میں، جن کو چھوڑ کر آیا میں (دنیا میں، اللہ کی طرف سے جواب ملتا ہے) ہرگز نہیں! بے شک یہ ایسا کلمہ ہے کہ یہ اس کا کہنے والا ہے، اور ان کے آگے برزخ ہے، اس دن تک کہ (جس دن) ان کو اٹھایا جائے گا (سورہ مومنون)

اس سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد سے لے کر قیامت کا دن قائم ہونے تک، اللہ نے برزخ کو قائم کر دیا ہے۔

سورہ رحمٰن کا حوالہ

اور برزخ کے معنیٰ ''آڑ، رکاوٹ، اور پردہ'' کے آتے ہیں، جیسا کہ سورہ رحمٰن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ. بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ (سورة الرحمٰن، رقم الآية ۱۹، ۲۰)

ترجمہ: ملا دیا اس نے دو دریاؤں کو، جو باہم ایک دوسرے کے ساتھ چلتے ہیں، ان کے درمیان ایک پردہ ہے، جس سے وہ دونوں تجاوز نہیں کرتے (سورہ رحمٰن)

مذکورہ آیت میں ''برزخ'' کا لفظ ''پردہ'' کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ دو مختلف المزاج دریاؤں کے درمیان میں حائل پردہ کسی کو نظر نہیں آتا۔

اور مرنے کے بعد سے لے کر قیامت قائم ہونے تک کے جو حالات و واقعات فوت ہونے

والے پر گزرتے ہیں، ان کو اللہ نے بندوں کی نظروں سے ''آڑ، رکاوٹ، اور پردہ'' میں رکھ دیا ہے، جس کی وجہ سے وہ حالات وواقعات عادتاً انسان کی نظروں سے مخفی رہتے ہیں۔ [1]
مرنے کے بعد عالمِ برزخ میں پیش آنے والے حالات کا تعلق امورِ غیب سے ہے، اور ایسی چیزوں کے متعلق اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بتلائی ہوئی باتوں پر مِنْ وعَنْ ایمان لانا ضروری ہوا کرتا ہے، اس کے مقابلہ میں محض اپنے علم اور عقل سے فیصلہ کرنا درست نہیں ہوا کرتا۔

اسی لیے احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ قبر میں ہونے والے عذاب کی آواز کو، انسان اور جنات کے علاوہ اس کے قریب دوسری مخلوق، بطورِ خاص، چوپائے سنتے ہیں، یعنی انسانوں اور جنات سے قبر کے حالات کو پردہ اور آڑ میں کر دیا گیا ہے، تاکہ ایمان بالغیب کا حکم قائم رہے، اور اگر انسانوں کو یہ آواز سنادی جاتی، تو وہ ڈر کے مارے اپنے مُردوں کو دفن کرنا چھوڑ دیتے۔
البتہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض اوقات قبر و برزخ کے حالات سے آگاہ فرما دیا تھا۔
اور اللہ اپنے کسی رسول پر عالمِ غیب کی کوئی بھی بات اور حالت منکشِف فرما سکتا ہے۔

---

[1] فذلک العذاب فی البرزخ الذی قال اللہ تعالی :ومن ورائهم برزخ إلى يوم يبعثون .وقال أبو صالح وغيره فى قوله تعالى :ومن ورائهم يعنى أمامهم .وقال مجاهد :البرزخ الحاجز ما بين الدنيا والآخرة .وقال محمد بن كعب :البرزخ ما بين الدنيا والآخرة، ليسوا مع أهل الدنيا يأكلون ويشربون ولا مع أهل الآخرة يجازون بأعمالهم .وقال أبو صخر:البرزخ المقابر لا هم فى الدنيا ولا هم فى الآخرة، فهم مقيمون إلى يوم يبعثون(تفسیر ابن کثیر، ج۵، ص ۴۳۰، سورة المؤمنون، تحت رقم الآيات ۹۹، ۱۰۰)

برزخ أى حاجز بين الموت والبعث، قاله الضحاک ومجاهد وابن زيد .وعن مجاهد أيضا أن البرزخ هو الحاجز بين الموت والرجوع إلى الدنيا .وعن الضحاک :هو ما بين الدنيا والآخرة .ابن عباس :حجاب .السدى :أجل .قتادة :بقية الدنيا .وقيل :الإمهال إلى يوم القيامة، حكاه ابن عيسى .الكلبى :هو الأجل ما بين النفختين، وبينهما أربعون سنة .وهذه الأقوال متقاربة .وكل حاجز بين شيئين فهو برزخ .قال الجوهرى :البرزخ الحاجز بين الشيئين .والبرزخ ما بين الدنيا والآخرة من وقت الموت إلى البعث، فمن مات فقد دخل فى البرزخ .وقال رجل بحضرة الشعبى : رحم الله فلانا فقد صار من أهل الآخرة !فقال :لم يصر من أهل الآخرة، ولكنه صار من أهل البرزخ، وليس من الدنيا ولا من الآخرة (تفسير القرطبى، ج ۱۲، ص ۱۵۰، وص ۱۵۱، سورة المؤمنون، تحت رقم الآيات ۹۹، ۱۰۰)

اس سلسلہ میں چند آیات، اور احادیث وروایات ملاحظہ فرمائیں۔

سورہ ھود، اور سورہ جن کا حوالہ

قرآن مجید کی سورہ ھود میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

تِلْکَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَا إِلَیْکَ مَا کُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُکَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا (سورة هود ،رقم الآیة ۴۹)

ترجمہ: یہ غیب کی خبریں ہیں، وحی کرتے ہیں ہم، ان کی آپ کی طرف، نہیں جانتے تھے، آپ خود ان کو اور نہ آپ کی قوم اس سے پہلے (سورہ رحمٰن)

اور سورہ جن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ أَحَدًا. إِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ

(سورة الجن، رقم الآیة ۲۵)

ترجمہ: (اللہ) عالم الغیب ہے، ظاہر نہیں کرتا وہ اپنے غیب پر کسی کو، مگر جس سے راضی ہوتا ہے وہ، رسول میں سے (سورہ جن)

یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تو غیب کی خبر حجت ہے، کسی دوسرے کی طرف سے غیب کی خبر بذاتِ خود حجت نہیں، خواہ کشف کے طور پر ہو، یا الہام کے طور پر ہو، اور خواہ وہ واقع کے مطابق ہو، یا نہ ہو۔

انس رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِهٖ وَتَوَلّٰی عَنْهُ أَصْحَابُهٗ، وَإِنَّهٗ لَیَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ، أَتَاهُ مَلَکَانِ فَیُقْعِدَانِهٖ، فَیَقُوْلَانِ: مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ صَلَّی

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ، فَیَقُوْلُ : أَشْھَدُ أَنَّہٗ عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ، فَیُقَالُ لَہٗ : اُنْظُرْ إِلٰی مَقْعَدِکَ مِنَ النَّارِ قَدْ أَبْدَلَکَ اللّٰہُ بِہٖ مَقْعَدًا مِّنَ الْجَنَّۃِ، فَیَرَاھُمَا جَمِیْعًا ،قَالَ قَتَادَۃُ: وَذُکِرَ لَنَا: أَنَّہٗ یُفْسَحُ لَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ، ثُمَّ رَجَعَ إِلٰی حَدِیْثِ أَنَسٍ ، قَالَ: وَأَمَّا الْمُنَافِقُ وَالْکَافِرُ فَیُقَالُ لَہٗ : مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ؟ فَیَقُوْلُ: لاَ أَدْرِیْ کُنْتُ أَقُوْلُ مَا یَقُوْلُ النَّاسُ، فَیُقَالُ : لاَ دَرَیْتَ وَلاَ تَلَیْتَ، وَیُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِیْدٍ ضَرْبَۃً، فَیَصِیْحُ صَیْحَۃً یَسْمَعُھَا مَنْ یَّلِیْہِ غَیْرُ الثَّقَلَیْنِ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۱۳۷۴، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے، اور اس کے ساتھی جانے لگتے ہیں، اور بے شک یہ (قبر کا مُردہ) ان (جانے والوں) کے جوتوں کی آہٹ کو سنتا ہے (اور اس سے یہ سمجھ جاتا ہے کہ اب دنیا والے سب ایک ایک کر کے، مجھے چھوڑ کر جا رہے ہیں) تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، جو اسے بٹھاتے ہیں، پھر وہ فرشتے کہتے ہیں کہ تو اس آدمی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ پس مومن تو یہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، پھر اس مومن بندہ سے کہا جاتا ہے کہ تو اپنے جہنم کے ٹھکانے کو دیکھ لے، اللہ نے تیرے لئے اس جہنم کے ٹھکانے کو جنت کے ٹھکانے سے تبدیل فرما دیا ہے، پھر وہ ان دونوں ٹھکانوں کو دیکھ لیتا ہے، حضرت قتادہ (راوی) کہتے ہیں کہ ہمیں (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) یہ بھی بتایا گیا کہ اس مومن کی قبر میں کشادگی کر دی جاتی ہے، پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آگے حضرت قتادہ (راوی) نے فرمایا کہ جہاں تک منافق اور کافر کا تعلق ہے، تو اس کو بھی یہ کہا جاتا ہے کہ تو اس آدمی (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ مجھے

معلوم نہیں، میں وہی کچھ کہا کرتا تھا، جو عام لوگ کہتے تھے (یعنی جو کافروں و منافقوں کا رسالت کی تصدیق کیے بغیر کہنا تھا، میں وہی کہتا تھا) پھر اس کو جواب میں کہا جاتا ہے کہ نہ تو تُو نے (خود حق کو) سمجھا، اور نہ (حق سمجھنے والوں کی) اتباع کی، اور اس کو لوہے کے گرزوں سے شدید ضرب لگائی جاتی ہے، پھر وہ ایسی چیخ مارتا ہے، جس کو انسان اور جنات کے علاوہ اس کے قریب والے (دوسرے جانور وغیرہ) سنتے ہیں (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ قبر و برزخ میں ہونے والے عذاب کی آواز کو انسان اور جن کے علاوہ اس کے قریب میں موجود، دوسری مخلوق سنتی ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر کے عذاب کا تعلق، اس جگہ سے بھی ہوتا ہے، جہاں میت کا جسم موجود ہو، خواہ وہ صحیح سالم ہو، یا کسی دوسری حالت میں ہو، اور وہ زمین کے جس حصہ میں بھی ہو، وہ اس کے لیے قبر کا حکم رکھتا ہے، جس کے ساتھ اس کی روح کا تعلق ہوتا ہے۔

انس رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَوْلَا أَنْ لَا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ أَنْ يُسْمِعَكُمْ مِّنْ عَذَابِ الْقَبْرِ (صحيح مسلم، رقم الحديث ٢٨٦٨ "٦٨"، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب عرض مقعد الميت من الجنة أو النار عليه، وإثبات عذاب القبر والتعوذ منه)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم دفن کرنا چھوڑ دو گے، تو میں اللہ سے دعاء کرتا کہ وہ تمہیں عذابِ قبر کو سنا دے (مسلم)

مطلب یہ ہے کہ قبر کے عذاب کی آواز، اتنی وحشت ناک اور ہول ناک ہے کہ اگر یہ آواز

بندوں کو سنادی جاتی، تو وہ ڈر اور خوف کی وجہ سے مُردوں کو دفن کرنا چھوڑ دیتے، اور اس طرح دفن کرنے کے حکمِ الٰہی پر عمل نہ کرتے، اور گناہ گار ٹھہرتے، اس حکمت کی وجہ سے قبر کے عذاب کو ''برزخ'' اور ''حجاب و پردہ'' میں رکھ دیا گیا ہے، اور دوسری حکمت وہی ''غیب پر ایمان'' کے مطلوب ہونے کی ہے، جیسا کہ گزرا۔

اور جب کسی حکمت سے عذابِ قبر کی آواز بندوں کو سنانے سے روک دیا گیا، تو معلوم ہوا کہ فی الواقع قبر میں عذاب کی ایسی آواز ہوتی ہے کہ اس کو قبر کے قریب زمین پر سنا جانا ممکن ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ برزخ کے عذاب کا زمین کے اس حصہ سے بھی تعلق ہوتا ہے، جہاں میت کا جسم موجود ہوتا ہے۔

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

بَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَائِطٍ لِبَنِي النَّجَّارِ، عَلٰى بَغْلَةٍ لَهُ وَنَحْنُ مَعَهُ، إِذْ حَادَتْ بِهٖ فَكَادَتْ تُلْقِيْهِ، وَإِذَا أَقْبُرٌ سِتَّةٌ أَوْ خَمْسَةٌ أَوْ أَرْبَعَةٌ ـ قَالَ: كَذَا كَانَ يَقُوْلُ الْجُرَيْرِيُّ ـ فَقَالَ: مَنْ يَّعْرِفُ أَصْحَابَ هٰذِهِ الْأَقْبُرِ؟ فَقَالَ رَجُلٌ: أَنَا، قَالَ: فَمَتٰى مَاتَ هٰؤُلَاءِ؟ قَالَ: مَاتُوْا فِي الْإِشْرَاكِ، فَقَالَ: إِنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ تُبْتَلٰى فِيْ قُبُوْرِهَا، فَلَوْلَا أَنْ لَّا تَدَافَنُوْا، لَدَعَوْتُ اللّٰهَ أَنْ يُّسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِيْ أَسْمَعُ مِنْهُ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ، فَقَالَ: تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ (صحيح مسلم، رقم الحديث ٢٨٦٧ "٦٧"، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب عرض مقعد الميت من الجنة أو النار عليه، وإثبات عذاب القبر والتعوذ منه)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ''بنو نجار'' کے احاطہ میں ایک خچر پر سوار تھے، اور ہم

بھی آپ کے ساتھ تھے، اچانک وہ بِدک (یعنی ڈر) گیا، اور قریب تھا کہ (اُچھل کود کرنے کی وجہ سے) آپ کو گرادے، اور وہاں پر چھ، یا پانچ، یا چار قبریں تھیں، جریری راوی نے اسی طرح بیان کیا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ان قبر والوں کو پہچانتا ہے؟ ایک آدمی نے کہا کہ میں پہچانتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لوگ کب فوت ہوئے تھے؟ اس شخص نے جواب میں کہا کہ شرک کرنے کی حالت میں فوت ہوئے تھے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امت کو اپنی قبروں میں آزمائش میں ڈالا جاتا ہے، پس اگر تم دفن کرنا نہ چھوڑتے، تو میں اللہ سے دعاء کرتا کہ وہ تمہیں اس عذابِ قبر کو سنا دیتا، جس کو میں سنتا ہوں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم آگ کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرو (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ قبر کا عذاب برحق ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مختلف اوقات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے آگاہ فرمایا ہے، انسان اور جن کے علاوہ دوسری مخلوق اس کی آواز کو سنتی ہے، اس لیے قبر کے قریب سے گزرنے والے ''خچر'' نے اس کی آواز کو سنا، اور اس کی وجہ سے وہ بدک گیا اور ڈر گیا۔

اور بندوں سے اس عذاب کے مشاہدہ کو مخفی رکھنے میں یہ مصلحت ہے کہ وہ ڈر کی وجہ سے دفن کرنے کے عمل کو ترک نہ کر دیں، ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر کا عذاب، دراصل جہنم کے عذاب کا اثر ہے، اسی لیے اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کے عذاب سے حفاظت کے لیے جہنم وآگ کے عذاب سے پناہ طلب کرنے کی تعلیم دی۔

اور ''خچر'' چونکہ عذابِ قبر والی جگہ پہنچ کر بِدکا، جس سے معلوم ہوا کہ میت کا جس مقام اور جگہ میں جسم ہوتا ہے، اس جگہ سے بھی عذاب کا تعلق ہوتا ہے، بالفاظِ دیگر ''عذاب'' کا تعلق روح کے ساتھ ساتھ جسم سے بھی ہوتا ہے۔

اُمِّ مبشر رضی اللہ عنہا کی حدیث

حضرت اُمِّ مبشر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَنَا فِيْ حَائِطٍ مِّنْ حَوَائِطِ بَنِي النَّجَّارِ، فِيْهِ قُبُوْرٌ مِّنْهُمْ، قَدْ مُوْتُوْا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَسَمِعَهُمْ وَهُمْ يُعَذَّبُوْنَ، فَخَرَجَ وَهُوَ يَقُوْلُ: اِسْتَعِيْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَإِنَّهُمْ لَيُعَذَّبُوْنَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ؟ قَالَ: نَعَمْ، عَذَابًا تَسْمَعُهُ الْبَهَائِمُ (مسند أحمد، رقم الحديث ۲۷۰۴۴) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، اور میں ''بنو نجار'' کے باغوں میں سے ایک باغ میں تھی، جس میں ان لوگوں کی قبریں تھیں، جو جاہلیت کے زمانہ میں فوت ہوگئے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عذاب دیے جاتے ہوئے سنا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکل گئے، اور فرمایا کہ تم عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا واقعی اُن کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک! اس طرح عذاب دیا جاتا ہے کہ جس کو چوپائے سنتے ہیں (مسند احمد)

یہ حدیث بھی گزشتہ واقعہ کا تسلسل ہے، جس سے عذابِ قبر کے حقیقی وجود وثبوت کا علم ہوتا ہے، اور یہ بھی کہ اس کو اللہ نے اپنی حکمتِ خاصہ اور بندوں کی مصلحتِ عامہ کی بناء پر، عام انسانوں کی نظروں سے پوشیدہ فرمادیا ہے۔

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسنادٌ رجاله ثقات رجال الشيخين غير أبي سفيان وهو طلحة بن نافع الواسطي -فمن رجال مسلم، وهو صدوق لا بأس به(حاشية مسند احمد)

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

ثُمَّ يُقَيَّضُ لَهُ أَعْمٰى أَبْكَمُ مَعَهُ مِرْزَبَّةٌ مِنْ حَدِيْدٍ لَوْ ضُرِبَ بِهَا جَبَلٌ لَّصَارَ تُرَابًا قَالَ: فَيَضْرِبُهُ بِهَا ضَرْبَةً يَسْمَعُهَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ فَيَصِيْرُ تُرَابًا، ثُمَّ تُعَادُ فِيْهِ الرُّوْحُ (سنن ابی داود، رقم الحديث ۴۷۵۳، كتاب السنة، باب في المسألة في القبر وعذاب القبر) [1]

ترجمہ: پھر اس (کافر) پر ایک ایسے فرشتے کو مسلط کر دیا جاتا ہے جو کہ اندھا اور گونگا ہوتا ہے، اس کے ہاتھ میں اتنا بڑا گرز ہوتا ہے کہ اگر کسی پہاڑ پر مارا جائے، تو وہ پہاڑ مٹی ہو جائے، اور وہ اس گرز سے اس (کافر شخص کو) ایک ضرب لگاتا ہے کہ جس کی آواز جن وانس کے علاوہ مشرق ومغرب کے درمیان ساری مخلوق سنتی ہے، جس سے وہ شخص ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے، پھر اس میں روح کو دوبارہ لوٹا دیا جاتا ہے (اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا ہے) (ابوداؤد)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ قبر کی آواز کو اللہ، انسان اور جن کے علاوہ مشرق سے مغرب تک، جس مخلوق کو بھی چاہے، وہ آواز سنا دیتا ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر کا عذاب، روح کے ساتھ جسم کو بھی ہوتا ہے، اور جس مقام پر میت کا جسم موجود ہو، اس مقام سے بھی عذاب کا تعلق ہوتا ہے۔

ابوسعید خدری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية سنن ابی داؤد)

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ وَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلٰى أَعْنَاقِهِمْ، فَإِنْ كَانَتْ صَالِحَةً، قَالَتْ: قَدِّمُوْنِيْ، وَإِنْ كَانَتْ غَيْرَ صَالِحَةٍ، قَالَتْ: يَا وَيْلَهَا أَيْنَ يَذْهَبُوْنَ بِهَا؟ يَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا الْإِنْسَانَ، وَلَوْ سَمِعَهُ صَعِقَ (صحيح البخاری، رقم الحدیث ۱۳۱۴، کتاب الجنائز، باب حمل الرجال الجنازة دون النساء)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب جنازہ کو چارپائی پر رکھا جاتا ہے، اور اس کو لوگ اپنے کاندھوں پر اٹھاتے ہیں، تو اگر وہ مُردہ نیک صالح ہوتا ہے، تو یہ کہتا ہے کہ مجھے جلدی لے کر چلو (تاکہ میں اللہ کی نعمتوں سے مستفید ہوسکوں) اور اگر وہ مُردہ نیک صالح نہیں ہوتا، تو (خوف ودہشت کی وجہ سے) یہ کہتا ہے کہ ستیاناس ہو، مجھے کہاں لے کر جارہے ہو، اس کی آواز کو، انسان کے علاوہ ہر چیز سنتی ہے، اور اگر انسان اس (کی بھیانک) آواز کو سن لے، تو زوردار چیخ مارے (پھر ممکن تھا کہ دہشت سے مر ہی جاتا) (صحیح بخاری)

اس طرح کی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ مردہ کو جب چارپائی پر اٹھا کر لے جایا جانے لگتا ہے، تو اس کو اللہ کی طرف سے سمجھ بوجھ عطاء کی جاتی ہے، اور وہ اپنے حسبِ عمل، اور اپنی حسبِ شان کلام بھی کرتا ہے، لیکن یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے حکمت کی خاطر انسان سے پردہ داری میں رکھا جاتا ہے۔ [2]

---

[1] عن عبد الرحمن بن مهران، أن أبا هريرة قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ": إذا وضع الرجل الصالح على سريره، قال: قدمونى قدمونى، وإذا وضع الرجل - يعنى السوء - على سريره، قال: يا ويلى أين تذهبون بى (سنن النسائى، رقم الحديث ۱۹۰۸، كتاب الجنائز، السرعة بالجنازة)

[2] (قدمونى) أى: أسرعوا بى إلى منزلى لما يرى فى الجنة العالية من المراتب الغالية. فى الأزهار: المراد من كلام الميت على السرير أما الحقيقة فإنه تعالى قادر وهو كإحيائه فى القبر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ليسأل، بل قد أثبت صلى الله عليه وسلم السمع للميت قبل إتيان الملكين حيث قال :إنه ليسمع قرع نعالهم أتاه ملكان، أو المجاز باعتبار ما يؤول إليه بعد الإدخال والسؤال في القبر اهـ .والثاني: لا يظهر وجهه، فالمعول هو الأول(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٣،ص ١١٩٢،كتاب الجنائز،باب المشي بالجنازة والصلاة عليها)

وقال القارى :إذا وضعت الجنازة أى بين يدى الرجال وهيئت ليحملوها .(قالت) حقيقة بلسان القال بحروف وأصوات يخلقها الله تعالى فيها .قال ابن بزيزة :قوله فى آخر الحديث "يسمع صوتها كل شيء "دال على أنه قول بلسان القال لا بلسان الحال، قيل :يحتمل أن القائل الروح أو الجسد بواسطة رد الروح إليه، وقيل :دعوى إعادة الروح إلى الجسد قبل الدفن يحتاج إلى دليل، والله عزوجل قادر على أن يحدث نطقا فى الميت إذا شاء .(قدمونى) أى لثواب العمل الصالح الذى عملته .قال السندى :كأنه يعتقد أنهم يسمعون قوله، فيقول لهم ذلك، أو أنه تعالى يجرى على لسانه ذلك ليخبر عنه رسوله -صلى الله عليه وسلم -للناس، فتحصل الفائدة بواسطة ذلك الإخبار، والله تعالى اعلم .(قالت لأهلها) قال الطيبى :أى لأجل أهلها إظهارا لوقوعها فى الهلكة، وكل من وقع فى الهلكة دعا بالويل .(يا ويلها) أى ويل الجنازة أى يا هلاكى احضر فهذا أوانك، وكان القياس أن يقول يا ويلى، فعدل إلى إضافة الويل إلى ضمير الغائب حملا على المعنى، كراهة أن يضيف الويل إلى نفسه، أو كأنه لما أبصر نفسه غير صالحة نفر عنها وجعلها كأنها غيره، ويؤيد الأول أن فى رواية أبى هريرة عند النسائى :يا ويلتى أين تذهبون بى، فدل على أن ذلك من تصرف الرواة .(أين تذهبون بها) قالته لأنها تعلم أنها لم تقدم خيرا، وأنها تقدم على ما يسوء ها فتكره القدوم عليه .(يسمع صوتها) المنكر بذلك الويل (كل شيء) أى حتى الجماد، وقيل أى من الحيوان .(إلا الإنسان) بالنصب على الاستثناء .(ولو سمع الإنسان) أى صوتها بالويل المزعج (لصعق) أى لغشى عليه أو مات من شدة هول ذلك، وهذا فى غير الصالح؛ لأن الصالح من شأنه اللطف والرفق فى كلامه، فلا يناسب الصعق من سماع كلامه، وقيل :يحتمل حصول الصعق من سماع كلام الصالح أيضا لكونه غير مألوف .قال السندى :وهذا مبنى على أن المراد لو سمعه أحيانا وإلا فلو سمعه على الدوام لما بقى غير مألوف، والله أعلم-انتهى .وفيه بيان حكمة عدم سماع الإنسان من أنه يختل نظام العالم ويكون الإيمان شهوديا لا غيبيا(مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٥،ص ٣٦٢،كتاب الجنائز،باب المشى بالجنازة والصلاة عليها)

ثُمَّ يَقْمَعُهُ قَمْعَةً بِالْمِطْرَاقِ يَسْمَعُهَا ، خَلْقُ اللّٰهِ كُلُّهُمْ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ

(مسند احمد، رقم الحديث ١١٠٠٠) [1]

ترجمہ: پھر وہ فرشتہ اس (صاحبِ قبر) کو ایک گرز سے اتنے زوردار طریقے پر مارتا ہے کہ جس کی آواز کو اللہ کی سب مخلوق سنتی ہے، سوائے انسان اور جنات کے

(مسند احمد)

اس حدیث سے بھی قبر کے عذاب کا بندوں سے مخفی رکھنا معلوم ہوا۔

بہرحال مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ہر انسان کے فوت ہونے کے بعد قیامت قائم ہونے سے پہلے ''عالمِ برزخ'' میں حسبِ عمل مختلف حقیقی حالات و واقعات پیش آتے ہیں، لیکن وہ عادتاً انسانی حواس اور نظروں سے مخفی و پوشیدہ رکھے جاتے ہیں، اسی وجہ سے اس عالم کو ''برزخ'' کہا جاتا ہے، جس کا تعلق علمِ غیب سے ہے، اور اس سلسلہ میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جن باتوں کو واضح کر دیا گیا، ان پر ایمان لانا ضروری ہے، خواہ وہ سمجھ آئیں، یا نہ آئیں۔

البتہ اللہ کسی حکمت و مصلحت سے بعض اوقات کسی انسان، یا جن پر عذابِ قبر کی کوئی حالت منکشف اور ظاہر فرمادے، تو ایسا ہونا ممکن ہے، اور اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں۔

ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کی قبر اور اس کے جسم سے بھی برزخ میں پیش آنے والے حالات کا تعلق ہوتا ہے، جس کی مکمل حقیقت و کیفیت کا علم، اللہ ہی کو ہے، اس لیے اس میں اس سے زیادہ کھود کرید کرنے کی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی عذابِ قبر سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، ولهذا إسناد حسن، رجاله ثقات رجال الصحيح غير عباد بن راشد(حاشية مسند احمد)

(فصل نمبر 2)

موت کی، نیند سے مشابہت ومماثلت

دوسری بات یہ ہے کہ موت اور اس کے بعد عالمِ برزخ میں غمی، یا خوشی کی شکل میں روح اور جسم کو پیش آنے والے حالات کو دنیا کی چیزوں میں سب سے زیادہ مشابہت اور مماثلت ''نینداور خواب'' کے ساتھ ہے، جو برزخ وقبر میں پیش آنے والے حالات کو سمجھنے کی عمدہ نظیر ومثال ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ''نیند'' کو ''وفات'' سے تعبیر فرمایا ہے، اور احادیث میں ''نیند'' کو موت کی ''بہن'' قرار دیا گیا ہے، اور نیند کو موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سورہ زمر کا حوالہ

قرآن مجید کی سورہ زمر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (سورة الزمر، رقم الآية ۴۲)

ترجمہ: اللہ ہی وفات دیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت، اور ان جانوں کو بھی جن کی موت نہیں آئی ان کے سونے کے وقت، پھر روک لیتا ہے ان جانوں کو، جن پر حکم فرما چکا ہے موت کا، اور (واپس) چھوڑ دیتا ہے باقی جانوں کو ایک مقررہ مدت تک، بے شک اس میں یقینی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے، جو تفکر کرتے ہیں (سورہ زمر)

سورہ انعام کا حوالہ

اورقرآن مجید کی سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰى اَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

(سورة الانعام، رقم الآية ٦٠)

ترجمہ: اور وہی (اللہ) ہے، جو وفات دے دیتا ہے تم کو رات میں، اور جانتا ہے وہ اس کو جو کچھ کماتے ہو تم دن میں، پھر اٹھا دیتا ہے وہ تمہیں دن میں، تا کہ پوری کردی جائے (تمہاری زندگی کی) مقررہ میعاد، پھر اس کی طرف لوٹنے کی جگہ ہے تمہاری، پھر خبردار کرے گا وہ تم کو (بروزِ قیامت) ان (تمام اعمال) سے، جو کرتے تھے تم (سورہ انعام)

مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے نیند اور رات کے وقت جانوں کو وفات دینے کا حکم لگایا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ نیند کے وقت بھی جانوں پر ایک طرح کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ [1]

---

[1] (اللـه يتوفى الأنفس حين موتها و) يتوفى (التى لم تمت فى منامها) أى يتوفاها وقت النوم (فيمسک التى قضى عليها الموت ويرسل الأخرى إلى أجل مسمى) أى وقت موتها والمرسلة نفس التمييز تبقى بدونها نفس الحياة بخلاف العكس (إن فى ذلک) المذكور (لآيات) دلالات (لقوم يتفكرون) فيعلمون أن القادر على ذلک قادر على البعث وقريش لم يتفكروا فى ذلک (تفسير الجلالين، سورة الزمر، تحت رقم الآية ٤٢)

(وهو الذى يتوفاكم بالليل) يقبض أرواحكم عند النوم (ويعلم ما جرحتم) كسبتم (بالنهار ثم يبعثكم فيه) أى النهار برد أرواحكم (ليقضى أجل مسمى) هو أجل الحياة (ثم إليه مرجعكم) بالبعث (ثم ينبئكم بما كنتم تعملون) فيجازيكم به (تفسير الجلالين، سورة الانعام، تحت رقم الآية ٦٠)

والتحقيق أن الآية تتناول النوعين ؛ فإن الله ذكر توفيتين :توفى الموت وتوفى النوم وذكر إمساک المتوفاة وإرسال الأخرى .ومعلوم أنه يمسک كل ميتة سواء ماتت فى النوم أو قبل ذلک ؛ ويرسل من لم تمت .وقوله :(يتوفى الأنفس حين موتها) يتناول ما ماتت فى اليقظة وما ماتت فى النوم ؛ فلما ذكر التوفيتين ذكر أنه يمسكها فى أحد التوفيتين ويرسلها فى الأخرى ؛ وهذا ظاهر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

حِيْنَ نَامُوْا عَنِ الصَّلَاةِ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ أَرْوَاحَكُمْ حِيْنَ شَاءَ، وَرَدَّهَا حِيْنَ شَاءَ، فَقَضَوْا حَوَائِجَهُمْ، وَتَوَضَّئُوْا إِلٰى أَنْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَابْيَضَّتْ، فَقَامَ فَصَلّٰى (صحيح البخاری، رقم الحديث ۷۴۷۱، کتاب التوحيد، باب فی المشيئة والإرادة "وما تشاءون إلا أن يشاء الله")

ترجمہ: (نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام ایک مرتبہ سفر میں فجر کی) نماز کے وقت جب سوتے رہ گئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (بیدار ہونے کے بعد) فرمایا کہ بے شک اللہ تمہاری روحوں کو جب چاہے، قبض کر لیتا ہے اور جب چاہے واپس لوٹا دیتا ہے، پھر انہوں نے قضائے حاجت کی، اور وضو کیا، یہاں تک کہ جب سورج طلوع ہو کر روشن ہو چکا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، اور آپ نے نماز پڑھائی (بخاری)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اللفظ ومدلوله بلا تكلف. وما ذكر من التقاء أرواح النيام والموتى لا ينافي ما في الآية ؛ وليس في لفظها دلالة عليه ؛ لكن قوله: (فيمسک التي قضى عليها الموت) يقتضي أنه يمسكها لا يرسلها كما يرسل النائمة ؛ سواء توفاها في اليقظة أو في النوم (مجموع الفتاویٰ لابن تيمية، ج۵، ص ۴۵۳، کتاب الأسماء والصفات، الاقوال فی قوله تعالى: فيمسک التي قضى عليها الموت)

الله يتوفى الأنفس أي يقبضها عن الأبدان بأن يقطع تعلقها تعلق التصرف فيها عنها حين موتها أي في وقت موتها والتي لم تمت أي ويتوفى الأنفس التي لم تمت في منامها متعلق -بيتوفى- أي يتوفاها في وقت نومها على أن مناما اسم زمان، وجوز فيه كونه مصدرا ميميا بأن يقطع سبحانه تعلقها بالأبدان تعلق التصرف فيها عنها أيضا فتوفي الأنفس حين الموت وتوفيها في وقت النوم بمعنى قبضها عن الأبدان وقطع تعلقها بها تعلق التصرف إلا أن توفيها حين الموت قطع لتعلقها بها تعلق التصرف ظاهرا أو باطنا وتوفيها في وقت النوم قطع لذلک ظاهرا فقط (روح المعانی، ج۱۲، ص ۲۶۲، سورة الزمر، تحت رقم الآية ۴۲)

اس طرح کی اور بھی کئی احادیث وروایات ہیں۔

مذکورہ حدیث میں سونے کے وقت، اللہ کی طرف سے روحوں کو قبض کر لینے کا ذکر ہے، جس سے معلوم ہوا کہ نیند میں ایک طرح سے موت واقع ہو جاتی ہے، اور بیدار ہونے، یا جاگنے پر اللہ، روحوں کو جسموں میں دوبارہ واپس لوٹا دیتا ہے۔

سونے سے پہلے اور جاگنے کے بعد کی کئی مسنون دعاؤں سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ نیند میں ایک طرح کی موت واقع ہو جاتی ہے، اور جاگنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک طرح سے حیات وزندگی عطاء کی جاتی ہے۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اپنے بستر پر آتے تھے، تو یہ دعاء پڑھتے تھے کہ:

اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ أَمُوْتُ وَأَحْيَا.

یعنی اے اللہ! میں آپ کے نام سے ہی مرتا ہوں، اور زندہ بھی ہوتا ہوں۔

اور جب نیند سے بیدار ہوتے تو یہ دعاء پڑھتے تھے کہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُوْرُ.

یعنی ہر قسم کی تعریف اس اللہ کے لئے ہے، جس نے ہمیں، ہمارے مرجانے کے بعد زندہ کر دیا، اور (بالآخر) اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (بخاری) [1]

سونے سے پہلے اور جاگنے کے بعد کی اس دعاء میں واضح طور پر نیند کو موت کا اور جاگنے کو زندہ ہونے کا نام دیا گیا ہے۔

---

[1] عن حذيفة رضي الله عنه، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا أخذ مضجعه من الليل، وضع يده تحت خده، ثم يقول: اللهم باسمک أموت وأحيا وإذا استيقظ قال: الحمد لله الذي أحيانا بعد ما أماتنا وإليه النشور (صحيح البخاري، رقم الحديث ۶۳۱۴، كتاب الدعوات، باب وضع اليد اليمنى تحت الخد الأيمن)

اوراسی لیے حدیث میں نیند کو موت کی بہن قرار دیا گیا ہے۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلنَّوْمُ أَخُو الْمَوْتِ، وَلَا يَنَامُ أَهْلُ الْجَنَّةِ[1] (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۸۸۱۶،و رقم الحدیث ۹۱۹)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیند، موت کی بہن ہے، اور اہلِ جنت سوئیں گے نہیں (طبرانی)

مطلب واضح ہے کہ جس طرح بہن بھائی کی اصل اور جڑ ایک ہوتی ہے، اور دونوں کا ایک باپ، یاماں سے تعلق ہوتا ہے، اسی طرح نینداور موت بھی ایک اصل سے تعلق رکھتے ہیں، اور جنت میں موت کا وجود نہیں، اس لئے اہلِ جنت کوموت کی بہن، یعنی سونے اور نیند کرنے کی ضرورت نہیں، اور جنت میں اللہ تعالیٰ نے عیش وراحت اور چین وسکون کے لئے نیند سے اعلیٰ نعمتیں تیار کررکھی ہیں، اس لئے جنت میں نیند کی ضرورت بھی نہیں۔

اور نیند کی حالت میں، روح کا جسم کے ساتھ تعلق قائم ہوتا ہے، لیکن نیند کی حالت میں پیش آنے والے احوال کا متعلقہ شخص کوتو علم ہوتا ہے، دوسرے لوگوں کوعلم نہیں ہوتا، اسی طرح موت کے بعد، برزخ میں بھی، روح کا جسم کے ساتھ تعلق قائم ہوتا ہے، اور مُردہ کے ساتھ پیش آنے والے حالات کا بھی، مُردہ کوعلم ہوتا ہے، اور دوسرے لوگوں کوعلم نہیں ہوتا۔

اور نیند کوموت کی بہن تعبیر کرنے سے معلوم ہوا کہ نیند من کل الوجوہ یعنی تمام جہات سے

---

[1] قال الهيثمي: رواه الطبراني في الأوسط، والبزار، ورجال البزار رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٨٧٤٠، باب أهل الجنة لا ينامون)

وقال الالباني: وبالجملة، فالحديث صحيح من بعض طرقه عن جابر، والله أعلم(سلسلة الاحاديث الصحيحة، ج٣ص ٧٤، تحت رقم الحديث ١٠٨٧)

موت کی طرح نہیں، کیونکہ دونوں بہنیں ایک دوسرے کا غیر ہوتی ہیں، جن میں بعض چیزوں میں اشتراک اور بعض میں امتیاز وافتراق ہوتا ہے۔

اس وجہ سے موت کے بعد کی حالت بھی نہ من کل الوجوہ ''حیات'' ہے، اور نہ من کل الوجوہ ''ممات'' ہے، بلکہ دنیا اور آخرت کی حیات کے مقابلہ میں ''بین بین'' حالت ہے، لہٰذا کسی ایک جہت کی وجہ سے دوسری جہت کا انکار کرنا، یا اس کو نظر انداز کرنا درست نہیں۔

لیکن حیرت ہے کہ سوتے ہوئے خواب کی حالت میں، انسان کو راحت وتکلیف کی شکل میں پیش آنے والے احوال کو تو مومن وغیر مومن ہر ایک کی طرف سے تسلیم کیا جاتا ہے، جبکہ اس کا دوسرے لوگوں کو مشاہدہ بھی نہیں ہوتا، مگر فوت ہونے کے بعد برزخ وقبر میں انسان کو راحت وتکلیف کی شکل میں پیش آنے والے احوال کا مشاہدہ نہ ہونے کی بناء پر بعض لوگوں کی طرف سے طرح طرح کے شکوک وشبہات کا اظہار کیا جاتا ہے۔

یہ دراصل ایمان کے کمزور اور قدرتِ الٰہی پر پوری نظر نہ ہونے کی علامت ہے۔

اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ آمین۔

خلاصہ یہ کہ موت اور اس کے بعد برزخ وقبر میں پیش آنے والے اچھے، یا برے حالات کو دنیا کی نیند اور خواب کی حالت سے مشابہت ومماثلت حاصل ہے، جس کے پیشِ نظر برزخ وقبر کے عذاب وراحت اور ''برزخی حیات'' کو سمجھنا آسان ہوجاتا ہے، اور کئی قسم کے شکوک وشبہات کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فہمِ سلیم عطاء فرمائے۔ آمین۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

(فصل نمبر 3)

موت کے بعد راحت وعذاب اور روح وبدن کا تعلق

تیسری بات یہ ہے کہ قرآن وسنت سے فوت ہونے کے بعد ہر شخص کے حسبِ عمل قیامت قائم ہونے سے پہلے راحت وخوشی، یا تکلیف وتعذیب کے حالات پیش آنے کا ثبوت ملتا ہے، اور روح کے ساتھ جسم کے تعلق کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

خواہ کسی انسان کو دفن کیا جائے، یا جلا دیا جائے، یا کسی کو درندہ کھالے، یا کوئی انسان پانی میں غرق ہو کر مر جائے، یا کسی بھی دوسرے طریقے سے ذرہ ذرہ کیوں نہ ہو جائے۔

بہرحال اللہ کو اپنی قدرت وحکمت اور حسبِ مشیّت ہر طرح سے راحت، یا عذاب دینے کی قدرت حاصل ہے۔

اور فوت ہونے کے بعد پیش آنے والے حالات کا اصل مرکز تو انسان کی روح ہوتی ہے، لیکن بدن کے ساتھ بھی اس کی روح کا، جس طرح اللہ چاہے، تعلق ہوتا ہے، خواہ وہ دوسروں کو دکھائی دے، یا دکھائی نہ دے، اور سمجھ میں آئے، یا نہ آئے، جیسا کہ نیند اور خواب کی نظیر اور مثال پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔

اب اس تمہید کو ذہن میں رکھ کر قرآن وسنت کی چند تصریحات وعبارات ملاحظہ فرمائیں۔

سورہ غافر کا حوالہ

قرآن مجید کی سورہ غافر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوْءُ الْعَذَابِ .النَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ (سورۃ غافر، رقم الآیات ۴۵، ۴۶)

ترجمہ: اور گھیر لیا آلِ فرعون کو برے عذاب نے، آگ پر پیش کیا جاتا ہے، صبح اور شام، اور جس دن قیامت قائم ہوگی (اس وقت حکم دیا جائے گا کہ) داخل کردو آلِ فرعون کو شدید ترین عذاب میں (سورہ غافر)

یعنی قیامت سے پہلے آلِ فرعون کو روزانہ صبح وشام آگ پر پیش کر کے برزخ کے عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے، اور قیامت کے دن اور اس کے بعد آلِ فرعون کو برزخ کے مقابلہ میں زیادہ شدید عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

مذکورہ آیات میں آلِ فرعون کو قیامت قائم ہونے سے پہلے صبح وشام برزخ کے مخصوص عذاب میں مبتلا کیے جانے کا ذکر ہے، جس سے قبر و برزخ کے عذاب کا ثبوت ہوتا ہے۔ [1]

اور چونکہ مذکورہ آیات میں آلِ فرعون کے عذاب کی روح، یا جسم کے ساتھ تخصیص نہیں کی گئی، نیز دنیا میں جس طرح انسان کی روح اچھے، یا بُرے عمل کی حصہ دار ہوتی ہے، اسی طرح اس کا جسم بھی اس اچھے، یا برے عمل کا حصہ دار ہوتا ہے۔

لہٰذا عدل وانصاف کا تقاضا یہ ہے کہ روح اپنے حصہ کا بدلہ پائے، اور جسم اپنے حصہ کا بدلہ پائے، اور ''کرے کوئی، بھرے کوئی'' والی بات نہ ہو۔

سورہ انعام، سورہ انفال، سورہ توبہ اور سورہ محمد کا حوالہ

سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَوْ تَرٰی إِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرَاتِ الْمَوْتِ، وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوْا أَيْدِيْهِمْ، أَخْرِجُوْا أَنْفُسَكُمُ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ (سورة الانعام، رقم الاية ٩٣)

---

[1] قال الله سبحانه وتعالى :(وحاق بآل فرعون سوء العذاب النار يعرضون عليها غدوا وعشيا) أخبر أنهم بعد ما أغرقوا يعذبون بكرة وأصيلا، ثم قال :(ويوم تقوم الساعة أدخلوا آل فرعون أشد العذاب) أخبر أنهم يعذبون يوم القيامة أشد مما كانوا يعذبون قبله، يعنى فى القبر(شرح السنة، للبغوى، ج٥ص ٤٢١، كتاب الجنائز، باب عذاب القبر)

ترجمہ: اور اگر تو دیکھے، جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے، اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ نکالو تم اپنی جانیں، آج کے دن بدلہ دیا جائے گا تم کو، ذلت والے عذاب کا (سورہ انعام)

مذکورہ آیت میں ظالم لوگوں کی موت کی سختی کے وقت فرشتوں کے ہاتھ پھیلا کر روح نکالنے سے مراد یہ ہے کہ ان پر موت کے وقت فرشتوں کے ذریعے روح نکالنے میں سختی کی جاتی ہے، جس کا کئی احادیث میں ذکر آیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

لہٰذا اس آیت سے بھی موت کے وقت قیامت سے پہلے عذاب کا ثبوت ملتا ہے۔ [1]

اور سورہ انفال میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَوْ تَرٰى إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ . ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيْكُمْ وَأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيْدِ . كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا بِآيَاتِ اللّٰهِ فَأَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (سورة الانفال، رقم الاية ۵۰،الیٰ ۵۳)

ترجمہ: اور اگر دیکھے تو، جب وفات دیتے ہیں، ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا، فرشتے، مارتے ہیں وہ (یعنی فرشتے) ان (کافروں) کے چہروں پر، اور ان

---

[1] وقد دل القرآن على عذاب القبر في مواضع أخر كقوله تعالى:
(ولو ترى إذ الظالمون في غمرات الموت والملائكة باسطو أيديهم أخرجوا أنفسكم اليوم تجزون عذاب الهون بما كنتم تقولون على الله غير الحق وكنتم عن آياته تستكبرون(تفسير ابن رجب-روائع التفسير، ج۲،ص۳۵۵،سورة الواقعة، تحت رقم الآية۹۳، ۹۴)
باب ما جاء في عذاب القبر:وقوله تعالى:"ولو ترى إذ الظالمون في غمرات الموت، والملائكة باسطو أيديهم، أخرجوا أنفسكم اليوم تجزون عذاب الهون"قال أبو عبد الله :الهون :هو الهوان، والهون :الرفق وقوله جل ذكره :"سنعذبهم مرتين، ثم يردون إلى عذاب عظيم"وقوله تعالى: "وحاق بآل فرعون سوء العذاب .النار يعرضون عليها غدوا وعشيا ويوم تقوم الساعة، أدخلوا آل فرعون أشد العذاب"(صحيح البخاري، كتاب الجنائز،باب ما جاء في عذاب القبر)

کی پشتوں پر، اور (وہ فرشتے ان کافروں کو کہتے ہیں کہ) چکھو تم جلنے کا عذاب۔
یہ اُن کرتوتوں کی وجہ سے ہے، جو آگے بھیجے تمہارے ہاتھوں نے، اور بے شک
اللہ نہیں ہے ظلم کرنے والا، بندوں پر۔ جیسا کہ حال ہوا آلِ فرعون کا، اور ان
لوگوں کا، جنہوں نے کفر کیا اِن سے پہلے، اللہ کی آیات کے ساتھ، تو پکڑ لیا ان کو
اللہ نے، ان کے گناہوں کی وجہ سے، بے شک اللہ قوی ہے، شدید عذاب والا ہے
(سورہ انفال)

مذکورہ آیات میں بھی کافروں کے فوت ہونے کے وقت روح قبض کرنے والے فرشتوں کی طرف سے چہروں اور پشتوں پر مارنے اور جلنے کے عذاب کا مزہ چکھنے کا ذکر ہے، اور ساتھ ہی مثال میں آلِ فرعون اور دوسرے کافروں کی حالت کا ذکر ہے۔

اور آلِ فرعون کے بارے میں پہلے گزر چکا ہے کہ ان کو قیامت سے پہلے برزخ میں روزانہ عذاب دیا جاتا ہے۔

لہٰذا اِن آیات سے بھی مرنے کے وقت اور اس کے بعد، قیامت قائم ہونے سے پہلے عذاب کا ثبوت ہوتا ہے، جو کہ برزخ کا عذاب ہی ہے۔

اور چہروں اور پشتوں پر مارنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ برزخ کے عذاب کا تعلق، انسان کے جسم وبدن سے بھی ہوتا ہے، اور چہروں اور پشتوں کو حقیقی معنیٰ سے مجازی معنیٰ کی طرف پھیرنے کی کوئی دلیل نہیں، لہٰذا اس کو حقیقت پر باقی رکھ کر، کسی خاص کیفیت میں پڑے بغیر، جسم وبدن کے عذاب کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔

جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کا بھی یہی قول ہے، جیسا کہ اگلے باب میں باحوالہ آتا ہے۔ [1]

---

[1] فصل فی عذاب القبر "وکل معذب فی الآخرة من کافر، ومؤمن فإنه یمیز بینه وبین من لا عذاب علیه عند نزول الملائکة علیه بقبض روحه، وفی حال القبض وفی الموضع الذی یصار إلیه روحه وبعدما یقبر قال الله عز وجل :"إن الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا"الآیة وما بعدها "قال مجاهد " :ذلک عند الموت، وقال فی الکفار :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سورہ محمد میں بھی اسی طرح کا مضمون آیا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَکَیْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِکَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ . ذٰلِکَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَا أَسْخَطَ اللّٰهَ وَکَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ (سورۃ محمد، رقم الآیۃ ۲۷ و ۲۸)

ترجمہ: پس کیسے ہوگا، جب وفات دیں گے ان کو فرشتے، ماریں گے وہ (یعنی فرشتے) ان کے چہروں پر، اوران کی پشتوں پر۔ یہ اس وجہ سے ہوگا کہ اتباع کی اُنہوں نے ان کاموں کی، جن کاموں نے ناراض کیا اللہ کو، اور ناپسند کیا انہوں نے اس (اللہ) کی رضامندی کو (سورہ محمد)

اور سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَیْنِ، ثُمَّ یُرَدُّوْنَ إِلٰی عَذَابٍ عَظِیْمٍ (سورۃ التوبۃ، رقم الآیۃ ۱۰۱)

ترجمہ: عنقریب عذاب دیں گے ہم ان (منافقوں) کو دو مرتبہ، پھر لوٹایا جائے گا ان کو عذابِ عظیم کی طرف (سورہ توبہ)

''عذابِ عظیم'' سے مراد تو قیامت کے بعد کا عذاب ہے، اور اس سے پہلے دو مرتبہ عذاب سے پہلی مرتبہ زندگی میں ذلت اور رسوائی وغیرہ کا عذاب ہے، اور دوسری مرتبہ برزخ وقبر کا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

"ولو تری إذ یتوفی الذین کفروا الملائکة یضربون وجوههم، وأدبارهم، وذوقوا عذاب الحریق" أی یقولون لهم هذا تعریضا لهم إیاهم أنهم یقدمون علی عذاب الحریق، وقال: "ولو تری إذ الظالمون فی غمرات الموت، والملائکة باسطو أیدیهم" الآیة، فدلت هذه الآیات علی أن الکفار یعنف علیهم فی نزع أرواحهم، وإخراج أنفسهم ویعرفون مع ذلک أنهم قادمون علی الهون والعذاب الشدید کما یرفق بالمؤمنین، ویبشرون بما هم قادمون علیه من الأمن والنعیم المقیم، قال الله عز وجل: "یثبت الله الذین آمنوا" الآیة (شعب الإیمان للبیهقی، ج ۱ ص ۲۰۷، التاسع من شعب الإیمان وهو باب فی أن دار المؤمنین ومآبهم الجنة، ودار الکافرین ومآبهم النار، فصل فی عذاب القبر)

عذاب مراد ہے، جیسا کہ مفسرینِ عظام نے واضح فرمایا ہے۔ [1]

قرآن مجید کی آیات کے علاوہ بہت سی احادیث سے بھی برزخ وقبر کے عذاب اور جسم کے ساتھ روح کے تعلق کا ثبوت ملتا ہے۔

ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ، إِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَمِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَيُقَالُ: هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (صحيح البخارى، رقم الحديث ١٣٧٩، كتاب الجنائز، باب الميت يعرض عليه مقعده بالغداة والعشى)

---

[1] وقوله: (سنعذبهم مرتين) يقول :سنعذب هؤلاء المنافقين مرتين، إحداهما فى الدنيا، والأخرى فى القبر (جامع البيان فى تأويل القرآن، للطبرى، ج١٤، ص ٤٤١، سورة التوبة، تحت رقم الآية ١٠١)

(وممن حولكم) يا أهل المدينة (من الأعراب منافقون) كأسلم وأشجع وغفار (ومن أهل المدينة منافقون أيضا (مردوا على النفاق) لجوا فيه واستمروا (لا تعلمهم نحن نعلمهم سنعذبهم مرتين) بالفضيحة أو القتل فى الدنيا وعذاب القبر (ثم يردون) فى الآخرة (إلى عذاب عظيم) هو النار (تفسير الجلالين، ص٢٥٨، سورة التوبة، تحت رقم الآية ١٠١)

سنعذبهم مرتين اختلف المفسرون فى العذاب الأول مع اتفاقهم على العذاب الثانى هو عذاب القبر بدليل قوله ثم يردون إلى عذاب عظيم وهو عذاب النار فى الآخرة فثبت بهذا أنه سبحانه وتعالى يعذب المنافقين ثلاث مرات مرة فى الدنيا ومرة فى القبر ومرة فى الآخرة أما المرة الأولى وهى التى اختلفوا فيها (تفسير الخازن، ج٢، ص ٤٠٠، سورة التوبة، تحت رقم الآية ١٠١)

والأولى أن يقال مراتب الحياة ثلاثة :حياة الدنيا، وحياة القبر، وحياة القيامة، فقوله :سنعذبهم مرتين المراد منه عذاب الدنيا بجميع أقسامه، وعذاب القبر .وقوله :ثم يردون إلى عذاب عظيم المراد منه العذاب فى الحياة الثالثة، وهى الحياة فى القيامة.

ثم قال تعالى فى آخر الآية :ثم يردون إلى عذاب عظيم يعنى النار المخلدة المؤبدة (التفسير الكبير، لفخر الدين الرازى، ج١٦، ص ١٣١، سورة التوبة، تحت رقم الآية ١٠١)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی فوت ہو جاتا ہے، تو اس کے (جنت، یا جہنم کے) ٹھکانے کو صبح اور شام اس پر پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ اہلِ جنت میں سے ہوتا ہے، تو جنت والے ٹھکانے کو صبح اور شام اس پر پیش کیا جاتا ہے، اور اگر وہ اہلِ جہنم میں سے ہوتا ہے، تو جہنم والے ٹھکانے کو صبح اور شام اس پر پیش کیا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا اصل ٹھکانہ ہے، یہاں تک کہ اللہ قیامت کے دن تجھ کو اٹھائے (بخاری)

جنت، یا جہنم کے ٹھکانے کو روزانہ صبح شام پیش کیا جانا، راحت، اور عذاب سے تعلق رکھتا ہے، جیسا کہ آلِ فرعون کے متعلق بھی اسی طرح کے عذاب کا ذکر قرآن مجید کے حوالہ سے گزر چکا ہے، جس کی تفصیل بعض دوسری احادیث میں آئی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عثمان کے آزاد کردہ غلام ہانی سے روایت ہے کہ:

كَانَ عُثْمَانُ إِذَا وَقَفَ عَلٰى قَبْرٍ بَكٰى، حَتّٰى يَبُلَّ لِحْيَتَهُ، فَقِيلَ لَهُ: تَذْكُرُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ فَلا تَبْكِيْ، وَتَبْكِيْ مِنْ هٰذَا؟ فَقَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: اَلْقَبْرُ أَوَّلُ مَنَازِلِ الْآخِرَةِ، فَإِنْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَيْسَرُ مِنْهُ، وَإِنْ لَّمْ يَنْجُ مِنْهُ، فَمَا بَعْدَهُ أَشَدُّ مِنْهُ قَالَ: وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا رَأَيْتُ مَنْظَرًا قَطُّ إِلَّا وَالْقَبْرُ أَفْظَعُ مِنْهُ (مسند أحمد، تحت رقم الحديث ۴۵۴) [1]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح .هشام بن يوسف :هو هشام بن يوسف الصنعانى الأبناوى قاضى صنعاء .
وأخرجه ابن ماجه (4267) ، والترمذى (2308) ، والحاكم 4/ 331 - 330 من طريق يحيى بن معين، بهذا الإسناد، وحسنه الترمذى، وصححه الحاكم، ووافقه الذهبى.وأخرجه البزار (444) ، والبيهقى فى "شعب الإيمان "(397) من طريقين عن هشام بن يوسف، به(حاشية مسند احمد)

ترجمہ: جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کسی قبر پر رکتے تو اتنا روتے کہ داڑھی تر ہوجاتی، کسی نے ان سے پوچھا کہ جب آپ جنت اور جہنم کا تذکرہ کرتے ہیں، تب تو نہیں روتے اور اس قبر سے رو پڑتے ہیں؟ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قبر دراصل آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے، اگر اس سے نجات پالی، تو اس کے بعد کی منازل آسان ہوں گی، اور اگر اس سے نجات نہیں پائی، تو اس کے بعد کی منازل اس سے زیادہ شدید ہوں گی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے کوئی منظر ایسا نہیں دیکھا، جو قبر سے زیادہ خوف زدہ کرنے والا ہو (مسند احمد)

اس سے صاف ظاہر ہوا کہ قبر اور برزخ بھی آخرت کی ایک منزل ہے، اور اس منزل میں بھی ہر شخص کو اپنے حسبِ عمل راحت، یا عذاب کا معاملہ پیش آتا ہے، ورنہ خلیفۂ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قبر پر کھڑے ہوکر رونے اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنانے کا کوئی مطلب نہ تھا۔

مگر افسوس کہ آج بعض لوگ قبر کی منزل سے خوف تو کیا کھاتے، اُلٹا اس منزل اور اس کی ہولناکی ہی کا انکار کرنے لگے ہیں۔ اللہ حفاظت فرمائے۔ آمین۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ يَهُوْدِيَّةً دَخَلَتْ عَلَيْهَا، فَذَكَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ، فَقَالَتْ لَهَا: أَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، فَسَأَلَتْ عَائِشَةُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، فَقَالَ: نَعَمْ، عَذَابُ الْقَبْرِ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: فَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدُ

صَلّٰی صَلاۃً إِلَّا تَعَوَّذَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ. زَادَ غُنْدَرٌ : عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ

(صحیح البخاری، رقم الحدیث ۱۳۷۲، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر)

ترجمہ: ایک یہودی عورت، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی، اوراس نے عذابِ قبر کا ذکر کیا، اور یہ کہا کہ اللہ تمہیں عذابِ قبر سے محفوظ فرمائے، اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عذابِ قبر کے متعلق سوال کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک عذابِ قبر کا وجود ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بعد جو بھی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، تو آپ نے (نماز کے بعد) عذابِ قبر سے پناہ طلب فرمائی۔ غندر (راوی) کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر کا عذاب برحق ہے (بخاری)

یہ حدیث مسند احمد میں بھی عمدہ سند کے ساتھ مروی ہے۔ [1]

معلوم ہوا کہ قبر کا عذاب، کوئی معمولی چیز نہیں، امتِ مسلمہ کے علاوہ پہلی قوموں کو بھی عذابِ قبر سے ڈرایا گیا تھا، اسی لیے یہودی عورت نے اس کا ذکر کیا، اور آلِ فرعون کا تعلق بھی موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا۔

مگر افسوس کہ آج بعض لوگ مسلمان ہو کر بھی عذابِ قبر کے وجود کو ماننے کے لیے تیار نہیں، اور طرح طرح کی بے تکی تاویلات کر کے معتبر اور صحیح سندوں سے مروی احادیث کا انکار کرنے کے در پے ہیں۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک لمبی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد

---

[1] عن عائشة، أن يهودية دخلت عليها، فذكرت عذاب القبر، فقالت لها: أعاذك الله من عذاب القبر . فسألت عائشة رسول الله صلى الله عليه وسلم عن عذاب القبر، فقال: " نعم، عذاب القبر حق "قالت عائشة: فما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي صلاة بعد إلا تعوذ من عذاب القبر (مسند احمد، رقم الحديث ۲۵۴۱۹)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

مروی ہے کہ:

أَيُّهَا النَّاسُ، لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ بَكَيْتُمْ كَثِيْرًا وَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا، أَيُّهَا النَّاسُ، اِسْتَعِيْذُوا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، فَإِنَّ عَذَابَ الْقَبْرِ حَقٌّ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۴۵۲۰) [1]

ترجمہ: اے لوگو! اگر تم اُن باتوں کو جان لو، جن کو میں جانتا ہوں، تو تم زیادہ روؤ، اور کم ہنسو، اے لوگو! تم اللہ کے ذریعے، عذابِ قبر سے پناہ طلب کرو، کیونکہ قبر کا عذاب برحق ہے (مسند احمد)

معلوم ہوا کہ قبر کا عذاب برحق ہے، خواہ کوئی مانے، یا نہ مانے، اور خواہ کسی کو سمجھ آئے، یا نہ آئے، تب بھی اس حق اور سچ بات پر فرق نہیں پڑتا۔

اگر کوئی اس حق و سچ کی حقیقت کو قبول نہیں کرے گا، تو اس کو اس انکار پر مرنے کے بعد، جب عذابِ قبر کا سامنا کرنا پڑے گا، تب وہ حق اور سچ روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گا، لیکن اس وقت اس پر ایمان لانا فائدہ مند نہ ہوگا، کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کی باتوں پر زندگی میں موت سے پہلے ''ایمان بالغیب'' کے طور پر ایمان لانے کا حکم ہے۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا نَخْلًا لِبَنِي النَّجَّارِ، فَسَمِعَ أَصْوَاتَ رِجَالٍ مِّنْ بَنِي النَّجَّارِ مَاتُوْا فِي الْجَاهِلِيَّةِ يُعَذَّبُوْنَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزِعًا، فَأَمَرَ أَصْحَابَهُ أَنْ يَتَعَوَّذُوْا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ (مسند أحمد، رقم الحديث ۱۴۱۵۲) [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی نجار کے ایک باغ میں داخل ہوئے، جہاں بنی نجار کے چند لوگوں کی چیخ وپکار کوسنا، جو جاہلیت کے زمانے میں فوت ہو گئے تھے، ان کو قبروں میں عذاب دیا جارہا تھا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھبراہٹ کی کیفیت میں باہر تشریف لائے، اور اپنے صحابۂ کرام کو حکم فرمایا کہ وہ قبر کے عذاب سے پناہ طلب کریں (مسند احمد)

اس طرح کی اور بھی کئی روایات ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عذابِ قبر کا معاملہ، اس امت کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ پہلی امتوں اور زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کو بھی اس میں مبتلا کیا گیا، آلِ فرعون کا تعلق بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا۔

اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا کی حدیث

حضرت اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَطِیْبًا فَذَکَرَ فِتْنَۃَ الْقَبْرِ الَّتِیْ یُفْتَتَنُ فِیْھَا الْمَرْءُ، فَلَمَّا ذَکَرَ ذٰلِکَ ضَجَّ الْمُسْلِمُوْنَ ضَجَّۃً (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۱۳۷۳، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا، پھر قبر کے اس فتنے کا ذکر کیا، جس میں آدمی کو مبتلا کیا جاتا ہے، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا ذکر کیا، تو مسلمان (عذابِ قبر کے خوف اور ڈر سے) چیخ وپکار کرنے لگے (بخاری)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان چونکہ نہایت پختہ تھا، اس لیے انہوں نے جب قبر کے احوال کا ذکر سنا، تو ان پر سخت خوف طاری ہوا، جس کی وجہ سے ان پر گریہ طاری ہو گیا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عذابِ قبر سے ڈرنے کے لیے نہ تو کسی شک وشبہ کا اظہار کیا، نہ

ہی آج کل کی طرح کی فضول ولایعنی بحثوں میں الجھے، نہ کیفیت کا سوال کیا، جس کے نتیجہ میں وہ کامیاب اور بامراد ٹھہرے۔

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَائِطٍ مِّنْ حِيْطَانِ الْمَدِيْنَةِ، أَوْ مَكَّةَ، فَسَمِعَ صَوْتَ إِنْسَانَيْنِ يُعَذَّبَانِ فِيْ قُبُوْرِهِمَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ ثُمَّ قَالَ: بَلٰى، كَانَ أَحَدُهُمَا لاَ يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهٖ، وَكَانَ الْآخَرُ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ. ثُمَّ دَعَا بِجَرِيْدَةٍ، فَكَسَرَهَا كِسْرَتَيْنِ، فَوَضَعَ عَلٰى كُلِّ قَبْرٍ مِّنْهُمَا كِسْرَةً، فَقِيْلَ لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا؟ قَالَ: لَعَلَّهٗ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَالَمْ تَيْبَسَا أَوْ: إِلٰى أَنْ يَّيْبَسَا (صحيح البخاري، رقم الحديث ٢١٦، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ، یا مکہ کے باغوں میں سے ایک باغ کے قریب سے گزرے، پھر آپ نے (بحکمِ الٰہی) دو انسانوں کی آواز کو سنا، جن کو قبر میں عذاب دیا جا رہا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو عذاب دیا جا رہا ہے، اور ان کو کسی بڑی (سمجھے جانے والی) چیز میں عذاب نہیں ہو رہا، پھر فرمایا کہ ہاں! ان میں سے ایک تو (پیشاب کرتے وقت) اپنے پیشاب (یعنی پیشاب والے مقام) سے آڑ نہیں کرتا تھا (جس کی وجہ سے چھینٹوں، یا بے پردگی سے حفاظت نہیں ہوتی تھی) اور دوسرا چغل خوری کیا کرتا تھا، پھر آپ نے ایک شاخ منگوائی، جس کو دو ٹکڑے کر دیا، پھر ان میں سے ہر ایک کی قبر پر ایک ٹکڑا رکھ دیا،

آپ سے عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے یہ کیوں کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید ان دونوں کے عذاب کو شاخوں کے خشک ہونے تک ہلکا کر دیا جائے (بخاری)

یہ واقعہ اور بھی کئی سندوں سے مروی ہے، جس کی دوسری سندوں کو طوالت کے خوف کی وجہ سے نقل نہیں کیا جا رہا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عذابِ قبر کی شکل میں انسانی آواز کو سنا، اور قبر ہی سے اس آواز کو سنا، اور قبر پر ہی شاخ کو گاڑا، جس سے قبر کے عذاب کا ثبوت ہوا۔

اور ساتھ ہی برزخ کے عذاب کا قبر اور جسم و بدن سے تعلق بھی ثابت ہوا، جس کا عقلی ڈھکوسلوں کی وجہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

سورہ ابراہیم کا حوالہ

سورہ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظَّالِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ (سورة إبراهيم، رقم الآية ٢٧)

ترجمہ: ثابت قدم رکھتا ہے اللہ، ان لوگوں کو جو ایمان لائے، پختہ قول کے ساتھ، دنیا کی زندگی میں، اور آخرت میں، اور گمراہ کرتا ہے اللہ، ظالموں کو، اور کرتا ہے، اللہ جو چاہتا ہے وہ (سورہ ابراہیم)

مختلف احادیث وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ آیت میں اس پختہ قول سے مراد، توحید ورسالت ہے، جس کی برکت سے قبر میں سوال ہونے کے وقت بندۂ مومن ثابت قدم رہتا ہے، اور اپنے حسبِ عمل راحت ونعمت کو پاتا ہے، اور غیر مومن ثابت قدم نہیں رہتا، جس کے نتیجے میں اس کو اپنے حسبِ عمل عذابِ قبر میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

اس مطلب کی تائید آگے آنے والی احادیث سے ہوتی ہے، اور قرآن مجید کی تفسیر میں احادیث وسنت کی بڑی اہمیت ہے۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث

صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْمُسْلِمُ إِذَا سُئِلَ فِی الْقَبْرِ یَشْھَدُ أَنْ لَّا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ، فَذٰلِکَ قَوْلُہٗ: ”یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْآخِرَۃِ“ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۴۶۹۹، کتاب تفسیر القرآن، باب یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان سے جب قبر میں سوال کیا جاتا ہے، تو وہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ ”اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور محمد، اللہ کے رسول ہیں“ اور یہی اللہ تعالیٰ کے (سورہ ابراہیم میں مذکور) اس قول ”یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْآخِرَۃِ“ کا مطلب ہے (بخاری)

اور صحیح مسلم میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ”یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ“ قَالَ: نَزَلَتْ فِیْ عَذَابِ الْقَبْرِ، فَیُقَالُ لَہٗ: مَنْ رَّبُّکَ؟ فَیَقُوْلُ: رَبِّیَ اللّٰہُ، وَنَبِیِّیْ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَذٰلِکَ قَوْلُہٗ عَزَّ وَجَلَّ: ”یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا، وَفِی الْآخِرَۃِ“ (صحیح مسلم، رقم الحدیث ۲۸۷۱ ”۷۳“،

کتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب عرض مقعد الميت من الجنة أو النار عليه، وإثبات عذاب القبر والتعوذ منه)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (سورہ ابراہیم کی) یہ آیت ''يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ '' قبر کے عذاب (وسوال) کے بارے میں نازل ہوئی ہے، میت سے کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، اور میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اللہ عزوجل کے ارشاد ''يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا، وَفِي الْآخِرَةِ'' (سورہ ابراہیم) سے یہی مراد ہے (مسلم)

صحیح بخاری، اور صحیح مسلم کی عمدہ سند پر مشتمل، مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ سورہ ابراہیم کی مندرجہ بالا آیت سے، برزخ وقبر کی راحت وعذاب کا ثبوت ہوتا ہے۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث

''سنن ابی داؤد میں'' حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنَازَةِ رَجُلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ، فَانْتَهَيْنَا إِلَى الْقَبْرِ وَلَمَّا يُلْحَدُ، فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ كَأَنَّمَا عَلٰى رُءُوْسِنَا الطَّيْرُ، وَفِيْ يَدِهٖ عُوْدٌ يَنْكُتُ بِهٖ فِي الْأَرْضِ، فَرَفَعَ رَأْسَهُ، فَقَالَ: اِسْتَعِيْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مَرَّتَيْنِ، أَوْ ثَلَاثًا.

زَادَ فِيْ حَدِيْثِ جَرِيْرٍ هَاهُنَا وَقَالَ: وَإِنَّهُ لَيَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ حِيْنَ يُقَالُ لَهُ: يَا هٰذَا، مَنْ رَّبُّكَ وَمَا دِيْنُكَ وَمَنْ نَبِيُّكَ؟

قَالَ هَنَّادٌ: قَالَ: وَيَأْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَنْ رَّبُّكَ؟

فَيَقُوْلُ: رَبِّىَ اللّٰهُ، فَيَقُوْلَانِ لَهٗ: مَا دِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ: دِيْنِىَ الْإِسْلَامُ، فَيَقُوْلَانِ لَهٗ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِىْ بُعِثَ فِيْكُمْ؟ قَالَ: فَيَقُوْلُ: هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَقُوْلَانِ: وَمَا يُدْرِيْكَ؟ فَيَقُوْلُ: قَرَأْتُ كِتَابَ اللّٰهِ فَآمَنْتُ بِهٖ وَصَدَّقْتُ.

زَادَ فِىْ حَدِيْثِ جَرِيْرٍ فَذٰلِكَ قَوْلُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ "يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا" الْآيَةُ –

ثُمَّ اتَّفَقَا – قَالَ: فَيُنَادِىْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ: أَنْ قَدْ صَدَقَ عَبْدِىْ، فَأَفْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَأَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ قَالَ: فَيَأْتِيْهِ مِنْ رَوْحِهَا وَطِيْبِهَا قَالَ: وَيُفْتَحُ لَهٗ فِيْهَا مَدَّ بَصَرِهٖ.

قَالَ: وَإِنَّ الْكَافِرَ فَذَكَرَ مَوْتَهٗ قَالَ: وَتُعَادُ رُوْحُهٗ فِىْ جَسَدِهٖ، وَيَأْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ: هَاهْ هَاهْ هَاهْ، لَا أَدْرِىْ، فَيَقُوْلَانِ لَهٗ: مَا دِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ: هَاهْ هَاهْ، لَا أَدْرِىْ، فَيَقُوْلَانِ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِىْ بُعِثَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ: هَاهْ هَاهْ، لَا أَدْرِىْ، فَيُنَادِىْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ: أَنْ كَذَبَ، فَأَفْرِشُوْهُ مِنَ النَّارِ، وَأَلْبِسُوْهُ مِنَ النَّارِ، وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا إِلَى النَّارِ قَالَ: فَيَأْتِيْهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُوْمِهَا قَالَ: وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيْهِ أَضْلَاعُهٗ.

زَادَ فِىْ حَدِيْثِ جَرِيْرٍ قَالَ: ثُمَّ يُقَيَّضُ لَهٗ أَعْمٰى أَبْكَمُ مَعَهٗ مِرْزَبَّةٌ مِنْ حَدِيْدٍ لَوْ ضُرِبَ بِهَا جَبَلٌ لَصَارَ تُرَابًا قَالَ: فَيَضْرِبُهٗ بِهَا ضَرْبَةً يَسْمَعُهَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ فَيَصِيْرُ تُرَابًا، ثُمَّ تُعَادُ فِيْهِ الرُّوْحُ (سنن ابی داود، رقم الحدیث ۴۷۵۳، کتاب السنة، باب فی المسألة فی القبر وعذاب القبر) [1]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية سنن ابی داؤد)

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری شخص کے جنازہ کے لیے نکلے، جب ہم قبر کے قریب پہنچ گئے، اور ابھی قبر تیار نہیں ہوئی تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے، اور ہم بھی آپ کے اردگرد بیٹھ گئے، گویا کہ پرندے ہمارے سروں پر تھے (یعنی ہم ساکن وساکت اور مؤدب ہوکر بیٹھ گئے) اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی، جس سے آپ زمین کو کرید رہے تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر اٹھا کر فرمایا کہ اللہ سے پناہ (وحفاظت) طلب کرو، قبر کے عذاب سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو، یا تین مرتبہ یہ بات فرمائی۔

اور جریر (راوی) کی حدیث میں یہ بات بھی ہے کہ یقینی طور پر میت لوگوں کے جوتوں کی آہٹ کو سنتی ہے، جب وہ اس کے پاس سے لوٹتے ہیں، اس وقت میں اس (میت) سے سوال کیا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے، اور تیرا دین کیا ہے، اور تیرا نبی کون ہے؟

ھنّاد (راوی) کہتے ہیں کہ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، جو اس کو بٹھاتے ہیں، اور اس سے کہتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب میں کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، پھر وہ فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب میں کہتا ہے کہ میرا دین، اسلام ہے، پھر وہ فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ یہ شخص کون ہے، جو تمہارے اندر مبعوث کیا گیا تھا؟ وہ جواب میں کہتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پھر وہ فرشتے کہتے ہیں کہ آپ کو کیا ادراک حاصل ہوا؟ تو وہ کہتا ہے کہ میں نے کتابُ اللہ کو پڑھا، پھر میں اس پر ایمان لایا، اور میں نے اس کی تصدیق کی۔

جریر (راوی) نے اپنی روایت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے (سورہ ابراہیم میں

مذکور)اس قول ''یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ آمَنُوۡا'' سے یہی مراد ہے۔

پھر دونوں راویوں کی روایت میں ہے کہ اس کے بعد آسمان سے یہ ندا دی جاتی ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا، تم اس کے لیے جنت کا فرش بچھا دو، اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دو، اور اس کو جنتی لباس پہنا دو، پھر اس کے پاس جنت کی ہوا اور خوشبو آتی ہے، اور اس کے لیے حدِ نظر تک کشادگی کر دی جاتی ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر کی موت کا بھی ذکر کیا، اور فرمایا کہ اس کی روح کو بھی اس کے جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے، اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، جو اسے بٹھاتے ہیں، پھر وہ اس سے کہتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب میں ''ھاہ ھاہ ھاہ'' مجھے معلوم نہیں کہتا ہے، پھر وہ فرشتے اسے کہتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ تو وہ جواب میں ''ھاہ ھاہ'' مجھے معلوم نہیں، کہتا ہے، پھر وہ فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ یہ شخص کون ہے، جسے تمہارے اندر بھیجا گیا تھا؟ تو وہ یہی کہتا ہے کہ ''ھاہ ھاہ'' مجھے معلوم نہیں، پھر آسمان سے ایک ندا دینے والا ندا دیتا ہے کہ اس نے جھوٹ کہا، تم اس کے لیے آگ کا فرش بچھا دو، اور اس کو آگ کا لباس پہنا دو، اور اس کے لیے آگ کی طرف دروازہ کھول دو، پھر اس کے پاس جہنم کی گرمی اور اس کی بدبو آتی ہے، پھر اس کی قبر کو تنگ کر دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں داخل ہو جاتی ہیں۔

جریر راوی نے اپنی روایت میں فرمایا کہ پھر اس (کافر) پر ایک ایسے فرشتے کو مسلط کر دیا جاتا ہے جو کہ اندھا اور گونگا ہوتا ہے، اس کے ہاتھ میں اتنا بڑا گرز ہوتا ہے کہ اگر کسی پہاڑ پر مارا جائے، تو وہ پہاڑ مٹی ہو جائے، اور وہ اس گرز سے اس (کافر شخص کو) ایک ضرب لگاتا ہے کہ جس کی آواز جن وانس کے علاوہ مشرق

ومغرب کے درمیان ساری مخلوق سنتی ہے، جس سے وہ ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے، پھر اس میں روح کو دوبارہ لوٹا دیا جاتا ہے (اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا ہے) (ابوداؤد)

مذکورہ روایت میں مُردہ کے جوتوں کی آہٹ سننے، قبر میں بٹھائے جانے، قبر کے کشادہ اور تنگ ہونے، پسلیاں ایک دوسرے میں داخل ہونے، مُردہ کے چیخنے، چلانے، اور اس کی آواز کو، انسان اور جنات کے علاوہ سب مخلوق کے سننے کا ذکر ہے، اور ساتھ ہی گُرز لگنے کی وجہ سے ریزہ ریزہ ہونے، اور روح کے لوٹائے جانے کا ذکر ہے۔

جب قبر میں ریزہ ریزہ ہونے کے بعد دوبارہ پہلی حالت میں آنے کا ذکر ہے، تو اگر میت کا جسم ریزہ ریزہ ہوجائے، یا کردیا جائے، جیسا کہ ہندو مذہب کے لوگ مُردہ کو جلا کر ریزہ ریزہ کردیتے ہیں، تو اللہ کے لیے اس کو جمع کرنے، یا اسی حالت پر رکھتے ہوئے، عذاب دیئے جانے میں کون سی رکاوٹ ہوسکتی ہے۔

اور اس طرح کی روایات میں جسم وبدن کے اعضاء اور ان کی حرکات کا ذکر بھی ہے، جس سے جمہور کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ برزخی حیات اور تکلیف وراحت کا تعلق روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوتا ہے، خواہ کسی کو دکھائی نہ دے، اور کسی کو سمجھ نہ آئے، بہرحال علمِ غیب سے متعلق اللہ اور اس کے رسول کی بتلائی ہوئی بات کو ماننے بغیر چارہ نہیں۔

ابوسعید خدری، اور اسماء رضی اللہ عنہما کی احادیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَنَازَةً، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ تُبْتَلٰى فِيْ قُبُوْرِهَا، فَإِذَا الْإِنْسَانُ دُفِنَ فَتَفَرَّقَ عَنْهُ أَصْحَابُهُ، جَائَهُ مَلَكٌ فِيْ يَدِهٖ مِطْرَاقٌ فَأَقْعَدَهُ، قَالَ: مَا تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ؟فَإِنْ كَانَ مُؤْمِنًا قَالَ:

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، فَيَقُوْلُ: صَدَقْتَ ثُمَّ يُفْتَحُ لَهٗ بَابٌ إِلَى النَّارِ، فَيَقُوْلُ: هٰذَا كَانَ مَنْزِلُكَ لَوْ كَفَرْتَ بِرَبِّكَ، فَأَمَّا إِذْ آمَنْتَ فَهٰذَا مَنْزِلُكَ، فَيُفْتَحُ لَهٗ بَابٌ إِلَى الْجَنَّةِ، فَيُرِيْدُ أَنْ يَنْهَضَ إِلَيْهِ فَيَقُوْلُ لَهٗ: اُسْكُنْ وَيُفْسَحُ لَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ.
وَإِنْ كَانَ كَافِرًا أَوْ مُنَافِقًا يَقُوْلُ لَهٗ: مَا تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُوْلَ: لَا أَدْرِيْ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا، فَيَقُوْلُ: لَا دَرَيْتَ، وَلَا تَلَيْتَ، وَلَا اهْتَدَيْتَ، ثُمَّ يُفْتَحُ لَهٗ بَابٌ إِلَى الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ: هٰذَا مَنْزِلُكَ لَوْ آمَنْتَ بِرَبِّكَ، فَأَمَّا إِذْ كَفَرْتَ بِهٖ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ أَبْدَلَكَ بِهٖ هٰذَا، وَيُفْتَحُ لَهٗ بَابٌ إِلَى النَّارِ، ثُمَّ يَقْمَعُهٗ قَمْعَةً بِالْمِطْرَاقِ يَسْمَعُهَا، خَلْقُ اللّٰهِ كُلُّهُمْ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا أَحَدٌ يَقُوْمُ عَلَيْهِ مَلَكٌ فِيْ يَدِهٖ مِطْرَاقٌ إِلَّا هِيْلَ عِنْدَ ذٰلِكَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ" (مسند احمد، رقم الحديث ١١٠٠٠) [1]

ترجمہ: میں ایک جنازے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! اس امت کی ان کی قبروں میں آزمائش کی جاتی ہے، چنانچہ جب انسان کو دفن کر دیا جاتا ہے، اور اس کے ساتھی منتشر ہو جاتے ہیں، تو اس کے پاس فرشتہ آتا ہے، جس کے ہاتھ میں گُرز ہوتا ہے، وہ اسے بٹھاتا ہے، اور کہتا ہے کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اگر وہ مومن ہوتا ہے، تو وہ یہ کہتا ہے کہ "أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" یہ سن کر فرشتہ کہتا ہے کہ تم نے سچ کہا، پھر اس کے لیے جہنم کی

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، ولهذا إسناد حسن، رجاله ثقات رجال الصحيح غير عباد بن راشد (حاشية مسند احمد)

طرف ایک دروازہ کھول کر کہا جاتا ہے کہ اگر تم کفر کرتے، تو تمہارا یہ ٹھکانہ ہوتا، لیکن چونکہ تم ایمان لا چکے ہو، اس لیے اب تمہارا ٹھکانہ یہ ہے، اور اس کے لیے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، یہ مومن اس کی طرف بڑھنا چاہتا ہے، تو فرشتہ اس سے کہتا ہے کہ ابھی آپ ٹھہرے رہیں، اور اس کی قبر کو کشادہ کر دیا جاتا ہے (یعنی جنت میں آخرت کے اعتبار سے باضابطہ داخل ہوئے بغیر ہی جنت والی نعمت وراحت والی آسائش کے اثرات پہنچنے لگتے ہیں)

اور اگر وہ کافر، یا منافق ہوتا ہے، تو وہ فرشتہ اس سے کہتا ہے کہ تم اس شخص (محمد) کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا، میں نے لوگوں کو اُن کے بارے میں کچھ کہتا ہوا سنا تھا، وہ فرشتہ اس سے کہتا ہے کہ نہ تو تُو نے سمجھ بوجھ حاصل کی، اور نہ (سمجھ بوجھ والوں کی) اتباع کی، اور نہ ہدایت پائی، پھر اس کے لیے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول کر کہا جاتا ہے کہ اگر تو اپنے رب پر ایمان لے آتا، تو تیرا یہ ٹھکانہ ہوتا، لیکن تو نے اس کے ساتھ کفر کیا، اس لیے اللہ عزوجل نے تیرے لیے یہ ٹھکانہ بدل دیا ہے، اور اس کے لیے جہنم کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے، پھر وہ فرشتہ اس کو ایک گُرز سے اتنے زوردار طریقے پر مارتا ہے کہ جس کی آواز کو اللہ کی سب مخلوق سنتی ہے، سوائے انسان اور جنات کے، بعض لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ فرشتہ تو جس کے سامنے بھی ہاتھ میں گرز لے کر کھڑا ہوگا (خواہ وہ مومن کیوں نہ ہو) تو اس موقع پر وہ سخت گھبراہٹ کا شکار ہوگا؟ اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سورہ ابراہیم کی) یہ آیت تلاوت فرمائی کہ ''یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ'' (اللہ ایمان والوں کو مضبوط قول، یعنی کلمہ توحید کے ذریعے ثابت قدم رکھتا ہے) (مسند احمد)

مطلب یہ ہے کہ مومن بندہ، قبر میں سوال و جواب کے وقت ایمان کی وجہ سے ثابت قدم اور ہمت وحوصلہ کے ساتھ ہوگا، اسے گھبراہٹ نہیں ہوگی۔

اس حدیث سے بھی قبر میں راحت، یا تکلیف کا ثبوت ہوا، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جہاں پر مُردہ کا جسم و بدن موجود ہوتا ہے، جنت کی راحت، یا جہنم کی تکلیف کا اثر وہاں بھی پہنچتا ہے، خواہ کوئی اس کو مانے، یا نہ مانے، بہرحال فوت ہونے کے بعد ہر شخص کے ساتھ اس کے اعمال کے اعتبار سے مختلف احوال پیش آ کر ہی رہیں گے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: قَالَ: إِذَا دَخَلَ الْإِنْسَانُ قَبْرَهُ، فَإِنْ كَانَ مُؤْمِنًا، أَحَفَّ بِهٖ عَمَلُهُ، الصَّلَاةُ وَالصِّيَامُ قَالَ: فَيَأْتِيهِ الْمَلَكُ مِنْ نَحْوِ الصَّلَاةِ، فَتَرُدُّهُ، وَمِنْ نَحْوِ الصِّيَامِ، فَيَرُدُّهُ قَالَ: فَيُنَادِيهِ اِجْلِسْ، قَالَ: فَيَجْلِسُ، فَيَقُولُ لَهُ: مَاذَا تَقُولُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ، يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: مَنْ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ قَالَ: أَنَا أَشْهَدُ أَنَّهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَقُوْلُ: وَمَا يُدْرِيكَ؟ أَدْرَكْتَهُ؟ قَالَ: أَشْهَدُ أَنَّهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ: يَقُوْلُ: عَلٰى ذٰلِكَ عِشْتَ، وَعَلَيْهِ مِتَّ، وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ قَالَ: وَإِنْ كَانَ فَاجِرًا، أَوْ كَافِرًا قَالَ جَاءَ الْمَلَكُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ شَيْءٌ يَرُدُّهُ قَالَ: فَأَجْلَسَهُ قَالَ: يَقُولُ: اِجْلِسْ، مَاذَا تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ؟ قَالَ: أَيُّ رَجُلٍ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ قَالَ: يَقُولُ: وَاللّٰهِ مَا أَدْرِيْ، سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا، فَقُلْتُهُ قَالَ: فَيَقُوْلُ لَهُ الْمَلَكُ: عَلٰى ذٰلِكَ عِشْتَ، وَعَلَيْهِ مِتَّ، وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ قَالَ: وَتُسَلَّطُ عَلَيْهِ دَابَّةٌ فِيْ قَبْرِهٖ، مَعَهَا سَوْطٌ، ثَمَرَتُهُ جَمْرَةٌ مِثْلُ غَرْبِ الْبَعِيْرِ، تَضْرِبُهُ مَا شَاءَ اللّٰهُ، صَمَّاءُ لَا تَسْمَعُ

صَوْتَهُ فَتَرْحَمَهُ (مسند أحمد، رقم الحديث ٢٦٩٧٦) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان اپنی قبر میں چلا جاتا ہے، تو اگر مومن ہوتا ہے، تو اس کا عمل نماز، روزہ، اس کو گھیر لیتا ہے، فرشتہ اس کی نماز والی طرف سے آتا ہے، تو نماز اس کو روک دیتی ہے، اور فرشتہ روزہ والی طرف سے آتا ہے، تو روزہ اس کو روک دیتا ہے، پھر وہ فرشتہ اس شخص کو آواز دیتا ہے کہ بیٹھ جاؤ، پھر وہ بیٹھ جاتا ہے، پھر فرشتہ اس کو کہتا ہے کہ اس آدمی کے بارے میں آپ کیا کہتے ہو؟ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہ وہ کون ہیں؟ یہ جواب میں کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، فرشتہ کہتا ہے کہ تم نے ان سے کیا پایا، وہ کہتا ہے کہ میں نے ان سے یہ پایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، فرشتہ کہتا ہے کہ اسی پر تم زندہ رہے، اسی پر تم مرے، اور اسی پر تمہیں قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔

اور اگر وہ فاسق وفاجر، یا کافر ہوتا ہے، تو فرشتہ آتا ہے، اور اس کے اور میت کے درمیان کوئی عمل حائل نہیں ہوتا، پھر اس کو فرشتہ بٹھاتا ہے، اور کہتا ہے کہ بیٹھ جا، تُو اس آدمی کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ وہ جواب میں کہتا ہے کہ کون سے آدمی کے بارے میں، فرشتہ کہتا ہے کہ محمد کے بارے میں، وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا، میں نے لوگوں کو ان کے بارے میں کچھ کہتا ہوا سنا تھا، پس میں نے بھی کوئی ایسی ویسی بات کہہ دی تھی، اس کو فرشتہ کہتا ہے کہ اسی پر تُو زندہ رہا، اور اسی پر تُو مرا، اور اسی پر تجھے قیامت کے دن اٹھایا جائے گا، پھر اس کی قبر میں جانور کو مسلط کر دیا جاتا ہے، جس کے ساتھ کوڑے ہوتے ہیں، اور اس میں اونٹ کے پانی پینے والے برتن کی طرح (بڑا) آگ کا انگارا ہوتا ہے، وہ جتنا اللہ چاہتا ہے، اس کو

[1] قال شعيب الارنؤوط: رجاله ثقات رجال الصحيح غير أن محمد بن المنكدر لم يذكروا له سماعاً من أسماء بنت أبي بكر، وهو قد أدركها (حاشية مسند احمد)

مارتا ہے، اور وہ بہرا ہوتا ہے، جو اس کی آواز کو نہیں سنتا کہ اس پر رحم کر سکے (اس لیے دردناک عذاب ہوتا ہے) (مسند احمد)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ قبر میں نیک اعمال، عذاب سے حفاظت کا ذریعہ بنتے ہیں، اور نیک اعمال سے محرومی اور گناہ کا ارتکاب، عذابِ قبر کا ذریعہ بنتے ہیں۔

اور اس حدیث میں جانور کے مسلط ہونے کا ذکر ہے، ممکن ہے کہ عذاب دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض لوگوں پر جانوروں کو، اور بعض لوگوں پر فرشتوں کو مسلط کیا جاتا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ فرشتہ ہی کو جانور کی شکل میں بھیج دیا جاتا ہو۔ واللہ اعلم۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الْمَيِّتَ إِذَا وُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ إِنَّهٗ يَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ حِيْنَ يُوَلُّوْنَ عَنْهُ فَإِنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَانَتِ الصَّلَاةُ عِنْدَ رَأْسِهٖ وَكَانَ الصِّيَامُ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَكَانَتِ الزَّكَاةُ عَنْ شِمَالِهٖ وَكَانَ فِعْلُ الْخَيْرَاتِ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالصِّلَةِ وَالْمَعْرُوْفِ وَالْإِحْسَانِ إِلَى النَّاسِ عِنْدَ رِجْلَيْهِ فَيُؤْتٰى مِنْ قِبَلِ رَأْسِهٖ فَتَقُوْلُ الصَّلَاةُ: مَا قِبَلِيْ مَدْخَلٌ ثُمَّ يُؤْتٰى عَنْ يَّمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ الصِّيَامُ: مَا قِبَلِيْ مَدْخَلٌ ثُمَّ يُؤْتٰى عَنْ يَّسَارِهٖ فَتَقُوْلُ الزَّكَاةُ: مَا قِبَلِيْ مَدْخَلٌ ثُمَّ يُؤْتٰى مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ فَتَقُوْلُ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالصِّلَةِ وَالْمَعْرُوْفِ وَالْإِحْسَانِ إِلَى النَّاسِ: مَا قِبَلِيْ مَدْخَلٌ.

فَيُقَالُ لَهٗ: اِجْلِسْ فَيَجْلِسُ وَقَدْ مُثِّلَتْ لَهُ الشَّمْسُ وَقَدْ أُدْنِيَتْ لِلْغُرُوْبِ فَيُقَالُ لَهٗ: أَرَأَيْتَكَ هٰذَا الرَّجُلَ الَّذِيْ كَانَ فِيْكُمْ مَا تَقُوْلُ

فِيْهِ وَمَاذَا تَشَهَّدُ بِهٖ عَلَيْهِ؟ فَيَقُوْلُ : دَعُوْنِىْ حَتّٰى أُصَلِّىَ فَيَقُوْلُوْنَ: إِنَّكَ سَتَفْعَلُ أَخْبِرْنِىْ عَمَّا نَسْأَلُكَ عَنْهُ أَرَأَيْتَكَ هٰذَا الرَّجُلَ الَّذِىْ كَانَ فِيْكُمْ مَا تَقُوْلُ فِيْهِ وَمَاذَا تَشَهَّدُ عَلَيْهِ؟ قَالَ فَيَقُوْلُ: مُحَمَّدٌ أَشْهَدُ أَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَأَنَّهٗ جَاءَ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَيُقَالُ لَهٗ : عَلٰى ذٰلِكَ حَيِيْتَ وَعَلٰى ذٰلِكَ مِتَّ وَعَلٰى ذٰلِكَ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ يُفْتَحُ لَهٗ بَابٌ مِّنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَيُقَالُ لَهٗ : هٰذَا مَقْعَدُكَ مِنْهَا وَمَا أَعَدَّ اللّٰهُ لَكَ فِيْهَا فَيَزْدَادُ غِبْطَةً وَسُرُوْرًا ثُمَّ يُفْتَحُ لَهٗ بَابٌ مِّنْ أَبْوَابِ النَّارِ فَيُقَالُ لَهٗ هٰذَا مَقْعَدُكَ مِنْهَا وَمَا أَعَدَّ اللّٰهُ لَكَ فِيْهَا لَوْ عَصَيْتَهٗ فَيَزْدَادُ غِبْطَةً وَّسُرُوْرًا ثُمَّ يُفْسَحُ لَهٗ فِىْ قَبْرِهٖ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا وَيُنَوَّرُ لَهٗ فِيْهِ، وَيُعَادُ الْجَسَدُ لِمَا بَدَأَ مِنْهُ فَتُجْعَلُ نَسْمَتُهٗ فِى النَّسَمِ الطَّيِّبِ وَهِىَ طَيْرٌ يُعَلَّقُ فِىْ شَجَرِ الْجَنَّةِ قَالَ : فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى : ’’يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِى الْآخِرَةِ‘‘ إِلٰى آخِرِ الْآيَةِ .

قَالَ : وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا أُتِىَ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهٖ لَمْ يُوْجَدْ شَىْءٌ ثُمَّ أُتِىَ عَنْ يَمِيْنِهٖ فَلَا يُوْجَدُ شَىْءٌ ثُمَّ أُتِىَ عَنْ شِمَالِهٖ فَلَا يُوْجَدُ شَىْءٌ ثُمَّ أُتِىَ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ فَلَا يُوْجَدُ شَىْءٌ فَيُقَالُ لَهٗ : اِجْلِسْ فَيَجْلِسُ خَائِفًا مَرْعُوْبًا فَيُقَالُ لَهٗ : أَرَأَيْتَكَ هٰذَا الرَّجُلَ الَّذِىْ كَانَ فِيْكُمْ مَاذَا تَقُوْلُ فِيْهِ؟ وَمَاذَا تَشَهَّدُ بِهٖ عَلَيْهِ؟ فَيَقُوْلُ: أَىُّ رَجُلٍ؟ فَيُقَالُ : اَلَّذِىْ كَانَ فِيْكُمْ فَلَا يَهْتَدِىْ لِاِسْمِهٖ حَتّٰى يُقَالَ لَهٗ: مُحَمَّدٌ فَيَقُوْلُ: مَا أَدْرِىْ سَمِعْتُ النَّاسَ قَالُوْا قَوْلًا فَقُلْتُ كَمَا قَالَ النَّاسُ، فَيُقَالُ لَهٗ : عَلٰى ذٰلِكَ حَيِيْتَ وَعَلٰى ذٰلِكَ مِتَّ وَعَلٰى ذٰلِكَ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ يُفْتَحُ لَهٗ

بَابٌ مِّنْ أَبْوَابِ النَّارِ فَيُقَالُ لَهُ: هٰذَا مَقْعَدُكَ مِنَ النَّارِ وَمَا أَعَدَّ اللّٰهُ لَكَ فِيهَا فَيَزْدَادُ حَسْرَةً وَّثُبُورًا ثُمَّ يُفْتَحُ لَهُ بَابٌ مِّنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَيُقَالُ لَهُ: ذٰلِكَ مَقْعَدُكَ مِنَ الْجَنَّةِ وَمَا أَعَدَّ اللّٰهُ لَكَ فِيهِ لَوْ أَطَعْتَهُ فَيَزْدَادُ حَسْرَةً وَّثُبُورًا ثُمَّ يُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهُ حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيهِ أَضْلَاعُهُ فَتِلْكَ الْمَعِيشَةُ الضَّنْكَةُ الَّتِي قَالَ اللّٰهُ: ''فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكاً وَّنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمٰى'' (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۳۱۱۳، كتاب الجنائز، فصل فى أحوال الميت فى قبره) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مُردہ کو جب اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے، تو وہ لوگوں کے (تدفین سے فارغ ہوکر) لوٹتے ہوئے (بحکمِ الٰہی) جوتوں کی آواز کو سنتا ہے (تاکہ اسے یہ بات سمجھ آجائے کہ اب کوئی انسان ساتھ دینے والا نہیں) پھر اگر وہ مومن (صالح) ہوتا ہے، تو نماز اس کے سر کی طرف اور روزے اس کی دائیں طرف اور زکاۃ اس کی بائیں طرف، اور صدقہ اور (رشتہ داروں سے) صلہ رحمی اور نیک سلوک اور لوگوں کے ساتھ احسان (ونیکی) کرنے کا عمل، اس کے پیروں کی طرف آجاتا ہے، پھر جب اس کے سر کی طرف سے کوئی چیز آتی ہے، تو نماز کہتی ہے کہ میرے سامنے سے کوئی راستہ نہیں ہے، پھر جب اس کی دائیں طرف سے کوئی چیز آتی ہے، تو روزے کہتے ہیں کہ میری طرف سے کوئی راستہ نہیں ہے، پھر جب اس کی بائیں طرف سے کوئی چیز آتی ہے، تو زکاۃ کہتی ہے کہ میری طرف سے کوئی راستہ نہیں، پھر جب اس کے پیروں کی طرف سے کوئی چیز آتی ہے، تو صدقہ اور (رشتہ داروں سے) صلہ رحمی اور نیک سلوک اور لوگوں کے ساتھ احسان (ونیکی) کرنے کا عمل کہتا ہے کہ میری طرف سے کوئی

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية ابنِ حبان)

راستہ نہیں ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تو بیٹھ جا، تو وہ بیٹھ جاتا ہے، اور اس کو سورج غروب ہونے کے مثل (منظر) محسوس ہوتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تیرا اس آدمی کے بارے میں کیا عقیدہ ہے، جو تمہارے درمیان میں (مبعوث کیا گیا) تھا؟ تُو ان کے بارے میں کیا کہتا ہے، اور تُو ان کے بارے میں کس چیز کی گواہی دیتا ہے؟ تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ تم مجھے چھوڑ دو، یہاں تک کہ میں نماز پڑھ لوں (یعنی یہ نمازی مومن کی نشانی، اور اس بات کی علامت ہوگی کہ وہ ہر کام میں اللہ سے نماز پڑھ کر رجوع کرنے کا اہتمام کیا کرتا تھا) تو وہ کہنے والے (فرشتے) کہتے ہیں کہ بے شک تو عنقریب یہ عمل کر لے گا، ہمیں اس چیز کے بارے میں بتاؤ، جس کے بارے میں ہم تجھ سے سوال کر رہے ہیں، تیرا اس آدمی کے بارے میں کیا عقیدہ ہے، جو تمہارے درمیان میں (مبعوث کیا گیا) تھا؟ تُو ان کے بارے میں کیا کہتا ہے، اور تُو ان کے بارے میں کس چیز کی گواہی دیتا ہے؟ تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ یہ محمد ہیں، جن کے بارے میں، میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ کے پاس سے حق لے کر آئے (جس میں قبر کی اس حالت کا بھی ذکر تھا) پھر اس کو کہا جاتا ہے کہ تُو اسی عقیدہ پر زندہ تھا، اور اسی پر تُو فوت ہوا، اور اسی پر تجھے ان شاء اللہ اٹھایا جائے گا، پھر اس کے لئے جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، پھر اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ جنت میں تیرا ٹھکانہ ہے، اور اس میں وہ چیزیں ہیں، جس کو اللہ نے تیرے لئے تیار کر رکھا ہے، پھر اس کے رشک اور خوشی میں اضافہ ہو جاتا ہے، پھر اس کے لئے جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھولا جاتا ہے، پھر اس کو کہا جاتا ہے کہ اگر تُو اس (یعنی، اللہ) کی نافرمانی کرتا، تو یہ تیرا اس جہنم میں ٹھکانہ تھا، اور اس میں جو کچھ اللہ نے تیار کر رکھا تھا، پھر اس کے رشک اور خوشی میں اور اضافہ ہو جاتا

ہے، پھراس کی قبر میں ستّر ہاتھ تک کشادگی کردی جاتی ہے، اور قبر میں اس کے لئے روشنی کردی جاتی ہے، اوراس کے جسم کواس چیز کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے، جس سے وہ پیدا ہوا تھا، پھراس کی روح کو پاکیزہ روحوں میں کردیا جاتا ہے، اوروہ پرندہ کی شکل میں ہوتی ہے، جو جنت کے درخت میں لٹکی ہوئی ہوتی ہے، اور یہی اللہ تعالیٰ کے (سورہ ابراہیم میں مذکور) اس قول ''**يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ**'' سے مراد ہے۔

اور کافر کے جب سر کی طرف سے کوئی چیز آتی ہے، تو کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی، پھر اس کی دائیں طرف سے آتی ہے، تو وہاں بھی کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی، پھراس کی بائیں طرف سے آتی ہے، تو وہاں بھی کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی، پھراس کے پیروں کی طرف سے آتی ہے، تو وہاں بھی کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی (یعنی اس کے نامۂ اعمال میں نماز، زکاۃ وغیرہ نہیں ہوتے، جواس کی عذاب سے حفاظت کا ذریعہ بنیں) پھراس سے کہا جاتا ہے کہ تو بیٹھ جا، پھر وہ خوف زدہ اور وحشت کی حالت میں بیٹھ جاتا ہے، پھراس سے کہا جاتا ہے کہ تیرا اس آدمی کے بارے میں کیا عقیدہ ہے، جو تمہارے درمیان میں (مبعوث کیا گیا) تھا، تُو ان کے بارے میں کیا کہتا ہے، اور تُو ان کے بارے میں کس چیز کی گواہی دیتا ہے؟ تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ کون سا آدمی؟ اس کو جواب میں کہا جاتا ہے کہ جو تمہارے درمیان میں (مبعوث کیا گیا) تھا، اس کو نام تک بھی معلوم نہیں ہوتا، یہاں تک کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ محمد، تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا، میں نے لوگوں کو ان کے بارے میں کچھ کہتا ہوا سنا تھا، تو میں نے بھی وہی کچھ کہا، جو لوگ کہتے تھے، پھر اس کو کہا جاتا ہے کہ تو اسی عقیدہ پر زندہ رہا، اور اسی پر فوت ہوا، اور اسی پر ان شاء اللہ اٹھایا جائے گا، پھراس کے لئے جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، پھراس کو کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا جہنم میں ٹھکانہ ہے، اور جو کچھ اللہ نے

تیرے لئے اس میں تیار کررکھا ہے، تو اس کی حسرت اور غم میں اضافہ ہو جاتا ہے، پھر اس کے لئے جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھولا جاتا ہے، پھر اس کو کہا جاتا ہے کہ اگر تُو ان کا کہنا مانتا، تو تیرا جنت میں یہ ٹھکانہ تھا، اور جو کچھ اللہ نے تیرے لئے اس میں تیار کررکھا تھا (وہ بھی تجھے ملتا) تو اس کی حسرت اور غم میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے، پھر اس پر اس کی قبر کو تنگ کردیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں، تو یہی وہ تنگ زندگی ہے، جس کے بارے میں اللہ نے (سورہ طٰہٰ میں) فرمایا (جس کا ترجمہ یہ ہے) کہ بے شک اس کے لئے تنگ زندگی ہے، اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے (ابنِ حبان)

اس حدیث میں میت کے سر اور پاؤں اور دائیں، بائیں کی جہات واطراف کا ذکر ہے، اور میت کے بیٹھنے اور پسلیوں وغیرہ کا بھی ذکر ہے، اور قبر کے کشادہ ہونے، اور تنگ ہونے کا بھی ذکر ہے، اور جنت اور جہنم کے دروازے کھولے جانے کا بھی ذکر ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد، روح پر پیش آنے والے، راحت اور عذاب والے حالات کا جسم، زمین اور قبر سب کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔

اور جنت، یا جہنم کے دروازے کھولے جانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ باضابطہ مکمل جسم اور روح کے تعلق کے ساتھ تو جنت، یا جہنم میں قیامت کے بعد ہی داخل کیا جائے گا، اس سے پہلے برزخ وقبر میں اس کی روح، جسم کے ساتھ ساتھ جنت، یا جہنم کے اثرات کو پاتی ہے۔

اور اس طرح کی احادیث میں میت کو دفن کرنے کے بعد، واپس لوٹنے والے لوگوں کے جوتوں کی آہٹ کو سننے کا بھی ذکر ہے، جس کا کئی دوسری روایات میں بھی ذکر ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا قُبِرَ أَحَدُكُمْ أَوِ الْإِنْسَانُ أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَزْرَقَانِ يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا: اَلْمُنْكَرُ وَالْآخَرُ: النَّكِيْرُ فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ؟ فَهُوَ قَائِلٌ مَا كَانَ يَقُوْلُ فَإِنْ كَانَ مُؤْمِنًا قَالَ: هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ فَيَقُوْلَانِ لَهُ: إِنْ كُنَّا لَنَعْلَمُ إِنَّكَ لَتَقُوْلُ ذٰلِكَ ثُمَّ يُفْسَحُ لَهُ فِيْ قَبْرِهٖ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فِيْ سَبْعِيْنَ ذِرَاعًا وَيُنَوَّرُ لَهُ فِيْهِ فَيُقَالُ لَهُ: نَمْ فَيَنَامُ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ الَّذِىْ لَا يُوْقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهٖ إِلَيْهِ حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذٰلِكَ.

وَإِنْ كَانَ مُنَافِقًا قَالَ: لَا أَدْرِىْ كُنْتُ أَسْمَعُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَكُنْتُ أَقُوْلُهُ فَيَقُوْلَانِ لَهُ: إِنْ كُنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُوْلُ ذٰلِكَ ثُمَّ يُقَالُ لِلْأَرْضِ: اِلْتَئِمِىْ عَلَيْهِ فَتَلْتَئِمُ عَلَيْهِ حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيْهَا أَضْلَاعُهُ فَلَا يَزَالُ مُعَذَّبًا حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذٰلِكَ (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ٣١١٧، كتاب الجنائز، فصل فى أحوال الميت فى قبره) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی شخص، یا انسان کو قبر (وبرزخ) میں پہنچا دیا جاتا ہے، تو اس کے پاس دو سیاہ، نیلی آنکھوں والے فرشتے آتے ہیں، جن میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے، پھر وہ دونوں فرشتے اس قبر والے سے کہتے ہیں کہ تم اس آدمی، یعنی محمد کے بارے میں

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده قوى (حاشية صحيح ابنِ حبان)

کیا کہتے ہو؟ پس وہ قبر والا جواب میں وہی کچھ کہتا ہے، جو وہ (دنیا میں) کہا کرتا تھا، پس اگر وہ مومن ہوتا ہے، تو جواب میں کہتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، پھر وہ فرشتے اس قبر والے سے کہتے ہیں کہ بے شک ہم جانتے تھے کہ تو یہی کہے گا، پھر اس کے لئے ستّر ستّر ہاتھ تک قبر میں کشادگی کر دی جاتی ہے، اور اس کے لئے نور وروشنی کر دی جاتی ہے، پھر اس کو کہا جاتا ہے کہ تم سو جاؤ، پھر وہ نئے دولہا (ودلہن) کی نیند سو جاتا ہے کہ جس کو اس کے گھر کے سب سے زیادہ محبت کرنے والے لوگ ہی بیدار کرتے ہیں، یہاں تک کہ اس کو اللہ اس کے اس لیٹنے کی جگہ سے (قیامت کے دن) اٹھائے گا۔

اور اگر وہ قبر والا منافق ہوتا ہے، تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ مجھے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں) معلوم نہیں، میں لوگوں کو ان کے متعلق کچھ کہتا ہوا سنا کرتا تھا، پس میں بھی ان کے بارے میں وہی کچھ کہا کرتا تھا، تو وہ فرشتے اس کو کہتے ہیں کہ بے شک ہم جانتے تھے کہ تو یہی کہے گا، پھر زمین کو کہا جاتا ہے کہ اس پر لپٹ جا، تو وہ زمین اس پر لپٹ جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں، پھر اس کو برابر عذاب دیا جاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کو اللہ اس کے اس لیٹنے کی جگہ سے (قیامت کے دن) اٹھائے گا (ابنِ حبان)

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ [1]

---

[1] عن أبی هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " إذا قبر الميت — أو قال: أحدكم — أتاه ملكان أسودان أزرقان، يقال لأحدهما: المنكر، وللآخر: النكير، فيقولان: ما كنت تقول فی هذا الرجل؟ فيقول: ما كان يقول: هو عبد الله ورسوله، أشهد أن لا إله إلا الله، وأن محمدا عبده ورسوله، فيقولان: قد كنا نعلم أنك تقول هذا، ثم يفسح له فی قبره سبعون ذراعا فی سبعين، ثم ينور له فيه، ثم يقال له، نم، فيقول:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس حدیث میں قبر، زمین اور پسلیوں وغیرہ کا اور اسی جگہ سے بروزِ قیامت اٹھائے جانے کا صاف طور پر ذکر ہے، جس سے معلوم ہوا کہ مُردہ پر راحت، یا عذاب کی شکل میں پیش آنے والے حالات کا تعلق روح کے ساتھ ساتھ جسم اور اس زمین کے ساتھ بھی ہوتا ہے، جہاں مُردہ کو دفن کیا جاتا ہے، یا جہاں بھی اس کے جسم وبدن کے اجزاء ہوتے ہیں، خواہ وہ کسی بھی شکل اور کیفیت میں ہوں۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ برزخ وقبر میں لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ نہیں ہوتا، بعض کو میٹھی نیند اس طرح سُلا دیا جاتا ہے کہ وہ قیامت کے دن ہی دوبارہ اٹھے گا، اور بعض کو سوئے بغیر اچھے، یا بُرے احوال پیش آتے ہیں، اور یہ سب کچھ لوگوں کے اعمال مختلف ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ہمیں تو کسی مُردہ کی قبر تنگ، یا کشادہ نظر نہیں آتی، کیونکہ ہم اس کے جواب میں وہی بات کہیں گے، جو پہلے کہہ چکے ہیں، اور بار بار کہہ چکے ہیں کہ یہ سب ماجرا، برزخ اور آڑ میں ہوتا ہے، جس طرح بھی اللہ کو منظور ہو، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

أرجع إلى أهلي فأخبرهم، فيقولان: نم كنومة العروس الذى لا يوقظه إلا أحب أهله إليه، حتى يبعثه الله من مضجعه ذلك، وإن كان منافقا قال: سمعت الناس يقولون، فقلت مثله، لا أدرى، فيقولان: قد كنا نعلم أنك تقول ذلك، فيقال للأرض: التئمى عليه، فتلتئم عليه، فتختلف فيها أضلاعه، فلا يزال فيها معذبا حتى يبعثه الله من مضجعه ذلك.

وفى الباب عن على، وزيد بن ثابت، وابن عباس، والبراء بن عازب، وأبى أيوب، وأنس، وجابر، وعائشة، وأبى سعيد، كلهم رووا عن النبى صلى الله عليه وسلم فى عذاب القبر، حديث أبى هريرة حديث حسن غريب (سنن الترمذى، رقم الحديث ١٠٧١، أبواب الجنائز عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء فى عذاب القبر)

[1] ومما يدل على وقوع العذاب على الأجساد الأحاديث الكثيرة فى تضييق القبر على الميت حتى تختلف أضلاعه ولأنه لو كان العذاب على الروح خاصة لم يختص العذاب بالقبر ولم ينسب إليه (أهوال القبور وأحوال أهلها إلى النشور ،لا بن رجب الحنبلى،ص٨٥،الباب الثامن :فيما ورد من سماع الموتى كلام الأحياء ومعرفتهم بمن يسأل عليهم ويزروهم ومعرفتهم بحالهم بعد الموت وحال أقاربهم فى الدنيا)

سورہ فجر کا حوالہ

قرآن مجید کی سورہ فجر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ .ارْجِعِيْ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً . فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ .وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (سورة الفجر، رقم الآيات ٢٧ الى ٣٠)

ترجمہ: اے اطمینان والے نفس، لوٹ جا تُو اپنے رب کی طرف راضی ہونے کی حالت میں، اور راضی کیا ہوا ہونے کی حالت میں، پھر داخل ہوجا تُو، میرے بندوں میں، اور داخل ہوجا تُو، میری جنت میں (سورہ فجر)

مذکورہ آیت میں اطمینان والے نفس کو جو خطاب کیا گیا ہے، اور احادیث وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب، مومن اور خاص کر نیک بندے کو فوت ہونے کے وقت ہوتا ہے۔

ابو ہریرہ اور براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی حدیث

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے معتبر سند کے ساتھ روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَال: إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا حُضِرَ، أَتَتْهُ الْمَلَائِكَةُ بِحَرِيْرَةٍ فِيْهَا مِسْكٍ، وَمِنْ ضَبَائِرَ الرَّيْحَانِ، وتُسَلُّ رُوْحُهٗ كَمَا تُسَلُّ الشَّعَرَةُ مِنَ الْعَجِيْنِ، وَيُقَالُ: يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ، اُخْرُجِيْ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً، مَرْضِيًّا عَنْكِ، وطُوِيَتْ عَلَيْهِ الْحَرِيْرَةُ، ثُمَّ يَبْعَثُ بِهَا إِلٰى عِلِّيِّيْنَ.

وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا حُضِرَ أَتَتِ الْمَلَائِكَةُ بِمِسْحٍ فِيْهِ جَمْرَةٌ، فَتُنْزَعُ رُوْحُهٗ اِنْتِزَاعًا شَدِيْدًا، وَيُقَالُ: أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيْثَةُ، اُخْرُجِيْ سَاخِطَةً مَسْخُوْطًا عَلَيْكِ إِلٰى هَوَانٍ وَعَذَابٍ، وَإِذَا خَرَجَتْ رُوْحُهٗ، وَوُضِعَتْ عَلٰى تِلْكَ الْجَمْرَةِ، فَإِنَّ لَهَا نَشِيْشًا، فَيُطْوٰى عَلَيْهَا

الْمَسُحُ، وَيُذْهَبُ بِهَا إِلٰى سِجِّيْنٍ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۲۷۴۲، مسند البزار، رقم الحدیث ۹۵۴۱)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن کی موت کا وقت آتا ہے، تو اس کے پاس فرشتے ریشمی کپڑا لے کر آتے ہیں، جس میں مشک کی خوشبو ہوتی ہے، اور ریحان کی خوشبو کا بنڈل ہوتا ہے، اور اس کی روح (آسانی کے ساتھ) اس طرح نکالی جاتی ہے، جس طرح آٹے میں سے بال نکال لیا جاتا ہے، اور اس کو کہا جاتا ہے کہ اے اطمینان والے نفس! نکل جا تُو اپنے رب کی طرف راضی ہونے کی حالت میں، اور راضی کیا ہوا ہونے کی حالت میں، تُو اللہ کی طرف سے راضی کیا ہوا ہے (جیسا کہ سورۃُ الفجر کی آیت میں ہے) اور اس کے اوپر ریشمی کپڑے کو لپیٹ دیا جاتا ہے، پھر اس کو ''علیین'' کی طرف بھیج دیا جاتا ہے۔

اور جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے، تو فرشتے اس کے پاس بوسیدہ، بدبودار کپڑا لے کر آتے ہیں، جس میں آگ کا انگارہ ہوتا ہے، پھر اس کی روح کو سخت انداز میں کھینچا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ اے خبیث نفس! تُو ذلت اور عذاب کی طرف نکل جا، اس حال میں کہ تُو (موت اور اس کے بعد والے حالات سے) ناراض ہے، اور تجھ سے (رب بھی) ناراض ہے، اور جب اس کی روح نکلتی ہے، اور اس کو اس آگ کے انگارے پر رکھا جاتا ہے، تو اس میں جوش مارنے کی آواز آتی ہے، پھر اس پر اس بوسیدہ، بدبودار کپڑے کو لپیٹ دیا جاتا ہے، اور اسے ''سجین'' کی طرف لے جایا جاتا ہے (طبرانی، مسند البزار)

اس طرح کی ایک حدیث کو امام بیہقی نے بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ [1]

---

[1] وأخبرنا أبو عبد الله، وأبو سعيد قالا، ثنا أبو العباس، ثنا محمد بن إسحاق، ثنا يحيى بن أبي بكير، ثنا محمد بن عبد الرحمن يعني ابن أبي ذئب، عن محمد بن عمرو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

معلوم ہوا کہ انسان کے فوت ہونے کے وقت اس کی روح کو قبض کرنے کے لیے فرشتے آتے ہیں، اوراس سے کلام کرتے ہیں، مگر یہ فرشتوں کا آنا اور کلام کرنا، دوسرے لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ حالت میں ہوتا ہے۔

آج کل جدید سائنس کے ذریعے سے بھی بہت سی ایسی اشیاء اور زندہ چیزیں معلوم کرلی گئی ہیں، جو انسانوں کو اپنی آنکھوں سے نظر نہیں آتیں۔

چنانچہ آج کل انٹرنیٹ اور موبائل سروس کے ذریعہ آوازیں، تصویریں، تحریریں، یعنی آڈیو اور وڈیو پروگرام، وائس میسج وغیرہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک بھیجے جاتے ہیں، اوروہ متعلقہ مخصوص شخص کو ہی پہنچتے ہیں، جس کو پہنچانا مقصود ہوتا ہے، لیکن وہ چیزیں اورآوازیں، کسی کو بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچتے ہوئے، نہ کسی کو آنکھوں سے دکھائی دیتیں، نہ ہی کانوں سے سنائی دیتیں۔

پھراس حدیث میں مومن بندہ کی روح کو فرشتوں کی طرف سے، اس طرح خطاب کرنے کا ذکر ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بن عطاء ، عن سعيد بن يسار، عن أبي هريرة عن النبي قال " :إن الميت تحضره الملائكة فإذا كان الرجل الصالح قالوا :اخرجي أيتها النفس المطمئنة كانت في الجسد، اخرجي حميدة وأبشري بروح وريحان ورب غير غضبان، فما يزال يقال له ذلك حتى تخرج فيعرج بها حتى ينتهي بها إلى السماء فيستفتح لها فيقال :من هذا؟ فيقال :فلان بن فلان، فيقال :مرحبا بالنفس الطيبة كانت في الجسد الطيب، ادخلي حميدة وأبشري بروح وريحان ورب غير غضبان، فلا يزال يقال لها ذلك حتى ينتهي بها إلى السماء ، أظنه أراد السماء السابعة قال :وإذا كان الرجل السوء قالوا :اخرجي أيتها النفس الخبيثة كانت في الجسد الخبيث ذميمة وأبشري بحميم وغساق وآخر من شكله أزواج، فلا يزال يقال له ذلك حتى تخرج فينتهي بها إلى السماء ، فيقال :من هذا؟ فيقال :فلان بن فلان، فيقال :لا مرحبا بالنفس الخبيثة كانت في الجسد الخبيث، ارجعي ذميمة فإنه لا تفتح لك أبواب السماء ، فترسل إلى الأرض ثم تصير إلى القبر (إثبات عذاب القبر وسؤال الملكين، للبيهقي ، رقم الحديث ۳۵، صفحه۴۵، باب نزول الملائكة عند الموت ببشرى المؤمن ووعيد الكافر)

’’أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ، اُخْرُجِيْ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً‘‘

’’اے اطمینان والے نفس! نکل جا تُو اپنے رب کی طرف راضی ہونے کی حالت میں، اور راضی کیا ہوا ہونے کی حالت میں‘‘

اور پھر اس کو اعزاز و اکرام کے ساتھ ’’علیین‘‘ کی طرف بھیجنے کا ذکر ہے، اور ’’علیین‘‘ سے اللہ کے نیک بندے مراد ہیں، جس سے سورۃ الفجر کی مندرجہ بالا آیت کی تفسیر ہوتی ہے۔

اور مسند احمد میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت ہے کہ:

خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِيْ جِنَازَةِ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَانْتَهَيْنَا إِلَى الْقَبْرِ، وَلَمَّا يُلْحَدْ، فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ، كَأَنَّ عَلٰى رُءُوْسِنَا الطَّيْرَ، وَفِيْ يَدِهٖ عُوْدٌ يَنْكُتُ فِي الْأَرْضِ، فَرَفَعَ رَأْسَهُ، فَقَالَ: اِسْتَعِيْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مَرَّتَيْنِ، أَوْ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ إِذَا كَانَ فِيْ انْقِطَاعٍ مِّنَ الدُّنْيَا وَإِقْبَالٍ مِنَ الْآخِرَةِ، نَزَلَ إِلَيْهِ مَلَائِكَةٌ مِنَ السَّمَاءِ بِيْضُ الْوُجُوْهِ، كَأَنَّ وُجُوْهَهُمُ الشَّمْسُ، مَعَهُمْ كَفَنٌ مِنْ أَكْفَانِ الْجَنَّةِ، وَحَنُوْطٌ مِنْ حَنُوْطِ الْجَنَّةِ، حَتّٰى يَجْلِسُوْا مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ، ثُمَّ يَجِيْءُ مَلَكُ الْمَوْتِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، حَتّٰى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهٖ، فَيَقُوْلُ: أَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ، اخْرُجِيْ إِلٰى مَغْفِرَةٍ مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ قَالَ: فَتَخْرُجُ تَسِيْلُ كَمَا تَسِيْلُ الْقَطْرَةُ مِنْ فِي السِّقَاءِ، فَيَأْخُذُهَا، فَإِذَا أَخَذَهَا لَمْ يَدَعُوْهَا فِيْ يَدِهٖ طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتّٰى يَأْخُذُوْهَا، فَيَجْعَلُوْهَا فِيْ ذٰلِكَ الْكَفَنِ، وَفِيْ ذٰلِكَ الْحَنُوْطِ، وَيَخْرُجُ مِنْهَا كَأَطْيَبِ نَفْحَةِ مِسْكٍ وُجِدَتْ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ قَالَ: فَيَصْعَدُوْنَ بِهَا، فَلَا يَمُرُّوْنَ، يَعْنِيْ بِهَا، عَلٰى مَلَإٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ، إِلَّا قَالُوْا: مَا هَذَا الرُّوْحُ

الطَّيِّبُ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ، بِأَحْسَنِ أَسْمَائِهِ الَّتِيْ كَانُوْا يُسَمُّوْنَهُ بِهَا فِي الدُّنْيَا، حَتّٰى يَنْتَهُوْا بِهَا إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَيَسْتَفْتِحُوْنَ لَهُ، فَيُفْتَحُ لَهُمْ فَيُشَيِّعُهُ مِنْ كُلِّ سَمَاءٍ مُقَرَّبُوْهَا إِلَى السَّمَاءِ الَّتِيْ تَلِيْهَا، حَتّٰى يُنْتَهٰى بِهٖ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: اُكْتُبُوْا كِتَابَ عَبْدِيْ فِيْ عِلِّيِّيْنَ، وَأَعِيْدُوْهُ إِلَى الْأَرْضِ، فَإِنِّيْ مِنْهَا خَلَقْتُهُمْ، وَفِيْهَا أُعِيْدُهُمْ، وَمِنْهَا أُخْرِجُهُمْ تَارَةً أُخْرٰى. قَالَ: فَتُعَادُ رُوْحُهُ فِيْ جَسَدِهٖ، فَيَأْتِيْهِ مَلَكَانِ، فَيُجْلِسَانِهٖ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَنْ رَّبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ:رَبِّيَ اللّٰهُ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَا دِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ: دِيْنِيَ الْإِسْلَامُ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ: هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ: وَمَا عِلْمُكَ؟ فَيَقُوْلُ: قَرَأْتُ كِتَابَ اللّٰهِ، فَآمَنْتُ بِهٖ وَصَدَّقْتُ، فَيُنَادِيْ مُنَادٍ فِي السَّمَاءِ: أَنْ صَدَقَ عَبْدِيْ، فَأَفْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَأَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَافْتَحُوْا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ قَالَ: فَيَأْتِيْهِ مِنْ رَوْحِهَا، وَطِيْبِهَا، وَيُفْسَحُ لَهُ فِيْ قَبْرِهٖ مَدَّ بَصَرِهٖ قَالَ: وَيَأْتِيْهِ رَجُلٌ حَسَنُ الْوَجْهِ، حَسَنُ الثِّيَابِ، طَيِّبُ الرِّيْحِ، فَيَقُوْلُ: أَبْشِرْ بِالَّذِيْ يَسُرُّكَ، هٰذَا يَوْمُكَ الَّذِيْ كُنْتَ تُوْعَدُ، فَيَقُوْلُ لَهُ: مَنْ أَنْتَ؟ فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ يَجِيْءُ بِالْخَيْرِ، فَيَقُوْلُ: أَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحُ، فَيَقُوْلُ: رَبِّ أَقِمِ السَّاعَةَ حَتّٰى أَرْجِعَ إِلٰى أَهْلِيْ، وَمَالِيْ قَالَ: وَإِنَّ الْعَبْدَ الْكَافِرَ إِذَا كَانَ فِي انْقِطَاعٍ مِنَ الدُّنْيَا وَإِقْبَالٍ مِّنَ الْآخِرَةِ، نَزَلَ إِلَيْهِ مِنَ السَّمَاءِ مَلَائِكَةٌ سُوْدُ الْوُجُوْهِ، مَعَهُمُ الْمُسُوْحُ، فَيَجْلِسُوْنَ مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ، ثُمَّ يَجِيْءُ مَلَكُ الْمَوْتِ، حَتّٰى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهٖ، فَيَقُوْلُ: أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيْثَةُ،

اُخْرُجِیْ إِلٰی سَخَطٍ مِنَ اللّٰہِ وَغَضَبٍ قَالَ: فَتُفَرَّقُ فِیْ جَسَدِہٖ، فَیَنْتَزِعُهَا كَمَا یُنْتَزَعُ السَّفُّوْدُ مِنَ الصُّوْفِ الْمَبْلُوْلِ، فَیَأْخُذُهَا، فَإِذَا أَخَذَهَا لَمْ یَدَعُوْهَا فِیْ یَدِہٖ طَرْفَةَ عَیْنٍ حَتّٰی یَجْعَلُوْهَا فِیْ تِلْکَ الْمُسُوْحِ، وَیَخْرُجُ مِنْهَا كَأَنْتَنِ رِیْحِ جِیْفَةٍ وُجِدَتْ عَلٰی وَجْهِ الْأَرْضِ، فَیَصْعَدُوْنَ بِهَا، فَلَا یَمُرُّوْنَ بِهَا عَلٰی مَلَاءٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ، إِلَّا قَالُوْا: مَا هٰذَا الرُّوْحُ الْخَبِیْثُ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ بِأَقْبَحِ أَسْمَائِهِ الَّتِیْ كَانَ یُسَمّٰی بِهَا فِی الدُّنْیَا، حَتّٰی یُنْتَهٰی بِہٖ إِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا، فَیُسْتَفْتَحُ لَهٗ، فَلَا یُفْتَحُ لَهٗ ، ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ، فَیَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: اُكْتُبُوْا كِتَابَهٗ فِیْ سِجِّیْنٍ فِی الْأَرْضِ السُّفْلٰی، فَتُطْرَحُ رُوْحُهٗ طَرْحًا ثُمَّ قَرَأَ: وَمَنْ یُشْرِکْ بِاللّٰهِ، فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّیْرُ أَوْ تَهْوِیْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ مَكَانٍ سَحِیْقٍ، فَتُعَادُ رُوْحُهٗ فِیْ جَسَدِہٖ، وَیَأْتِیْهِ مَلَكَانِ، فَیُجْلِسَانِہٖ، فَیَقُوْلَانِ لَهٗ: مَنْ رَّبُّکَ؟ فَیَقُوْلُ: هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِیْ، فَیَقُوْلَانِ لَهٗ: مَا دِیْنُکَ؟ فَیَقُوْلُ: هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِیْ، فَیَقُوْلَانِ لَهٗ: مَاهٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِیْكُمْ؟ فَیَقُوْلُ: هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِیْ، فَیُنَادِیْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ أَنْ كَذَبَ، فَافْرِشُوْا لَهٗ مِنَ النَّارِ، وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا إِلَی النَّارِ، فَیَأْتِیْهِ مِنْ حَرِّهَا، وَسَمُوْمِهَا، وَیُضَیَّقُ عَلَیْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰی تَخْتَلِفَ فِیْهِ أَضْلَاعُهٗ، وَیَأْتِیْهِ رَجُلٌ قَبِیْحُ الْوَجْهِ، قَبِیْحُ الثِّیَابِ، مُنْتِنُ الرِّیْحِ، فَیَقُوْلُ: أَبْشِرْ بِالَّذِیْ یَسُوْئُکَ، هٰذَا یَوْمُکَ الَّذِیْ كُنْتَ تُوْعَدُ، فَیَقُوْلُ: مَنْ أَنْتَ؟ فَوَجْهُکَ الْوَجْهُ یَجِیْءُ بِالشَّرِّ، فَیَقُوْلُ:

أَنَا عَمَلُکَ الْخَبِيْثُ، فَيَقُوْلُ: رَبِّ لَا تُقِمِ السَّاعَةَ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۸۵۳۴) [1]

ترجمہ: ایک مرتبہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری صحابی کے جنازے کے لئے نکلے، ہم جب قبر کے پاس پہنچے، تو ابھی قبر تیار نہیں ہوئی تھی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے، اور ہم بھی آپ کے اردگرد بیٹھ گئے، گویا کہ پرندے ہمارے سروں پر تھے (یعنی ہم ساکن وساکت اور مؤدب ہوکر بیٹھ گئے) اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی، جس سے آپ زمین کو کرید رہے تھے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر اٹھا کر فرمایا کہ اللہ سے پناہ (وحفاظت) طلب کرو، قبر کے عذاب سے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو، یا تین مرتبہ یہ بات فرمائی۔

پھر فرمایا کہ جب مومن بندہ کے دنیا سے رخصت ہونے اور آخرت کے سفر پر جانے کا وقت آتا ہے، تو اس کے پاس آسمان سے روشن چہروں والے فرشتے آتے ہیں، گویا کہ ان کے چہرے سورج کی طرح چمک دار ہوتے ہیں، اور ان کے پاس (اس مومن شخص کے لئے) جنت کے کفنوں میں سے ایک کفن، اور جنت کی حنوط (یعنی مخصوص خوشبوؤں) میں سے ایک حنوط (یعنی مخصوص خوشبو) ہوتی ہے، یہاں تک کہ وہ تاحدِ نگاہ (اس کے سامنے) بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملکُ الموت فرشتہ آتا ہے، یہاں تک کہ وہ بھی اس (مومن شخص) کے سرہانہ بیٹھ جاتا ہے، پھر یہ فرشتہ کہتا ہے کہ اے پاک وصاف (یعنی پاکیزہ) نفس! اللہ کی مغفرت اور اس کی رضا وخوشنودی کی طرف نکل، پھر اس کی روح اس سے ایسے آسانی کے ساتھ نکلتی ہے، جیسے مشکیزے کے منہ سے پانی بہہ کر بآسانی نکل جاتا ہے، پھر

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحيح، رجاله رجال الصحيح (حاشية مسند احمد)

ملکُ الموت اس روح کو لے لیتا ہے، اور دوسرے فرشتے پلک جھپکنے کی مقدار کے برابر اس روح کو ملکُ الموت کے ہاتھ میں رہنے نہیں دیتے، بلکہ اس سے لے کر اس (خوشبودار جنتی) کفن میں لپیٹ دیتے ہیں، اور اس پر یہ حنوط (مخصوص خوشبو) بھی مَل دیتے ہیں، اور اس مومن شخص کے جسم سے مشک کے ایک خوشگوار جھونکے جیسی خوشبو آتی ہے، جو زمین پر (بآسانی) محسوس کی جاسکے۔

پھر فرشتے اس روح کو لے کر اوپر (آسمان کی طرف) چڑھتے ہیں، اور ان کا گزر فرشتوں کے جس گروہ سے بھی ہوتا ہے، وہ گروہ پوچھتا ہے کہ یہ پاکیزہ روح کون ہے؟ فرشتے جواب میں اس کا وہ (اچھا اور) بہترین نام بتاتے ہیں، جس سے لوگ اسے دنیا میں پکارتے تھے، یہاں تک کہ وہ آسمانِ دنیا (یعنی پہلے آسمان) تک پہنچ جاتے ہیں، پھر یہ فرشتے اس (مومن کی روح) کے لئے (آسمان کا) دروازہ کھلواتے ہیں، پس دروازہ کھول دیا جاتا ہے، پھر ہر آسمان کے فرشتے اس کے پیچھے چلتے ہوئے، اگلے آسمان تک اسے چھوڑ کر آتے ہیں، یہاں تک کہ اس روح کو ساتویں آسمان تک پہنچادیا جاتا ہے، پھر (اس کے بعد) اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میرے (اس بندہ) کے نامۂ اعمال کو ''عِلِیِّیْن'' میں لکھ دو، اور اس کو زمین کی طرف واپس لوٹا دو، پس بے شک میں نے اپنے بندوں کو زمین کی مٹی سے ہی پیدا کیا، اور اسی میں ان کو واپس لوٹاؤں گا، اور اسی سے دوبارہ ان کو نکالوں گا (یعنی اس کو اسی زمین کی طرف لوٹایا جاتا ہے، جس پر ہم اور آپ آباد ہیں)۔

چنانچہ اس کی روح اس کے جسم میں واپس لوٹادی جاتی ہے (یہ سب عمل عادتاً وحکمتاً بندوں کی نظروں سے مخفی رکھا جاتا ہے) پھر (قبر میں، یا جہاں بھی اس کا جسم، جس حالت میں ہو) اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، وہ اسے بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، وہ اس

سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا دین ''اسلام'' ہے، وہ پوچھتے ہیں کہ یہ کون شخص ہے، جو تمہاری طرف (نبی بنا کر) بھیجا گیا تھا؟ وہ جواب دیتا ہے کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا علم کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی، پس میں اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔

پھر اس پر آسمان سے ایک منادی، نداء کرتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا، پس اس کے لئے جنت کا بستر بچھا دو، اور اسے جنت کا لباس پہنا دو، اور اس کے لئے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو، چنانچہ (جنت کے دروازے سے) اس کو جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں، اور تا حدِ نگاہ اس کی قبر وسیع کر دی جاتی ہے، پھر اس کے پاس خوبصورت چہرہ، خوبصورت لباس اور عمدہ خوشبو والا ایک آدمی آتا ہے، پھر وہ (اس سے) کہتا ہے کہ تمہیں خوشخبری مبارک ہو، یہ وہی دن ہے، جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، یہ (مومن) اس سے پوچھتا ہے کہ تم کون ہو؟ تمہارا تو چہرہ ہی خیر کا پتہ دیتا ہے، وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں تمہارا نیک عمل ہوں، اس پر وہ (مومن) کہتا ہے کہ اے میرے رب! قیامت ابھی قائم کر دیجئے، تا کہ میں اپنے گھر والوں اور اپنے مال (یعنی جنت کی نعمتوں) کی طرف واپس لوٹ جاؤں۔

(پھر) فرمایا کہ جب کسی کافر شخص کے دنیا سے رخصت ہونے اور آخرت کے سفر پر جانے کا وقت آتا ہے، تو اس کے پاس آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے آتے ہیں، اور ان کے پاس ٹاٹ (یعنی بوسیدہ اور پھٹے اور پرانے چیتھڑے) ہوتے ہیں، پس وہ اس کے سامنے تا حدِ نگاہ بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملکُ الموت فرشتہ اس کے پاس آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے، پھر یہ (ملکُ الموت

فرشتہ) کہتا ہے کہ اے ناپاک وبُری جان! اللہ کی ناراضگی اوراس کے غصہ کی طرف نکل (پھر) فرمایا کہ (یہ سن کر) اس کی روح، جسم میں دوڑنے لگتی ہے، پھر ملکُ الموت اس (روح) کو جسم سے اس طرح کھینچتا ہے، جیسی گیلی اون سے سیخ کھینچی جاتی ہے (جس سے اس کو سخت تکلیف ہوتی ہے) اوراسے پکڑ لیتا ہے، اور دوسرے فرشتے، پلک جھپکنے کی مقدار کے برابر اس روح کو ملکُ الموت کے ہاتھ میں رہنے نہیں دیتے، بلکہ اس سے لے کراس ٹاٹ میں لپیٹ دیتے ہیں، اوراس روح سے کسی مردار کے جیسی بدبو جیسا جھونکا آتا ہے، جو کہ زمین پر (بآسانی) محسوس کیا جاسکے، پھر وہ اس (روح کو) لے کراوپر چڑھتے ہیں، پس فرشتوں کے جس گروہ سے بھی ان کا گزر ہوتا ہے، تو وہ گروہ (ان سے) یہ پوچھتا ہے کہ یہ بری روح کون سی ہے؟ فرشتے جواب میں اس کا وہ برا نام بتاتے ہیں، جس سے لوگ اسے دنیا میں پکارتے تھے، یہاں تک کہ وہ آسمانِ دنیا (یعنی پہلے آسمان) تک پہنچ جاتے ہیں، فرشتے آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں، لیکن دروازہ نہیں کھولا جاتا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (بطور تائید کے، سورہ اعراف کی) یہ آیت تلاوت فرمائی کہ ''لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ '' کہ ''نہ ہی ان کے لئے آسمانوں کے دروازے کھولے جائیں گے، اوراور نہ یہ جنت میں داخل ہوں گے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہوجائے'' پھر اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ اس کے نامۂ اعمال کو ''سِجِّيْن'' میں زمین کے نچلے حصہ میں لکھ دو، پھر اس کی روح کو (وہاں سے ہی) پھینک دیا جاتا ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (بطورِ تائید کے، سورہ حج کی) یہ آیت تلاوت فرمائی ''وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ، فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ '' کہ ''اور

جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے، وہ گویا کہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ آسمان سے گر پڑا، پھر اسے پرندے اچک لیں، یا ہوا اس کو دور دراز کی جگہ میں پھینک ڈالے'' پھر اس (کافر کی) روح، اس کے جسم میں واپس لوٹا دی جاتی ہے، اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اور وہ اسے بٹھاتے ہیں، اور پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ ہائے افسوس میں نہیں جانتا، پھر یہ (فرشتے) پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ (پھر یہی جواب دیتا ہے کہ) ہائے افسوس میں نہیں جانتا، پھر یہ فرشتے پوچھتے ہیں کہ وہ کون شخص تھا، جو تمہاری طرف بھیجا گیا تھا؟ وہ (پھر یہی جواب دیتا ہے کہ) ہائے افسوس میں نہیں جانتا، اس پر آسمان سے ایک منادی، نداء کرتا ہے کہ یہ جھوٹ بولتا ہے (یعنی ایسی بات کرتا ہے، جس کی تصدیق وتائید نہیں کی جاسکتی) اس کے لئے آگ کا بستر بچھادو، اور اس کے لئے آگ (یعنی جہنم) کی طرف ایک دروازہ کھول دو (جس کے بعد جہنم کی طرف سے دروازہ کھول دیا جاتا ہے) پھر جہنم کی طرف سے گرمی اور اس کی تپش اس کو پہنچنے لگتی ہے، اور اس پر قبر تنگ کردی جاتی ہے، حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں، پھر اس کے پاس ایک بدصورت آدمی گندے کپڑے پہن کر آتا ہے، جس سے بدبو آرہی ہوتی ہے، پھر یہ آدمی اس کافر سے کہتا ہے کہ جو تکلیف تمہیں پہنچ رہی ہے، اس سے خوش ہوجا، یہ وہی دن ہے، جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا، چنانچہ وہ پوچھتا ہے کہ تو کون ہے؟ تیرے تو چہرے سے ہی سے شر کے اثرات ظاہر ہورہے ہیں، پس وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں تیرا گندہ عمل ہوں، پھر یہ (کافر، قیامت پر یقین کرلیتا ہے، اور اس کے ڈر کی وجہ سے) کہتا ہے کہ اے میرے رب! قیامت قائم نہ کرنا (مسند احمد)

اس حدیث میں بندۂ مومن کی روح قبض کرنے کے وقت، فرشتہ کے یہ کہنے کا ذکر ہے کہ:

”اَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ، اُخْرُجِيْ اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ“

”اے پاک وصاف (یعنی پاکیزہ) نفس! اللہ کی مغفرت اور اس کی رضا و خوشنودی کی طرف نکل“

اس سے سورۃ الفجر کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر ہوتی ہے۔

اور مذکورہ روایت میں مرنے والے کے پاس، مختلف نوعیت کے فرشتوں کے آنے، اور کلام کرنے کا ذکر ہے، جس کا دوسرے انسانوں کو مشاہدہ نہیں ہوتا۔

اسی طرح مذکورہ حدیث میں جنت اور جہنم کا دروازہ کھلنے کا ذکر ہے، جو جنت اور جہنم کے اثرات کے عالمِ برزخ میں پہنچنے کی ایک تعبیر ہے۔

اس کے علاوہ مذکورہ روایت میں، روح کے زمین، اور جسم کی طرف لوٹائے جانے کا بھی ذکر ہے۔

چنانچہ مذکورہ روایت میں یہ الفاظ صاف طور پر مذکور ہیں:

”وَأَعِيْدُوْهُ إِلَى الْأَرْضِ، فَإِنِّيْ مِنْهَا خَلَقْتُهُمْ، وَفِيْهَا أُعِيْدُهُمْ، وَمِنْهَا أُخْرِجُهُمْ تَارَةً أُخْرٰى. قَالَ: فَتُعَادُ رُوْحُهُ فِيْ جَسَدِهٖ“

”یعنی اس کو زمین کی طرف لوٹا دو، کیونکہ بے شک میں نے ان کو زمین کی مٹی سے ہی پیدا کیا، اور اسی میں ان کو واپس لوٹاؤں گا، اور اسی سے دوبارہ ان کو نکالوں گا، پس اس کی روح اس کے جسم میں واپس لوٹا دی جاتی ہے“۔

پس اللہ کے سچے نبی کی اس حدیث پر ایمان لانا چاہیے، خواہ کسی کو سمجھ آئے، یا نہ آئے، اور خواہ نفس وشیطان کتنے وسوسے کیوں نہ ڈالے، نفس وشیطان، بلکہ کسی بھی انسان کے مقابلے میں اللہ اور اس کے رسول کی بات ہی ماننی چاہیے، اسی میں خیر وعافیت اور سلامتی ہے۔

اور ہم جدید سائنسی پروگراموں کی مثالوں سے پہلے واضح کر چکے کہ یہ پروگرام اسی زمین کے مدار میں مؤثر اور کارفرما ہوتے ہیں، لیکن ان کی ایک جگہ سے دوسری جگہ کی نقل وحرکت لوگوں

کو نظر نہیں آتی۔

پھر اللہ نے جو عالمِ برزخ کے لیے ایک مستحکم نظام و پروگرام مقرر و مرتب فرمایا ہے، اس پر شبہ واعتراض کے کیا معنیٰ؟

سعید بن جبیر اور حسن بصری کی روایات

جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

مَاتَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِالطَّائِفِ، فَشَهِدْتُ جَنَازَتَهُ، فَجَاءَ طَيْرٌ أَبْيَضُ لَمْ يُرَ عَلٰى خُلَّتِهٖ حَتّٰى دَخَلَ فِيْ نَعْشِهٖ، ثُمَّ لَمْ يُرَ خَارِجًا مِنْهُ، فَلَمَّا دُفِنَ تُلِيَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ عَلٰى شَفِيْرِ الْقَبْرِ، لَمْ نَدْرِ مَنْ تَلَاهَا "يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ، ارْجِعِيْ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً، فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ، وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ" (المعجم الكبير للطبرانی، ج۱۰ ص۲۳۶، رقم الحديث ۱۰۵۸۱) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی "مقامِ طائف" میں موت واقع ہوگئی، میں ان کے جنازے میں حاضر ہوا، تو اچانک ایک سفید عجیبُ الخلقت پرندہ، جو پہلے نہیں دیکھا گیا تھا، وہ آ کر ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی نعش میں داخل ہوگیا، اور پھر وہ نعش سے باہر نکلتا ہوا نہیں دیکھا گیا، پھر جب ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کو دفن کیا گیا، تو ان کی قبر کے کنارے پر (سورۃُ الفجر کی) یہ آیات تلاوت کی گئیں، اور ہم یہ نہ جان سکے کہ ان آیات کو کس نے تلاوت کیا ہے، وہ آیات یہ ہیں **"يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ، ارْجِعِيْ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً، فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ، وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ"** (طبرانی)

---

[1] قال الهيثمی: رواه الطبرانی، ورجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد،تحت رقم الحديث ۱۵۵۳۵ ،باب مناقب عبد الله بن عباس -رضی الله عنهما)

اس واقعہ کو اور بھی کئی محدثین نے روایت کیا ہے۔ [1]
ممکن ہے کہ لوگوں نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی نعش میں جو خوبصورت پرندہ داخل

---

[1] عن سعيد بن جبير قال: مات ابن عباس بالطائف فشهدت جنازته، فجاء طائر لم ير على خلقته حتى دخل فى نعشه، ثم لم ير خارجا منه فلما دفن تليت هذه الآية على شفير القبر، لا يرى من تلاها "يا أيتها النفس المطمئنة ارجعى إلى ربك راضية مرضية فادخلى فى عبادى وادخلى جنتى"

قال مروان: وأما إسماعيل بن على، وعيسى بن على، فقالا: هو طائر أبيض (فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل، رقم الرواية ١٨٧٩، ج٢، ص٩٦٢، فضائل عبد الله بن عباس رضى الله عنه)

عن ميمون بن مهران قال " :حضرت جنازة عبد الله بن عباس رضى الله عنهما بالطائف، فلما وضع للصلاة جاء طير أبيض حتى وقع على أكفانه ثم دخل فيها، فالتمس فلم يوجد، فلما سوى عليه نادى مناد يسمع صوته ولا يرى شخصه :"يا أيتها النفس المطمئنة ارجعى إلى ربك راضية مرضية فادخلى فى عبادى وادخلى جنتى" وكان ميمون بن مهران من موالى ابن عباس رضى الله عنهما(أخبار مكة للفاكهى، رقم الحديث ١٦٣٦، ج٢، ص٣٢٨، ذكر فقهاء أهل مكة وما يفخر به أهل مكة على الناس)

عن ميمون بن مهران، قال " :شهدت جنازة عبد الله بن عباس رضى الله تعالى عنه بالطائف، فلما وضع ليصلى عليه جاء طائر أبيض حتى دخل فى أكفانه، فالتمس فلم يوجد، فلما سوى عليه سمعنا صوتا نسمع صوته ولا نرى شخصه "يا أيتها النفس المطمئنة ارجعى إلى ربك راضية مرضية، فادخلى فى عبادى وادخلى جنتى"(حلية الأولياء وطبقات الأصفياء ،للاصبهانى،ج ا ،ص ٣٢٩، من اشتهر من الصحابة، عبد الله بن العباس)

أخبرنا أحمد بن سلامة فى كتابه، عن ابن كليب، أخبرنا ابن بيان، أخبرنا ابن مخلد، أخبرنا الصفار، حدثنا ابن عرفة، حدثنا مروان بن شجاع، عن سالم الأفطس، عن سعيد؛ قال:مات ابن عباس بالطائف، فجاء طائر لم ير على خلقته، فدخل نعشه، ثم لم ير خارجا منه، فلما دفن، تليت هذه الآية على شفير القبر، لا يدرى من تلاها :"يا أيتها النفس المطمئنة ارجعى إلى ربك راضية مرضية"

رواه :بسام الصيرفى، عن عبد الله بن يامين ، وسمى الطائر :غرنوقا.

رواه :فرات بن السائب، عن ميمون بن مهران:شهدت جنازة ابن عباس ...، بنحو من حديث سالم الأفطس

فهذه قضية متواترة(سير أعلام النبلاء ،للذهبى،ج٣،ص٣٥٨، رقم الترجمة ٥١،تحت ترجمة"عبد الله بن عباس البحر أبو العباس الهاشمىُ)

ہوتے ہوئے دیکھا، وہ ان کی مبارک روح ہو، جس کو اللہ نے بندوں کے سامنے ظاہر فرمادیا ہو، جس کی تائید ان آیات سے بھی ہوتی ہے، جو ان کی قبر پر سنی گئیں، غالبًا یہ آواز فرشتے کی تھی۔ واللہ اعلم۔

بہرحال مذکورہ واقعہ سے بھی معلوم ہوا کہ مومن صالح بندوں کو فوت ہونے کے وقت فرشتوں کی جانب سے بشارتی خطاب ہوتا ہے، اوران کے لیے عمدہ نعمتوں اور راحتوں کا انتظام ہوتا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت ہے کہ:

قُرِئَتْ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ" فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ: إِنَّ هٰذَا لَحَسَنٌ: فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَا إِنَّ مَلَكَ الْمَوْتِ لَيَقُولُهَا لَكَ عِنْدَ الْمَوْتِ (حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، للاصبهانی، ج ۴، ص ۲۸۳، ۲۸۴، تحت ترجمة "سعيد بن جبير" آثاره فی التفسير) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (سورۃ الفجر) کی یہ آیت تلاوت کی گئی کہ "**يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ**" تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ تو بہت عمدہ ہے، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بات یاد رکھئے کہ آپ کی موت کے وقت ملکُ الموت آپ کو یہی کہے گا (ابونعیم)

یہ واقعہ ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] قال ابن كثير: وكذا رواه ابن جرير عن أبی كريب عن ابن يمان به وهذا مرسل حسن (تفسير ابن كثير، ج ۸، ص ۳۹۰، تحت سورة الفجر)

[2] أخبركم أبو الفضل الزهری، نا حمزة، نا عبد الله بن أبی علی، نا إسحاق بن بشر، عن جعفر بن أبی المغيرة، عن ابن أبزی، فی قوله تعالى: يا أيتها النفس المطمئنة ارجعی إلى ربک راضية مرضية، قال: قال أبو بكر: ما أحسنها، يا رسول الله قال: فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أما إنها سَتُقَالُ لَکَ يا أبا بكر (حديث أبی الفضل الزهری، ص ۴۸۴، رقم الحديث ۴۹۸)

حضرت ربیع سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ الْحَسَنَ، تَلَا يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ. وَقَالَ الْحَسَنُ: اَلنَّفْسُ الْمُؤْمِنَةُ اطْمَأَنَّتْ إِلَى اللّٰهِ وَاطْمَأَنَّ إِلَيْهَا وَأَحَبَّتْ لِقَاءَ اللّٰهِ وَأَحَبَّ اللّٰهُ لِقَائَهَا وَرَضِيَتْ عَنِ اللّٰهِ وَرَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، فَأَمَرَ بِقَبْضِ رُوْحِهَا فَغَفَرَ لَهَا وَأَدْخَلَهَا الْجَنَّةَ وَجَعَلَهَا مِنْ عِبَادِهِ الصَّالِحِيْنَ

(حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، للاصبهاني، ج٦، ص ٢٩٩، تحت ترجمة "ابن برة ومنهم المفيق من الغرة")

ترجمہ: میں نے حضرت حسن بصری کو (سورۃُ الفجر کی) یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا "یَا أَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ" حضرت حسن نے فرمایا کہ اس سے مومن کا نفس مراد ہے، جو اللہ سے مطمئن ہو، اور اللہ اُس سے مطمئن ہو، اور وہ اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہو، اور اللہ اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہو، اور وہ اللہ سے راضی ہو، اور اس سے اللہ راضی ہو، تو اللہ اس کی روح کو قبض کرنے کا حکم فرماتا ہے، پھر اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے، اور اس کو جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے، اور اسے اللہ کے نیک بندوں میں شامل کر دیا جاتا ہے (ابونعیم)

مذکورہ روایات سے بھی سورہ فجر کی گزشتہ آیت اور اس سلسلہ میں مروی احادیث کی تائید ہوتی ہے، پس مرتے وقت اور مرنے کے بعد کے جن حالات وواقعات کی اللہ اور اس کے رسول نے خبر دی، ان کو قبول وتسلیم کرنا چاہیے، اور ہر انسان کو اس کے لیے تیاری کرنی چاہیے۔

ابوہریرہ، اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّهُ لَيَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ إِذَا

وَلَّوْا (مسند احمد، رقم الحديث ۸۵۶۳) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت، لوگوں کے جوتوں کی آہٹ کو سنتی ہے، جب وہ واپس لوٹتے ہیں (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ میت کو عقل اور ہوش وحواس اور سمجھ بوجھ ہوتی ہے، اور اس کی روح کا اس کے بدن اور قبر والی جگہ سے تعلق ہوتا ہے، کیونکہ لوگوں کے واپس جاتے ہوئے جوتوں کی آواز، قبر اور دفن والی جگہ میں ہوتی ہے۔

بعض احادیث سے صاف طور پر قبر میں ہوش وحواس کا بحال ہونا معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ فَتَّانَ الْقُبُوْرِ، فَقَالَ عُمَرُ: أَتُرَدُّ عَلَيْنَا عُقُوْلُنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَعَمْ، كَهَيْئَتِكُمُ الْيَوْمَ (مسند أحمد، رقم الحديث ۶۶۰۳) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کے فتنوں کا ذکر کیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہماری عقلیں (قبروں میں) لوٹا دی جائیں گی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک جس طرح سے تمہاری آج کے دن عقلیں ہیں (اسی طرح قبر میں بھی عقل اور سمجھ بوجھ ہو گی) (مسند احمد)

اور کئی احادیث وروایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فوت ہونے والے کی روح، اگر مومن کی ہو، تو وہ دوسری ارواح سے ملاقات اور ان سے حسبِ شان کلام بھی کرتی ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَتَلْتَقِيَانِ عَلٰى

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط: حسن لغيره، وهذا إسناد ضعيف كسابقه (حاشية مسند احمد)

مَسِيْـرَـةِ يَـوْمٍ وَلَيْـلَةٍ، وَمَـا رَأٰى وَاحِدٌ مِّنْهُمَا صَاحِبَهٗ (مسند أحمد ،رقم الحديث ٧٠٤٨، ورقم الحديث ٦٦٣٦) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمنین کی روحیں آپس میں ایک دن اور ایک رات کی مسافت کے فاصلہ پر بھی ملاقات کر لیتی ہیں، حالانکہ اُن میں سے ایک نے دوسرے کو دیکھا ہوا نہیں ہوتا (مسند احمد)

معلوم ہوا کہ انسان کے فوت ہونے کے بعد اس کی روح، بحکمِ الٰہی اور بمشیّتِ الٰہی دوسری ارواح سے ملاقات کر سکتی اور ہم کلام ہو سکتی ہے۔

اور نیند چونکہ موت کی بہن ہے، اس لیے نیند میں بھی ایسا ہونا ممکن ہے۔

ابوہریرہ اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہما کی احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ الْـمُؤْمِنَ يَنْزِلُ بِهِ الْمَوْتُ، وَيُعَايِنُ مَا يُعَايِنُ، فَوَدَّ لَوْ خَرَجَتْ يَعْنِيْ: نَـفْسَـهٗ وَاللّٰـهُ يُـحِبُّ لِقَائَهٗ، وَإِنَّ الْمُؤْمِنَ يُصْعَدُ بِرُوْحِهٖ إِلَى السَّمَاءِ، فَتَأْتِيْهِ أَرْوَاحُ الْمُؤْمِنِيْنَ فَيَسْتَخْبِرُوْنَـهٗ عَنْ مَعَارِفِهِمْ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ، فَإِذَا قَالَ: تَـرَكْـتُ فُـلَانًـا فِي الدُّنْيَا، أَعْجَبَهُمْ ذٰلِكَ، وَإِذَا قَالَ: إِنَّ فُلَانًا قَدْ مَاتَ، قَالُوْا: مَا جِيءَ بِهٖ إِلَيْنَا، وَإِنَّ الْمُؤْمِنَ يُجْلَسُ فِيْ قَبْرِهٖ، فَيُسْأَلُ مَنْ رَبُّـهٗ، فَيَقُوْلُ: رَبِّيَ اللّٰهُ، فَيَقُوْلُ: مَنْ نَبِيُّكَ؟ فَيَقُوْلُ: نَبِيِّيْ مُـحَـمَّـدٌ صَـلَّـى اللّٰـهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَـمَـا دِيْنُكَ؟ قَالَ: دِيْـنِيَ الْإِسْلَامُ، فَيُفْتَحُ لَـهٗ بَابٌ فِيْ قَبْرِهٖ، فَيَقُوْلُ أَوْ يُقَالُ: اُنْظُرْ إِلٰى

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث حسن (حاشية مسند احمد تحت رقم الحديث ٧٠٤٨)
وقال ايضاً: حديث حسن، ابن لهيعة قد توبع، ودراج: هو ابن سمعان أبو السمح (حاشية مسند احمد تحت رقم الحديث ٦٦٣٦)

مَـجُلِسِکَ، ثُمَّ یُرَی الْقَبُرَ، فَکَأَنَّمَا کَانَتُ رَقُدَۃً، فَإِذَا کَانَ عَدُوُّ اللّٰہِ نَـزَلَ بِـہِ الْـمَـوُتُ، وَعَـایَـنَ مَا عَایَنَ، فَإِنَّـہٗ لَا یُحِبُّ أَنْ تُخْرَجَ رُوُحُہٗ أَبَـدًا، وَالـلّٰہُ یُبُغِضُ لِقَائَہٗ، فَإِذَا جَلَسَ فِیُ قَبُرِہٖ أَوُ أُجُلِسَ یُقَالُ لَہٗ: مَنُ رَبُّکَ؟ فَیَقُوُلُ: لَا أَدُرِیُ، فَیُـقَالُ: لَا دَرَیُـتَ، فَیُـفُتَـحُ لَـہٗ بَابٌ مِنُ جَهَـنَّـمَ، ثُـمَّ یُضُرَبُ ضَرُبَۃً یَسُمَعُ کُلُّ دَابَّۃٍ إِلَّا الثَّقَلَیُنِ، ثُمَّ یُقَالُ لَـہٗ: نَـمُ کَـمَـا یَـنَـامُ الْمَنُهُوُشُ، فَقُلُتُ لِأَبِیُ هُرَیُرَۃَ: مَـا الْمَنُهُوُشُ؟ قَالَ: اَلَّـذِیُ یَـنُهِشُـہُ الـدَّوَابُّ وَالْحَیَّاتُ، ثُمَّ یُضَیَّقُ عَلَیُہِ قَبُرُہٗ (مسند البزار، ج۱۷ ص۱۵۴ ،رقم الحدیث ۹۷۶۰) [1]

ترجمہ: مومن بندہ کے ساتھ موت نازل ہوتی ہے، اور وہ ان چیزوں کا معائنہ کرتا ہے، جن کا بھی وہ معائنہ کرتا ہے، اور وہ یہ چاہتا ہے کہ کاش کہ اس کی جان نکل جائے، اور وہ اللہ اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے، اور مومن بندہ کی روح، آسمان کی طرف اوپر لے جائی جاتی ہے، پھر اس کے پاس دوسرے مومنوں کی روحیں آتی ہیں، پھر وہ روحیں اس مومن بندہ کی روح سے زمین والوں کے متعلق معلومات حاصل کرتی ہیں، پھر جب وہ روح کہتی ہے کہ میں نے فلاں کو دنیا میں چھوڑ دیا ہے، تو اس سے اُن روحوں کو خوشی ہوتی ہے، اور جب وہ روح کہتی ہے کہ فلاں فوت ہو چکا ہے، تو وہ روحیں جواب میں کہتی ہیں کہ ہماری طرف تو وہ نہیں آیا (شاید وہ بُرے ٹھکانہ کی طرف چلا گیا) اور مومن بندہ کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا

---

[1] قال الالبانی: وبالجملة فالحدیث صحیح کما قال السیوطی بهذہ الشواهد والله أعلم .ثم رأیت القرطبی قال فی "التذکرة "(ق 2 / 40– 1 / 41) بعد أن ذکر أثر ابن المبارک المتقدم عن أبی أیوب وغیرہ من الآثار: " وهذہ الأخبار وإن کانت موقوفة فمثلها لا یقال من جهة الرأی، وقد خرج النسائی بسندہ عن أبی هریرة ...الحدیث، وفیه: " فیأتون به أرواح المؤمنین فلهم أشد فرحا به من أحدکم بغائبه، یقدم علیه فیسألونه: ماذا فعل فلان؟ ماذا فعل فلان؟ فیقولون: دعوہ فإنه کان فی غم الدنیا" .... الحدیث (سلسلة الاحادیث الصحیحة، تحت رقم الحدیث ۲۶۲۸)

ہے، پھر اس سے سوال کیا جاتا ہے کہ اس کا رب کون ہے؟ وہ جواب میں کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، پھر اس سے سوال کیا جاتا ہے کہ تیرا نبی کون ہے؟ وہ جواب میں کہتا ہے کہ میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پھر اس سے سوال کیا جاتا ہے کہ تیرا دین کیا ہے؟ تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ میرا دین، اسلام ہے، پھر اس کے لیے اس کی قبر میں ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، پھر وہ فرشتہ کہتا ہے، یا اس (مردہ) سے کہا جاتا ہے کہ اپنے ٹھکانہ کی طرف دیکھ، پھر اس کو قبر اس طرح دکھائی جاتی ہے، گویا کہ وہ اس کے لیے آرام گاہ ہے۔

اور اگر وہ اللہ کا دشمن (یعنی کافر) ہوتا ہے، تو اس کے ساتھ موت نازل ہوتی ہے، اور وہ ان چیزوں کا معائنہ کرتا ہے، جن کا بھی وہ معائنہ کرتا ہے، اور وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کی روح کبھی بھی نہ نکالی جائے، اور اللہ اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے، پھر جب وہ اپنی قبر میں بیٹھتا ہے، یا اس کو بٹھایا جاتا ہے، تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تو نہیں جانتا، پھر اس کے لیے جہنم کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، پھر اس کو اس طرح مارا جاتا ہے کہ جس کی آواز کو انسان اور جنات کے علاوہ ہر جانور سنتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ سوجا "مَنْهُوْشْ" کے سونے کی طرح (راوی کہتے ہیں کہ) میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ "مَنْهُوْشْ" کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جس کو چوپایوں (درندوں) اور سانپ نے نوچا ہوا ہو، پھر اس پر اس کی قبر تنگ کردی جاتی ہے (بزار)

اس حدیث کو دوسرے محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔ [1]

---

[1] حدثنا محمد بن مسلم بن بحر المعلم الرازى فى مسجد الحرام ، حدثنا أبو سهل موسى بن نصر الرازى ، حدثنا عبد الرحمن بن مغراء أبو زهير ، حدثنا يزيد بن كيسان ،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس حدیث سے بھی قبر کے عذاب کا ثبوت اور ساتھ ہی مُردہ کی روح کے دوسرے مُردوں کی ارواح سے ملاقات وکلام کرنے کا بھی ثبوت ہوا۔

اوراسی کے ساتھ اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ مومن بندہ کی قبر اس کے لیے پناہ گاہ بنا کر پیش کی جاتی ہے، اور یہ حالات جس طرح مُردہ کی روح پر پیش آتے ہیں، اسی طرح اس کے جسم وبدن کے ساتھ بھی پیش آتے ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن أبي حازم ، عن أبي هريرة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : المؤمن حين ينـزل بـه الـموت يعاين ما يعاين ، ود أنها قد خرجت ، والله عز وجل يحب لقاء ه ، وإن الـمؤمـن حين يجلس في قبره يسأل :من ربک ؟ فيقول :ربي الله .فيقال له :من نبيک ؟ فيقول :محمد .فيقال له :ما دينک ؟ فيقول :الإسلام .ثم يفتح باب في قبره ، فيقال :انظر إلى مقعدک ، نم قرير العين .فيبعثه الله يوم القيامة كأنما كانت رقدة ، فإذا كان عدوا لله نزل به الموت ، وعاين ما يعاين ود أنها لا تخرج أبدا ، والله يبغض لقاء ه ، وإذا جلس في قبره قيل له :من ربک ؟ قال :لا أدرى .قال :لا دريت . ثم يضرب ضربة يسمعها كل دابة إلا الثقلين ، ثم يقال له :نم كما ينام المنهوش .قلت لأبي هريرة :ما المنهوش ؟ قال :الذي تنهشه الدواب والحيات .قال : ثم يضيق عليه قبره حتى تختلف أضلاعه .قال :وشبک أبو هريرة بين أصابعه ، فذلک قول الله عز وجل :يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت إلى آخر الآية (معجم ابن المقرئ ، ۳۴، ۳۵، رقم الحديث ۱ ۱ ، باب الالف)

حدثنا أبو كريب، والحسن بن علي الصدائي، قالا :حدثنا الوليد بن القاسم، عن يزيد بن كيسان، عن أبي حازم، عن أبي هريرة، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :إن المؤمن حين ينزل به الموت ويعاين ما يعاين، ود أنها قد خرجت، والله يحب لقاء ه، وإن الـمؤمن يصعد بروحه إلى السماء ، فتأتيه أرواح المؤمنين فيستخبرونه عن معارفهم من أهل الأرض، فإذا قال :تركت فلانا في الدنيا أعجبهم ذلک، وإذا قال لهم إن فلانا قد فارق الدنيا .قالوا :ما جيء بروح ذاک إلينا، وقد ذهب بروحه إلى أرواح أهل النار، وإن الـمؤمن يجلس في قبره ويسأل :من ربک؟ فيقول :ربي الله، ويقال :من نبيک؟ فيقول :نبيي محمد صلى الله عليه وسلم، فيقال :ما دينک؟ فيقول :ديني الإسلام، فيفتح له باب في قبره، فيقال :انظر إلى مجلسک، نم قرير العين، فيبعثه الله يوم القيامة كأنما كانت رقدة .وإذا كان عدو الله ونزل به الموت، ويعاين ما يعاين، ود أنها لا تخرج أبدا، والله يبغض لقاء ه، وإذا أجلس في قبره يقال :من ربک؟ قال :لا أدرى قال :لا دريت ,يقال :من نبيک؟ فيقول :لا أدرى، يقال :ما دينک؟ قال :لا أدرى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی کو بعض علماء نے ''جسمانی وروحانی حیات'' سے بعض نے ''روح وجسم کی حیات'' اور بعض نے اختصار کے ساتھ ''برزخی حیات'' سے تعبیر کیا ہے، پھر بعد کے کم علم ونادان حضرات ان تعبیرات کے اختلافات سے حقیقت کا اختلاف اور ٹکراؤ وتعارض سمجھ بیٹھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا حُضِرَ الْمُؤْمِنُ أَتَتْهُ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ بِحَرِيْرَةٍ بَيْضَاءَ فَيَقُوْلُوْنَ: اُخْرُجِيْ رَاضِيَةً مَّرْضِيًّا عَنْكِ إِلٰى رَوْحِ اللّٰهِ، وَرَيْحَانٍ، وَرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ، فَتَخْرُجُ كَأَطْيَبِ رِيْحِ الْمِسْكِ، حَتّٰى أَنَّهُ لَيُنَاوِلُهُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا، حَتّٰى يَأْتُوْنَ بِهٖ بَابَ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال :لا دريت ويفتح له باب فى قبره، باب من أبواب جهنم، ثم يضرب ضربة يسمعها خلق الله إلا الثقلين، ثم يقال :نم كما ينام المنهوش "قال :قلت :يا أبا هريرة، وما المنهوش؟ قال :نهشته الدواب، والحيات، ثم يضيق عليه قبره، حتى رأيت أبا هريرة نصب يده، ثم كفأها، ثم شبك، حتى تختلف أضلاعه (تهذيب الآثار للطبرى، رقم الحديث ١٧٥، ج٢، ص٢١٦، ذكر بعض ما حضرنا ذكره، مما صح من ذلك سنده عن رسول الله صلى الله عليه وسلم)

حدثني أبي ، نا يحيى بن سعيد ، عن يزيد بن كيسان ، حدثني أبو حازم ، عن أبي هريرة أن المؤمن حين ينزل به الموت ويعاين ما يعاين ود أنها خرجت والله يحب لقاء المؤمن ويصعد بروحه إلى السماء فتأتيه أرواح المؤمنين فيستخبرونه عن موتاهم من أهل الأرض فإذا قال :إن فلانا قد فارق الدنيا قالوا ما جىء بروح ذلك إلينا لقد ذهب بروح ذلك إلى النار أو إلى أهل النار وإن المؤمن إذا وضع فى القبر يسأل من ربك؟ فيقول ربى الله فيقال من نبيك فيقول نبيي محمد صلى الله عليه وسلم فيقال ما دينك فيقول الإسلام ديني ثم يفتح له باب فى القبر فيقال انظر إلى مقعدك ثم يتبعه نوم كأنما كانت رقدة فإذا كان عدو الله عاين ما يعاين ود أنها لا تخرج أبدا والله يبغض لقاءه وإنه إذا دخل القبر يسأل من ربك قال :لا أدرى قال :لا دريت قال :من نبيك قال :لا أدرى قالا :لا دريت قال :ما دينك قال :لا أدرى قال :لا دريت ثم يضرب ضربة يسمعه كل دابة إلا الثقلين ثم يقال له :نم كما ينام المنهوش .قلت يا أبا هريرة وما المنهوش ؟ قال : الذى تنهشه الدواب والحيات ثم قال أبو هريرة : ويضيق عليه قبره حتى تختلف أضلاعه هكذا وشبك بين أصابعه (السنة لعبد الله بن أحمد ، ج٢، ص٢٠٨، ٢٠٩، رقم الحديث ١٤٤٦، سئل عن عذاب القبر وفتنة القبر)

السَّمَاءِ فَيَقُولُونَ: مَا أَطْيَبَ هٰذِهِ الرِّيحَ الَّتِي جَائَتْكُمْ مِنَ الْأَرْضِ، فَيَأْتُونَ بِهٖ أَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِينَ فَلَهُمْ أَشَدُّ فَرَحًا بِهٖ مِنْ أَحَدِكُمْ بِغَائِبِهٖ يَقْدَمُ عَلَيْهِ، فَيَسْأَلُونَهٗ: مَاذَا فَعَلَ فُلَانٌ؟ مَاذَا فَعَلَ فُلَانٌ؟ فَيَقُولُونَ: دَعُوهُ فَإِنَّهٗ كَانَ فِي غَمِّ الدُّنْيَا، فَإِذَا قَالَ: أَمَا أَتَاكُمْ؟ قَالُوا: ذُهِبَ بِهٖ إِلٰى أُمِّهِ الْهَاوِيَةِ.

وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا احْتُضِرَ أَتَتْهُ مَلَائِكَةُ الْعَذَابِ بِمِسْحٍ فَيَقُولُونَ: اُخْرُجِي سَاخِطَةً مَسْخُوطًا عَلَيْكِ إِلٰى عَذَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَتَخْرُجُ كَأَنْتَنِ رِيحِ جِيفَةٍ، حَتّٰى يَأْتُونَ بِهٖ بَابَ الْأَرْضِ، فَيَقُولُونَ: مَا أَنْتَنَ هٰذِهِ الرِّيحَ حَتّٰى يَأْتُونَ بِهٖ أَرْوَاحَ الْكُفَّارِ (سنن النسائی، رقم الحديث ۱۸۳۳، كتاب الجنائز، باب ما يلقى به المؤمن من الكرامة عند خروج نفسه، صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۳۰۱۴)[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن بندہ کی اللہ کے پاس حاضری کا وقت آتا ہے، تو اس کے پاس رحمت والے فرشتے سفید ریشم لے کر آتے ہیں، پھر وہ کہتے ہیں کہ تُو اللہ کی رحمت وراحت، اور خوشبودار عمدہ رزق کی طرف اس حالت میں نکل جا کہ تُو اللہ سے راضی ہے، اور تجھ سے اللہ راضی ہے، تجھ سے رب ناراض نہیں، تو وہ روح مشک کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار انداز میں نکلتی ہے، جس کے بعد اس روح کو فرشتے ایک دوسرے سے لے لیتے ہیں، یہاں تک کہ اس روح کو لے کر آسمان کے دروازے پر آتے ہیں، وہاں پر فرشتے کہتے ہیں کہ یہ خوشبو کتنی عمدہ ہے، جو تمہارے پاس زمین سے آئی ہے، پھر وہ فرشتے اس روح کو دوسرے مومنوں کی ارواح کے پاس لاتے ہیں، جس سے دوسرے مومنوں کی وہ

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح. قسامة بن زهير روى له أصحاب السنن، وهو ثقة، وباقي السند على شرط الصحيح (حاشية صحيح ابنِ حبان)

روحیں بہت زیادہ خوش ہوتی ہیں، اس سے بھی زیادہ خوش ہوتی ہیں، جتنا خوش تم میں سے کوئی آدمی غائب شخص کے آنے سے ہوتا ہے، پھر وہ روحیں اس روح سے سوال کرتی ہیں کہ فلاں شخص کا کیا بنا؟ فلاں شخص کا کیا بنا؟ پھر وہ آپس میں کہتی ہیں کہ اسے چھوڑ دو، یہ دنیا کے غم میں مبتلا تھا، پھر جب یہ روح کہتی ہے کہ کیا وہ شخص تمہارے پاس نہیں آیا؟ وہ جواب میں کہتے ہیں کہ اس کو لپٹیں مارنے والی آگ کے ٹھکانے کی طرف لے جایا جاچکا ہے (اسی لیے ہمارے پاس نہیں آیا)

اور جب کافر کی موت حاضر ہوتی ہے، تو اس کے پاس عذاب کے فرشتے گندے بدبودار کپڑے کے ساتھ آتے ہیں، پھر وہ کہتے ہیں کہ تُو اللہ عزوجل کے عذاب کی طرف اس حال میں نکل جا کہ تُو ناخوش ہے، اور تجھ سے (رب بھی) ناخوش ہے، پھر اس کی روح مردار کی بدبو سے بھی زیادہ بدبودار ہو کر نکلتی ہے، یہاں تک کہ فرشتے اس کو زمین کے دروازے پر لاتے ہیں، تو وہ فرشتے کہتے ہیں کہ یہ بدبو کتنی زیادہ سخت ہے، پھر وہ اس کو کافروں کی روح کے پاس لے کر پہنچ جاتے ہیں

(نسائی، ابنِ حبان)

مذکورہ حدیث سے بھی فوت ہونے والے مومن کی روح کا، دوسرے فوت شدہ مومنوں کی ارواح سے ملاقات اور کلام کرنے اور مومن کے لیے راحت وخوشی، اور کافر کے لیے عذاب اور غم کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

إِذَا قُبِضَتْ نَفْسُ الْعَبْدِ تَلَقَّاهُ أَهْلُ الرَّحْمَةِ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ كَمَا يَلْقَوْنَ الْبَشِيْرَ فِي الدُّنْيَا، فَيُقْبِلُوْنَ عَلَيْهِ لِيَسْأَلُوْهُ، فَيَقُوْلُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: أَنْظِرُوْا أَخَاكُمْ حَتّٰى يَسْتَرِيْحَ، فَإِنَّهُ كَانَ فِيْ كَرْبٍ، فَيُقْبِلُوْنَ عَلَيْهِ فَيَسْأَلُوْنَهُ مَا فَعَلَ فُلَانٌ؟ مَا فَعَلَتْ فُلَانَةٌ؟ هَلْ تَزَوَّجَتْ؟ فَإِذَا سَأَلُوْا

عَنِ الرَّجُلِ قَدْ مَاتَ قَبْلَهُ، قَالَ لَهُمْ: إِنَّهُ قَدْ هَلَكَ، فَيَقُوْلُوْنَ: إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ذُهِبَ بِهٖ إِلٰى أُمِّهِ الْهَاوِيَةِ، فَبِئْسَتِ الْأُمُّ، وَبِئْسَتِ الْمُرَبِّيَّةُ، قَالَ: فَيُعْرَضُ عَلَيْهِمْ أَعْمَالُهُمْ، فَإِذَا رَأَوْا حَسَنًا فَرِحُوْا وَاسْتَبْشَرُوْا، وَقَالُوْا هٰذِهٖ نِعْمَتُكَ عَلٰى عَبْدِكَ فَأَتِمَّهَا، وَإِنْ رَأَوْا سُوْئًا قَالُوْا اللّٰهُمَّ رَاجِعْ بِعَبْدِكَ (الزهد والرقائق لابن المبارک، ص ۱۴۹، ۱۵۰، رقم الحديث ۴۴۳، باب بشری المؤمن عند الموت وغير ذلک) [1]

ترجمہ: جب مومن بندے کی روح کو قبض کیا جاتا ہے، تو اللہ کے بندوں میں سے رحمت والے (یعنی نیک) بندے اس سے ملاقات کرتے ہیں، جیسا کہ دنیا میں خوشخبری سنانے والے سے ملاقات کرتے تھے، پھر وہ اس مومن بندے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، تاکہ اس سے سوال کریں، پھر وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ

---

[1] قال الالبانی: أخرجه ابن المبارک فی "الزهد" : (443 / 149) "أخبرنا ثور بن يزيد عن أبی رهم السمعی عن أبی أيوب الأنصاری قال: فذكروه موقوفا عليه .قال ابن صاعد – راوی الزهد – عقبه: " رواه سلام الطويل عن ثور فرفعه ."قلت: إسناد الموقوف صحيح، أبو رهم السمعی اسمه أحزاب بن أسيد، قال الحافظ فی "التقريب " :" مختلف فی صحبته، والصحيح أنه مخضرم ثقة ."وثور بن يزيد ثقة ثبت من رجال البخاری، وكونه موقوفا لا يضر، فإنه يتحدث عن أمور غيبية لا يمكن أن تقال بالرأی، فهو فی حكم المرفوع يقينا، ولا سيما وقد روی مرفوعا............ثم وجدت لبعضه شاهدا آخر من طريق عبد الله بن جبير بن نفير أن أبا الدرداء كان يقول: " إن أعمالكم تعرض على موتاكم فيسرون، ويساؤون ."

أخرجه نعيم بن حماد فی "زوائد الزهد" : (165 / 42) "أنبأنا صفوان بن عمرو قال: حدثنی عبد الله بن جبير بن نفير أن أبا الدرداء كان يقول: فذكره .

قلت: وهذا إسناد رجاله ثقات، لكن قول صفوان: حدثنی عبد الله بن جبير بن نفير مشكل ، لأننی لم أجد فی الرواة "عبد الله بن جبير بن نفير "لكنی وجدت فی شيوخ صفوان: " جبير بن نفير "، ووجدت فی ترجمة هذا أنه يكنی بأبی عبد الرحمن، وقيل: أبو عبد الله، فغلب على ظنی أن فی الإسناد خطأ، وأن الصواب: " أبو عبد الله: جبير بن نفير ."على أنه يحتمل أن يكون الصواب عبد الرحمن بن جبير بن نفير، لأنهم ذكروا لصفوان رواية عن عبد الرحمن هذا أيضا، فقد روی صفوان عن الوالد والولد، فعلى الأول الإسناد متصل، لأن جبيرا تابعی مخضرم، وأما ابنه عبد الرحمن فتابعی صغير، فلم يذكروا له رواية إلا عن أبيه وفراس بن مالک ، وجمع من التابعين .والله أعلم (سلسلة الاحاديث الصحيحة ، تحت رقم الحديث ۲۷۵۸)

تم اپنے بھائی کا خیال کرو، اس کو آرام کر لینے دو، کیونکہ وہ (دنیا کے اندر) کرب و بے چینی میں مبتلا تھا، پھر وہ اس کی طرف متوجہ ہو کر اس سے یہ سوال کرتے ہیں کہ فلاں شخص کا کیا بنا اور فلاں عورت کا کیا بنا؟ کیا اس کا نکاح ہو گیا؟ پھر جب وہ لوگ، ایک آدمی کے بارے میں سوال کرتے ہیں، جو اس فوت ہونے والے مومن بندے سے پہلے فوت ہو چکا تھا، تو اس مومن بندے کی روح ان سے کہتی ہے کہ وہ تو فوت ہو چکا، اس کے جواب میں یہ دوسرے نیک بندے کہتے ہیں کہ ''إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ''اس کو لپٹیں مارنے والی آگ کے ٹھکانے کی طرف لے جایا جا چکا ہے، پس اس کا ٹھکانہ بہت بُرا ہے، اور اس کی تربیت کرنے والی (جہنم) بہت بُری ہے۔

ابو ایوب انصاری فرماتے ہیں کہ پھر ان فوت شدہ نیک لوگوں پر ان (دوسروں) کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں، اگر وہ نیکی کو دیکھتے ہیں، تو خوش ہوتے ہیں، اور خوشی حاصل کرتے ہیں، اور (اللہ کی بارگاہ میں) عرض کرتے ہیں کہ یہ تیرے بندے پر تیری نعمت ہے، اس میں اضافہ کر دیجیے، اور اگر وہ کوئی بُرا عمل دیکھتے ہیں تو عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ اپنے اس بندے کی طرف نظرِ ثانی کیجیے (اور اس پر رحم فرمایئے) (الزہد والرقائق)

اس روایت سے بھی فوت ہونے والی روح سے دوسری روحوں کا ملاقات وکلام کرنا معلوم ہوا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا مَاتَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ تَلَقّٰى رُوْحَهُ أَرْوَاحُ الْمُؤْمِنِيْنَ فَيَقُوْلُوْا لَهُ: مَا فَعَلَ فُلَانٌ؟ فَإِذَا قَالَ: مَاتَ، قَالُوْا: ذُهِبَ بِهٖ إِلٰى أُمِّهِ الْهَاوِيَةِ، فَبِئْسَتِ الْأُمُّ وَبِئْسَتِ الْمُرَبِّيَةُ

(مستدرک للحاکم،رقم الحدیث ۳۹۶۸، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ القارعۃ) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن بندہ فوت ہوجاتا ہے، تو اس کی روح مومن بندوں کی ارواح سے ملاقات کرتی ہے، پھر وہ ارواح اس روح سے کہتی ہیں کہ فلاں کا کیا بنا؟ پھر جب یہ روح کہتی ہے کہ وہ فوت ہوگیا، تو دوسری روحیں جواب میں کہتی ہیں کہ اس کو لپٹیں مارنے والی آگ کے ٹھکانے کی طرف لے جایا جاچکا ہے، پس اس کا ٹھکانہ بہت برا ہے، اور اس کی تربیت کرنے والی (جہنم) بہت بری ہے (حاکم)

مذکورہ احادیث وروایات سے بھی معلوم ہوا کہ انسان کے فوت ہونے کے بعد، بطورِ خاص مومن اور نیک بندوں کی ارواح کو پوری طرح ہوش وحواس اور عقل وشعور ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے فوت ہونے والے کی روح سے دوسری ارواح ملاقات کرتی ہیں، اور زندوں کے بارے میں حال احوال معلوم کرتی ہیں، اور ان کے اچھے اعمال معلوم ہونے پر خوش، اور بُرے اعمال معلوم ہونے سے ناخوش ہوتی ہیں۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اچھے ٹھکانے والی روحیں، برے ٹھکانے والی روحوں سے ملاقات نہیں کرتیں، کیونکہ ان کے ٹھکانے الگ الگ ہوتے ہیں، خواہ وہ ایک ہی مقام پر دفن کیوں نہ ہوئے ہوں۔

انس رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِيْ

---

[1] قال الحاكم: هذا حديث مرسل صحيح الإسناد، فإني لم أجد لهذه السورة تفسيرا على شرط الكتاب فأخرجته إذ لم أستجز إخلاء ه من حديث.
وقال الذهبي في التلخيص: مرسل.

قَبْرِهٖ وَتَوَلّٰى عَنْهُ أَصْحَابُهٗ، وَإِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ، أَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهٖ، فَيَقُوْلَانِ: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ، فَيَقُوْلُ: أَشْهَدُ أَنَّهٗ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ، فَيُقَالُ لَهٗ: اُنْظُرْ إِلٰى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ أَبْدَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ، فَيَرَاهُمَا جَمِيْعًا - قَالَ قَتَادَةُ: وَذُكِرَ لَنَا: أَنَّهٗ يُفْسَحُ لَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ، ثُمَّ رَجَعَ إِلٰى حَدِيْثِ أَنَسٍ - قَالَ: وَأَمَّا الْمُنَافِقُ وَالْكَافِرُ فَيُقَالُ لَهٗ: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ؟فَيَقُوْلُ: لَا أَدْرِيْ كُنْتُ أَقُوْلُ مَايَقُوْلُ النَّاسُ، فَيُقَالُ: لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ، وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِيْدٍ ضَرْبَةً، فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيْهِ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ (صحيح البخاری، رقم الحديث ۱۳۷۴، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے، اوراس کے ساتھی اس سے رخصت ہوتے ہیں، اوروہ ان کے جوتوں کی آہٹ کو سنتا ہے، تو اس کے پاس دوفرشتے آتے ہیں، جو اسے بٹھاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ تُو اس شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا جانتا ہے؟ مومن تو یہ جواب دیتا ہے کہ ''أَشْهَدُ أَنَّهٗ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ'' تو اسے کہا جاتا ہے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم کی طرف دیکھو، اللہ نے اس کے بدلے تمہیں جنت عطاء کی، وہ شخص یہ دونوں چیزیں دیکھتا ہے، قتادہ (راوی) کہتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ اس کی قبر میں کشادگی پیدا کردی جاتی ہے، پھر قتادہ نے انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرف رجوع کیا کہ منافق اور کافر سے کہا جاتا ہے کہ ان صاحب (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق تو کیا کہتا تھا؟ وہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا، میں وہی کہتا تھا، جو لوگ کہتے تھے، تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تُو نے نہ تو عقل (وسمجھ) سے سمجھا، اور نہ

(قرآن وسنت اوران کے پیروکاروں) کی اتباع کی، اوراسے لوہے کے گُرزوں سے مارا جاتا ہے، جس سے وہ اس طرح چلاتا ہے کہ سوائے انس وجن کے تمام چیزیں جو اس کے قریب ہوتی ہیں، سنتی ہیں (بخاری)

مذکورہ حدیث سے بھی برزخ وقبر میں سوال وجواب ہونے اور میت کے اچھی وبُری حالت کا سامنا کرنے کا ثبوت ہوا۔

یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ مرنے والے نیک، یا بد شخص کے ساتھ پیش آنے والے حالات، بندوں کے اعمال کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں، اس لیے مختلف روایات کے اختلاف کو مختلف اشخاص پر محمول کرنا چاہیے۔

انس رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَيْتُ عَلٰى سَمَاءِ الدُّنْيَا لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيْ، فَرَأَيْتُ فِيْهَا رِجَالًا تُقْطَعُ أَلْسِنَتُهُمْ وِشِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيْضَ مِنْ نَارٍ، فَقُلْتُ: يَا جِبْرِيْلُ، مَا هٰؤُلَاءِ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ خُطَبَاءُ مِنْ أُمَّتِكَ

(مسند أبی یعلٰی، رقم الحدیث ۴۱۶۰، مسند انس بن مالک) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں معراج کی رات میں آسمانِ دنیا پر آیا، تو میں نے اس میں ایسے لوگوں کو دیکھا، جن کی زبانیں اور ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے، میں نے کہا کہ اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ آپ کی امت کے خطیب (جو "**یقولون مالا یفعلون**" کے مصداق ہیں، یعنی دوسروں کو ایسی باتوں کی نصیحت کرتے ہیں، جن پر عمل نہیں

[1] قال حسین سلیم أسد الدارانی: حدیث صحیح (حاشیة مسند ابی یعلٰی)

کرتے اور اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور عمل نہیں کرتے) (مسند ابی یعلیٰ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ منظر، معراج کی رات میں دکھایا گیا، اور یہ منظر عالمِ برزخ کا دکھایا گیا، جس میں زبان، اور ہونٹوں کو قینچیوں سے کاٹے جانے کا ذکر ہے، اور زبان، اور ہونٹوں کا تعلق جسم کے اعضاء سے ہے، جس سے ظاہر ہوا کہ برزخ میں میت کی روح کے ساتھ اس کے جسم کو بھی عذاب دیا جاتا ہے۔

انس رضی اللہ عنہ کی تیسری حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا عَرَجَ بِیْ رَبِّیْ مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُـمْ أَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ، يَخْمُشُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَصُدُوْرَهُمْ. فَقُلْتُ: مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيْلُ؟ قَالَ: هٰـؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ، وَيَقَعُوْنَ فِیْ أَعْرَاضِهِمْ (مسنداحمد، رقم الحديث ١٣٣٤٠) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مجھے میرے رب نے معراج کرائی، تو میرا گزر ایسی قوم پر ہوا، جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو ان ناخنوں سے چھیلتے تھے، میں نے کہا کہ اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں، جو آدمیوں کا گوشت کھاتے ہیں (یعنی ان کی غیبت کرتے ہیں) اور ان کی آبروریزی کرتے ہیں (مسند احمد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ منظر بھی معراج کی رات میں دکھایا گیا، اور یہ منظر عالمِ برزخ کا دکھایا گیا، جس میں چہرہ، سینہ، اور ناخنوں کا ذکر ہے، اور یہ تمام اعضاء جسم و بدن سے تعلق رکھتے ہیں، جس سے وہی بات معلوم ہوئی، جو اِس سے پہلی روایت میں گزری۔

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم من جهة عبد الرحمن بن جبير، وأما متابعه راشد بن سعد، فمن رجال أصحاب السنن، وهو ثقة (حاشيه مسنداحمد)

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيْ رَجُلًا يَسْبَحُ فِيْ نَهَرٍ وَيُلْقَمُ الْحِجَارَةَ، فَسَأَلْتُ مَا هٰذَا، فَقِيْلَ لِيْ: آكِلُ الرِّبَا

(مسنداحمد، رقم الحدیث ۲۰۱۰۱) [1]

ترجمہ: اللہ کے نبی نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات میں ایک آدمی کو دیکھا کہ جو نہر میں تیر رہا ہے اور پتھر کو لقمہ بنا بنا کر کھا رہا ہے، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب میں مجھے بتایا گیا کہ یہ سود خور ہے (مسند احمد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ منظر بھی معراج کی رات میں دکھایا گیا، اور یہ منظر عالَمِ برزخ کا دکھایا گیا، جس میں پتھر کو لقمہ بنا کر کھانے کا ذکر ہے، اس عمل کا تعلق بھی روح کے ساتھ ساتھ جسم وبدن سے ہے۔

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

أَمَّا الَّذِيْ يُثْلَغُ رَأْسُهُ بِالْحَجَرِ، فَإِنَّهُ يَأْخُذُ الْقُرْآنَ، فَيَرْفِضُهُ، وَيَنَامُ عَنِ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوْبَةِ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۱۱۴۳، کتاب التهجد، باب عقد الشيطان على قافية الرأس إذا لم يصل بالليل)

ترجمہ: جس کا سَر پتھر سے کچلا جا رہا تھا، وہ ایسا شخص تھا، جو قرآن کو حاصل کر کے پھر اُس کو چھوڑ دیتا تھا، اور فرض نماز چھوڑ کر سوتا رہتا تھا (بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ منظر، خواب میں دکھایا گیا، اور یہ منظر عالَمِ برزخ کا دکھایا گیا، جس

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد قوی (حاشية مسند احمد)

میں سر کو کچلے جانے کا ذکر ہے، اور سر کا تعلق جسم کے اعضاء سے ہے۔
اس طرح کی اور بھی کئی احادیث ہیں، جن سے برزخ میں کافروں اور گناہ گاروں کو عذاب ہونے اور مومنوں ونیکو کاروں کو راحت ونعمت عطاء کیے جانے اور گناہ گاروں کے جسم کے مختلف اعضاء کو عذاب ہونے کا ذکر ہے۔
جہاں تک اس طرح کے سوالات کا تعلق ہے کہ دنیا سے فوت ہونے کے بعد برزخ وقبر میں کس طرح زندہ کیا جاتا ہے؟ اور کس طرح اس کی طرف روح کو لوٹایا جاتا ہے؟ اور یہ کیونکر ہوتا ہے؟ اور وہ اعضاء کس طرح کے، اور کونسے ہوتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔
تو قرآن وسنت سے مرنے کے بعد برزخ وقبر میں دوبارہ زندہ کیے جانے اور اچھے بُرے حالات کے ثبوت کے بعد مومن کے لیے اس طرح کے سوالات کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی۔
اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی مختلف آیات میں اس سلسلہ میں اپنی قدرت کا ذکر فرمایا ہے، جن کے سامنے اس طرح کے سوالات وشبہات کی اہمیت نہیں رہ جاتی۔

سورہ یونس، سورہ عنکبوت، اور سورہ روم کا حوالہ

چنانچہ سورہ یونس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ أَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ (سورة يونس، رقم الآية ٤)

ترجمہ: اسی (اللہ) کی طرف لوٹنے کی جگہ ہے، تم سب کی، اللہ کا وعدہ حق ہے، بے شک وہی پہلی مرتبہ مخلوق پیدا فرماتا ہے، پھر وہ لوٹا دیتا ہے اس کو، تاکہ بدلہ دے وہ ان لوگوں کو، جو ایمان لائے اور عمل کیے نیک، انصاف کے ساتھ، اور

وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، ان کے لیے مشروب ہے کھولتا ہوا، اور عذابِ الیم ہے، ان کے کفریہ کارناموں کی وجہ سے (سورہ یونس)

مطلب یہ ہے کہ اللہ نے پہلی مرتبہ مخلوق کو پیدا فرمایا، تو وہ اُس مخلوق کو فوت کرنے کے بعد پہلی حالت پر لوٹا دیتا ہے، اور سب لوٹ کر اسی کی طرف جاتے ہیں۔

پھر قیامت کے دن تو اللہ تعالیٰ روح اور جسم کو مکمل طریقہ پر لوٹا دے گا، جس میں روح اور جسم دونوں برابر ظاہر اور انتہائی قوی ہوں گے، چنانچہ جنت میں جسم اور روح دونوں کو اللہ تعالیٰ ہر قسم کی نقل وحرکت کی قوت وصلاحیت عطاء فرمائے گا، اور جسم اور روح دونوں ہی بیماری، کمزوری، اور جلنے، سڑنے بلکہ فناء ہونے سے محفوظ ہو جائیں گے، جبکہ برزخ کا معاملہ آخرت کی زندگی سے کمزور ہے، اس میں جسم مغلوب اور روح غالب ہوتی ہے۔

اور سورہ عنکبوت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ. قُلْ سِيْرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَاءُ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ. وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (سورة العنكبوت، رقم الآية ١٩، الى ٢٢)

ترجمہ: کیا نہیں دیکھا اُن لوگوں نے کہ کیسے پہلی مرتبہ پیدا فرماتا ہے اللہ، مخلوق کو، پھر لوٹا دیتا ہے وہ اس مخلوق کو، بے شک یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ چلو پھرو تم زمین میں، پھر دیکھو کہ کیسے پہلی مرتبہ پیدا فرمایا اس نے مخلوق کو، پھر اللہ پیدا فرمائے گا دوسری مرتبہ بھی، بے شک اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ عذاب دیتا ہے وہ، جس کو چاہتا ہے، اور رحم کرتا ہے وہ، جس پر چاہتا ہے، اور اُسی

کی طرف لوٹایا جائے گا تم کو۔ اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے زمین میں، اور نہ آسمان میں، اور نہیں ہے تمہارے لیے اللہ کے علاوہ کوئی ولی اور نہ کوئی نصرت کرنے والا (سورہ عنکبوت)

مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ ہی نے تمام مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا فرمایا، اور وہی اُس مخلوق کو دوبارہ بھی پیدا فرماتا ہے، اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے، جس کے نمونوں کا زمین میں چل پھر کر، اللہ کی بے شمار مخلوقات میں نظارہ کیا جاسکتا ہے۔

اور سورہ روم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَیْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلٰى فِی السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (سورۃ الروم، رقم الآیۃ ۲۷)

ترجمہ: اور وہی ہے، جو پیدا فرماتا ہے پہلی مرتبہ مخلوق کو، پھر لوٹا دیتا ہے اس کو، اور وہ (یعنی دوبارہ لوٹانا) زیادہ آسان ہے اُس پر، اور اُسی کے لیے شانِ اعلیٰ ہے، آسمانوں میں اور زمین میں، اور وہ عزیز ہے، حکیم ہے (سورہ روم)

مذکورہ آیت سے بھی معلوم ہوا کہ تمام مخلوق کو پہلی مرتبہ اللہ ہی نے پیدا فرمایا، اور وہ اُس مخلوق کے فوت ہونے کے بعد اُس کو لوٹانے پر پوری طرح قادر ہے، بلکہ لوٹانا، پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہے، اور یہ حکم جس طرح بروزِ قیامت زندہ کرنے کو شامل ہے، اسی طرح قیامت سے پہلے، اور برزخ وقبر میں زندہ کرنے کو بھی شامل ہے۔

قرآن وسنت میں فوت ہونے کے بعد اللہ کی طرف سے دوبارہ زندہ کیے جانے کے مختلف واقعات کا ذکر آیا ہے۔

سورہ بقرہ کا حوالہ

چنانچہ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ، قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ. وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ رَبِّ أَرِنِىْ كَيْفَ تُحْىِ الْمَوْتٰى قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيْنَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

(سورۃ البقرۃ، رقم الآیات ۲۵۹ و ۲۶۰)

ترجمہ: یا اس شخص کی طرح جو گزرا، ایک بستی پر، اور وہ گری ہوئی تھی، اپنی چھتوں پر، کہا اس (شخص) نے کہ کیسے زندہ کرے گا اس (بستی) کو اللہ؟ اس کی موت کے بعد، تو موت دے دی اس (شخص) کو اللہ نے سو سال تک، پھر اٹھا دیا اس کو ، فرمایا اُس (یعنی اللہ) نے کتنا ٹھہرے رہے تم، کہا اس (شخص) نے، ٹھہرا رہا میں ایک دن، یا دن کا بعض حصہ، فرمایا اُس (یعنی اللہ) نے بلکہ ٹھہرے رہے تم سو سال، پس دیکھیے اپنے کھانے اور اپنے پینے کی طرف، سڑا نہیں وہ، اور دیکھیے اپنے گدھے کی طرف، اور تاکہ بنادیں ہم تم کو نشانی لوگوں کے لیے، اور دیکھیے ہڈیوں کی طرف، کیسے جمع کرتے ہیں ہم اُن کو، پھر چڑھاتے ہیں ہم ان پر گوشت کو، پھر جب واضح ہو گیا اس (شخص) کے لیے (اللہ کی قدرت کا نمونہ تو) کہا اس (شخص) نے کہ جانتا ہوں میں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

اور جب کہا ابراہیم نے، اے میرے رب! دکھا دیجیے کہ مجھے کیسے زندہ کرتا ہے تو

مُردوں کو؟ فرمایا (رب نے) کہ کیا نہیں ایمان لائے تم؟ کہا (ابراہیم نے) جی ہاں! (میرا اس پر ایمان ہے) اور لیکن اس لیے کہ مطمئن ہو میرا دل، فرمایا (رب نے) کہ لے لیجیے چار پرندے، پھر ہلا لیجیے، ان کو اپنی طرف، پھر کر دیجیے ہر پہاڑ پر ان میں سے ایک حصہ کو، پھر بلائیے ان کو، آئیں گے وہ آپ کے پاس دوڑتے ہوئے، اور جان لیجیے آپ کہ بے شک اللہ عزیز ہے، حکیم ہے (سورہ بقرہ)

مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوبارہ زندہ کیے جانے کے دو عظیم واقعات کا ذکر ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے موت کے بعد برزخ وقبر میں جس طرح سے زندہ فرمانا چاہے، اُسے کوئی بھی مشکل نہیں۔

ابوہریرہ اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ لَمْ يَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ: فَإِذَا مَاتَ فَحَرِّقُوْهُ وَاذْرُوْا نِصْفَهُ فِي الْبَرِّ، وَنِصْفَهُ فِي الْبَحْرِ، فَوَاللّٰهِ لَئِنْ قَدَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَيُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا لَا يُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِيْنَ، فَأَمَرَ اللّٰهُ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ، وَأَمَرَ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ، ثُمَّ قَالَ: لِمَ فَعَلْتَ؟ قَالَ: مِنْ خَشْيَتِكَ وَأَنْتَ أَعْلَمُ، فَغَفَرَ لَهُ (صحيح البخاری، رقم الحديث ٧٥٠٦، باب قول الله تعالى: يريدون أن يبدلوا كلام الله)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص نے کہا، جس نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی تھی کہ جب وہ مر جائے، تو اسے جلا دیا جائے، اور راکھ کو آدھا خشکی میں ڈال دیا جائے، اور آدھا سمندر میں ڈال دیا جائے، اللہ کی قسم! اگر اللہ

نے اس پر قدرت پائی، تو اس کو ایسا عذاب دے گا کہ دنیا والوں میں سے کسی کو نہیں دے گا، پھر اللہ نے سمندر کو حکم دیا، اس نے اپنے میں موجود تمام اجزاء کو جمع کر دیا، اور خشکی کو بھی حکم دیا، اس نے بھی اپنے میں موجود تمام اجزاء کو جمع کر دیا، پھر اللہ نے فرمایا کہ تجھے اس طرزِ عمل پر کس چیز نے ابھارا تھا، تو اس نے جواب میں کہا کہ آپ کے خوف نے، اور تو میرے دل کی یہ بات سب سے زیادہ جانتا ہے، پس اللہ نے اس کی مغفرت فرما دی (بخاری)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: حَدِّثُوْا عَنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ وَلَا حَرَجَ؛ فَإِنَّهُ كَانَتْ فِيْهِمُ الْأَعَاجِيْبُ ثُمَّ أَنْشَأَ يُحَدِّثُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: خَرَجَتْ طَائِفَةٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيْلَ حَتّٰى أَتَوْا مَقْبَرَةً لَهُمْ مِنْ مَقَابِرِهِمْ، فَقَالُوْا: لَوْ صَلَّيْنَا رَكْعَتَيْنِ وَدَعَوْنَا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يُخْرِجَ لَنَا رَجُلًا مِمَّنْ قَدْ مَاتَ؛ نَسْأَلُهُ عَنِ الْمَوْتِ؟ قَالَ: فَفَعَلُوْا فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ إِذْ أَطْلَعَ رَجُلٌ رَأْسَهُ مِنْ قَبْرٍ مِنْ تِلْكَ الْمَقَابِرِ، خِلَاسِيٌّ بَيْنَ عَيْنَيْهِ أَثَرُ السُّجُوْدِ، فَقَالَ: يَا هٰؤُلَاءِ، مَا أَرَدْتُمْ إِلَيَّ؟ فَقَدْ مِتُّ مُنْذُ مِائَةِ سَنَةٍ، فَمَا سَكَنَتْ عَنِّيْ حَرَارَةُ الْمَوْتِ، حَتّٰى كَانَ الْآنَ، فَادْعُوا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لِيْ يُعِيْدُنِيْ كَمَا كُنْتُ (الزهد لاحمد بن حنبل، ص۱۷، ۱۸، رقم الحديث ۸۸) [1]

---

[1] قال الالباني: فصح الحديث واتصل الإسناد والحمد لله (سلسلة الأحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۲۹۲۶)

وقال سعد بن ناصر بن عبد العزيز الشّثرى: صحيح، وإن كان اختلف فى سماع عبد الرحمن بن سابط من جابر، إلا أن الراجح ثبوته ويؤيده رواية ابن منيع الآتية (برقم 774"3").

وقال ابن رجب فى أهوال القبور (ص 68) هذا إسناد جيد (حاشية المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية، ج۵، ص۱۹۸، تحت رقم الحديث ۷۷۴، كتاب الجنائز، باب احوال المحتضر)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بنی اسرائیل کی روایتوں کو بیان کر سکتے ہو، اس میں کوئی حرج نہیں (جب تک وہ بات قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو) کیونکہ بنی اسرائیل میں عجیب وغریب واقعات ہوئے ہیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بیان فرمانا شروع کی کہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگ نکلے، اور وہ اپنے قبرستانوں میں سے ایک قبرستان کے پاس گئے، اور انہوں نے کہا کہ اگر ہم دو رکعات نماز پڑھ کر اللہ عزوجل سے یہ دعاء کریں کہ وہ ہمارے سامنے فوت شدہ کسی شخص کو نکالے، تاکہ ہم اس سے موت کے بارے میں سوال کریں، تو انہوں نے ایسا ہی کیا، وہ ابھی دعاء کر ہی رہے تھے کہ اچانک اس قبرستان کی قبر میں سے ایک گندمی رنگ کے شخص نے اپنا سر نکالا، اس کی آنکھوں کے درمیان سجدوں کا نشان موجود تھا، اور اس نے کہا کہ کون لوگ ہو؟ میرے ساتھ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟ میں تو سو سال پہلے فوت ہو چکا تھا، اور میری موت کی گرمی ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی، مگر اَب (تمہاری دعاء کے وقت) ٹھنڈی ہوئی، تو تم اللہ عزوجل سے یہ دعا کرو کہ وہ مجھے پہلی حالت پر لوٹا دے (الزہد)

اس حدیث کو ''ابوداؤد بجستانی'' نے بھی ''البعث'' میں روایت کیا ہے، جس کے آخر میں یہ بھی اضافہ ہے کہ:

''پھر ان لوگوں نے اس کی واپسی کی دعاء کی، تو اللہ نے اس کو پہلی حالت پر لوٹا دیا''۔ [1]

---

[1] جابر بن عبد الله ، – أراه – عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم : أن نفرا من بني إسرائيل خرجوا يمشون في الأرض ، ويفكرون فيها حتى انتهوا إلى مقبرة ، فسألوا الله عز وجل أن يخرج إليهم ميتا من أهلها ، فيسألونه عن الموت ، فخرج إليهم رجل بين عينيه أثر السجود ، فقال : أى قوم ، ماذا أردتم ؟ فقالوا : دعونا الله أن يخرج إلينا ميتا نسأله عن الموت ، كيف هو ؟ قال : قد ركبتم منى أمرا عظيما ، لقد وجدت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس طرح کی احادیث وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے فوت ہونے کے عرصۂ دراز گزرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ، انسان کو پہلی حالت پر ظاہر فرما دیتا ہے، اگرچہ عام زندہ انسانوں کی نظروں سے کسی مصلحت کی بناء پر اس کو مخفی کیوں نہ رکھا جائے، اور اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی کام مشکل نہیں۔

سورہ فصلت اور سورہ قٓ کا حوالہ

سورہ فصلت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (سورہ فصلت، رقم الآیۃ ۵۳)

ترجمہ: عنقریب دکھادیں گے ہم ان (انسانوں) کو، اپنی آیات، آفاق میں، اور ان (انسانوں) کی جانوں میں، یہاں تک کہ واضح ہوجائے گا ان کے لیے کہ بے شک وہ (یعنی قرآن) حق ہے، کیا کافی نہیں ہے آپ کے رب کی طرف سے، یہ کہ بے شک وہ ہر چیز پر گواہ ہے (سورہ فصلت)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی حقانیت اور اپنی قدرت کے نمونے، سائنس اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

طعم الموت مائة عام ، فدعوتم الله وقد سكن عنى ، فادعوا الله أن يعيدنى كما كنت . قال : فدعوا الله ، فأعاده كما كان (البعث لابن أبى داود السجستانى، ص ١٦ ، ١٧ ، رقم الحديث ٥)

قال سعد بن ناصر بن عبد العزيز الشّثرى:

هذا إسناد صحيح، أوله مرسل، وبقيته موقوف، ومروان وإن كان مدلسا إلا أنه صرح بالتحديث هنا، وأورده البوصيرى فى إتحاف الخيرة المهرة (112 /1)ب مختصر، وقال: روى أحمد بن منيع أوله مرسلا وبقيته موقوفا.

قلت: وقد تقدم أنه صح مرفوعا متصلا، وعلى ذلك فهو صحيح مرسلا ومتصلا (حاشية المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية، ج۵، ص۱۹۸، تحت رقم الحديث ۷۷۴، كتاب الجنائز، باب احوال المحتضر)

میڈیکل سائنس کی شکل میں مختلف طریقوں سے ظاہر فرماتا رہے گا۔
اور آج کی سائنس کے ذریعے اس طرح کے بہت سے نمونے ظاہر بھی ہو چکے ہیں۔
چنانچہ موجودہ دور میں سائنس نے ''ہارڈ ویئر'' سے ترقی کر کے، سافٹ ویئر تک کا سفر طے کر لیا ہے۔
اور ہارڈ ویئر انسان کی باڈی اور جسم و بدن کا نمونہ ہے، اور سافٹ ویئر انسان کی روح کا نمونہ ہے۔
آج کل جس طرح بڑے بڑے سافٹ ویئر، بڑے سے بڑے ہارڈ ویئر میں ڈال دیے جاتے ہیں، اسی طرح بعینہٖ وہی سافٹ ویئر، چھوٹے سے چھوٹے ہارڈ ویئر میں بھی ڈال دیے جاتے ہیں، جیسا کہ چھوٹی سی ڈیوائس میں پورا پورا ڈیٹا محفوظ ہوتا ہے۔
جو کام پہلے بڑے بڑے ہارڈ ویئر اور مشینوں سے نہیں ہو پاتے تھے، آج وہ چھوٹی سی ڈیوائس میں موجود سافٹ ویئرز سے انجام پا رہے ہیں۔
پس اللہ کو پوری طرح یہ قدرت حاصل ہے کہ دنیا میں انسان کی مکمل باڈی کے ساتھ روح کی سافٹ ویئر کا تعلق و کنکشن قائم فرمائے، اور فوت ہونے کے بعد عالمِ برزخ و قبر میں اس کے چھوٹے سے ذرے، یا ریڑھ کی ہڈی کی دُم کے ساتھ اس روح کے سافٹ ویئر کا تعلق و کنکشن فرمائے، پھر اس چھوٹے سے ذرے کو مکمل جسم کے خواص اپنی شایانِ شان عطاء فرمائے، یا اس ذرہ کو ''ہارڈ ڈسک'' کی حیثیت دے کر عالمِ برزخ کے مکمل نظام و پروگرام کو جاری و ساری فرمائے۔ [1]

---

[1] وفی تفسیر قوله سنريهم آياتنا فی الآفاق وفی أنفسهم قولان.
الأول :أن المراد بآيات الآفاق الآيات الفلكية والكوكبية وآيات الليل والنهار وآيات الأضواء والإضلال والظلمات وآيات عالم العناصر الأربعة. وآيات المواليد الثلاثة(أعنی المعادن والنبات والحيوان) وقد أكثر الله منها فی القرآن.
وقوله وفی أنفسهم المراد منها الدلائل المأخوذة من كيفية تكون الأجنة فی ظلمات الأرحام

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قرآن مجید کی سورہ ق میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَقَالَ الْكَافِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِيْبٌ. أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِکَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ. قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيْظٌ

(سورۃق، رقم الآیۃ ۲،الیٰ ۴)

ترجمہ: پس کہا کافروں نے کہ یہ عجیب چیز ہے۔کیا جب مرجائیں گے ہم،اور ہوجائیں گے ہم مٹی،تو یہ واپسی بعید ہے۔ یقیناً جانتے ہیں ہم، جوکم کرتی ہے مٹی،اُن میں سے، اور ہمارے پاس کتاب ہے، جو بہت حفاظت کرنے والی ہے(سورہ ق)

مطلب یہ ہے کہ کافروں کا یہ اعتراض درست نہیں کہ دنیا سے فوت ہونے،اور مٹی ہونے کے بعد دوبارہ کیسے زندہ ہوں گے، یا روح کیسے لوٹائی جائے گی۔

اللہ نے اس اعتراض کے جواب میں فرمایا کہ انسان کے فوت ہونے کے بعد مٹی، کس کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وحدوث الأعضاء العجيبة والتركيبات الغريبة، كما قال تعالى:"وفى أنفسكم أفلا تبصرون"يعنى نريهم من هذه الدلائل مرة بعد أخرى إلى أن تزول الشبهات عن قلوبهم ويحصل فيها الجزم والقطع بوجود الإله القادر الحكيم العليم المنزه عن المثل والضد.

فإن قيل هذا الوجه ضعيف لأن قوله تعالى :سنريهم يقتضى أنه تعالى ما أطلعهم على تلك الآيات إلى الآن وسيطلعهم عليها بعد ذلك، والآيات الموجودة فى العالم الأعلى والأسفل قد كان الله أطلعهم عليها قبل ذلك فثبت أنه تعذر حمل هذا اللفظ على هذا الوجه.

قلنا إن القوم وإن كانوا قد رأوا هذه الأشياء إلا أن العجائب التى أودعها الله تعالى فى هذه الأشياء مما لا نهاية لها، فهو تعالى يطلعهم على تلك العجائب زمانا فزمانا، ومثاله كل أحد رأى بعينه بنية الإنسان وشاهدها، إلا أن العجائب التى أبدعها الله فى تركيب هذا البدن كثيرة وأكثر الناس لا يعرفونها، والذى وقف على شيء منها فكلما ازداد وقوفا على تلك العجائب والغرائب فصح بهذا الطريق قوله سنريهم آياتنا فى الآفاق وفى أنفسهم.

والقول الثانى :أن المراد بآيات الآفاق فتح البلاد المحيطة بمكة وبآيات أنفسهم فتح مكة والقائلون بهذا القول رجحوه على القول الأول لأجل أن قوله سنريهم يليق بهذا الوجه ولا يليق بالأول إلا أنا أجبنا عنه بأن قوله سنريهم لائق بالوجه الأول كما قررناه(التفسير الكبير، لفخر الدين الرازى، ج۲۷،ص۵۷۳،سورة فصلت السجدة)

جسم کو کھا کر کم کرتی ہے، اور کتنا کھا کر کم کرتی ہے، یہ سب اللہ کے علم میں ہے، اور اس کا پورا حساب، کتاب بھی اللہ کے پاس نہایت محفوظ کتاب میں درج ہے۔

اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فوت ہونے کے بعد عادتاً ہر انسان کے جسم کے حصہ کو مٹی کھا لیتی ہے، سوائے ریڑھ کی ہڈی کی دُم کے۔ [1]

ابو ہریرہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما کی حدیث

چنانچہ امام بخاری نے اپنی ''صحیح بخاری'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک

---

[1] قوله تعالى :قد علمنا ما تنقص الأرض منهم يعنى :ما تأكل الأرض من لحومهم، وعروقهم، وما بقى منهم، ويقال :تأكل الأرض جميع البدن إلا العصعص، وهو عجب الذنب، وذلك العظم آخر ما يبقى من البدن .فأول ما يعود، ذلك العظم ويركب عليه سائر البدن وعندنا كتاب حفيظ يعنى :اللوح المحفوظ (تفسير بحر العلوم،للسمرقندى، ج٣،ص ٣٣٢،سورة ق)

فأخبر الله تعالى ردا على قولهم بأنه يعلم ما تأكل الأرض من ابن آدم وما تبقى منه، وإن ذلك فى الكتاب، وكذلك يعود فى الحشر معلوما ذلك كله.

و الحفيظ :الجامع الذى لم يفته شىء .وقال الرمانى :حفيظ متبع أن يذهب ببلى ودروس، وروى فى الخبر الثابت :أن الأرض تأكل ابن آدم إلا عجب الذنب، وهو عظم كالخردلة، فمنه يركب ابن آدم، وحفظ ما تنقص الأرض إنما هو ليعود بعينه يوم القيامة، وهذا هو الحق .وذهب بعض الأصوليين إلى أن الأجساد المبعثرة المبعوثة يجوز أن تكون غير هذه، وهذا عندى خلاف لظاهر كتاب الله ولو كانت غيرها فكيف كانت تشهد الأيدى والأرجل على الكفرة إلى غير ذلك مما يقتضى أن أجساد الدنيا هى التى تعود .وقال ابن عباس ومجاهد والجمهور، المعنى :ما تنقص من لحومهم وأبشارهم وعظامهم(المحرر الوجيز فى تفسير الكتاب العزيز،لابن عطية الأندلسى، ج٥، ص١٥٧، سورة ق)

ثم أخبر تعالى ردا على قولهم بأنه سبحانه يعلم ما تأكل الأرض من ابن آدم، وما تبقى منه، وأن ذلك فى كتاب، والحفيظ :الجامع الذى لم يفته شىء وفى الحديث الصحيح :إن الأرض تأكل ابن آدم إلا عجب الذنب وهو عظم كالخردلة، فمنه يركب ابن آدم ، قال ع :وحفظ ما تنقص الأرض إنما هو ليعود بعينه يوم القيامة، وهذا هو الحق قال ابن عباس والجمهور :المعنى :ما تنقص من لحومهم وأبشارهم وعظامهم(الجواهر الحسان فى تفسير القرآن،لأبى زيد الثعالبى، ج٥، ص ٢٨١، سورة ق)

علم الله تعالى بأجزاء الميت على التفصيل، وإلى هذا أشير بقوله قد علمنا ما تنقص الأرض من أجساد الموتى وتأكل من لحومهم وعظامهم.

عن النبى صلى الله عليه وسلم كل ابن آدم يبلى إلا عجب الذنب(غرائب القرآن ورغائب الفرقان، لنظام الدين الحسن بن محمد النيسابورى، ج٦،ص ١٧٣ ،سورة ق)

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ:

ثُمَّ يُنْزِلُ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا يَنْبُتُ الْبَقْلُ، لَيْسَ مِنَ الْإِنْسَانِ شَيْءٌ إِلَّا يَبْلٰى، إِلَّا عَظْمًا وَاحِدًا وَهُوَ عَجْبُ الذَّنَبِ، وَمِنْهُ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (صحيح البخارى، رقم الحديث ۴۹۳۵، كتاب المغازى، باب مرض النبى صلى الله عليه وسلم ووفاته)

ترجمہ: پھر (قیامت کے دن صور پھونکے جانے کے بعد) اللہ، آسمان سے پانی کو نازل فرمائے گا، جس سے انسان، سبزی کی طرح (یکلخت) اُگ پڑیں گے، انسان کی کوئی چیز ایسی نہیں، جو (اس کے فوت ہونے کے بعد) گل سڑ نہ جاتی ہو، سوائے ایک ہڈی کے، جو کہ ریڑھ کی ہڈی کی دُم ہے، اور اسی ہڈی سے قیامت کے دن مخلوق کی ترکیب (وتخلیق) کی جائے گی (بخاری)

اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: كُلُّ ابْنِ آدَمَ يَأْكُلُهُ التُّرَابُ، إِلَّا عَجْبَ الذَّنَبِ مِنْهُ، خُلِقَ وَفِيْهِ يُرَكَّبُ (صحيح مسلم، رقم الحديث ۲۹۵۵ "۱۴۲" كتاب الفتن وأشراط الساعة، باب ما بين النفختين)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابنِ آدم کے پورے جسم کو مٹی کھا لیتی ہے، سوائے ریڑھ کی ہڈی کی دُم کے، اسی (ہڈی) سے انسان کی تخلیق ہوئی، اور اسی سے اس کو (قیامت کے دن دوبارہ) ترکیب دیا جائے گا (مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ فِي الْإِنْسَانِ عَظْمًا لَا تَأْكُلُهُ الْأَرْضُ أَبَدًا، فِيْهِ يُرَكَّبُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالُوْا أَيُّ عَظْمٍ هُوَ؟ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ : عَجْبُ الذَّنَبِ (صحيح مسلم، رقم الحديث ۲۹۵۵ "۱۴۳" كتاب الفتن وأشراط الساعة، باب ما بين النفختين)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے جسم میں ایک ہڈی ہے، جسے زمین کبھی نہیں کھاتی، اسی ہڈی میں قیامت کے دن (انسان کے جسم وروح کو) جمع کیا جائے گا، صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ ہڈی کونسی ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ریڑھ کی ہڈی کی دُم (یعنی ریڑھ کی ہڈی کا سِرا) ہے (مسلم)

اور ''ابنِ ابی عاصم'' نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت کیا ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كُلُّ ابْنِ آدَمَ تَأْكُلُهُ الْأَرْضُ إِلَّا عَجْبَ الذَّنْبِ مِنْهُ يَنْبُتُ وَيُرْسِلُ اللّٰهُ مَاءَ الْحَيَاةِ فَيَنْبُتُوْنَ فِيْهِ نَبَاتَ الْخَضِرِ حَتّٰى إِذَا أُخْرِجَتِ الْأَجْسَادُ أَرْسَلَ اللّٰهُ الْأَرْوَاحَ وَكَانَ كُلُّ رُوْحٍ أَسْرَعَ إِلٰى صَاحِبِهٖ مِنَ الطَّرْفِ ثُمَّ يُنْفَخُ فِي الصُّوَرِ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ (كتاب السنة لابنِ ابى عاصم، رقم الحديث ٨٩١، باب الإيمان بالبعث وفيه أخبار قد ذكرناها فى موضعها) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابنِ آدم کے جسم کے سارے حصہ کو مٹی کھالیتی ہے، سوائے اس کی ریڑھ کی ہڈی کی دُم کے، اس سے ہی انسانی جسم کو (قیامت کے دن دوبارہ) اُگایا جائے گا، اور اللہ ''مَاءُ الْحَيَاة'' (یعنی زندگی والے پانی) کو بھیجے گا، جس سے تمام انسان سبزی کی طرح اُگ پڑیں گے، یہاں تک کہ جب تمام اجسام مکمل نکل آئیں گے، تو اللہ، روحوں کو بھیجے گا، اور ہر روح اپنے صاحب (یعنی اپنے جسم) کی طرف پلک جھپکنے سے پہلے پہنچ جائے گی، اور جب صور پھونکا جائے گا، تو یکایک انسان کھڑے ہوکر دیکھنا شروع کردیں گے (کتاب السنۃ)

---

[1] قال الالبانی: إسناده جيد ورجاله ثقات رجال البخارى على ضعف فى عتاب بن بشير من قبل حفظه ولا يضر فإن عمرا نقله عن كتابه غير عمرو بن هشام ومحمد بن عوف وهما ثقتان.
وللحديث طريق آخر يرويه أبو صالح عن أبى هريرة مرفوعا (ظلال الجنة، تعليق كتاب السنة لابنِ ابى عاصم، تحت رقم الحديث ٨٩١، باب الإيمان بالبعث وفيه أخبار قد ذكرناها فى موضعها)

اورحضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: يَأْكُلُ التُّرَابُ كُلَّ شَيْءٍ مِّنَ الْإِنْسَانِ إِلَّا عَجْبَ ذَنَبِهٖ، قِيْلَ: وَمِثْلُ مَا هُوَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: مِثْلُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ، مِنْهُ تَنْبُتُوْنَ (مسند أحمد، رقم الحديث ١١٢٣٠ "٣") ؎

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مٹی انسان کے ہر حصہ کو کھا لیتی ہے، سوائے اس کی ریڑھ کی ہڈی کی دُم کے، عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ (ہڈی) کس طرح کی ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رائی کے دانے کی طرح (بالکل ذرا سی) ہے، اسی سے تمہیں اُگایا جائے گا (مسند احمد)

مذکورہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ انسان کے فوت ہونے کے بعد عادتاً اس کے جسم کا ہر عضو گل سڑ جاتا ہے، سوائے ریڑھ کی ہڈی کی دُم کے، جو بہت چھوٹے ذرے کی شکل میں ہوتی ہے۔

اور اللہ کی طرف سے کسی انسان کے جسم، یا اس کے کسی دوسرے عضو کو خلافِ عادت محفوظ رکھنا اس کے خلاف نہیں، جیسا کہ مختلف چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی عادت اور قدرت کے مابین فرق کے بے شمار مناظر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

البتہ دوسری احادیث وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ دنیا سے وفات کے بعد، ان کا پورا جسم سلامت رہتا ہے، اور ان کے جسم کے کسی حصہ کو مٹی کھاتی نہیں ہے۔ ؎۲

اور اللہ کو یہ بھی قدرت حاصل ہے کہ وہ جس فوت شدہ شخص کے منتشر اجزاء کو فی الفور جمع

؎۱ قال شعيب الارنؤوط: حديث حسن لغيره (حاشية مسند احمد)

؎۲ ولا شك أن الجزء الذى يتعلق به الروح لا يبلى، لا سيما عجب الذنب، كما صح فى الأحاديث (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٣، ص١٢١٧، كتاب الجنائز، باب دفن الميت)

فرمادے، اور اس کو پہلی حالت پر لوٹادے۔

اور اس طرح ہر فوت شدہ شخص کی روح ، عالمِ برزخ میں جہاں اللہ کو منظور ہو، وہاں موجود ہوتی ہے، اور جنت سے حاصل ہونے والی نعمت وراحت ، یا جہنم سے حاصل ہونے والی تکلیف وتعذیب، جو بھی اللہ کی طرف سے مقدر ہو، اس کو محسوس کرتی ہے، اور ان سب چیزوں کے باوجود قبر، یا اس جگہ، جہاں بھی انسان کا جسم، یا اس کا کوئی جزء بطورِ خاص ریڑھ کی دُم کی ہڈی موجود ہو، اس کے ساتھ اس روح کا تعلق قائم ہوتا ہے، خواہ زندہ انسانوں کو یہ تعلق نظر نہ آئے۔

جیسا کہ کمپیوٹر کے ہارڈ ویئر (Hardware) یا اس کی ہارڈ ڈسک (Hard Disk) کے ساتھ پورے سافٹ ویئر (Software) کا تعلق قائم ہوتا ہے، اور اس کے نتیجے میں پورا سسٹم اپنی جگہ مؤثر وکارگر رہتا ہے، اور ایک ہی سافٹ ویئر مختلف دور دراز کے مقامات پر استعمال ہوتا ہے، اور اس کا مختلف مقامات سے اتصال اور تعلق بھی وابستہ ہو جاتا ہے۔

اور جس طرح خلائی پرواز کے نظام میں سیٹلائٹ (Satellite) سسٹم (یعنی مصنوعی سیارچہ) اوپر بلند وبالا خلاء وفضاء میں موجود ہوتا ہے، لیکن بایں ہمہ زمین کے ساتھ اس کا تعلق وابستہ ہوتا ہے۔ [1]

یہ چیزیں بھی اللہ کی آیات کی نشانیوں میں سے ہیں، جس کا اصولی ذکر قرآن مجید کی سورہ فصلت میں پہلے گزر چکا ہے۔

---

[1] سیارچہ (artificial) ایک ایسے جسم کو کہا جاتا ہے، جسے انسانی کوششوں سے کسی دوسرے قدرتی سیارے، یا ستارے کے مدار میں چھوڑا جاتا ہے۔

ایسے اجسام کو بعض اوقات مصنوعی سیارچے، یا مصنوعی سیارے بھی کہا جاتا ہے، تا کہ قدرتی سیارچوں (چاند وغیرہ) سے، ان کا فرق بیان کیا جاسکے۔

زمین کے مدار میں بھیجے گئے مصنوعی سیارچوں کے بنیادی مقاصد میں زمین کا مختلف کاموں، مثلاً نقشے بنانے کے لیے جائزہ لینا، موسمیاتی تغیرات کا اندازہ لگانا، جاسوسی کرنا، سائنسی تحقیق، ذرائع رسل ورسائل اور نشر واشاعت، مثلاً ٹیلیفون کے نظام کو چلانا، ورلڈ وائڈ ویب (World Wide Web) کا آپس میں رابطہ وغیرہ شامل ہیں۔ محمد رضوان

مگر افسوس کہ سائنسدانوں کی طرف سے اس طرح کی دریافت اور ایجادات ومصنوعات کے نظام وسسٹم کو تو قبول کیا جاتا ہے، اور اس کے متعلق شکوک وشبہات کا اظہار نہیں کیا جاتا، مگر جب قدرتِ الٰہی کے ذریعہ عالمِ برزخ وقبر میں روح اور جسم کے تعلق کی نصوص کو پیش کیا جاتا ہے، تو ان کے متعلق طرح طرح کے شکوک وشبہات کیے جانے لگتے ہیں، اور ان شکوک وشبہات سے بعض مسلمان اور اصحابِ علم بھی متاثر ہوجاتے ہیں، جو کہ کم علمی اور ایمانی کمزوری کی نشانی ہے۔

سورہ اعراف کا حوالہ

سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ آدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلٰی أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا أَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا کُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِيْنَ. أَوْ تَقُوْلُوْا إِنَّمَا أَشْرَکَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَکُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِکُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ. وَکَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (سورۃالأعراف، رقم الآیات ۱۷۲،الیٰ ۱۷۴)

ترجمہ: اور جب لیا آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی ذریت کو، اور گواہ بنایا ان کو اپنے آپ پر کہ کیا نہیں ہوں میں تمہارا رب؟ کہا انہوں نے کہ بے شک! ہم گواہ ہیں، یہ کہ کہو تم قیامت کے دن کہ بے شک ہم اس سے غافل تھے؟ یا کہو تم کہ بس شرک کیا تھا ہمارے آباء نے، اس سے پہلے اور تھے ہم اولاد ان کے بعد، کیا آپ ہلاک کرتے ہیں، ہم کو اس فعل کی وجہ سے، جو باطل لوگوں نے کیا؟ اور اسی طریقہ سے تفصیل سے بیان کرتے ہیں ہم آیات کو، اور تاکہ یہ لوگ (حق کی طرف) رجوع کریں (سورہ اعراف)

مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ نے اپنی دعوتِ توحید وربوبیت کا تمام ذریتِ آدم سے

عہد لیا تھا، جس کی احادیث میں کچھ تفصیل آئی ہے۔

ابنِ عباس وابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی احادیث

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : أَخَذَ اللّٰهُ الْمِيْثَاقَ مِنْ ظَهْرِ آدَمَ بِنَعْمَانَ -يَعْنِي عَرَفَةَ- فَأَخْرَجَ مِنْ صُلْبِهٖ كُلَّ ذُرِّيَةٍ ذَرَأَهَا، فَنَثَرَهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ كَالذَّرِّ، ثُمَّ كَلَّمَهُمْ قِبَلًا، قَالَ : أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا أَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِيْنَ أَوْ تَقُوْلُوْا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ

(مسند أحمد، رقم الحديث ۲۴۵۵) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے مقام نِعمان (یعنی عرفہ کے مقام) میں عہد و میثاق کو لیا تھا، حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی تمام پیدا کی جانے والی اولاد کو نکالا تھا، اور ان کو چیونٹیوں کی شکل میں حضرت آدم کے سامنے پھیلا دیا تھا، پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر یہ کلام فرمایا تھا (جس کا سورہ اعراف میں ان الفاظ میں ذکر ہے) کہ:

أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا أَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِيْنَ أَوْ تَقُوْلُوْا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ (مسند احمد)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ مَسَحَ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: رجاله ثقات رجال الشيخين غير كلثوم بن جبر، فمن رجال مسلم، ووثقه أحمد وابن معين، وذكره ابن حبان في "الثقات"، وقال النسائي: ليس بالقوى. ورجح الحافظ ابن كثير في "تفسيره 3/ 501 "وقفه على ابن عباس (حاشية مسند احمد)

ظَهْرَهُ، فَسَقَطَ مِنْ ظَهْرِهِ كُلُّ نَسَمَةٍ هُوَ خَالِقُهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، أَمْثَالَ الذَّرِّ، ثُمَّ جَعَلَ بَيْنَ عَيْنَيْ كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ وَبِيصًا مِنْ نُورٍ، ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى آدَمَ، فَقَالَ آدَمُ : مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا رَبِّ؟ قَالَ : هٰؤُلَاءِ ذُرِّيَّتُكَ (المستدرک للحاکم، رقم الحديث ۳۲۵۷، کتاب التفسير، تفسير سورة الأعراف) [1]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، تو آدم علیہ السلام کی پشت پر پھیرا، جس کی بناء پر آدم علیہ السلام کی پشت سے، ہر نفس (یا روح) جس کو اللہ نے قیامت تک پیدا فرمانا تھا، وہ سب چیونٹیوں کی شکل میں باہر نکل پڑے، پھر ان میں سے ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے درمیان روشنی کی ایک علامت قائم فرمادی، پھر ان سب کو آدم علیہ السلام پر پیش کیا، تو آدم علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے رب یہ کون لوگ ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمہاری ذریت (واولاد) ہے (حاکم)

مذکورہ احادیث میں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے، اُن کی تمام ذریت واولاد، یعنی قیامت تک آنے والے تمام بنی آدم کو چیونٹیوں کی مقدار میں نکالنے اور اُن سے اللہ کا عہد و پیمان لینے اور کلام کرنے کا ذکر ہے، جس میں انبیائے کرام اور مومن و کفار سب شامل ہیں۔

اگر آدم علیہ السلام کی پشت سے چیونٹیوں کی مقدار میں نکلنے والی ذریت واولاد سے تمام انسانوں کی ارواح کو مراد لیا جائے، تو اس سے ثابت ہوگا کہ ارواح بھی بذاتِ خود جاندار اشیاء میں داخل ہیں، اور وہ عقل و شعور رکھتی ہیں، اور ان کو انسانوں کے اجسام وابدان کے پیدا ہونے سے پہلے وجود عطاء فرمادیا گیا تھا۔

اور اگر آدم علیہ السلام کی پشت سے چیونٹیوں کی مقدار میں نکلنے والی ذریت واولاد سے تمام

[1] قال الحاكم : هذا حديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه .
وقال الذهبي :على شرط مسلم.

انسانوں کی ارواح کو ان کے اجسام وابدان کے ساتھ نکلنے کو مراد لیا جائے، تو اس سے ثابت ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت بھی حاصل ہے کہ وہ انسان کی مکمل روح اور جسم کو چیونٹی کی مقدار میں پیدا کرنے پر بھی قادر ہے، اور وہ انسان اپنے تمام اعضاء وجوارح کے ساتھ مکمل جاندار کہلاتا ہے، جس طرح چیونٹی اپنے تمام اعضاء وجوارح اور روح کے ساتھ مکمل جاندار چیز ہوتی ہے، اور وہ اپنی حیثیت ونوعیت کے لحاظ سے سمجھ بوجھ اور شعور رکھتی ہے۔

اور بظاہر یہی مطلب راجح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ چیونٹی ایک مجسم جاندار چیز کہلاتی ہے۔

پس اگر انسان کو دنیاوی معروف ومعہود جسم وبدن عطاء فرمانے سے پہلے بھی چیونٹی کی شکل میں حیات وشعور حاصل ہوسکتا ہے، تو اگر اللہ کی طرف سے برزخ وقبر میں انسان کی روح، اور چیونٹی کے برابر اس کے کسی ذرہ، مثلاً ریڑھ کی ہڈی کی دُم کو مکمل انسان کی روح وجسم کا مجموعہ بنادیا جائے، اور اس کے ساتھ راحت، یا عذاب کا تعلق قائم کردیا جائے، اور اس کے ساتھ عقل وشعور وغیرہ کو وابستہ کردیا جائے، تو اس میں کوئی حیرت والی بات نہیں ہوگی، کیونکہ اللہ کی قدرت سب چیزوں پر غالب ہے۔ [1]

---

[1] عن أبي هريرة رضي الله عنه: قوله: (نسمة) النسمة كل ذي روح، وقيل: كل ذي نفس، مأخوذة من النسيم، و (هو خالقها) صفة لـ (نسمة)، ذكرها ليتعلق به (إلى يوم القيامة) .

(الوبيص) البريق واللمعان .وفي هذا دليل على أن إخراج الذرية كان حقيقياً، وتفسير قوله: أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ، بالحديث كما ذكرنا عن القاضي في الوجه الأول من ذلك الحديث أظهر من الوجه الآخر. وقوله: (وجعل بين عيني كل إنسان منهم وبيصاً) إيذان بأن الذرية كانت في صورة الإنسان على مقدار الذرة، وفي ذكر (الوبيص) تنبيه على الفطرة السليمة الأصلية كما مر، وفي تخصيص التعجب من وبيص داود عليه السلام إظهار لكرامة من كراماته، ومدح له، فلا يدل على تفضيله على الغير؛ فإن في الأنبياء من هو أفضل منه، وأكثر كرامة .وفيه إشارة إلى ما رواه الشيخان (يهرم ابن آدم، ويشب فيه اثنان: الحرص على المال، والحرص على العمر) . و (نسي آدم) وارد على سبيل الاستطراد، وابن آدم مجبول من أصل خلقته على الجحد، والنسيان، والخطأ، إلا من عصمه الله بتوفيقه .و (بين عيني) ثاني مفعول (جعل) أي جعل وبيصاً علامة بين عينيه، ويجوز أن يكون جعل بمعنى خلق، وحينئذ يكون (بين عيني) (ظرفاً له)، و (كم) مفعول مقدم؛ لكونه استفهاماً، أي كم سنة (جعلت عمره) و (أربعين) ثاني مفعولي (زد) كقوله تعالى: وقل رب زدني علما.

قال أبو البقاء: زاد يستعمل لازماً كقولك زاد الماء، ويستعمل متعدياً إلى مفعولين، كقوله: زدته

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خلاصہ یہ کہ انسان کے فوت ہونے کے بعد، برزخ وقبر کا عذاب برحق ہے، جس پر ایمان لانا ضروری ہے، جس طرح برزخ وقبر میں راحت ونعمت کا حاصل ہونا بھی برحق ہے، اوراس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔

اورانسان کے فوت ہونے کے بعد کثیرُ الجہت واقعات وحالات، روح پر پیش آتے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ اس کا جسم وبدن بھی ان واقعات وحالات سے خوشی، یا غمی کا ادراک کرتا ہے، جس طرح بھی اللہ چاہے، اور جس کے لیے بھی اللہ کو منظور ہو، خواہ بندوں کو وہ بات سمجھ آئے، نہ آئے، البتہ سمجھنے کے لیے دنیا میں ہمارے لیے سب سے بہتر نظیر نینداورخواب کی شکل میں ہے۔

نیندوخواب کے ذریعہ سمجھنا بہت آسان ہے، اور جو بات سمجھ نہ آئے، اس کو اللہ کے حوالہ کرنا مناسبت وسلامتی کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فہمِ سلیم عطاء فرمائے۔ آمین۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

درهما، وعلى هذا جاء قوله تعالى: فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا. و (من عمرى) صفة (أربعين) فقدم، فصار حالا.

فإن قلت: ما الفرق بين قوله: (انقضى عمر آدم إلى أربعين) وبينه إذا قيل: بقى من عمر آدم أربعون. قلت: فى الاستثناء توكيد ليس فيه .قال الزجاج فى قوله: فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا). الاستثناء يستعمل فى كلامهم، وتأويله تأكيد العدد وكماله، لأنك قد تذكر الجملة ويكون الحاصل أكثرها، وإذا أردت التوكيد فى تمامها قلت: كلها، وإذا أردت التوكيد فى نقصانها أدخلت الاستثناء، تقول: جائنى إخوتك، يعنى: أن جميعهم جائوك، وجائز أن يعنى؛ أن أكثرهم جائوك، فإذا قلت: كلهم أكدت معنى الجماعة، وأعلمت أنه لم يتخلف منهم أحد، وإذا قلت: إلا زيداً، أكدت أن الجماعة تنقص زيداً، ولهذا السر صارت هذه الصيغة أصلا فى الاعتبار، ومقيساً عليها، فافهم (شرح المشكاة للطيبى ،ج ٢ص ٥٨٠ و ٥٨١ ، كتاب الايمان ، باب الوسوسة)

(فصل نمبر 4)

انبیاء وشہداء کی دنیوی موت، اور برزخی حیات

چوتھی بات یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لیے موت کو مقرر فرمادیا ہے، اور اس قاعدے میں عام انسانوں کے علاوہ انبیاء وشہداء، سب داخل ہیں، اس لیے دنیوی موت، انبیاء اور شہداء کو بھی حاصل ہوتی ہے۔

البتہ شہداء اور انبیاء کو دنیا سے وفات کے بعد جو حیات حاصل ہوتی ہے، وہ دوسرے افراد واشخاص کے مقابلے میں نہایت عمدہ واعلیٰ ہوتی ہے، اور دوسرے انسانوں کے تو عادتاً جسم کے تمام اعضاء مٹی ہوجاتے ہیں، سوائے ریڑھ کی ہڈی کی دُم کے، لیکن انبیائے کرام علیہم السلام کے اجسام، مٹی نہیں ہوتے، بلکہ وہ تروتازہ اور سلامت رہتے ہیں۔

اور جو حضرات وافراد، غلط فہمی، یا فرطِ محبت وعقیدت میں انبیائے کرام علیہم السلام کی دنیوی موت کا انکار کرتے ہیں، یا انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے دنیوی موت قرار دینے کو بے ادبی وگستاخی تصور کرتے ہیں، وہ درست وصحیح موقف پر نہیں، اور نہ ہی کسی شخص کے دوسرے شخص کو اللہ، یا اس کے رسول کا بے ادب، یا گستاخ کہنے سے یہ لازم آتا کہ واقعتاً وہ دوسرا شخص بے ادب وگستاخ ہو، ورنہ تو اللہ اور اس کے رسول نے قرآن وسنت میں انبیائے کرام علیہم السلام کی جو موت اور وفات کا ذکر فرمایا ہے، اس بے ادبی وگستاخی کی نسبت نعوذ باللہ تعالیٰ، اللہ اور اس کے رسول کی طرف کرنا لازم آئے گا۔

اور اللہ اور اس کے رسول کو بے ادب وگستاخ کہنے والے کا خود اپنا ایمان ہی سلامت رہنا مشکل ہوجائے گا، پھر دوسرے کی کیا حیثیت ہے۔

اس سلسلے میں قرآن وسنت کی چند نصوص ملاحظہ فرمائیں۔

سورہ بقرہ اور سورہ سبأ کا حوالہ

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ (سورة البقرة، رقم الآية ۱۳۳)

ترجمہ: کیا تم تھے، حاضر، جب آئی یعقوب کو موت (سورہ بقرہ)

مذکورہ آیت میں اللہ کے جلیل القدر نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کو موت آنے کا ذکر ہے۔

اور سورہ سبأ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَنْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ (سورة سبأ، رقم الآية ۱۴)

ترجمہ: پھر جب ہم نے فیصلہ کیا اس (سلیمان) پر موت کا، نہیں خبردار کیا ان (جنّات) کو اس کی موت پر، مگر زمین کے کیڑے (دیمک) نے (جو) کھاتا رہا اس کی لاٹھی کو، پھر جب وہ (سلیمان) گر پڑے (تو) جان لیا، جنّات نے کہ اگر وہ ہوتے غیب جانتے (تو) نہ ٹھہرے رہتے وہ، عذابِ مہین میں (سورہ سبا)

مذکورہ آیت میں اللہ کے ایک جلیل القدر نبی، حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت واقع ہونے کا ذکر ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نبیوں پر بھی طبعی اور بشری موت واقع ہوا کرتی ہے۔

سورہ آلِ عمران، سورہ رعد، سورہ انبیاء اور سورہ زمر کا حوالہ

سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا

وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ. وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوْتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ كِتَابًا مُّؤَجَّلًا (سورة آلِ عمران، رقم الآيات ۱۴۴، ۱۴۵)

ترجمہ: اور نہیں ہیں محمد، مگر ایک رسول، یقیناً گزر چکے ہیں، ان سے پہلے بہت رسول، کیا پس اگر مر جائیں وہ، یا شہید کر دیے جائیں وہ (تو کیا) پھر جاؤ گے تم اپنی ایڑیوں کے بل، اور جو پھر جائے اپنی ایڑیوں کے بل، تو ہرگز نہیں بگاڑ سکے گا وہ اللہ کا کچھ بھی، اور عنقریب (اچھا) بدلہ دے گا اللہ شکر گزاروں کو، اور نہیں ہے (کوئی اختیار) کسی جان کو کہ مرے وہ، مگر اللہ کے اِذن سے، لکھا ہوا ہے مقررہ وقت (سورہ آلِ عمران)

مذکورہ آیات میں خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا ذکر ہے، اور ساتھ ہی ہر ایک کی موت کا وقت مقرر اور اللہ کے پاس لکھے ہوئے ہونے کا بھی ذکر ہے۔

اور سورہ رعد میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (سورة الرعد، رقم الآية ۴۰)

ترجمہ: اور اگر یقینی طور پر دکھا دیں ہم آپ کو، بعض وہ چیز، جس کا وعدہ کرتے ہیں ہم اُن (لوگوں) سے، یا یقینی طور پر وفات دے دیں ہم آپ کو، تو بس آپ کے ذمہ پہنچا دینا ہے، اور ہمارے ذمہ حساب ہے (سورہ رعد)

مذکورہ آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے، اللہ کی طرف سے، وفات دینے کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

اور سورہ انبیاء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخَالِدُوْنَ. كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ

(سورة الأنبياء، رقم الآيات ۳۴، ۳۵)

ترجمہ: اور نہیں کیا ہم نے کسی انسان کے لیے آپ سے پہلے ہمیشہ رہنا، تو کیا اگر مر جائیں آپ، تو وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟ ہر جان چکھنے والی ہے، موت کو، اور ہم مبتلا کرتے ہیں تمہیں برائی اور بھلائی میں، آزمانے کے لیے، اور ہماری طرف ہی لوٹایا جائے گا تم کو (سورہ انبیاء)

مذکورہ آیات میں بھی خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا ایک اصول اور قاعدہ بیان کرنے کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، یعنی اللہ نے دنیا میں کسی بشر کے لیے دوام نہیں رکھا، اور ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنے کا قاعدہ مقرر فرمادیا ہے، اور اس اصول وقاعدہ سے خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی بری نہیں ہیں، اور دنیا کی موت کے بعد کی حیات وزندگی کا معاملہ الگ ہے، وہ ''برزخی حیات'' ہے، جس کا آگے ذکر آتا ہے۔

سورہ زمر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّکَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ (سورة الزمر، رقم الآية ٣٠)

ترجمہ: بے شک آپ (بھی) مرنے والے ہیں، اور بے شک وہ (بھی) مرنے والے ہیں (سورہ زمر)

مذکورہ آیت میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موت اور دوسرے انسانوں کی موت کا ایک ساتھ اعلان کیا گیا ہے۔

حضرت عائشہ وابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَقْبَلَ عَلٰى فَرَسٍ مِنْ مَسْكَنِهِ بِالسُّنْحِ، حَتّٰى نَزَلَ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَلَمْ يُكَلِّمُ النَّاسَ حَتّٰى دَخَلَ عَلٰى عَائِشَةَ، فَتَيَمَّمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُغَشًّى بِثَوْبِ حِبَرَةٍ،

فَكَشَفَ عَنْ وَجْهِهِ ثُمَّ أَكَبَّ عَلَيْهِ فَقَبَّلَهُ وَبَكَى، ثُمَّ قَالَ: بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ، وَاللّٰهِ لَا يَجْمَعُ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِيْ كُتِبَتْ عَلَيْكَ، فَقَدْ مُتَّهَا (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۴۴۵۲، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی الله علیه وسلم ووفاته)

ترجمہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اپنے گھر مقامِ ''سُنُح'' سے گھوڑے پر مدینہ میں آئے، تو مسجد نبوی میں گئے، پھر خاموشی کے ساتھ میرے حجرے میں آئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد کیا، اور رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو (وفات کے بعد) ایک کپڑے سے ڈھانپا گیا تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو کھولا، اور جھکے اور بوسہ دیا، اور پھر رونے لگے، اور پھر فرمایا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، بے شک اللہ آپ کو دو مرتبہ موت نہیں دے گا، جو موت آپ کے لیے لکھ دی گئی تھی، وہ آپ پر واقع ہو چکی ہے (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ روایت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے موت سے متعلق یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں کہ:

''أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِيْ كُتِبَتْ عَلَيْكَ، فَقَدْ مُتَّهَا''

پس اگر خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے موت کا آنا، اور موت کے الفاظ کا استعمال کرنا بے ادبی و گستاخی ہوتا، تو یہ بے ادبی و گستاخی سب سے پہلے خلیفۂ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کیسے کر سکتے تھے؟ اور دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کو کیسے گوارا فرما سکتے تھے؟

کیا آج کے دور کے لوگوں کی عقیدت ومحبت نعوذ باللہ تعالیٰ، صحابۂ کرام اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے بھی بڑھ گئی؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ أَبَا بَكْرٍ خَرَجَ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يُكَلِّمُ النَّاسَ فَقَالَ: اِجْلِسْ يَاعُمَرُ، فَأَبٰى عُمَرُ أَنْ يَّجْلِسَ، فَأَقْبَلَ النَّاسُ إِلَيْهِ، وَتَرَكُوْا عُمَرَ، فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ: أَمَّا بَعْدُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لاَ يَمُوْتُ، قَالَ اللّٰهُ: "وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ" إِلٰى قَوْلِهِ "الشَّاكِرِيْنَ" وَقَالَ: وَاللّٰهِ لَكَأَنَّ النَّاسَ لَمْ يَعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ هٰذِهِ الْآيَةَ حَتّٰى تَلاَهَا أَبُوْبَكْرٍ، فَتَلَقَّاهَا مِنْهُ النَّاسُ كُلُّهُمْ، فَمَا أَسْمَعُ بَشَرًا مِنَ النَّاسِ إِلَّا يَتْلُوْهَا.

فَأَخْبَرَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ، أَنَّ عُمَرَ قَالَ: وَاللّٰهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ سَمِعْتُ أَبَابَكْرٍ تَلاَهَا فَعَقِرْتُ، حَتّٰى مَا تُقِلُّنِيْ رِجْلاَيَ، وَحَتّٰى أَهْوَيْتُ إِلَى الْأَرْضِ حِيْنَ سَمِعْتُهٗ تَلاَهَا، عَلِمْتُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ (صحيح البخاری، رقم الحديث ۴۴۵۴، كتاب المغازی، باب مرض النبی صلى الله عليه وسلم ووفاته)

ترجمہ: (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب باہر آئے، تو دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے کلام کررہے ہیں، حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ اے عمر! آپ بیٹھ جائیے، لیکن حضرت عمر نہیں بیٹھے، لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوگئے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسی حال میں چھوڑ دیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے لوگو سنو! تم میں سے جو کوئی محمد کی عبادت کرتا تھا، تو وہ فوت ہوگئے، اور جو تم میں سے اللہ کی عبادت کرتا تھا، تو اللہ زندہ ہے، فوت نہیں ہوگا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے

(سورہ آلِ عمران کی) یہ آیت پڑھی ''وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (اِلیٰ قَوْلِهٖ) اَلشَّاكِرِيْنَ '' حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر نے یہ آیت تلاوت کی، تو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے (آج سے پہلے) کسی کو اس آیت کی خبر ہی نہیں تھی، پھر تو جسے دیکھو، وہ یہی آیت پڑھ رہا تھا۔

زہری (راوی) کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن مسیّب نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! جب میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ آیت سنی، تو میں حیران اور ساکت رہ گیا، یہاں تک کہ میری ٹانگیں میرا بوجھ برداشت نہ کرسکیں، اور جب میں نے یہ آیت سنی، تو میں زمین کی طرف گر پڑا، اور مجھے اس بات کا یقین حاصل ہوگیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے ہیں (بخاری)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر کے قریب میں موجود ہوتے ہوئے سورہ آلِ عمران کی آیت تلاوت فرمائی، جس میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ''أَفَإِنْ مَّاتَ '' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں، اور پھر اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ''أَفَإِنْ مَّاتَ '' کے الفاظ، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کے مجمع میں استعمال فرمائے، ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ الفاظ استعمال فرمائے کہ ''أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ '' اور کسی نے بھی اس کو گستاخی و بے ادبی قرار نہ دیا، بلکہ سب نے اس کو قبول کیا اور اسی کے مطابق عقیدہ رکھا۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ يَقُوْلُ: أَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ، الَّذِيْ لاَ إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الَّذِيْ لاَ يَمُوْتُ، وَالْجِنُّ وَالْإِنْسُ يَمُوْتُوْنَ (صحيح البخاري،

رقم الحديث ٧٣٨٣، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى:"وهو العزيز الحكيم، سبحان ربك رب العزة عما يصفون، ولله العزة ولرسوله"ومن حلف بعزة الله وصفاته)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم (اللہ سے دعاء کرتے ہوئے) یہ فرماتے تھے کہ میں تیری عزت کی پناہ مانگتا ہوں، تو وہ ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، اور تجھ پر موت نہ آئے گی، لیکن تمام جن اور انس مر جائیں گے (بخاری)

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء ہے، جس میں اللہ کے علاوہ، ہر جن وانس کی موت کا ذکر ہے۔

لہٰذا شہداء وانبیاء کی طبعی وبشری اور دنیاوی موت واقع ہونے کا انکار کرنا، یا اس پر تعجب کا اظہار کرنا، یا اس کو بے ادبی وگستاخی قرار دینا، درست نہیں۔

جہاں تک اس کے بعد برزخی حیات کا تعلق ہے، تو وہ دوسرے عالم کی انتہائی اعلیٰ وارفع اور عالیشان حیات ہے، جس کو عالمِ دنیا وعالمِ شہادت کے مقابلے میں عالمِ برزخ اور عالمِ غیب کہا جاتا ہے۔

سورہ آلِ عمران اور سورہ عنکبوت کا حوالہ

سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ. لَتُبْلَوُنَّ فِيْ أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُوْا أَذًى كَثِيْرًا وَإِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَإِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ (سورة آل عمران، رقم الآيات ١٨٥، و١٨٦)

ترجمہ: ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے، اور پورا پورا دیا جائے گا تم کو، تمہارا بدلہ قیامت کے دن، پس جو کوئی بچا لیا گیا جہنم سے، اور داخل کر دیا گیا جنت میں، تو وہ بلا شبہ کامیاب ہوگیا، اور نہیں ہے دنیا کی زندگی، مگر دھوکہ کا سامان، یقیناً تمہاری آزمائش کی جائے گی، تمہارے مالوں میں، اور تمہاری جانوں میں، ضرور بالضرور سنو گے تم ان لوگوں کی طرف سے، جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے، اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا، بہت تکلیف دہ باتوں کو، اور اگر تم صبر کرو گے، اور تقویٰ اختیار کرو گے، تو یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے (سورہ آلِ عمران)

اور سورہ عنکبوت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ . وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُم مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِيْنَ. اَلَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. وَكَأَيِّنْ مِّنْ دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا، اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ، وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (سورة العنكبوت، رقم الآيات ٥٧ الى ٦٠)

ترجمہ: ہر جاندار، موت کا مزہ چکھنے والا ہے، پھر ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے تم، اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کیے نیک، ضرور ٹھکانہ دیں گے ہم ان کو جنت میں بالا خانوں کا، جاری ہوں گی، ان (بالا خانوں) کے نیچے سے نہریں، ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں، کیا اچھا ہے عمل کرنے والوں کا بدلہ، وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا، اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں وہ، اور کتنے ہی جاندار ہیں کہ جو نہیں اٹھا سکتے اپنا رزق، اللہ ہی رزق دیتا ہے ان کو اور تم کو، اور وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے (سورہ عنکبوت)

مذکورہ آیات میں ہر نفس اور جاندار کو موت کا ذائقہ چکھنے کا ذکر ہے، جس میں کسی کو استثناء

حاصل نہیں، انبیائے کرام وشہدائے عظام بھی اس اصولی حکم میں داخل ہیں۔

سورہ آلِ عمران، سورہ نساء، سورہ جمعہ اور سورہ منافقون کا حوالہ

سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ فَادْرَءُ وْا عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ (سورة آل عمران، رقم الآية ١٦٨)

ترجمہ: کہہ دیجئے آپ کہ ہٹادو تم اپنے آپ سے موت کو، اگر ہو تم سچے (سورہ آل عمران)

اس سے معلوم ہوا کہ موت سے راہِ فرار اختیار کرنا، کسی کے لیے ممکن نہیں۔

اور سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُشَيَّدَةٍ (سورة النساء، رقم الآية ٧٨)

ترجمہ: جہاں پر بھی تم ہو گے، پالے گی تمہیں موت، اگرچہ ہو تم مضبوط قلعوں میں (سورہ نساء)

اور سورہ جمعہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ إِلٰى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (سورة الجمعة رقم الآيات ٦ الى ٨)

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ بیشک (وہ) موت، بھاگتے ہو تم جس سے، پس بیشک وہ ملنے والی ہے تمہیں، پھر لوٹائے جاؤ گے تم، پوشیدہ اور ظاہر (سب) کے جاننے والے کی طرف، پھر خبر دے گا وہ تمہیں (اس) کی جو تم کیا کرتے تھے (سورہ جمعہ)

مذکورہ آیات سے بھی معلوم ہوا کہ موت سے کسی کو مفر نہیں۔

اور سورہ منافقون میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

(سورۃالمنافقون، رقم الآية ۱۱)

ترجمہ: اور اللہ ہرگز نہیں مہلت دے گا، کسی نفس کو، جب اس (کی موت) کا مقررہ وقت آ جائے گا، اور اللہ خوب خبردار ہے (اس) سے جو تم عمل کرتے ہو

(سورہ منافقون)

مذکورہ تمام آیات سے معلوم ہوا کہ موت سے بچنے کا کسی کے لیے کوئی راستہ نہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے، ہر انسان کے لیے موت کا ایک وقت مقرر ہے، اس اصول اور قاعدہ میں انبیاء اور شہداء بھی داخل ہیں، کیونکہ ان آیات میں کسی کا استثناء مذکور نہیں، جبکہ بعض آیات اور معتبر احادیث میں انبیاء علیہم السلام کی موت کی بھی تصریح ہے۔

پس آج کل بعض کم فہم و کم علم لوگ جو انبیاء علیہم السلام کے لیے موت، یا وفات کے الفاظ کو بے ادبی تصور کرتے ہیں، یہ درست نہیں، کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں، اس لیے ان الفاظ کا استعمال، اللہ اور اس کے رسول کی اتباع میں داخل ہے، جس کا قرآن وسنت میں جا بجا حکم ہے، پھر بے ادبی کا کیا مطلب؟

اور بعض لوگ اسی بے ادبی کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کی موت، یا وفات کو ''پردہ فرما لینے'' سے تعبیر کرتے ہیں، اور موت، یا وفات کا لفظ استعمال کرنے کو غلط ٹھہراتے ہیں، حالانکہ جس شخص کی بھی، دنیا سے موت واقع ہوتی ہے، وہ پردہ میں ہی جاتا ہے، جس کو ''عالمِ برزخ'' کہا جاتا ہے، اور ''برزخ'' کے معنیٰ ''پردہ اور آڑ'' کے آتے ہیں، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا۔

جہاں تک انبیاء علیہم السلام کی دنیوی موت واقع ہونے کے بعد، برزخی حیات کا معاملہ ہے، تو

وہ اپنی جگہ مسلّم ہے، اوراس کا دنیوی موت واقع ہونے سے کوئی تعارض وٹکراؤ نہیں، بلکہ اُن کی وہ برزخی حیات دنیا کی حیات سے بہت اعلیٰ وارفع ہے، جس کو دنیا کی حیات اوراس کے مقتضیات ولوازمات پر قیاس کرنا، درست نہیں، جیسا کہ آگے باحوالہ آتا ہے۔

سورہ بقرہ اور سورہ آلِ عمران کا حوالہ

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ، بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (سورة البقرة،رقم الآية ۱۵۴)

ترجمہ: اورمت کہوان (مؤمنوں) کو جوقتل کردیئے جائیں، اللہ کے راستے میں کہ وہ مُردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں، اورلیکن تم شعور نہیں رکھتے (سورہ بقرہ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شہداء کی دنیا سے موت واقع ہوجانے کے بعد، برزخ میں خاص قسم کی حیات حاصل ہوتی ہے، لیکن اس حیات کی کیفیت کا بندوں کوشعور نہیں ہوتا، لہٰذا قرآن وسنت کی نصوص میں جس طرح سے اُن کے بارے میں خبردے دی گئی ہے، اُس کو قبول وتسلیم کرنا چاہیے، اورجو چیز سمجھ نہ آئے، اس کو اللہ کے حوالے کرنا چاہیے۔

اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کے راستے میں قتل شدہ حضرات کی دنیاوی موت کا انکار کیا جائے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ تم ان کو عام مُردوں کی طرح کے مُردے مت کہو، پھر اللہ نے ساتھ ہی انسانوں کے ''شعور نہ ہونے کی'' توجیہ ذکر بھی فرمادی ہے۔ [1]

---

[1] وقوله تعالى :ولا تقولوا لمن يقتل فى سبيل الله أموات بل أحياء ، يخبر تعالى أن الشهداء فى برزخهم أحياء يرزقون، كما جاء فى صحيح مسلم :إن أرواح الشهداء فى حواصل طير خضر تسرح فى الجنة حيث شاء ت(تفسيرابن كثير، ج ۱ ،ص۳۳۷، سورة البقرة، تحت رقم الآية۱۵۴)

فإن قلت: نحن نراهم موتى فما معنى قوله بل أحياء وما وجه النهى، فى قوله ولا تقولوا لمن يقتل فى سبيل الله أموات .قلت :معناه لا تقولوا أموات بمنزلة غيرهم من الأموات بل هم أحياء تصل أرواحهم إلى الجنان كما ورد، إن أرواح الشهداء فى حواصل طير خضر تسرح فى الجنة فهم أحياء

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ فَادْرَئُوْا عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ. وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا، بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ. فَرِحِيْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ، وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

من هذه الجهة، وإن كانوا أمواتا من جهة خروج الروح من أجسادهم، وجواب آخر وهو أنهم أحياء عند الله تعالى فى عالم الغيب، لأنهم صاروا إلى الآخرة فنحن لا نشاهدهم كذلك ويدل على ذلك قوله تعالى :ولكن لا تشعرون أى لا ترونهم أحياء فتعلموا ذلك حقيقة.وإنما تعلمون ذلك بإخبارى إياكم به .فإن قلت :ليس سائر المطيعين من المسلمين لله يصل إليهم من نعيم الجنة فى قبورهم فلم خصص الشهداء بالذكر؟ .قلت :إنما خصهم لأن الشهداء فضلوا على غيرهم بمزيد النعيم وهو أنهم يرزقون من مطاعم الجنة ومآكلها وغيرهم ينعمون بما دون ذلك، وجواب آخر أنه رد لقول من قال :إن من قتل فى سبيل الله قد مات وذهب عنه نعيم الدنيا ولذاتها فأخبر الله تعالى بقوله : بل أحياء بأنهم فى نعيم دائم (تفسير الخازن، ج ١، ص٩٣، وص ٩٤، سورة البقرة، تحت رقم الآية١٥٤)

(لمن يقتل فى سبيل الله أموات) أى هم أموات(بل أحياء) أى بل هم أحياء(ولكن لا تشعرون) بحياتهم وفية رمز إلى أنها ليست مما يشعر به بالمشاعر الظاهرة من الحياة الجسمانية وإنما هى أمر روحانى لا يدرك بالعقل بل بالوحى (تفسير ابى السعود، ج ١ ص ١٧٩، سورة البقرة، تحت رقم الآية١٥٤)

ولكن لا تشعرون معناه :لا تشعرون بكيفية حياتهم (البحر المحيط فى التفسير، ج٢، ص ٥٢، سورة البقرة)

قوله [ولكن لا تشعرون] إخبار بفقد علمنا بحياتهم بعد الموت (احكام القرآن للجصاص، ج ١ ص ١١٥، سورة البقرة، تحت رقم الآية١٥٤)

المقصود إثبات الحياة لهم لا أمرهم بأن يقولوا فى شأنهم إنهم أحياء وإن كان ذلك أيضا صحيحا ولكن لا تشعرون .أى لا تحسون ولا تدركون ما حالهم بالمشاعر لأنها من أحوال البرزخ التى لا يطلع عليها ولا طريق للعلم بها إلا بالوحى- واختلف فى هذه الحياة- فذهب كثير من السلف إلى أنها حقيقية بالروح والجسد ولكنا لا ندركها فى هذه النشأة، واستدلوا بسياق قوله تعالى: عند ربهم يرزقون ،وبأن الحياة الروحانية التى ليست بالجسد ليست من خواصهم فلا يكون لهم امتياز بذلك على من عداهم (تفسير روح المعانى، ج ١ ص ٤١٨، سورة البقرة)

بل هم أحياء عند ربهم بالحياة الحقيقية الدائمة السرمدية شهداء لله تعالى قادرون به ولكن لا تشعرون لعمى بصيرتكم وحرمانكم من النور الذى تبصر به القلوب أعيان عالم القدس وحقائق الأرواح (تفسير روح المعانى، ج ١ ص ٤٢٢، سورة البقرة)

بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّـنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ، وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورة آل عمران، رقم الآيات ١٦٨، الیٰ ١٧١)

ترجمہ: کہہ دیجیے آپ، پس دفع کروتم، اپنے آپ سے موت کو، اگر ہوتم سچے۔ اور نہ ہرگز گمان کروتم ان لوگوں کو، جو قتل کر دیئے جائیں، اللہ کے راستے میں کہ وہ مُردے ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس، رزق دیا جاتا ہے ان کو۔ خوش ہیں وہ، ان چیزوں کے ساتھ، جو عطاء کیں ان کو، اللہ نے اپنے فضل سے، اور خوشی حاصل کرتے ہیں وہ، ان لوگوں سے جو نہیں ملے ان سے، ان کے پیچھے رہ گئے (دنیا میں) یہ کہ خوف نہیں ہوگا ان پر، اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ خوشی حاصل کرتے ہیں وہ، اللہ کی طرف سے نعمت اور فضل کے ساتھ، اور بے شک اللہ نہیں ضائع کرتا، مومنوں کے اجر کو (سورہ آلِ عمران)

معلوم ہوا کہ موت سے کسی انسان کو راہِ فرار اختیار کرنے کی قدرت حاصل نہیں۔

اور اس دنیا سے وفات کے بعد شہداء، اللہ کے پاس زندہ ہوتے ہیں، جن کو رزق دیا جاتا ہے، اور اُن کو اللہ کے پاس مختلف طرح کی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے۔ [1]

اور سورہ بقرہ کی آیت میں گزر چکا ہے کہ تمہیں اُن کے اللہ کے پاس زندہ ہونے کی پوری کیفیت کا شعور نہیں، اللہ کو اس کا پورا علم ہے۔

لہٰذا اللہ کی طرف سے وحی کے ذریعے، جس چیز کی خبر دے دی گئی، خواہ قرآن مجید کی شکل میں ہو، یا معتبر احادیث کی شکل میں ہو، اس پر ایمان لانا چاہیے۔

پھر بعض حضرات نے تو شہداء کی برزخی حیات کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے، ان کے اجسام بھی انبیائے کرام کی طرح سلامت و محفوظ رہنے کا حکم لگایا ہے، اور دیگر حضرات نے فرمایا کہ انبیاء

---

[1] يخبر تعالى عن الشهداء بأنهم وإن قتلوا فى هذه الدار، فإن أرواحهم حية مرزوقة فى دار القرار (تفسیر ابن كثير، ج۲، ص ۱۴۱، سورة آلِ عمران، تحت رقم الآية ۱۶۹)

علیہم السلام کے اجسام سلامت ومحفوظ رہنے کا استثناء تو معتبر احادیث میں موجود ہے، لیکن شہداء کے اجسام سلامت ومحفوظ رہنے کا استثناء معتبر نصوص میں مذکور نہیں، اور انبیاء کے علاوہ تمام بنی آدم کے ابدان واجسام مٹی ہوجانے کی معتبر احادیث میں تصریح آئی ہے، وہاں بھی شہداء کا استثناء مذکور نہیں، اور ہمارے نزدیک یہی دوسرا قول راجح ہے۔

البتہ جس شہید وغیرہ کے جسم کو اللہ، خلافِ عادت طریقہ پر محفوظ رکھنا چاہے، اس سے اختلاف کی کس کو مجال ہوسکتی ہے ''جسے اللہ رکھے، اُسے کون چکھے'' والا معاملہ ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت مسروق سے روایت ہے کہ:

سَأَلْنَا عَبْدَ اللّٰهِ عَنْ هٰذِهِ الْآيَةِ : "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ" قَالَ : أَمَا إِنَّا قَدْ سَأَلْنَا عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ : أَرْوَاحُهُمْ فِيْ جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ، لَهَا قَنَادِيْلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ، تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَ تْ، ثُمَّ تَأْوِيْ إِلٰى تِلْكَ الْقَنَادِيْلِ، فَاطَّلَعَ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ اِطِّلَاعَةً، فَقَالَ: هَلْ تَشْتَهُوْنَ شَيْئًا؟ قَالُوْا : أَيَّ شَيْءٍ نَشْتَهِيْ وَنَحْنُ نَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْنَا، فَفَعَلَ ذٰلِكَ بِهِمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَلَمَّا رَأَوْا أَنَّهُمْ لَنْ يُتْرَكُوْا مِنْ أَنْ يُسْأَلُوْا، قَالُوْا: يَا رَبِّ، نُرِيْدُ أَنْ تَرُدَّ أَرْوَاحَنَا فِيْ أَجْسَادِنَا حَتّٰى نُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِكَ مَرَّةً أُخْرٰى، فَلَمَّا رَأٰى أَنْ لَيْسَ لَهُمْ حَاجَةٌ تُرِكُوْا (صحيح مسلم، رقم الحديث ١٨٨٧ "١٢١"، كتاب الإمارة، باب بيان أن أرواح الشهداء في الجنة، وأنهم أحياء عند ربهم يرزقون)

ترجمہ: ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے (سورہ آلِ عمران کی) اس آیت کے بارے میں سوال کیا کہ ''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ

اللّٰہِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ‘‘ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا، جس کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے جوف میں (یعنی اندر) ہوتی ہیں، ان کے لئے قندیلیں ہیں، جو عرش کے ساتھ معلّق اور لٹکی ہوئی ہیں، وہ جنت میں جہاں چاہیں، سیر کرتی ہیں، پھر بالآخر ان قندیلوں کی طرف پہنچ جاتی ہیں، پھر ان کی طرف ان کا رب متوجہ ہو کر فرماتا ہے کہ کیا تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے؟ تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہمیں کس چیز کی خواہش ہوگی، دراں حالیکہ ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں، سیر کرتے ہیں؟ رب تعالیٰ ان کو تین مرتبہ یہی فرماتا ہے، پھر جب وہ (شہید) دیکھتے ہیں کہ ان کی اس سوال سے جان نہیں چھوٹے گی، تو وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں (پہلے کی طرح) لوٹا دیں، یہاں تک کہ ہم آپ کے راستے میں دوسری مرتبہ قتل کئے جائیں، پھر جب رب تعالیٰ دیکھتا ہے کہ ان کو کوئی ضرورت نہیں (اور فوت ہونے کے بعد دوبارہ دنیا میں لوٹانا اور احکام کا مکلّف بنانا درست نہیں) تو ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے (مسلم)

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَمَّا أُصِيْبَ إِخْوَانُكُمْ بِأُحُدٍ، جَعَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ أَرْوَاحَهُمْ فِيْ أَجْوَافِ طَيْرٍ خُضْرٍ تَرِدُ أَنْهَارَ الْجَنَّةِ، تَأْكُلُ مِنْ ثِمَارِهَا، وَتَأْوِيْ إِلٰى قَنَادِيْلَ مِنْ ذَهَبٍ فِي ظِلِّ الْعَرْشِ، فَلَمَّا وَجَدُوْا طِيْبَ مَشْرَبِهِمْ وَمَأْكَلِهِمْ، وَحُسْنَ مَقِيْلِهِمْ

قَالُوْا : يَا لَيْتَ إِخْوَانَنَا يَعْلَمُوْنَ بِمَا صَنَعَ اللّٰهُ لَنَا، لِئَلَّا يَزْهَدُوْا فِي الْجِهَادِ، وَلَا يَنْكُلُوْا عَنِ الْحَرْبِ، فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: أَنَا أُبَلِّغُهُمْ عَنْكُمْ" فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ هٰؤُلَاءِ الْآيَاتِ عَلٰى رَسُوْلِهٖ : وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا (مسند أحمد، رقم الحديث ٢٣٨٨) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارے بھائی غزوۂ احد میں شہید کئے گئے، تو اللہ عزوجل نے ان کی روحوں کو سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹوں میں جنت منتقل کردیا، چنانچہ وہ روحیں (ان پرندوں کے پیٹوں میں) جنت کی نہروں پر آتی ہیں، وہاں کے میوے کھاتی ہیں، اور پھر ان سونے کی قندیلوں میں جا کر بسیرا کرتی ہیں، جو عرش کے سایہ میں لٹکی ہوئی ہیں، تو جب ان روحوں نے اپنے کھانے پینے اور اپنے رہنے سہنے کی لطف اندوزی کو پایا، تو کہنے لگیں کہ کاش! ہمارے بھائیوں کو بھی کسی طریقے سے پتہ چل جاتا کہ اللہ نے ہمارے لئے کیا کچھ تیار کر رکھا ہے، تاکہ وہ بھی جہاد سے بے رغبتی نہ کریں، اور قتال سے منہ نہ پھیریں، اللہ عزوجل نے فرمایا کہ تمہارا یہ پیغام ان تک میں پہنچاؤں گا، چنانچہ اللہ عزوجل نے اپنے رسول پر (سورہ آلِ عمران کی) یہ آیات نازل فرمادیں کہ ”وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا ..الخ ..“(مسند احمد)

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی ایک اور حدیث

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَلشُّهَدَاءُ عَلٰى بَارِقٍ - نَهْرٍ بِبَابِ الْجَنَّةِ - فِي قُبَّةٍ خَضْرَاءَ، يَخْرُجُ عَلَيْهِمْ رِزْقُهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ بُكْرَةً وَعَشِيًّا (مسند أحمد، رقم الحديث ٢٣٩٠) [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث حسن (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہداء، جنت کے دروازے پر موجود ایک نہر کے کنارے پر سبز رنگ کے خیمے میں ہوتے ہیں، جہاں صبح وشام جنت سے ان کے پاس رزق پہنچتا ہے (مسند احمد)

اگر سوال کیا جائے کہ جنت میں روحیں پہنچنے کے بعد جسم، یا اس کے جزء سے کیسے تعلق قائم ہوتا ہے، جبکہ جسم، یا جسم کے اجزاء، زمین میں ہوتے ہیں؟

تو اس کے جواب کہا جائے گا کہ ایسا ہونا ہرگز بھی ناممکن نہیں، جیسا کہ آج کل سیٹلائیٹ نظام، اوپر بلند فضاء وخلاء میں ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود، زمین سے اس کا تعلق اور کنکشن قائم ہوتا ہے، اور جس طرح آج کل سافٹ ویئر پروگرام، وسیع ترین مقامات پر کارفرما ہوتا ہے، اور اس کا کنکشن ہارڈ ڈسک، وغیرہ کے ساتھ کسی دوسری جگہ قائم ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں بعض انبیاء کو قبروں میں اور آسمان پر دیکھا، اور بیتُ المقدس میں ان کو نماز بھی پڑھائی، جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

امام بخاری نے اپنی ''صحیح بخاری'' میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ:

ثُمَّ يُنْزِلُ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا يَنْبُتُ الْبَقْلُ، لَيْسَ مِنَ الْإِنْسَانِ شَيْءٌ إِلَّا يَبْلٰى، إِلَّا عَظْمًا وَاحِدًا وَهُوَ عَجْبُ الذَّنَبِ، وَمِنْهُ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (صحيح البخاری، رقم الحديث ۴۹۳۵، كتاب تفسير القرآن، باب يوم ينفخ فی الصور فتأتون أفواجا)

ترجمہ: پھر (قیامت کے دن صور پھونکے جانے کے بعد) اللہ، آسمان سے پانی کو نازل فرمائے گا، جس سے انسان، سبزی کی طرح (یکلخت) اُگ پڑیں گے،

انسان کی کوئی چیز ایسی نہیں، جو (اس کے فوت ہونے کے بعد) گل سڑ نہ جاتی ہو، سوائے ایک ہڈی کے، جو کہ ریڑھ کی ہڈی کی دُم ہے، اور اسی ہڈی سے قیامت کے دن مخلوق کی ترکیب (وتخلیق) کی جائے گی (بخاری)

اس طرح کی کئی روایات پہلے گزر چکی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے فوت ہونے کے بعد عادتاً اس کے جسم کا ہر عضو گل سڑ جاتا ہے، سوائے ریڑھ کی ہڈی کی دُم کے، جو بہت چھوٹے ذرے کی شکل میں ہوتی ہے۔

اور اللہ کی طرف سے کسی انسان، مثلاً کسی شہید کے جسم، یا اس کے کسی دوسرے عضو کو خلافِ عادت محفوظ رکھنا، اس کے خلاف نہیں، جیسا کہ مختلف چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی عادت اور قدرت کے مابین فرق کے بے شمار مناظر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

البتہ دوسری احادیث وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ دنیا سے وفات کے بعد، ان کا پورا جسم سلامت رہتا ہے، اور ان کے جسم کے کسی حصہ کو مٹی کھاتی نہیں ہے۔

لیکن انبیائے کرام کے علاوہ کسی دوسرے کے جسم کو خلافِ عادت یہ استثناء عطاء نہیں کیا گیا۔

إِلَّا أَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ۔

اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث

چنانچہ حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فِيْهِ خُلِقَ آدَمُ، وَفِيْهِ قُبِضَ، وَفِيْهِ النَّفْخَةُ، وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ، فَأَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيْهِ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ قَالَ: قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ أَرِمْتَ. يَقُوْلُوْنَ: بَلِيْتَ؟ فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ

الْأَنْبِيَاءِ (سنن ابی داوٗد، رقم الحدیث ۱۰۴۷، کتاب الصلاۃ، ابواب الجمعۃ، باب فضل یوم الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ، ابنِ ماجہ، رقم الحدیث ۱۰۸۵، مسند احمد، رقم الحدیث ۱۶۱۶۲، مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۱۰۲۹، سنن النسائی، رقم الحدیث ۱۳۷۴، صحیح ابنِ حبان، رقم الحدیث ۹۱۰) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک تمہارے سب دنوں میں جمعہ کا دن افضل ہے، اسی دن حضرت آدم کو پیدا کیا گیا، اور اسی دن اِن کی روح قبض کی گئی، اور اسی دن (قیامت سے پہلے) صور پھونکا جائے گا، اور اسی دن قیامت قائم ہوگی، پس تم اس دن کثرت سے مجھ پر درود پڑھا کرو، اس لئے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، حضرت اوس کہتے ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہمارا درود آپ پر کس طرح پیش کیا جائے گا، جبکہ آپ کا جسم مبارک (وفات کے بعد) بوسیدہ ہو چکا ہوگا؟ لوگوں کا مطلب یہ تھا کہ آپ مٹی ہو چکے ہوں گے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ عزوجل نے زمین پر نبیوں کے جسموں کو حرام کر دیا ہے (ابوداؤد، ابنِ ماجہ، مسند احمد)

مذکورہ حدیث کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث

چنانچہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] وقال الحاکم: ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین، ولم یخرجاہ.
وقال الذھبی فی التلخیص: علی شرط البخاری.
وقال شعیب الارنؤوط: صحیح لغیرہ، وھذا إسناد رجالہ ثقات (حاشیۃ سنن ابی داوٗد)
وقال ایضاً: إسنادہ صحیح، رجالہ رجال الصحیح، غیر صحابیہ فمن رجال أصحاب السنن (حاشیۃ مسند احمد)
وقال ایضاً: صحیح لغیرہ (حاشیۃ سنن ابنِ ماجہ)
وقال ایضاً: إسنادہ صحیح، رجالہ رجال الصحیح (حاشیۃ ابنِ حبان)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم: أَكْثِرُوْا الصَّلَاةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَإِنَّهٗ مَشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ، وَإِنَّ أَحَدًا لَنْ يُّصَلِّيَ عَلَيَّ إِلَّا عُرِضَتْ عَلَيَّ صَلَاتُهٗ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا قَالَ: قُلْتُ: وَبَعْدَ الْمَوْتِ؟ قَالَ: وَبَعْدَ الْمَوْتِ، إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ، فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُرْزَقُ (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ١٦٣٧، كتاب الجنائز، باب ذكر وفاته ودفنه -صلى الله عليه وسلم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مجھ پر جمعہ کے دن درود بھیجا کرو، کیونکہ یہ یومِ مشہود ہے، جس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں، اور جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے، تو اس کے فارغ ہوتے ہی اس کا درود مجھ پر پیش کر دیا جاتا ہے، حضرت ابوالدرداء کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ موت کے بعد بھی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت کے بعد بھی، بے شک اللہ نے حرام کر دیا ہے زمین پر اس بات کو کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے (اس لئے وفات کے بعد اللہ کے نبی کا جسم مٹی نہیں ہو جاتا) پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے، جس کو رزق دیا جاتا ہے (ابنِ ماجہ)

اس حدیث کا مفہوم بھی گزشتہ حدیث کے مطابق ہے، جس کی بناء پر ہمارے نزدیک اس کو ضعیف قرار دیا جانا راجح نہیں، بلکہ اس کا حسن درجہ میں معتبر ہونا راجح ہے۔ [1]

---

[1] قال المنذري: رواه ابن ماجه بإسناد جيد (الترغيب والترهيب ،رقم الحديث ٢٥٨٢ ،كتاب الذكر والدعاء الترغيب فى الإكثار من ذكر الله سرا وجهرا)

وقال ابن الملقن: وإسناده حسن (البدر المنير، ج٥ص ٢٨٨، كتاب الجنائز،الحديث السادس بعد الخمسين)

وقال ايضاً:قال الحافظ رشيد الدين إسناده حسن إلا أنه غير متصل قال البخارى فى تاريخه زيد عن عبادة مرسل قلت وزيد هذا عنه سعيد بن أبى هلال فقط فيما أعلم لكن ذكره ابن حبان فى ثقاته على قاعدته (تحفة المحتاج الٰى ادلة المنهاج ١، ص٥٢٧، تحت رقم الحديث ٦٦٣)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جہاں تک اس حدیث میں انبیاء کو رزق دیئے جانے کا تعلق ہے، تو رزق دیئے جانے کا ذکر تو، قرآن مجید میں شہیدوں کے بارے میں بھی آیا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا، اور انبیاء کا درجہ ومرتبہ، شہداء سے اونچا واعلیٰ ہے، لہٰذا ان کو رزق دیئے جانے میں کون سی چیز مانع ہے، مگر یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ شہداء وانبیاء کی یہ حیات اور رزق سب کچھ، اللہ کے پاس ہوتا ہے، جس کا زندہ انسانوں کو پورا شعور مشکل ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور پیچھے ''عِنْدَ رَبِّهِمْ'' اور ''وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ'' سے معلوم ہو چکا۔

اور اس مقامِ برزخی کو بعض اوقات قبر وغیرہ سے بھی تعبیر کر دیا جاتا ہے، جس میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔

حضرت حسن کی مرسل حدیث

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال العجلوني:رواه ابن ماجه بإسناد جيد عن أبي الدرداء (كشف الخفاء، ج ا ص ١٨٩، تحت رقم الحديث ٥٠١،حرف الهمزة مع الكاف)

وقال المناوي:(عن أبي الدرداء) تتمته قلت وبعد الموت قال وبعد الموت إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء قال الدميري رجاله ثقات(فيض القدير للمناوي، ج٢، ص٨٧، تحت رقم الحديث ١٤٠٣)

وقال الشوكاني: قال العراقي في شرح الترمذي رجاله ثقات إلا أن فيه انقطاعا لأن في إسناده زيد بن أيمن عن عبادة بن نسي عن أبي الدرداء قال البخاري زيد بن أيمن عن عبادة بن نسي مرسل (نيل الأوطار، ج٣ص ٢٩٤، ابواب الجمعة، باب انعقاد الجمعة بأربعين وإقامتها في القرى)

وقال ابن حجر :زيد ابن أيمن مقبول من السادسة ق (تقريب التهذيب، ص ٢٢٢، رقم الترجمة ٢١١٩، حرف الزاي)

قال الدكتورسعد بن ناصر بن عبد العزيز الشّثري: ذكره المنذري في الترغيب (٥٠٢/٢)، ثم قال: رواه ابن ماجه بإسناد جيد .وقال البوصيري في مصباح الزجاجة (٢٩٤/١) هذا إسناد رجاله ثقات، إلّا أنه منقطع في موضعين، عُبادة بن نُسَيّ روايته عن أبي الدرداء مرسلة، قاله العلاء ، وزيد بن أيمن عن عُبادة بن نُسَيّ مرسلة، قاله البخاريُّ . قلت: وزيد بن أيمن هذا مقبول (حاشية المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية للعسقلاني، ج١٣ ص٨٠٣، كتاب الاذكار والدعوات، باب الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم)

قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَأْكُلُ الْأَرْضُ جَسَدَ مَنْ كَلَّمَهُ رُوْحُ الْقُدُسِ (فضل الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم، رقم الرواية ۲۳، ص۳۸) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین اس جسم کو نہیں کھاتی، جس سے روحُ القدس (یعنی جبریلِ امین) نے کلام کیا ہو (فضلُ الصلاۃ)

روحُ القدس سے مراد جبریلِ امین ہیں، اور جبریلِ امین کی مخصوص ذمہ داری، انبیائے کرام علیہم السلام پر وحی لانا ہے، لہٰذا جبریلِ امین، بنیادی طور پر انبیائے کرام سے ہی کلام فرماتے ہیں۔

پس یہ روایت بھی گزشتہ اُن احادیث کی تائید کرتی ہے، جن میں انبیائے کرام علیہم السلام کے اجسام کو مٹی کے نہ کھانے کا ذکر ہے۔

انس بن مالک اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی احادیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (مسند أبى يعلى الموصلى، رقم الحديث ۳۴۲۵، مسند انس بن مالک عن ثابت البنانى، مسند البزار رقم الحديث ۶۳۹۱ ورقم الحديث ۶۸۸۸، أخبار أصبهان ج۲ ص۴۴، ما ورد فى حياة الأنبياء بعد وفاتهم للبيهقى ص ۱)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیائے کرام صلی اللہ علیہم وسلم اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور نماز پڑھتے ہیں (ابویعلیٰ، بزار، اصبہانی، بیہقی)

یہ حدیث مختلف سندوں سے مروی ہے، اور بعض سندوں میں اگرچہ کچھ ضعف پایا جاتا ہے،

---

[1] قال الألبانى: صحيح بما قبله (تحقيق فضل الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم، تحت رقم الرواية ۲۳)

لیکن اس کی بعض سندیں بالکل صحیح ہیں، اور مجموعی طور پر یہ حدیث سند کے لحاظ سے درست، معتبر اور قابلِ استدلال ہے۔ [1]

---

[1] قال الهيثمي: رواه أبو يعلى والبزار، ورجال أبي يعلى ثقات (مجمع الزوائد ج٨ص ٢١١، تحت رقم الحديث ١٣٨١٢، باب ذكر الأنبياء صلى الله عليه وسلم)
وقال حسين سليم أسدالدارني: إسناده صحيح (حاشية ابی یعلٰی)
وقال البيهقي: ولحياة الأنبياء بعد موتهم صلوات الله عليهم شواهد من الأحاديث الصحيحة (ماورد في حياة الأنبياء بعد وفاتهم، حواله بالا)
وقال ابن حجر: وقد جمع البيهقي كتابا لطيفا في حياة الأنبياء في قبورهم أورد فيه حديث أنس الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون أخرجه من طريق يحيى بن أبي كثير وهو من رجال الصحيح عن المستلم بن سعيد وقد وثقه أحمد وبن حبان عن الحجاج الأسود وهو بن أبي زياد البصري وقد وثقه أحمد وبن معين عن ثابت عنه وأخرجه أيضا أبو يعلى في مسنده من هذا الوجه وأخرجه البزار لكن وقع عنده عن حجاج الصواف وهو وهم والصواب الحجاج الأسود كما وقع التصريح به في رواية البيهقي وصححه البيهقي وأخرجه أيضا من طريق الحسن بن قتيبة عن المستلم وكذلك أخرجه البزار وبن عدى والحسن بن قتيبة ضعيف (فتح الباري، ج٦ ص٤٨٧، كتاب الجهاد، باب قول الله تعالى واذكر في الكتاب مريم)
وقال الالباني: أخرجه أبو يعلى باسناد جيد، وقد خرجته في الاحاديث الصحيحة (احكام الجنائز، ص٢١٣، باب مايحرم عندالقبور)
وقال ايضاً: و هذا إسناد جيد، رجاله كلهم ثقات، غير الأزرق هذا قال الحافظ في "التقريب": "صدوق يغرب". "و لم يتفرد به، فقد أخرجه أبو نعيم في "أخبار أصبهان(٢/٨٣)" "من طريق عبد الله بن إبراهيم بن الصباح عن عبد الله بن محمد بن يحيى بن أبي بكير حدثنا يحيى بن أبي بكير به. أورده في ترجمة ابن الصباح هذا، و لم يذكر فيه جرحا و لا تعديلا، و عبد الله بن محمد بن يحيى بن أبي بكير، فترجمه الخطيب (١٠/٨) وقال: سمع جده يحيى بن أبي بكير قاضي كرمان ...و كان ثقة. "فهذه متابعة قوية للأزرق، تدل على أنه قد حفظ و لم يغرب. و كأنه لذلك قال المناوي في "فيض القدير "بعد ما عزاه أصله لأبي يعلى": و هو حديث صحيح." و لكنه لم يبين وجهه، و قد كفيناك مؤنته، و الحمد لله الذي هدانا لهذا و ما كنا لنهتدي لولا أن هدانا الله. هذا. و قد كنت برهة من الدهر أرى أن هذا الحديث ضعيف لظني أنه مما تفرد به ابن قتيبة -كما قال البيهقي- و لم أكن قد وقفت عليه في "مسند أبي يعلى "و "أخبار أصبهان". فلما وقفت على إسناده فيهما تبين لي أنه إسناد قوي و أن التفرد المذكور غير صحيح، و لذلك بادرت إلى إخراجه في هذا الكتاب تبرئة للذمة و أداء للأمانة العلمية و لو أن ذلك قد يفتح الطريق لجاهل أو حاقد إلى الطعن و الغمز و اللمز، فلست أبالي بذلك ما دمت أني أقوم بواجب ديني أرجو ثوابه من الله تعالى وحده. فإذا رأيت أيها القارىء الكريم في شيء من تآليفي خلاف هذا التحقيق، فأضرب عليه و اعتمد هذا و عض عليه بالنواجذ، فإني لا أظن أنه يتيسر لك الوقوف على مثله. و الله ولي التوفيق. (سلسلة الاحاديث الصحيحة للالباني، تحت رقم الحديث ٦٢١)

مذکورہ حدیث کی تائید، اسراء ومعراج کی اس رات سے بھی ہوتی ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں نبیوں کو نماز بھی پڑھائی۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَرَرْتُ لَیْلَۃَ أُسْرِیَ بِیْ عَلٰی مُوْسٰی قَائِمًا یُصَلِّیْ فِیْ قَبْرِہٖ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۲۲۱۰) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شبِ معراج میں میرا گزر موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے ہوا، میں نے دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں (مسند احمد)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَقَدْ رَأَیْتُنِیْ فِی الْحِجْرِ وَقُرَیْشٌ تَسْأَلُنِیْ عَنْ مَسْرَایَ، فَسَأَلَتْنِیْ عَنْ أَشْیَاءَ مِنْ بَیْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ أُثْبِتْهَا، فَکُرِبْتُ کُرْبَةً مَا کُرِبْتُ مِثْلَهٗ قَطُّ، قَالَ: فَرَفَعَهُ اللّٰہُ لِیْ أَنْظُرُ إِلَیْهِ، مَا یَسْأَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ إِلَّا أَنْبَأْتُهُمْ بِهٖ، وَقَدْ رَأَیْتُنِیْ فِیْ جَمَاعَةٍ مِّنَ الْأَنْبِیَاءِ، فَإِذَا مُوْسٰی قَائِمٌ یُصَلِّیْ، فَإِذَا رَجُلٌ ضَرْبٌ، جَعْدٌ کَأَنَّهٗ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَةَ، وَإِذَا عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَائِمٌ یُصَلِّیْ، أَقْرَبُ النَّاسِ بِهٖ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ الثَّقَفِیُّ، وَإِذَا إِبْرَاهِیْمُ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَائِمٌ یُصَلِّیْ، أَشْبَهُ النَّاسِ بِهٖ صَاحِبُکُمْ - یَعْنِیْ نَفْسَهٗ - فَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَأَمَمْتُهُمْ، فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنَ الصَّلَاةِ قَالَ قَائِلٌ: یَامُحَمَّدُ، هٰذَا مَالِکٌ صَاحِبُ النَّارِ، فَسَلِّمْ عَلَیْهِ، فَالْتَفَتُّ إِلَیْهِ، فَبَدَأَنِیْ بِالسَّلَامِ (صحیح مسلم، رقم الحدیث ۱۷۲ "۲۷۸"، کتاب الإیمان، باب ذکر المسیح ابن مریم، والمسیح الدجال)

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحیح علی شرط الشیخین (حاشیة مسند احمد)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو (بیتُ اللہ کے) ''حطیم'' میں دیکھا اور قریش مجھ سے میرے معراج پر جانے کے بارے میں سوال کر رہے تھے، تو قریش نے مجھ سے بیت المقدس کی چند ایسی چیزوں کے بارے میں پوچھا، جن کو میں (دوسری اہم چیزوں میں مشغولیت کے باعث) محفوظ نہ رکھ سکا تھا، مجھے اس کا اتنا زیادہ افسوس ہوا کہ اتنا اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا، اس کے بعد اللہ نے بیتُ المقدس کو درمیان سے پردے اٹھا کر میرے سامنے کر دیا، میں اسے دیکھ کر جس چیز کے بارے میں (قریش مجھ سے) سوال کرتے، وہ میں انہیں (معراج کی رات میں پیش آنے، اور مشاہدہ کیے جانے والے واقعات اور مقامات کے بارے میں) بتلا دیتا، اور میں نے اپنے آپ کو انبیائے کرام کی جماعت میں دیکھا، اور موسیٰ علیہ السلام کو کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، تو وہ درمیانی قد کے گھنگریالے بالوں والے آدمی تھے، گویا کہ وہ ''شَنُوْئَۃ'' (یمن کے مخصوص) لوگوں میں سے ہیں، اور میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، جو لوگوں میں عروہ بن مسعود ثقفی (صحابی) کے زیادہ مشابہ تھے، اور ابراہیم علیہ السلام کو بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا، جو لوگوں میں تمہارے ساتھی، یعنی میرے مشابہ تھے، پھر نماز کا وقت ہو گیا، تو میں نے اُن کی امامت کرائی، پھر جب میں نماز سے فارغ ہو گیا، تو ایک کہنے والے نے کہا کہ اے محمد! یہ مالک ہیں، آگ (یعنی جہنّم) کے نگران، تو آپ اُن کو سلام کیجیے، میں ان کی طرف متوجہ ہوا، تو انہوں نے فوراً ہی خود مجھے سلام کیا (مسلم)

ابنِ مسعود اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی احادیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُوْنِيْ عَنْ أُمَّتِي السَّلَامَ (صحیح ابنِ حبان، رقم الحدیث ۹۱۴، کتاب الرقائق، باب الادعیة) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ کے فرشتے زمین میں گشت کرتے ہیں، جو کہ میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں (ابنِ حبان)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھے جانے والے سلام کے لئے روئے زمین پر فرشتے مقرر ہیں، اور وہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھے جانے والے سلام کو پہنچانے کی خدمت سرانجام دیتے ہیں، جو نبی کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ (سنن أبی داؤد، رقم الحدیث ۲۰۴۱، کتاب المناسک، باب زیارۃ القبور، مسند احمد رقم الحدیث ۱۰۸۱۵)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (میری وفات کے بعد) جو شخص بھی مجھ پر سلام کرتا ہے، تو اللہ مجھ پر میری روح کو (اپنی حسبِ قدرت ومشیّت) لوٹا دیتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں (ابوداؤد، مسند احمد)

یہ حدیث سند کے لحاظ سے درست اور کم از کم حسن درجہ میں داخل ہے۔ [2]

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحیح، رجاله رجال الصحیح (حاشیة ابنِ حبان)

[2] قال شعیب الارنؤوط: اسناده حسن (حاشیة سنن ابی داؤد)

وقال ایضاً: اسناده حسن (حاشیة مسند احمد)

وقال الالبانی: قال الطبرانی " : لم یروه عن یزید إلا أبو صخر ولا عنه إلا حیوة تفرد به عبد الله بن یزید ."قلت :وهو المقری، ثقة من رجال الشیخین، وکذلک من فوقه غیر أبی صخر -وهو حمید بن زیاد -مختلف فیه، والراجح عندی أنه حسن الحدیث .وفی "التقریب " :"صدوق یهم ." وهذا أقرب إلی الصواب من قوله فی "الفتح(۶/ ۲۷۹) رجاله ثقات وقال الحافظ العراقی فی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ حدیث میں سلام کے سماعت فرمانے کا ذکر نہیں، البتہ سلام کا جواب دینے کا ذکر ہے۔
اور اس سے پہلی حدیث سے معلوم ہو چکا کہ روئے زمین کے کسی بھی مقام پر پڑھے جانے والے درود کو مقرر شدہ فرشتے، اللہ کے نبی تک پہنچاتے ہیں۔
لہٰذا بعض لوگوں کا یہ سمجھنا کہ روئے زمین کے کسی بھی حصے سے پڑھا گیا سلام، نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس سنتے ہیں، یہ بات بلا دلیل ہے۔
روح کو لوٹانے اور جواب دینے سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کا اس جسمِ مبارک سے ہی تعلق قائم ہوتا ہے، جو آپ کو دنیا میں عطاء فرمایا گیا تھا، اور وہ جسم بوسیدہ و مٹی نہیں ہوتا، بلکہ تر و تازہ رہتا ہے، اس کے باوجود، آپ کی روح مبارک، عالمِ برزخ کے ان بلند ترین مقامات پر بھی فائز ہوتی ہے، جہاں اللہ کو منظور ہوتا ہے۔ [1]

عائشہ وابنِ مسعود رضی اللہ عنہما کی احادیث

''صحیح بخاری'' میں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ''ذکوان'' سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عَـائِشَةَ، رَضِـيَ اللّٰهُ عَنْهَا، كَانَتْ تَقُوْلُ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ بَيْنَ يَدَيْهِ رَكْوَةٌ –أَوْ عُلْبَةٌ فِيْهَا مَاءٌ، يَشُكُّ عُمَرُ–

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

تخریج الإحیاء(۱/۲۷۹) "سندہ جید" وأما النووی، فقال فی الریاض (۱۴۰۹): إسنادہ صحیح. ووافقه المناوی فی التیسیر (سلسلة الاحادیث الصحیحة، تحت رقم الحدیث ۲۲۶۶)

[1] أن الأنبیاء والشهداء أحیاء، وحیاة الأنبیاء أقوی، و إذا لم یسلط علیهم الأرض، فهم کالنائمین والنائم لا یسمع ولا ینطق حتی یتنبه ،کما قال الله تعالی "والتی لم تمت فی منامها" الآیة، فالمراد بالرد الإرسال الذی فی الآیة، وحینئذ فمعناه أنه إذا سمع الصلاة والسلام بواسطة أو بدونها تیقظ، ورد لا أن روحه تقبض قبض الممات ثم تنفخ وتعاد کموت الدنیا وحیاتها، لان روحه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم مجردة نورانیة (نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض، لشهاب الدین أحمد بن محمد الخفاجی، ج۵،ص ۷۹، الباب الرابع من القسم الثانی فی حکم الصلاة علیه والتسلیم، فصل فی تخصیصه صلی الله علیه وسلم بتبلیغ صلاة من صلی علیه او سلم من الانام، الناشر: دارالکتب العلمیة، بیروت، لبنان، الطبعة الاولیٰ: ۱۴۲۱ھ، ۲۰۰۱م)

فَجَعَلَ يُدْخِلُ يَدَيْهِ فِي الْمَاءِ، فَيَمْسَحُ بِهِمَا وَجْهَهُ، وَيَقُوْلُ: لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، إِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ ثُمَّ نَصَبَ يَدَهُ فَجَعَلَ يَقُوْلُ: فِي الرَّفِيْقِ الْأَعْلٰى حَتّٰى قُبِضَ وَمَالَتْ يَدُهُ (صحيح البخارى، رقم الحديث ٦٥١٠، كتاب الرقاق، باب سكرات الموت)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی وفات کے وقت، آپ) کے سامنے ''رَكْوَة'' (یعنی چمڑے) یا ''عُلْبَة'' (یعنی لکڑی) کا ایک برتن تھا، جس میں پانی تھا (ان الفاظ میں عمر راوی کو شک ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، پانی میں اپنے ہاتھ ڈال کر اپنے چہرے پر پھیر رہے تھے، اور یہ فرما رہے تھے کہ ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' بے شک موت کی تکلیف ہوتی ہے، پھر آپ نے اپنے ہاتھ کو اٹھا کر اشارہ کرتے ہوئے یہ فرمایا ''فِي الرَّفِيْقِ الْأَعْلٰى'' (یعنی اے اللہ! رفیقِ اعلیٰ کی نعمت سے مستفید فرما دیجیے) یہاں تک کہ آپ کی روح قبض ہوگئی اور آپ کا ہاتھ جھک گیا (بخاری)

اور ''صحیح بخاری'' میں ہی حضرت سعید بن مسیّب اور عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَهُوَ صَحِيْحٌ: لَنْ يُّقْبَضَ نَبِيٌّ قَطُّ حَتّٰى يَرٰى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ، ثُمَّ يُخَيَّرُ فَلَمَّا نَزَلَ بِهٖ وَرَأْسُهُ عَلٰى فَخِذِيْ غُشِيَ عَلَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ أَفَاقَ، فَأَشْخَصَ بَصَرَهُ إِلَى السَّقْفِ، ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْأَعْلٰى قُلْتُ إِذًا لَا يَخْتَارُنَا، وَعَلِمْتُ أَنَّهُ الْحَدِيْثُ الَّذِيْ كَانَ يُحَدِّثُنَا وَهُوَ صَحِيْحٌ، قَالَتْ: فَكَانَتْ تِلْكَ آخِرَ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا: اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْأَعْلٰى (صحيح البخارى، رقم الحديث ٦٣٤٨، كتاب الدعوات، باب دعاء النبى صلى الله عليه وسلم: اللهم الرفيق الأعلى)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحت کی حالت میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی نبی کی بھی اس وقت تک روح قبض نہیں کی جاتی، جب تک کہ وہ جنت میں اپنے ٹھکانے کو نہ دیکھ لے، پھر اس نبی کو (دنیا، اور اپنے جنت کے ٹھکانے کے مابین) اختیار دیا جاتا ہے۔

پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ حالت نازل ہوئی، اور آپ کا سر، میری ران پر تھا، تو کچھ دیر کے لیے آپ پر غشی طاری ہوگئی، پھر آپ کو افاقہ ہوا، پھر آپ نے اپنی نظر، چھت کی طرف اٹھائی، اور یہ دعاء کی کہ ''اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْأَعْلٰی'' (یعنی اے اللہ! رفیقِ اعلیٰ کی نعمت سے مستفید فرما دیجیے)

میں نے کہا کہ اَب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اختیار نہیں کریں گے (یعنی آپ نے ''رفیقِ اعلیٰ'' کی نعمت کی دعاء کر کے اس کو اختیار کرلیا، اور دنیا و مافیہا کو ترک کر دیا) اور میں یہ بات جانتی تھی کہ یہ اسی طرح کی حدیث ہے، جس طرح کی حدیث، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں صحت کی حالت میں بیان کیا کرتے تھے (یعنی آپ نے یہ بات پورے ہوش وحواس میں بیان فرمائی) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری کلام ان کلمات ہی کا کیا کہ ''اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْأَعْلٰی'' (یعنی اے اللہ! رفیقِ اعلیٰ کی نعمت سے مستفید فرما دیجیے) (بخاری)

اور ''صحیح مسلم'' میں حضرت عروہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أَسْمَعُ أَنَّهُ لَنْ يَّمُوْتَ نَبِيٌّ حَتّٰى يُخَيَّرَ بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، قَالَتْ: فَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِي مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ، وَأَخَذَتْهُ بُحَّةٌ يَقُوْلُ: مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ، وَالشُّهَدَاءِ، وَالصَّالِحِيْنَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيْقًا قَالَتْ: فَظَنَنْتُهُ خُيِّرَ حِيْنَئِذٍ (صحيح مسلم، رقم الحديث ۲۴۴۴ "۸۶" كتاب الفضائل، باب في فضل عائشة رضي الله تعالى عنها)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنا کرتی تھی کہ اللہ کے کسی نبی کی بھی اس وقت تک موت واقع نہیں ہوتی، جب تک اس کو دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار نہ دے دیا جائے، پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیماری میں، جس میں آپ کی موت واقع ہوئی، یہ کہتے ہوئے سنا، اور اس وقت آپ کو سانس لینے میں دشواری تھی، آپ (سورہ نساء کی) یہ آیت تلاوت فرمارہے تھے کہ ''مَعَ الَّذِیْنَ أَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْهِمْ مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ، وَالشُّهَدَاءِ، وَالصَّالِحِیْنَ وَحَسُنَ أُولٰئِکَ رَفِیْقًا'' (ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام فرمایا، یعنی نبیوں اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کے ساتھ، اور یہ بہت اچھے رفیق ہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس سے میں نے یہ بات جان لی کہ اس وقت آپ کو اختیار دیا گیا ہے (اور یہ وہی موت کا لمحہ ہے) (مسلم)

اور ''مسند احمد'' میں حضرت مسروق سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، کَانَ إِذَا عَادَ مَرِیْضًا مَسَحَهُ بِیَدِهِ، وَقَالَ: أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ، وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِیُ، لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُکَ، شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سَقَمًا، فَلَمَّا مَرِضَ مَرَضَهُ الَّذِیْ مَاتَ فِیْهِ، قَالَتْ عَائِشَةُ: أَخَذْتُ بِیَدِهِ، فَذَهَبْتُ لِأَقُوْلَ، فَانْتَزَعَ یَدَهُ، وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ، وَاجْعَلْنِیْ فِی الرَّفِیْقِ الْأَعْلٰی (مسند احمد، رقم الحدیث ۲۴۹۴۶)[1]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مریض کی عیادت فرماتے تھے، تو اس کو اپنے ہاتھ سے سہلاتے تھے، اور یہ دعاء کرتے تھے کہ اے لوگوں کے رب! تکلیف کو دور فرما دیجیے اور شفا عطاء

[1] قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحیح علی شرط الشیخین (حاشیة مسند احمد)

فرما دیجیے، آپ کی ذات ہی شفا دینے والی ہے، آپ کی شفا کے علاوہ کوئی شفا نہیں ہے، آپ کی ذات کسی مرض کو بھی باقی نہیں چھوڑتی، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مرض لاحق ہوا، جس میں آپ کی موت واقع ہوئی، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر یہی دعاء پڑھنی چاہی، تو آپ نے اپنے ہاتھ کو واپس کھینچ لیا، اور یہ دعاء کی کہ اے اللہ! میری مغفرت فرما دیجیے اور مجھے رفیقِ اعلیٰ میں داخل فرما دیجیے (مسند احمد)

اور ''صحیح ابنِ حبان'' میں حضرت عباد بن عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عَائِشَةَ، أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَصْغَتْ إِلَيْهِ قَبْلَ أَنْ يَّمُوْتَ، وَهِيَ مُسْنِدَتُهُ إِلٰى صَدْرِهَا، يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ، اغْفِرْلِيْ، وَارْحَمْنِيْ، وَأَلْحِقْنِيْ بِالرَّفِيْقِ الْأَعْلٰى (صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ٦٦١٨، كتاب التاريخ، باب وفاته صلى الله عليه وسلم)[1]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اُن کو خبر دی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت سے پہلے پوری طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ تھیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ٹیک لگائی ہوئی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے تھے کہ اے اللہ! میری مغفرت فرما دیجیے، اور مجھ پر رحم فرما دیجیے، اور مجھے رفیقِ اعلیٰ کے ساتھ ملا دیجیے (صحیح ابنِ حبان)

اور ''مسند احمد'' میں حضرت عروہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قُبِضَ مُسْنِدٌ ظَهْرَهُ إِلَيَّ، قَالَتْ: فَدَخَلَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِيْ بَكْرٍ، وَفِيْ يَدِهٖ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غير يزيد ابن موهب –وهو يزيد بن خالد بن يزيد بن موهب– فقد روى له أصحاب السنن غير الترمذى، وهو ثقة (حاشية صحيح ابنِ حبان)

سِوَاکٌ، فَدَعَا بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخَذْتُ السِّوَاکَ فَطَيَّبْتُهُ، ثُمَّ دَفَعْتُهُ إِلَيْهِ، فَجَعَلَ يَسْتَنُّ بِهِ، فَثَقُلَتْ يَدُهُ وَثَقُلَ عَلَيَّ، وَهُوَيَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْأَعْلٰى، اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْأَعْلٰى، مَرَّتَيْنِ، قَالَتْ: ثُمَّ قُبِضَ تَقُوْلُ عَائِشَةُ: قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بَيْنَ سَحْرِيْ وَنَحْرِيْ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۵۶۴۰) [1]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جب روح قبض کی گئی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر آئے، ان کے ہاتھ میں مسواک تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا، میں نے عبدالرحمٰن سے مسواک لی، اور میں نے اس کو پانی سے صاف کیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑایا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منہ کو صاف کیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ لٹک گیا، اور مجھ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم بھاری ہوگیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات پڑھے کہ ''اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْأَعْلٰى، اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْأَعْلٰى ''(اے اللہ! رفیقِ اعلیٰ میں پہنچا دیجیے، اے اللہ! رفیقِ اعلیٰ میں پہنچا دیجیے) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض ہوگئی۔

حضرت عائشہ نے یہ بھی فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت میں روح قبض ہوئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے سینے اور حلق کے درمیان تھے (مسند احمد)

مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت، آخری دعاء ''رفیقِ اعلیٰ'' کے ساتھ شامل ہونے کی فرمائی تھی، اور آپ نے اس کو دنیا کی زندگی پر ترجیح

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين، غير إبراهيم بن خالد، ورباح —وهو ابن زيد— الصنعانيين، فقد أخرج لهما أبو داود والنسائي، وكلاهما ثقة (حاشية مسند احمد)

دی تھی، اور جمہور اہلِ علم کے نزدیک ''رفیقِ اعلیٰ'' سے انبیائے کرام علیہم السلام مراد ہیں، جو جنت سے منسلک ''اَعْلٰی عِلِّیِّیْنَ'' میں اعلیٰ درجے کے مقامات پر فائز ہیں۔ [1]

حضرت ابوعبیدہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ سَعِيدَ بْنَ زَيْدٍ، قَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَيْنَ هُوَ؟ قَالَ: فِي الْجَنَّةِ هُوَ، قَالَ: تُوُفِّيَ أَبُوْبَكْرٍ فَأَيْنَ هُوَ؟ قَالَ: ذَاكَ الْأَوَّاهُ عِنْدَ كُلِّ خَيْرٍ يُبْغٰى، قَالَ: تُوُفِّيَ عُمَرُ فَأَيْنَ هُوَ؟ قَالَ: فَإِذَا ذُكِرَ الصَّالِحُوْنَ فَحَيَّ هَلًا بِعُمَرَ (المعجم الكبير للطبراني، ج۹ ص ۱۶۳، رقم الحديث ۸۸۱۱، باب العين) [2]

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے، سعید بن زید نے سوال کیا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کر لی گئی، تو وہ کہاں ہیں؟

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ وہ جنت میں ہیں۔

سعید بن زید نے سوال کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بھی وفات ہوگئی،

---

[1] (اللهم اغفر لی وارحمنی وألحقنی بالرفيق) وفی رواية الرفيق الأعلى الصحيح الذی عليه الجمهور أن المراد بالرفيق الأعلى الأنبياء الساكنون أعلى عليين ولفظة رفيق تطلق على الواحد والجمع قال الله تعالى وحسن أولئک رفيقا وقيل هو الله تعالى يقال الله رفيق بعباده من الرفق والرأفة فهو فعيل بمعنى فاعل وأنكر الأزهری هذا القول وقيل أراد مرتفق الجنة (شرح النووی علىٰ مسلم، ج۱۵، ص۲۰۸، كتاب فضائل الصحابة رضی الله عنهم، باب فضائل عائشة أم المؤمنين رضی الله عنها)

قوله: " وألحقنی بالرفيق الأعلى "فمأخوذ من قوله تعالى:"مع الذين أنعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين"فأراد المرافقة معهم فی الجنة.

وقيل: أراد بالرفيق الأعلى ما علا فوق السماوات السبع .

وقيل: إن الرفيق الأعلى الجنة.

وقيل: الأنبياء والصالحون الذين يعلون فی الجنة .وذكر أبو الوليد الباجی ؛ أن الرفيق الأعلى اسم لكل سماء .والأعلى السابعة (المسالک فی شرح موطأ مالک للقاضی ابوبكر ابن العربی، ج۳، ص ۵۹۲، ۵۹۳، كتاب الجنائز، باب جامع الجنائز)

[2] قال الهيثمی: رواه الطبرانی، وإسناده حسن(مجمع الزوائد،تحت رقم الحديث ۱۴۴۷۳ ،باب وفاة عمر رضی الله عنه)

تو وہ کہاں ہیں؟ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ وہ تو اللہ کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والے تھے، جن کو ہر خیر کی جگہ تلاش کیا جاتا ہے (تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار سے کیسے محروم رہ سکتے ہیں؟)

سعید بن زید نے سوال کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھی وفات ہوگئی، تو وہ کہاں ہیں؟ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ جب صالحین کا ذکر کیا جائے، تو حضرت عمر اُن میں کیسے شامل نہ ہوں گے (طبرانی)

اس واقعہ کو اور محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔ [1]

---

[1] أخبرنا أبو علي إسماعيل ، ثنا أحمد ، ثنا عبد الرزاق ، أنا معمر ، عن عبد الكريم الجزري ، عن أبي عبيدة بن عبد الله بن مسعود ، قال : جاء سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل إلى ابن مسعود فقال : يا أبا عبد الرحمن توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم فأين هو ؟ قال : في الجنة هو .قال : توفي أبو بكر فأين هو ؟ قال : ذاك الأواه عند كل خير تتبعا .قال : توفي عمر فأين هو ؟ قال : إذا ذكر الصالحون فحي هلا بعمر (الأمالي في آثار الصحابة للحافظ عبدالرزاق الصنعاني،ص ۸۴، رقم الحديث ۱۲۰ ، هؤلاء من أهل الجنة)

أخبرنا أبو بكر وجيه بن طاهر أنا أبو صالح أحمد بن عبد الملك أنا أبو الحسن بن السقا وأبو محمد بن بالوية قالا نا عباس بن محمد نا يحيى نا عبد الرحمن بن مهدي عن ابن المبارك عن معمر عن عبد الكريم الجزري عن أبي عبيدة قال سأل سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل عبد الله مات رسول الله (صلى الله عليه وسلم) فأين هو قال في الجنة قال فأين أبو بكر قال الأواه عند كل خير يبتغي قال فعمر قال إذا ذكر الصالحون فحيي هلا بعمر أخبرنا أبو الحسن بن قبيس أنا أبو الحسن بن أبي الحديد أنا جدي أنا محمد بن يوسف بن بشر نا محمد بن حماد الطهراني أنا عبد الرزاق عن معمر عن عبد الكريم الجزري عن أبي عبيدة قال قال سعيد بن زيد لابن مسعود يا أبا عبد الرحمن توفي رسول الله (صلى الله عليه وسلم) فأين هو قال في الجنة قال توفي أبو بكر فأين هو قال ذاك الأواه عند كل خير يبتغي قال توفي عمر فأين هو قال إذا ذكر الصالحون فحي هلا بعمر وأخبرناه أبو محمد هشام بن يوسف بن أحمد بن مالك العاقولي أنا أبو عبد الله الحسين بن علي بن أحمد بن البسري أنا عبد الله بن يحيى بن عبد الجبار السكري أنا إسماعيل بن محمد الصفار نا أحمد بن منصور الرمادي نا عبد الرزاق أنا معمر عن عبد الكريم الجزري عن أبي عبيدة بن عبد الله بن مسعود قال جاء سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل إلى ابن مسعود فقال يا أبا عبد الرحمن توفي رسول الله (صلى الله عليه وسلم) قال فأين هو قال في الجنة قال توفي أبو بكر فأين هو قال ذاك الأواه عند كل خير يبتغي قال توفي عمر فأين هو قال إذا ذكر الصالحون فحي هلا بعمر أخبرنا أبو بكر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس طرح کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی موت اور وفات کے بعد، برزخی حیات ہے، اور آپ ''اَعْلٰی عِلِّیِّیْن'' میں بلند مقام پر فائز ہیں۔ [1]

جس کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات میں تفصیل گزر چکی ہے، جن کے ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سورہ نساء کی اس آیت کو تلاوت فرمانے کا ذکر بھی گزر چکا ہے کہ ''مَعَ الَّذِیْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ، وَالشُّهَدَاءِ،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ محمد بن عبد الباقي أنا أبو محمد الجوهري أنا أبو الحسين بن المظفر نا أبو بكر الباغندي نا أبو نعيم نا عبيد الله بن عمرو عن عبد الكريم عن أبي عبيدة قال لقي سعيد بن زيد ابن مسعود فقال يا أبا عبد الرحمن أين النبي (صلى الله عليه وسلم) قال في الجنة قال أين أبو بكر قال الأواه عند كل خير يبتغى قالوا ما الأواه قال الرحيم قال فأين عمر قال إذا ذكر الصالحون فحي هلا بعمر قال وأنا الجوهري أنا أبو عبد الله الحسين بن أحمد بن فهد الموصلي أنا أبو يعلى الموصلي نا بندار نا محمد بن جعفر نا شعبة عن عمرو بن مرة عن عبد الله بن سلمة عن عبد الله قال إذا ذكر الصالحون فحي هلا بعمر أخبرنا أبو القاسم بن السمرقندي وأبو الحسن علي بن هبة الله بن عبد السلام قالا أنا أبو محمد الصريفيني أنا أبو القاسم بن حبابة نا أبو القاسم البغوي نا علي بن الجعد أنا شعبة عن قيس بن مسلم قال سمعت طارق بن شهاب يقول سمعت ابن مسعود يقول إذا ذكر الصالحون فحي هلا بعمر أخبرنا أبو القاسم بن الشحامي أنا أبو نصر بن موسى أنا يحيى بن إسماعيل أنا عبد الله بن محمد بن الحسن نا عبد الله بن هاشم نا وكيع نا مسعر وسفيان عن قيس بن مسلم عن طارق بن شهاب قال قال عبد الله إذا ذكر الصالحون فحي هلا بعمر قال ونا وكيع نا الأعمش عن إبراهيم عن الأسود بن يزيد قال قال لي عبد الله إذا ذكر الصالحون فحي هلا بعمر قال وقال عبد الله لقد أحببت عمر حبا حسبت الله في حبه أخبرنا أبوا الحسن الفقيهان قالا أنا أبو الحسن بن أبي الحديد أنا جدي أبو بكر الخرائطي نا أبو البختري عبد الله بن محمد بن شاكر نا حسين بن علي الجعفي عن زائدة عن عاصم عن زر عن عبد الله بن مسعود قال إذا ذكر الصالحون فحي هلا بعمر وأيم الله إني لأحسب أن بين عينيه ملكا يسدده (تاريخِ دمشق لابنِ عساکر، ج۴۴ص ۳۷۰ الیٰ ۳۷۲، تحت ترجمة ''عمر بن خطاب'' رقم الترجمة ۵۲۰۶)

[1] الباب التاسع: في ذكر محل أرواح الموتى في البرزخ "أرواح الأنبياء"

أما الأنبياء عليهم السلام فليس فيهم شك أن أرواحهم عند الله في أعلى عليين.

وقد أثبت في الصحيح أن آخر كلمة تكلم بها رسول الله صلى الله عليه وسلم عند موته: ''اللهم الرفيق الأعلى'' وكررها حتى قبض.

وقال رجل لابن مسعود: قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم فأين هو؟ قال: في الجنة.

محل أرواح الشهداء

وأما الشهداء فأكثر العلماء على أنهم في الجنة وقد تكاثرت بذلك الأحاديث (أهوال القبور، لابن رجب الحنبلي، ص ۹۶، الباب التاسع)

وَالصَّالِحِیْنَ وَحَسُنَ أُولٰئِکَ رَفِیْقًا‘‘

سورہ نساء کی مذکورہ آیت میں پہلے نبیوں، اوراس کے بعد صدیقین، پھر شہداء اور صالحین کا ذکر ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ’’صدیقین‘‘ میں سے ہونا معلوم ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ’’شہداء‘‘ میں داخل ہیں، اور جو’’صدیق اور شہید‘‘ ہوتا ہے، وہ یقیناً ’’صالحین‘‘ میں بھی داخل ہوتا ہے۔

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت میں اسی بات کا ذکر ہے اور حضرت انس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَعِدَ أُحُدًا، وَأَبُوْبَکْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ فَرَجَفَ بِهِمْ، فَقَالَ: اُثْبُتْ أُحُدُ فَإِنَّمَا عَلَیْکَ نَبِیٌّ، وَصِدِّیْقٌ، وَشَهِیْدَانِ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۳۶۷۵، کتاب أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لو کنت متخذا خلیلا)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم احد پہاڑ پر چڑھے، پس احد پہاڑ حرکت کرنے لگا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُحد پہاڑ! تم ٹھہر جاؤ، پس آپ کے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں (بخاری)

اور حضرت ابوجحیفہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ عَلِیًّا، یَقُوْلُ: أَلَا أُخْبِرُکُمْ بِخَیْرِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ نَبِیِّهَا؟ أَبُوْبَکْرٍ، ثُمَّ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُکُمْ بِخَیْرِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ أَبِیْ بَکْرٍ، عُمَرُ (مسند احمد، رقم الحدیث ۸۳۳) [1]

[1] قال شعیب الارنؤوط: إسنادہ حسن(حاشیة مسند احمد)

ترجمہ: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کیا میں تمہیں اس امت کے نبی کے بعد بہترین شخص کی خبر نہ دے دوں، جو کہ حضرت ابوبکر ہیں، پھر فرمایا کہ کیا میں تمہیں اس امت کے ابوبکر کے بعد بہترین شخص کی خبر نہ دے دوں، جو کہ عمر ہیں (مسند احمد)

اس روایت سے گزشتہ مفہوم کی تائید ہوگئی۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَا تُفَضِّلُوْا بَعْضَ الْأَنْبِيَاءِ عَلٰى بَعْضٍ، فَإِنَّ النَّاسَ يُصْعَقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَأَكُوْنُ أَوَّلَ مَنْ يَّرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ التُّرَابِ (مسند احمد، رقم الحديث ١١٣٦٥) [1]

ترجمہ: تم انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دیا کرو، کیونکہ قیامت کے دن سب لوگوں پر بے ہوشی طاری ہوجائے گی، اور سب سے پہلے مٹی سے سر اٹھانے والا میں ہوں گا (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی ارواح اگرچہ ''عِلِّيِّيْنْ'' میں ہیں، اور ان کی قبور مبارک سے بھی ان کی ارواح کا قوی تعلق ہے، اور ان کے اجسام وابدان متغیر نہیں ہوتے، اور اُن کو بھی قیامت کے دن مٹی، یعنی زمین ہی سے مبعوث کر کے اٹھایا جائے گا۔ [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

[2] وهذا إنما يصحّ على أن الله جلّ ثناؤه ردّ (إلى) الأنبياء عليهم السلام أرواحهم فهم أحياء عند ربهم كالشهداء ، فإذا نفخن فى الصور النفخة الأولى صعقوا فيمن صعق، ثم لا يكون ذلک موتاً فى جميع معانيه إلا فى ذهاب الاستشعار، فإن كان موسى عليه السلام فيمن استثنى الله عز وجل بقوله: (إلا مَن شاء الله) فإنه عزّ وجل يُذهب باستشعاره فى تلك الحالة ويحاسبه بصعقة يوم الطور.
ويقال إن الشهداء من جملة مَن استثنى الله عز وجل بقوله :(إلا مَن شاءَ اللَّه) (حياة الأنبياء صلوات الله عليهم بعد وفاتهم للبيهقى، ص ١١٠، تحت رقم الحديث ٢١)

گزشتہ احادیث سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ انبیائے کرام صلی اللہ علیہم وسلم کی خصوصیت یہ ہے کہ دنیا سے فوت ہونے کے بعد ان کے اجسام کو مٹی نہیں کھاتی، لیکن دوسرے انسانوں کو یہ خصوصیت حاصل نہیں، ان کے جسم کے تمام اعضاء اور ہڈیوں کو عام طور سے عادتاً مٹی کھا لیتی ہے، البتہ ریڑھ کی ہڈی کی دُم، جو ذرہ کے برابر ہوتی ہے، وہ سلامت رہتی ہے۔

اور ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ فوت ہونے کے بعد ہر ایک انسان کی روح کا اس ریڑھ کی دم کی ہڈی کے ساتھ بہر حال تعلق قائم رہتا ہے، خواہ وہ مومن ہو، یا کافر ہو، جس کے نتیجے میں جسم، روح کے ساتھ راحت، یا تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔

اور انبیائے کرام صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا جسم چونکہ سلامت رہتا ہے، اس لیے ان کے پورے جسم کے ساتھ روح کا تعلق اور کنکشن قائم رہتا ہے، یا نبی کے علاوہ جس شخص کے جسم، یا اس کے کسی عضو کو اللہ اپنی کسی بھی حکمت ومصلحت کی بناء پر سلامت رکھے۔

جمہور اہلِ علم حضرات کا بھی یہی قول ہے کہ وفات کے بعد جسم کے پورے، یا بعض حصہ کے ساتھ روح کا تعلق قائم ہوتا ہے۔

ایک عرصہ سے اس مسئلہ پر مسلمانوں کے درمیان مناظرہ ومباحثہ کا بازار گرم ہے، ذرا ذرا سی ان باتوں پر اختلاف کیا جاتا ہے، اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور گمراہ قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے، جن پر قرآن وسنت میں سکوت رکھا گیا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ قرآن وسنت میں جن غیبی باتوں کا جس طرح ذکر ہے، ان پر اسی طرح ایمان لا کر، مزید کھود کرید کرنے سے بچنا چاہیے، یہی ہر طرح کی سلامتی وعافیت والا راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ مومنوں کی ہر قسم کی خود رائی اور فتنوں سے حفاظت فرمائے۔ آمین

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

(دوسرا باب)

اہلِ علم کے حوالہ جات وعبارات

اب برزخ وقبر کی حیات وحالات کے متعلق، مختلف اہلِ علم حضرات کے چند حوالہ جات وعبارات ملاحظہ فرمائیں، جن کے ضمن میں بوقتِ ضرورت کچھ توضیحات بھی ذکر کی گئی ہیں۔

امام قرطبی کا حوالہ

امام ابوعبداللہ قرطبی (المتوفیٰ: 671ھ) اپنی تالیف "التذکرة بأحوال الموتیٰ وأمور الآخرة" میں فرماتے ہیں کہ:

الفصل الثانی: الإیمان بعذاب القبر وفتنته: واجب. والتصدیق به: لازم. حسب ما أخبر به الصادق.

وأن اللّٰه تعالی یحیی العبد المکلف فی قبره برد الحیاة إلیه ویجعله من العقل فی مثل الوصف الذی عاش علیه لیعقل ما یسأل عنه وما یجیب به ویفهم ما أتاه من ربه وما أعد له فی قبره من کرامة أو هوان.

وبهذا نطقت الأخبار عن النبی المختار صلی اللّٰه علیه وسلم وعلی آله آناء اللیل وأطراف النهار، وهذا مذهب أهل السنة والذی علیه الجماعة من أهل الملة.

ولم تفهم الصحابة الذین نزل القرآن بلسانهم ولغتهم من نبیهم علیه السلام غیر ما ذکرنا. وکذلک التابعون بعدهم إلی هلم جرا.......

وفی حدیث البراء: (فتعاد روحه فی جسده) وحسبک.

وقد قیل: إن السؤال والعذاب إنما یکون علی الروح دون الجسد.

وما ذکرناه لک أو لا أصح. واللّٰه أعلم.

الفصل الثالث: أنکرت الملحدة من تمذهب من الإسلامیین بمذهب الفلاسفة: عذاب القبر وأنه لیس له حقیقة، واحتجوا بأن قالوا: إنا نکشف القبر فلم نجد فیه ملائکة عمیا صما یضربون الناس بفطاطیس من حدید ولا نجد فیه حیات ولا ثعابین ولا نیرانا ولا تنانین. وکذلک لو کشفنا عنه فی کل حالة لوجدناه فیه لم یذهب ولم یتغیر، وکیف یصح إقعاده ونحن لو وضعنا الزئبق بین عینیه لوجدناه بحاله، فکیف یجلس ویضرب ولا یتفرق

ذلک؟ و کیف یصح إقعاده وما ذکرتموه من الفسحة؟ ونحن نفتح القبر فنجد لحده ضیقا ونجد مساحته علی حد ما حفرناها لم یتغیر علینا، فکیف یسعه ویسع الملائکة السائلین له؟ وإنما ذلک کله إشارة إلی حالات ترد علی الروح من العذاب الروحانی، وإنها لا حقائق لها علی موضوع اللغة.
والجواب :أنا نؤمن بما ذکرناه .واللّٰه أن یفعل ما یشاء من عقاب ونعیم.ویصرف أبصارنا عن جمیع ذلک بل یغیبه عنا.
فلا یبعد فی قدرة اللّٰه تعالی فعل ذلک کله بعد فی قدرة الله تعالی فعل ذلک کله إذا هو القادر علی کل ممکن جائز فإنا لو شئنا لأزلناه الزئبق عن عینیه، ثم نضجعه ونرد الزئبق و کذلک یمکننا أن نعمق القبر ونوسعه حتی یقوم فیه قیاما فضلا عن العقود.
و کذلک یمکننا أن نوسع القبر ذراع فضلا عن سبعین ذراعا، والرب سبحانه أبسط منا قدرة، وأقوی منا قوة، وأسرع فعلا، وأحصی منا حسابا (إنما أمره إذا أراد شیئا أن یقول له :کن فیکون) ولا رب لمن یدعی الإسلام إلا من هذه صفته، فإذا کشفنا نحن عن ذلک رد الله سبحانه الأمر علی ما کان.
نعم لو کان المیت بیننا موضوعا فلا یمتنع أن یأتیه الملکان ویسألاه من غیر أن یشعر الحاضرون بهما، ویجیبهما من غیر أن یسمع الحاضرون جوابهما.
ومثال ذلک :نائمان بیننا أحدهما ینعم والآخر یعذب، ولا یشعر بذلک أحد ممن حولهما من المنتبهین، ثم إذا استیقظا أخبر کل واحد منهما عما کان فیه.
وقد قال بعض علمائنا :إن دخول الملک القبور جائز أن یکون تأویله: اطلاعه علیها وعلی أهلها .وأهلها مدرکون له عن بعد من غیر دخول ولا قرب.
ویجوز أن یکون الملک للطافة أجزائه یتولج فی خلال المقابر فیتوصل إلیهم من غیر نبش.
ویجوز أن ینبشها ثم یعیدها الله إلی مثل حالها علی وجه لا یدرکها أهل الدنیا.
ویجوز أن یکون الملک یدخل من تحت قبورهم من مداخل لا یهتدی الإنسان إلیها.
وبالجملة :فأحوال المقابر وأهلها علی خلاف عادات أهل لدنیا فی حیاتهم فلیس تقاس أحوال الآخرة علی أحوال الدنیا.وهذا مما لا خلاف فیه.
ولولا خبر الصادق بذلک لم نعرف شیئا مما هنالک.
فإن قالوا :کل حدیث یخالف مقتضی المعقول یقطع بتخطئة ناقله، ونحن

نرى المصلوب على صلبه مدة طويلة وهو لا يسأل ولا يحيى وكذلك يشاهد الميت على سريره وهو لا يجيب سائلا ولا يتحرك ومن افترسه السباع، ونهشه الطيور، وتفرقت أجزاؤه فى أجواف الطير، وبطون الحيتان وحواصل الطيور، وأقاصى التخوم، ومدارج الرياح، فكيف تجتمع أجزاؤه؟ أم كيف تتألف أعضاؤه؟ وكيف تتصور مساء لة الملكين لمن هذا وصفه؟ أم كيف يصير القبر على من هذا حاله روضة من رياض الجنة أو حفرة من حفر النار؟

والجواب عن هذا من وجوه أربعة:

أحدها :أن الذى جاء بهذا هم الذين جاء وا بالصلوات الخمس وليس لنا طريق إلا ما نقلوه لنا من ذلك.

الثانى :ما ذكره القاضى لسان الأمة وهو :أن المدفونين فى القبور يسألون.والذين بقوا على وجه الأرض فإن الله تعالى يحجب المكلفين عما يجرى عليهم كما حجبهم عن رؤية الملائكة مع رؤية الأنبياء عليهم السلام لهم.ومن أنكر ذلك فلينكر نزول جبرائيل عليه السلام على الأنبياء عليهم السلام.وقد قال الله تعالى :فى وصف الشياطين (إنه يراكم هو وقبيله من حيث لا ترونهم).

الثالث :قال بعض العلماء :لا يبعد أن ترد الحياة إلى المصلوب ونحن لا نشعر به كما أنا نحسب المغمى عليه ميتا .وكذلك صاحب السكتة وندفنه على حسبان الموت.

ومن تفرقت أجزاؤه فلا يبعد أن يخلق الله الحياة فى أجزائه.

قلت :ويعيده كما كان.كما فعل بالرجل الذى أمر إذا مات أن يحرق ثم يسحق ثم يذرى حتى تنسفه الرياح (الحديث) وفيه :(فأمر الله البر فجمع ما فيه .وأمر البحر فجمع ما فيه .ثم قال :ما حملك على ما فعلت؟ قال: خشيتك.أو قال مخافتك) اخرحه البخارى ومسلم

وفى التنزيل (فخذ أربعة من الطير) الآية.

الرابع :قال أبو المعالى :المرضى عندنا :أن السؤال يقع على أجزاء يعملها الله تعالى من القلب أو غيره فيحييها ويوجه السؤال عليها .وذلك غير مستحيل عقلا.

قال بعض علمائنا :وليس هذا بأبعد من الذر الذى أخرجه الله تعالى من صلب آدم عليه السلام وأشهدهم على أنفسهم ألست بربكم قالوا :بلى

(التذكرة بأحوال الموتى وأمور الآخرة،ص ٣٦٩،الٰى ص٣٧٧،باب ذكر حديث البراء المشهور الجامع لأحوال الموتى عند قبض أرواحهم وفى قبورهم، الرد على الملحدة)

ترجمہ: دوسری فصل: عذابِ قبر اور اس کے فتنہ (یعنی آزمائش وامتحان ہونے) پر

ایمان لانا واجب ہے، اور اس کی تصدیق کرنا لازم ہے، اسی کے مطابق، جس طرح سچے نبی نے خبر دی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ مکلّف بندے کو، اس کی قبر میں اس کی طرف حیات لوٹا کر زندہ کرتا ہے، اور اس کو اتنی عقل اور سمجھ بوجھ عطاء فرما دیتا ہے کہ اس نے کیسی زندگی گزاری، تا کہ وہ اس سوال کو سمجھ سکے، جو اس سے کیا جائے، اور اس سوال کو سمجھ کر اس کا جواب دے سکے، اور اس کے رب نے جو اس کو عطاء کیا، اور اس کی قبر میں جو اعزاز و اکرام، یا اہانت و عذاب تیار کیا، اس کو سمجھ سکے۔

نبیِ مختار، جن پر اور ان کی آل پر رات کے اوقات اور دن کے اطراف میں درود وسلام ہو، سے مروی احادیث، اس کی گواہی دیتی ہیں، اور یہی اہلُ السنۃ کا مذہب ہے، اور اہلِ مذہب کی جماعت اسی پر قائم ہے۔

اور وہ صحابۂ کرام جن کی زبان اور لغت میں، ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف، قرآن نازل کیا گیا، انہوں نے بھی وہی کچھ سمجھا، جو ہم نے ذکر کیا، اور اسی طریقے سے ان کے بعد تابعین نے بھی، اور بعد کے حضرات نے بھی۔...... [1]

اور حضرت براء کی حدیث میں ہے کہ ''اس مُردہ کی روح کو اس کے جسم کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے'' آپ کے لیے یہی حدیث کافی ہے (جس میں روح کو جسم کی طرف لوٹانے کا صاف ذکر ہے، پھر اس میں حیل وحجت اور لیت ولعل کے کیا معنیٰ؟)

اور ایک قول یہ ہے کہ سوال اور عذاب صرف روح پر ہوتا ہے، جسم پر نہیں ہوتا۔ لیکن ہم نے آپ کے سامنے جو پہلا قول ذکر کیا (یعنی سوال وعذاب کا روح اور

---

[1] اور جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر میں میت کو عذاب، یا راحت حاصل ہونے سے متعلق احادیث بیان فرمائیں، اور صحابۂ کرام نے ان پر شک وشبہ کا اظہار نہیں کیا، یا جو شبہات پیدا ہو سکتے تھے، ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی جواب دے دیا، تو ہر مومن کو اسی کے مطابق عقیدہ رکھنا چاہیے۔ محمد رضوان۔

جسم پر ہونا) وہ زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔ [1]

تیسری فصل: اسلامی مذہب کو اختیار کرنے والے، اُن ملاحدہ نے جو فلاسفہ کے مذہب پر چلتے ہیں، عذابِ قبر کا انکار کیا ہے، اور یہ کہا ہے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں، اور انہوں نے اس بات سے دلیل پکڑی ہے کہ ہم قبر کو کھول کر دیکھتے ہیں، تو اس میں نہ تو (احادیث میں مذکور) گونگے، بہرے فرشتوں کو پاتے، جو لوگوں کو لوہے کے گُرزوں سے مارتے ہوں، اور نہ ہی ہم قبر میں سانپوں کو پاتے، اور نہ اژدہوں کو پاتے، اور نہ آگ اور شعلوں کو پاتے (جن کا احادیث میں ذکر آیا ہے) اور نہ بچھو وغیرہ کو پاتے، اور اسی طریقے سے اگر ہم کسی بھی حالت میں قبر کو کھول کر دیکھیں، تو ہم اس میں سے میت کو غائب اور متغیر نہیں پاتے، اور میت کو بٹھانا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ اگر ہم ''پارہ'' (یعنی مخصوص مائع) کو اس کی آنکھوں کے درمیان رکھ دیں، تو ہم اس کو (بعد میں) اسی حالت پر پاتے ہیں، پس میت کو کیسے بٹھایا جاتا ہے، اور اسے کیسے مارا جاتا ہے، اور یہ چیز (یعنی جو اس کی آنکھوں کے درمیان رکھی گئی ہے) اپنی جگہ سے نہیں ہٹتی؟ اور اس کو بٹھایا جانا، اور جو تم نے

---

[1] جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک برزخ وقبر میں روح کا بدن سے بھی تعلق ہوتا ہے، اور انبیائے کرام کے ابدان سلامت رہتے ہیں، اس لیے ان کے ان ابدان کے ساتھ روح کا تعلق قائم رہتا ہے، جو اَبدان، ان کو دنیا میں حاصل ہوتے ہیں، اس لیے بعض حضرات اس برزخی حیات کو روح اور جسم کے ساتھ، کہہ دیتے ہیں، اور بعض حضرات اس حیات کو مذکورہ جہت سے دنیا کے مشابہ قرار دے دیتے ہیں۔

ہمارے نزدیک یہ دراصل انبیائے کرام کی برزخی اعلیٰ درجہ کی حیات ہی کی مختلف جہات سے تعبیرات ہیں، اور ان میں درحقیقت کوئی ٹکراؤ نہیں ''برزخی حیات'' کو اس ''دنیوی حیات'' پر قیاس کرنا، جس میں ابدان ''ظاہر'' اور ارواح ''مخفی'' ہوتی ہیں، یہ غلط فہمی کا باعث بنتا ہے، اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

البتہ اگر کسی کو ''عالمِ غیب'' کے اس مسئلہ کو ''عالمِ شہادت'' کی نظیر سے سمجھنے کی ضرورت ہو، تو اس کی سب سے عمدہ نظیر ''نینداور خواب'' ہے، جس میں مادی وعنصری جسم کی ظاہری حِس وحرکت کے بغیر، تمام احوال پیش آتے ہیں، اس سے زیادہ کدوکاوِش اس مسئلہ کی افہام وتفہیم میں خلل کا باعث بن جاتی ہے، اس لیے بالخصوص عوام کو اس طرح کی بحثوں سے اجتناب کرنا، کرانا چاہیے۔ محمد رضوان۔

قبر کی کشادگی کا ذکر کیا، وہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ کیونکہ ہم قبر کو کھول کر دیکھتے ہیں، تو اس کی قبر کو تنگ ہی پاتے ہیں، اور ہم اس کی پیمائش اسی کے مطابق پاتے ہیں، جتنا ہم نے گڑھا کھودا تھا، وہ پیمائش بدلتی نہیں ہے، لہٰذا اس کی قبر کو کیسے کشادہ کیا جاتا ہے؟ اور سوال کرنے والے فرشتے کیسے قبر میں سَما جاتے ہیں؟ لہٰذا یہ تمام باتیں، مخصوص حالات کی طرف اشارہ ہیں، جو میت کی روح پر روحانی عذاب کے طور پر پیش آتے ہیں، لغوی معنیٰ کے اعتبار سے ان باتوں (یعنی بٹھانے، وسیع اور تنگ ہونے وغیرہ) کی کوئی حقیقت نہیں۔

مگر اس کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا، ہم اس پر ایمان لاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ جو چاہے، عذاب، یا نعمت، میت کو دیتا ہے، اور اللہ نے ان تمام چیزوں سے ہماری نظروں کو پھیر دیا ہے، بلکہ اُن کو ہم سے غائب کر دیا ہے۔ [1]

پس اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ تمام کام بعید نہیں، بلکہ یہ تمام کام اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہیں، کیونکہ اللہ ہر ممکن، جائز چیز پر قادر ہے، پس اگر ہمارے لیے یہ

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ جمہور نے برزخ وقبر کے راحت وعذاب کے قضیہ کو حقیقت پر محمول کیا ہے، اور جمہور کے مقابلے میں بعض فلاسفہ نے نصوص میں عالمِ برزخ وقبر سے متعلق مختلف واقعات وحالات کو مجاز پر محمول کیا ہے، یعنی ان کے نزدیک برزخ وقبر میں ''حقیقی حیات'' کا وجود نہیں۔

جمہور اہلُ السنۃ نے ان فلاسفہ کی تردید کرتے ہوئے ''برزخی حیات'' کو ''حقیقی حیات'' قرار دیا ہے، تاکہ مذکورہ فلاسفہ کی طرف سے ''مجازی حیات'' کی تردید ہوجائے۔

لیکن افسوس کہ بعد کے بعض ناسمجھ اور کم علم حضرات نے اس حقیقت کو سمجھے بغیر جمہور کے اس قول کی تغلیط اور تردید شروع کردی، اور جمہور کے قول کے ترجمان حضرات کو اس طرح کے الزامات سے متہم کرنا شروع کردیا کہ وہ ''برزخی حیات'' کے منکر ہیں۔

اور جب جمہور کی ترجمانی کرتے ہوئے بعض حضرات نے انبیاء کے ابدان واجسام کے متغیر نہ ہونے کی نصوص کے پیشِ نظر ان کی حیات کے روحانی وجسمانی ہونے سے تعبیر کیا، اور اجسام وابدان کے سلامت ہونے کی افہام وتفہیم کے لیے اس ''برزخی حیات'' کو ''دنیاوی حیات'' کے مشابہ کہا، تو اس پر بھی طرح طرح کے شکوک وشبہات وارِد کیے جانے لگے، اور پھر کم فہم حضرات کی طرف سے ''حیات وممات'' وغیرہ کے عنوان سے کئی محاذ کھل گئے، اللہ حفاظت فرمائے۔ آمین۔ محمد رضوان۔

بات ممکن ہے کہ اُس میت کی آنکھوں کے درمیان سے پارہ کو ہٹا دیں، پھر ہم اس میت کو لٹا دیں، اور ہم پارہ کو دوبارہ میت پر اسی جگہ رکھ دیں، اور اسی طریقے سے ہمارے لیے یہ بات ممکن ہے کہ ہم قبر کو گہرا کر دیں، اور اس کو وسیع کر دیں، یہاں تک کہ اس میں کھڑے ہونے کی گنجائش ہو، چہ جائیکہ اس میں بیٹھنے کی گنجائش ہو۔
اور اسی طریقے سے ہمارے لیے یہ بات ممکن ہے کہ ہم قبر کو ایک ہاتھ کے برابر کھلا کر دیں، ستّر (70) ہاتھوں تک، تو رب سبحانہٗ وتعالیٰ ہمارے مقابلے میں زیادہ قدرت رکھتا ہے، اور ہمارے مقابلے میں زیادہ قوت رکھتا ہے، اور جلدی کام کرنے کی قدرت رکھتا ہے، اور ہمارے مقابلے میں جلدی حساب کرنے کی طاقت رکھتا ہے، جس کی شان یہ ہے کہ ’’إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَّقُوْلَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ‘‘ (یعنی ’’وہ جس کام کا ارادہ کرتا ہے، تو اس کو ہونے کا فرماتا ہے، وہ کام فوراً اس کے حکم کے مطابق ہو جاتا ہے‘‘) اور جو شخص بھی اسلام کا دعویدار ہے، وہ اسی صفت والے رب کو مانتا ہے، پس جب ہم قبر کو کھولتے ہیں، تو اللہ سبحانہٗ معاملہ کو اسی حالت پر لوٹا دیتا ہے، جس پر پہلے تھا (اور اس طرح وہ ہماری نظروں سے اس معاملے کو مخفی فرما دیتا ہے)
اور اگر مُردہ ہمارے سامنے رکھا ہوا ہو، تب بھی اس بات کے لیے کوئی مانع نہیں کہ اس کے پاس فرشتے آئیں، اور اس سے سوال اور جواب کریں، اور حاضرین کو فرشتوں کی حاضری کا شعور نہ ہو، اور وہ سوال اور جواب کو نہ سن سکیں۔
جس کی مثال ہمارے درمیان ان دو سونے والے افراد کی ہے، جن میں سے ایک نعمت وراحت میں ہوتا ہے، اور دوسرا تکلیف وعذاب میں ہوتا ہے، لیکن ان کے قرب وجوار میں بیدار لوگوں میں سے کسی کو شعور نہیں ہوتا، پھر ان میں سے ہر ایک شخص بیدار ہو کر اپنی حالت کی خبر دیتا ہے۔

اور ہمارے بعض علماء نے فرمایا کہ فرشتے کا قبر میں داخل ہونا، اس طور پر ممکن ہے کہ اس میں یہ تاویل کی جائے کہ فرشتہ، قبر اور قبر میں موجود شخص کی حالت پر مطلع ہو جاتا ہو، اور قبر والے دُور سے اس فرشتے کا ادراک کر لیتے ہوں، اس فرشتہ کو نہ تو قبر میں داخل ہونے کی ضرورت ہوتی ہو، اور نہ قریب آنے کی ضرورت ہوتی ہو (جیسا کہ آج کل آڈیو، ویڈیو نظام کے ذریعے، دور والے سے بات چیت کر لی جاتی ہے، اور ایک دوسرے سے حسبِ منشاء رابطہ کر لیا جاتا ہے)

اور یہ بات بھی ممکن ہے کہ فرشتہ اپنے اجزاء کی لطافت کی وجہ سے قبروں کے اندر داخل ہو جاتا ہو، اور ان تک پہنچ جاتا ہو، قبر کو اکھاڑے بغیر (جیسا کہ آج کل فضائی طریقہ پر، سافٹ ویئر اور موبائل وغیرہ کے ذریعے سے رابطہ ہو جاتا ہے)

اور یہ بات بھی ممکن ہے کہ وہ قبر کو اکھاڑ دیتا ہو، پھر اللہ اسی طرح کی حالت پر لوٹا دیتا ہو، اور یہ سب کچھ ایسے طریقے پر ہوتا ہو، جس کو دنیا والے دیکھ نہیں پاتے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ فرشتہ قبروں کے نیچے، ایسی جگہوں سے داخل ہوتا ہو کہ انسان کی وہاں تک رسائی نہ ہو۔ [1]

---

[1] امام قرطبی نے افہام وتفہیم کی غرض سے تمام ممکنہ احتمالات بیان کر دیئے، جو اپنی اپنی فہم کے اعتبار سے لوگوں کے لیے کافی وافی ہیں، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن وسنت کی جن نصوص سے برزخ وقبر کا عذاب، یا ثواب ثابت ہے، یہ نصوص سب سے پہلے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے آئیں، لیکن ان کو ان نصوص پر ایمان لانے، اور یقین کرنے کے لیے اس طرح کی توجیہات وتاویلات کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

پھر سلفِ صالحین تک یہی پاکیزہ، مبارک اور صاف ستھرا طریقہ چلتا رہا، یہاں تک کہ بعض فلاسفہ نے آ کر اور عالمِ برزخ وغیبی امور کے متعلق اس دنیا کے مادی اسباب اور نظائر کو درمیان میں گھسیڑ کر طرح طرح کے شکوک وشبہات اور وساوس وخیالات کی، اسلام کی تعلیمات میں آمیزش کر دی، جس سے بعد کے بعض حضرات کے حصہ میں یہ بحث آئی، اور پھر ایک طویل سلسلہ چل پڑا، جس کی بنیادی طور پر اللہ کی قدرتِ کاملہ اور اس کے مستحکم نظام کو سمجھنے کے لیے ہرگز ضرورت نہ تھی، اور اب سائنسی ایجادات وتحقیقات سے خود ہی یہ مسئلہ اتنا صاف اور منقح ہو گیا کہ اس طرح کی بحثیں لایعنی بن کر رہ گئیں، چنانچہ ''ہارڈ ویئر'' اور ''ہارڈ ڈسک'' اور ''سافٹ ویئر'' وغیرہ کے پروگراموں سے روح اور بدن کے تعلق کو سمجھنا مشکل نہ رہا۔

لیکن افسوس کہ بہت سے مسلمان، نہ دین کے رہے، اور نہ دنیا کے، اور اہم عقائد میں لڑ جھگڑ کر ''خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَة'' کا مصداق ٹھہرے ''اَلْعِيَاذُ بِاللّٰه'' محمد رضوان۔

بہر حال (جو بھی تاویل وتوجیہ کی جائے، واقعہ یہ ہے کہ) قبروں اور قبر والوں کے احوال، دنیاوالوں کی زندگی کی عادات کے خلاف ہیں، لہٰذا آخرت کے احوال کو دنیا کے احوال پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، جس کے بارے میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں۔

اور اگر مخبرِ صادق (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اس کی خبر نہ دی جاتی، تو ہم دنیا میں رہتے ہوئے، ان میں سے کسی بات کو پہچان نہیں سکتے تھے۔

اگر کہنے والے یہ اعتراض کریں کہ جو حدیث بھی عقل کے تقاضے کے خلاف ہوگی، تو یقینی طور پر اس کے نقل کرنے والے کو خطاء وار قرار دیا جائے گا، جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس شخص کو سولی دیا جاتا ہے، وہ طویل مدت تک سولی پر ہی ہوتا ہے، اس سے نہ تو سوال کیا جاتا، اور نہ اس کو زندہ کیا جاتا، اور اسی طریقے سے مُردہ اپنے جنازہ کی چارپائی، تخت وغیرہ پر ہوتا ہے، اور وہ کسی سوال کرنے والے کا جواب نہیں دیتا، اور نہ ہی حرکت کرتا، اور جس شخص کو درندے پھاڑ کھا جائیں، اور اس کو پرندے نوچ لیں، اور اس کے ٹکڑے، پرندوں اور مچھلیوں کے پیٹ، اور پرندوں کے پوٹوں میں، یا زمین کے دور دراز علاقوں میں چلے جائیں، یا ہواؤں کی نذر ہو جائیں، تو ان ٹکڑوں کو کیسے جمع کیا جائے گا؟ یا اس کے اعضاء کو کیسے جوڑا جائے گا، اور ایسے افراد سے فرشتوں کا سوال کرنا، کیسے متصور ہوگا؟ یا جس کی مذکورہ حالت ہو، اس کی قبر، جنت کے باغوں میں سے ایک باغ، یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا کیسے ہوگی؟

تو اس اعتراض کے چار جواب ہیں:

پہلا جواب یہ ہے کہ جس شخص کی طرف سے یہ اعتراض آیا ہے، تو (قبر وغیرہ کے احوال کی خبر دینے والے) ایسے لوگ ہیں، جو پانچ نمازوں کی خبر ہم تک لائے

ہیں (لہٰذا ان کے خبر کی نقل میں خطاء کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا) اور ہمارے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے، سوائے اس کے جو انہوں نے ہم تک نقل کر دیا ہے۔ [1]

دوسرا جواب وہ ہے جو قاضی لسانُ الامۃ (ابوبکر ابن الباقلانی، المتوفیٰ: 403ھ) نے دیا ہے کہ قبر میں مدفون لوگوں سے سوال کیا جاتا ہے، اور جو لوگ زمین پر موجود ہیں، ایسے مکلّف لوگوں سے اللہ تعالیٰ (قبر میں) مُردوں پر جاری ہونے والے اعمال پوشیدہ فرما دیتا ہے، جیسا کہ فرشتوں کو دیکھنے سے پردہ فرما دیتا ہے، باوجودیکہ انبیاء علیہم السلام ان کو دیکھتے ہیں۔

اور جو قبر کے عذاب کا انکار کرتا ہے، تو اسے چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام پر، جبریل علیہ السلام کے نازل ہونے کا بھی انکار کرے (کیونکہ جبریلِ امین بھی عام طور پر دوسرے انسانوں کو نظر نہ آتے تھے، لیکن صحابۂ کرام نے اس کا انکار ہرگز نہ کیا، اور آج بھی وہ نصوص موجود ہیں، جن میں ''نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْاَمِيْنُ'' وغیرہ کا ذکر ہے) اور اللہ تعالیٰ نے شیطان کا یہ وصف بیان فرمایا ہے کہ ''وہ اور اس کا قبیلہ تمہیں ایسے طریقے سے دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھ پاتے'' (یعنی انسانوں کو شیطان اور اس کا قبیلہ بھی عادتاً دکھائی نہیں دیتا، پھر قبر کا عذاب وراحت دکھائی نہ دینے میں کون سی شبہ والی بات ہے)

تیسرا جواب یہ ہے کہ بعض علماء نے فرمایا کہ بعید نہیں کہ سولی شدہ شخص کی طرف بھی حیات کو لوٹایا جاتا ہو، اور ہم اس کا شعور نہ رکھتے ہوں، جیسا کہ بے ہوش شخص

---

[1] مطلب یہ ہے کہ جس طرح قرآن وسنت کے ذریعے سے نماز اور دیگر احکام ہم تک پہنچے ہیں، اسی ذریعے سے عذابِ قبر کا حکم بھی پہنچا ہے، پھر بعض چیزوں کو ماننا اور بعض چیزوں کا انکار کرنا، کیا معنیٰ رکھتا ہے؟
اور اگر کسی کو عذابِ قبر، عقل کے خلاف محسوس ہوتا ہو، تو کسی دوسرے کو نماز، یا کوئی دوسرا حکم بھی عقل کے خلاف معلوم ہوسکتا ہے، تو جو جواب، دوسرے احکام کے بارے میں ہوگا، وہی جواب، عذابِ قبر کے بارے میں بھی ہوگا؟ محمد رضوان۔

کو ہم مُردہ خیال کرتے ہیں، اور اسی طرح سے جس انسان پر سکتہ طاری ہو جائے، اس کو بھی ہم مُردہ خیال کرتے ہیں، اور موت کا گمان کرتے ہوئے اس کو دفن بھی کر دیتے ہیں (ایسے بہت سے واقعات سامنے آتے رہتے ہیں، نیز نینداور خواب والے شخص کا بھی اسی نوعیت کا معاملہ ہوتا ہے) [1]

اور جس میت کے ٹکڑے الگ الگ ہو جائیں، تو بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن ٹکڑوں میں حیات کو پیدا فرمادے (اور وہ حیات بندوں کی نظر سے مخفی ہو، جیسا کہ آج کے دور میں جدید سائنس کی رُو سے بہت سے چھوٹے چھوٹے ذرات میں حیات، اور جرثومے اور وائرس اور وٹامن وغیرہ دریافت ہو چکے ہیں، خود انسان کے نطفہ میں بھی X / Y کی شکل میں نر و مادہ جنین دریافت ہو چکے ہیں)

میں کہتا ہوں کہ اللہ اس کو اسی حالت پر لوٹا دیتا ہے، جس حالت پر وہ پہلے تھا، جیسا کہ اس شخص کے ساتھ کیا گیا، جس نے یہ کہا تھا کہ جب وہ مر جائے، تو اسے جلا دیا جائے، پھر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے منتشر کر دیا جائے، یہاں تک کہ ان ٹکڑوں کو ہوا اڑا کر لے جائے، جس کا حدیث میں ذکر آیا ہے، اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ پھر اللہ نے خشکی کو حکم دیا، اس نے اپنے اندر موجود، اس میت کے تمام اجزاء کو جمع کر دیا، اور سمندر کو بھی حکم دیا، اس نے بھی اپنے اندر موجود، اس میت کے تمام اجزاء کو جمع کر دیا، پھر اللہ نے (اس مرنے والے سے مخاطب ہو کر) فرمایا کہ تجھے اس طرزِ عمل پر کس چیز نے ابھارا تھا، تو اس نے جواب میں کہا کہ آپ کے خوف نے، یہ حدیث بخاری اور مسلم میں موجود ہے (پس جس طرح اللہ نے اس میت کے بر و بحر میں مختلف مقامات پر منتشر شدہ اجزاء کو جمع فرما دیا، اسی طرح تمام مُردوں کے اجزاء کو جمع فرمانے میں اس کے لیے کون سی مشکل ہے،

---

[1] پس اسی طرح سے اللہ تعالیٰ زندہ انسانوں سے مُردہ انسانوں کے حالات کا پردہ فرما دیتا ہے، اوپر سے وہ ساکت وصامت اور بے جان دکھائی دیتے ہیں، اور اندران کے ساتھ اچھا، یا برا سلوک ہو رہا ہوتا ہے۔محمد رضوان۔

لیکن یہ سب ماجرا برزخ میں ہوتا ہے، جس کا اللہ نے انسانوں سے عادتاً حجاب اور پردہ فرمادیا ہے)

اور قرآن مجید میں (حضرات ابراہیم کو حکم) ہے کہ ''تم چار پرندوں کو پکڑلو'' آخر واقعہ تک (ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں بھی، پرندوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے بعد، اللہ کے حکم سے جمع ہوکر روح ڈالنے کا ذکر ہے)

چوتھا جواب وہ ہے، جو ابوالمعالی نے دیا ہے کہ ہمارے نزدیک پسندیدہ جواب یہ ہے کہ میت سے سوال اس کے چند اجزاء پر واقع ہوتا ہے، جن کے ساتھ اللہ چاہے، خواہ وہ دل ہو، یا دوسرا حصہ ہو (مثلاً ریڑھ کی ہڈی کی دُم) جس کو اللہ زندہ فرمادیتا ہے، اور اسی سے سوال ہوتا ہے، اور یہ بات عقلی طور پر ناممکن نہیں (جیسا کہ آج کل کمپیوٹر سافٹ ویئر بھی چھوٹی سی ہارڈ ڈسک کے ساتھ کنیکٹ ہوتا ہے)

ہمارے بعض علماء نے فرمایا کہ یہ بات اس ذریت سے زیادہ مشکل نہیں، جس کو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا تھا، اور ان کو اپنے آپ پر گواہ بنا کر یہ فرمایا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں، سب نے جواب میں کہا تھا کہ بے شک آپ ہمارے رب ہیں (جب اللہ، ہر انسان سے ان کے مخصوص اجزاء کو پیدا فرما کر عہد و پیمان لے چکا ہے، تو اس سے زیادہ آسان کام، انسان کے فوت ہونے کے بعد، اس کے ساتھ حسبِ عمل اچھا، یا برا برتاؤ کرنے کا فعل ہے) (التذکرۃ)

امام قرطبی کا دوسرا حوالہ

امام قرطبی، اپنی مذکورہ کتاب ''التذکرۃ'' میں مزید فرماتے ہیں:

الفصل الخامس: فإن قالوا :فما تأويلكم فى القبر :حفرة من النار، أو روضة من رياض الجنة؟

قلنا :ذلک محمول عندنا على الحقيقة لا على المجاز.

وأن القبر يملأ على المؤمن خضرا وهو العشب من البنات، وقد عينه عبد

اللہ بن عمرو بن العاص فقال :هو الريحان كما في حق الكافر يفرش له لوحان من نار، وقد تقدم.
وقد حمله بعض علمائنا على المجاز والمراد خفة السؤال على المؤمن، وسهولته عليه وأمنه فيه، وطيب عيشه ووصفه بأنه جنة تشبيها بالجنة والنعيم فيها بالرياض يقال :فلان في الجنة إذا كان في رغد من العيش وسلامة.
فالمؤمن يكون في قبره في روح وراحة وطيب عيش، وقد رفع الله عن عينيه الحجاب حتى يرى مد بصره كما في الخبر، وأراده بحفرة النار ضغطة القبر وشدة المساء لة والخوف والأهول التي تكون فيها على الكفرة وبعض أهل البكائر :والله أعلم.
والأول أصح لأن الله سبحانه ورسوله يقص الحق ولا استحالة في شيء من ذلك(التذكرة بأحوال الموتى وأمور الآخرة،ص۳۷۷و۳۷۸،باب ذكر حديث البراء المشهور الجامع لأحوال الموتى عند قبض أرواحهم وفي قبورهم، الرد على الملحدة)

ترجمہ: پانچویں فصل: اگر کہنے والے یہ کہیں کہ قبر کے جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا، یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہونے کا مطلب کیا ہے؟ تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس سے ہمارے نزدیک حقیقت مراد ہے، مجاز مراد نہیں۔

اور مومن کی قبر سبزہ سے بھر جاتی ہے، اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر فرمایا تھا کہ یہ (خوشبودار) ریحان (کا پودا) ہے، جیسا کہ کافر کے لئے آگ کی تختی کو بچھایا جاتا ہے، یہ بات پہلے گذر چکی ہے۔
اور بعض علماء نے اس (مذکورہ بالا حدیث کے مضمون) کو مجاز پر محمول کیا ہے، ان کے نزدیک اس سے مومن کے سوال کا آسان، وسہل ہونا، اور اس پر امن وسلامتی کا ہونا، اور اس کی برزخی زندگی کا خوشگوار ہونا مراد ہے، اور قبر کی جنت، اور نعمت سے تشبیہ، باغ کے ساتھ دی گئی ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص باغ وجنت میں ہے، جبکہ وہ عیش وسلامتی میں ہوتا ہے۔
پس مومن اپنی قبر میں خوشی وراحت، اور عیش وعشرت میں ہوتا ہے، اور اللہ اس کی

آنکھوں کے سامنے سے پردہ کو ہٹادیتا ہے، جس کی وجہ سے وہ تاحدِ نگاہ دیکھ لیتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، اور جہنم کے گڑھے سے مراد، قبر کی تنگی، اور سوال کی شدت، اور خوف اور دہشت ہے، جو کفر اور بعض کبیرہ گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ وَاللّٰہُ أَعْلَمُ۔

لیکن پہلا قول (یعنی حقیقت کا مراد ہونا) زیادہ صحیح ہے، کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ، اور اس کے رسول نے حق بیان فرمایا ہے، اور ان میں سے کوئی چیز بھی ناممکن نہیں (التذکرۃ)

مطلب یہ ہے کہ قرآن وسنت میں برزخ وقبر سے متعلق جو احوال بیان کیے گئے ہیں، ان میں ان چیزوں کی حقیقت کا مراد ہونا راجح ہے، غیر حقیقی، یعنی مجازی معنیٰ کا مراد ہونا راجح نہیں، کیونکہ حقیقت سے مجاز کی طرف پھیرنے اور عدول کرنے کی کوئی معقول دلیل نہیں۔ یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

ملحوظ رہے کہ قبر کے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ، اور جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا، ہونے کی حدیث کو بعض اہلِ علم حضرات نے سند کے اعتبار سے ضعیف وکمزور قرار دیا ہے۔ [1]

---

[1] حدثنا محمد بن أحمد وهو ابن مدويه قال: حدثنا القاسم بن الحكم العرني قال: حدثنا عبيد الله بن الوليد الوصافي، عن عطية، عن أبي سعيد، قال: دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم مصلاه فرأى ناسا كأنهم يكتشرون قال: " أما إنكم لو أكثرتم ذكر هاذم اللذات لشغلكم عما أرى، فأكثروا من ذكر هاذم اللذات الموت، فإنه لم يأت على القبر يوم إلا تكلم فيه فيقول: أنا بيت الغربة وأنا بيت الوحدة، وأنا بيت التراب، وأنا بيت الدود، فإذا دفن العبد المؤمن قال له القبر: مرحبا وأهلا أما إن كنت لأحب من يمشي على ظهري إلي، فإذ وليتك اليوم وصرت إلي فسترى صنيعي بك "قال: " فيتسع له مد بصره ويفتح له باب إلى الجنة .وإذا دفن العبد الفاجر أو الكافر قال له القبر: لا مرحبا ولا أهلا أما إن كنت لأبغض من يمشي على ظهري إلي، فإذ وليتك اليوم وصرت إلي فسترى صنيعي بك "قال: فيلتئم عليه حتى تلتقي عليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تاہم اس حدیث کے ضعیف ہونے سے برزخ وقبر میں، ہر شخص کو اپنے حسب عقیدہ وحسبِ عمل، راحت، یا عذاب ہونے کے اصل مسئلہ پر فرق نہیں پڑتا، کیونکہ یہ مسئلہ قرآن مجید کی آیات اور بہت سی صحیح ومعتبر سند پر مشتمل احادیث وروایات کے ذخیرہ سے ثابت ہے، جن کے انکار کی گنجائش نہیں، اوران میں کوئی دوسری بے جا تاویل بھی قابلِ اعتبار نہیں۔

علامہ ابنِ حجر کا حوالہ

علامہ ابنِ حجر عسقلانی (المتوفیٰ: 852ھ) صحیح بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں:

وإنما أضيف العذاب إلى القبر؛ لكون معظمه يقع فيه، ولكون الغالب على الموتى أن يقبروا، وإلا فالكافر ومن شاء الله تعذيبه من العصاة يعذب بعد موته ولو لم يدفن، ولكن ذلك محجوب عن الخلق إلا من شاء الله (فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج۳،ص ۲۳۳، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر)

ترجمہ: اور عذاب کو قبر کی طرف صرف اس لیے منسوب کیا گیا ہے کہ جس جگہ میں عذاب واقع ہوتا ہے، اس کا بڑا حصہ قبر ہی کا ہوتا ہے، اور فوت شدہ لوگوں کو عام طور پر قبر میں دفن کیا جاتا ہے، ورنہ کافر اور جس گناہ گار کو بھی اللہ تعالیٰ عذاب دینا چاہے، وہ اس کو اس کے فوت ہونے کے بعد عذاب دیتا ہے، اگرچہ اسے دفن نہ کیا جائے (بلکہ جلا دیا جائے، یا پانی میں بہا دیا جائے، وغیرہ وغیرہ) لیکن یہ عذاب، مخلوق سے حجاب (اور پردہ) میں ہوتا ہے (اسی حجاب کی وجہ سے اس عالم کو

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وتختلف أضلاعه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: بأصابعه، فأدخل بعضها في جوف بعض قال: ويقيض الله له سبعين تنينا لو أن واحدا منها نفخ في الأرض ما أنبتت شيئا ما بقيت الدنيا فينهشنه ويخدشنه حتى يفضى به إلى الحساب.

قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنما القبر روضة من رياض الجنة أو حفرة من حفر النار: هذا حديث غريب لا نعرفه إلا من هذا الوجه (سنن الترمذی، رقم الحديث ۲۴۶۰، أبواب صفة القيامة والرقائق والورع)

برزخ کہا جاتا ہے) مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظاہر کرنا چاہے (تو پھر ظاہر بھی فرما دیتا ہے (جیسا کہ آگے آتا ہے) (فتح الباری)

اس سے معلوم ہوا کہ جہاں جہاں بھی قرآن وسنت میں قبر کا ذکر ہے، اس سے مخصوص معنیٰ کی وہ اصطلاحی قبر مراد نہیں، جس جگہ میت کو دفن کیا جاتا ہے، بلکہ اس سے ہر شخص کے فوت ہونے کے بعد، اس کی روح پر گزرنے والے حالات، اور اس روح کا اس کے کل، یا بعض بدن سے مخصوص تعلق وکنکشن مراد ہے۔

کیونکہ بہت سے لوگوں کو عرفی قبر میں باقاعدہ دفن نہیں کیا جاتا۔

علامہ ابنِ حجر کا دوسرا حوالہ

علامہ ابنِ حجر مذکورہ کتاب میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

وقد أخذ بن جرير وجماعة من الكرامية من هذه القصة أن السؤال في القبر يقع على البدن فقط ،وأن الله يخلق فيه إدراكا بحيث يسمع ويعلم ويلذ ويألم.

وذهب ابن حزم ،وابن هبيرة إلى أن السؤال يقع على الروح فقط من غير عود إلى الجسد.

وخالفهم الجمهور ،فقالوا تعاد الروح إلى الجسد أو بعضه ،كما ثبت في الحديث ،ولو كان على الروح فقط لم يكن للبدن بذلك اختصاص .

ولا يمنع من ذلك كون الميت قد تتفرق أجزاؤه ،لأن الله قادر أن يعيد الحياة إلى جزء من الجسد ،ويقع عليه السؤال ،كما هو قادر على أن يجمع أجزاءه.

والحامل للقائلين بأن السؤال يقع على الروح فقط ،أن الميت قد يشاهد في قبره حال المسألة لا أثر فيه من إقعاد ولا غيره، ولا ضيق في قبره ولا سعة ،وكذلك غير المقبور كالمصلوب.

وجوابهم أن ذلك غير ممتنع في القدرة ،بل له نظير في العادة وهو النائم، فإنه يجد لذة وألما لا يدركه جليسه، بل اليقظان قد يدرك ألما أو لذة لما يسمعه أو يفكر فيه ولا يدرك ذلك جليسه.

وإنما أتى الغلط من قياس الغائب على الشاهد، وأحوال ما بعد الموت على ما قبله.

والظاهر أن الله تعالى صرف أبصار العباد وأسماعهم عن مشاهدة ذلك،

وستره عنهم إبقاء عليهم ،لئلا يتدافنوا، وليست للجوارح الدنيوية قدرة على إدراک أمور الملكوت إلا من شاء الله.
وقد ثبتت الأحاديث بما ذهب إليه الجمهور كقوله :إنه ليسمع خفق نعالهم، وقوله تختلف أضلاعه لضمة القبر، وقوله يسمع صوته إذا ضربه بالمطراق، وقوله يضرب بين أذنيه ،وقوله فيقعدانه وكل ذلک من صفات الأجساد.
وذهب أبو الهذيل ومن تبعه إلى أن الميت لا يشعر بالتعذيب ولا بغيره إلا بين النفختين ،قالوا: وحاله كحال النائم والمغشى عليه لا يحس بالضرب ولا بغيره إلا بعد الإفاقة، والأحاديث الثابتة فى السؤال حالة تولى أصحاب الميت عنه ترد عليهم (فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج۳،ص ۲۳۵، کتاب الجنائز ،باب ما جاء فى عذاب القبر)

ترجمہ: اور ابنِ جریج اور کرامیہ فرقہ کی ایک جماعت نے اس قصے سے یہ بات اخذ کی ہے کہ قبر میں سوال صرف بدن پر واقع ہوتا ہے (روح پر نہیں ہوتا) اور اللہ بدن میں ایسا ادراک (اور سوجھ بوجھ) پیدا فرما دیتا ہے، جس کے نتیجہ میں وہ بدن (اللہ کی طرف سے پیش آنے والے حالات ومناظر کو) سنتا اور جانتا ہے، اور وہ لذت وتکلیف کو محسوس کرتا ہے۔

اور ابنِ حزم اور ابنِ ھبیرہ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ قبر میں سوال صرف روح پر واقع ہوتا ہے، روح کو جسم کی طرف لوٹایا نہیں جاتا۔

اور جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ نے ان (دونوں مذکورہ حضرات) کی مخالفت کی ہے، جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کا کہنا یہ ہے کہ روح کو جسم، یا اس کے بعض حصے کی طرف لوٹایا جاتا ہے، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے، اور اگر یہ سلسلہ صرف روح کے ساتھ واقع ہوتا، تو بدن (اور قبر) کے لیے اس کے ساتھ کوئی خصوصیت نہ ہوتی۔

اور میت کے اجزاء کا منتشر ہونا، اس (روح بمع جسم عذاب) کے لیے مانع نہیں، کیونکہ اللہ اس بات پر قادر ہے کہ حیات کو جسم کے کسی حصے کی طرف لوٹا دے، جس پر سوال واقع ہو، جیسا کہ اللہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ میت کے تمام اجزاء کو

جمع فرمادے (اور لوگوں کے سامنے یہ چیز ظاہر نہ ہو، جیسا کہ حدیث میں ایک جلے ہوئے اور منتشر شدہ اجزاء والے شخص کے اجزاء کو جمع فرمانے کا ذکر ہے)

اور جو حضرات صرف روح سے سوال ہونے کے قائل ہیں، ان کو اس موقف پر اس چیز نے اُبھارا کہ بسا اوقات قبر میں میت کا سوال ہونے (یعنی تدفین وغیرہ) کی حالت میں مشاہدہ کیا جاتا ہے، جس پر اس کو بٹھانے کا، اور کسی دوسری چیز کا اثر نظر نہیں آتا، اور نہ ہی اس کی قبر میں تنگی اور کشادگی کا مشاہدہ ہوتا، اور اسی طرح سے جو لوگ قبروں میں دفن نہیں کیے جاتے، جیسا کہ سولی دیا گیا شخص، اس کے بدن پر بھی ان چیزوں کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔

لیکن ان حضرات کی اس بات کا جواب یہ ہے کہ قدرتِ الٰہی کے لیے اس بات میں کوئی مانع نہیں، بلکہ عادت میں بھی اس کی مثال پائی جاتی ہے، جو کہ سونے والے کی ہے کہ وہ (یعنی سویا ہوا شخص) لذت اور تکلیف کو محسوس کرتا ہے، جس کے قریب میں موجود شخص کو اس کا علم نہیں ہوتا، بلکہ بعض اوقات بیدار شخص بھی تکلیف، یا لذت کو محسوس کرتا ہے، کسی سنی ہوئی بات کی وجہ سے، یا کسی (خوشی، یا غم والی) سوچ اور فکر کی وجہ سے، لیکن اس کے ہم نشین اور قریب میں موجود شخص کو اس کا ادراک اور علم نہیں ہوتا۔

ان حضرات کو (جو صرف روح سے سوال وجواب اور تکلیف وتنعیم کا تعلق ہونے کے قائل ہیں، ان کو) یہ غلطی غائب چیز کو حاضر چیز پر قیاس کرنے کی وجہ سے لگی ہے، اور اس بات سے غلطی لگی ہے کہ انہوں نے موت کے بعد کے احوال کو، موت سے پہلے کے احوال پر قیاس کرلیا (جبکہ یہ قیاس درست نہیں، دنیوی زندگی کے تقاضے اور اثرات الگ ہیں، اور برزخی زندگی کے تقاضے اور اثرات دوسرے ہیں)

اور راجح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی نظروں اور ان کی سماعت سے اس (عالمِ برزخ وقبر میں پیش آنے والی) چیز کے مشاہدہ کو روک دیا ہے، اور ان سے چھپا دیا ہے، جس میں انسانوں کی بقاء کا فائدہ ہے، تاکہ وہ مُردوں کو دفن کرنا نہ چھوڑیں (جیسا کہ احادیث میں بھی اس بات کا ذکر آیا ہے کہ اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم مُردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے، تو تمہیں عذابِ قبر پر مطلع کر دیا جاتا) اور دنیاوی اعضاء وجوارح (یعنی دنیا کی آنکھ، کان وغیرہ) کو عالمِ ملکوت کے امور کا ادراک کرنے کی قدرت حاصل نہیں، اِلَّا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو چاہے (تو مطلع بھی فرما دیتا ہے)

اور جمہور جس بات کی طرف گئے ہیں (یعنی روح کے جسم، یا اس کے بعض حصے سے تعلق قائم ہونا) اس کے ثبوت میں احادیث پائی جاتی ہیں، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میت، لوگوں کے جوتوں کی آہٹ کو سنتی ہے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''قبر کے دبوچنے کی وجہ سے پسلیاں ایک دوسرے میں داخل ہوجاتی ہیں'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب اُسے گُرز سے مارا جاتا ہے، تو اس کی آواز کو (جن وانسان کے علاوہ ہر ایک) سنتا ہے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اس کے دونوں کانوں کے درمیان مارا جاتا ہے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''دونوں فرشتے اس کو بٹھاتے ہیں'' اور یہ تمام صفات (یعنی قبر کے قریب، جوتوں کی آہٹ کا سننا، کانوں کے درمیان مارا جانا، اور بٹھایا جانا، اور چیخنے، چلانے کی آواز کا (انسان اور جن کے علاوہ دوسری مخلوق کا سننا، وغیرہ) جسم سے تعلق رکھتی ہیں۔

اور ابوہذیل اور ان کے متبعین اس بات کی طرف گئے ہیں کہ میت کو عذاب وغیرہ کا شعور نہیں ہوتا، سوائے دونوں صور پھونکے جانے کے درمیان زمانے کے، ان کا

کہنا یہ ہے کہ اس شخص کی حالت سونے والے اور بے ہوش (اور کومہ میں چلے جانے والے) شخص کی حالت کی طرح ہے، جس کو ضرب (یعنی مار پٹائی) وغیرہ کا احساس نہیں ہوتا، مگر افاقہ کے بعد ہی ہوتا ہے۔

لیکن میت کو دفن کرنے والے لوگوں کے لوٹنے کی حالت میں، جن احادیث میں سوال کا ذکر آیا ہے، وہ احادیث ان حضرات (یعنی ابوہذیل اور ان کے متبعین) کے قول کی تردید کرتی ہیں (لہٰذا ابوہذیل کا قول بھی درست نہیں) (فتح الباری)

مطلب یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک روح کے کل، یا بعض اجزاء کے جسم کے ساتھ تعلق قائم ہونے، اور اس کی وجہ سے روح کے ساتھ جسم وبدن کے راحت، یا تکلیف کو محسوس کرنے کا قول، شرعی دلائل کی رو سے راجح ہے، اور دوسرے اقوال مرجوح ہیں۔

علامہ زین الدین عراقی کا حوالہ

علامہ زین الدین عراقی (المتوفیٰ: 806ھ) اس سلسلے میں فرماتے ہیں کہ:

فيه إثبات عذاب القبر؛ لأن عرض مقعده من النار عليه نوع عظيم من العذاب وهو مذهب أهل السنة، وقد تظاهرت عليه أدلة الكتاب والسنة ولا يمتنع في العقل أن يعيد الله تعالى الحياة في جزء من الجسد ويعذبه وإذا لم يمنعه العقل وورد به الشرع وجب قبوله، وقد خالف في ذلك الخوارج ومعظم المعتزلة وبعض المرجئة ونفوا ذلك.

ثم المعذب عند أهل السنة الجسد بعينه أو بعضه بعد إعادة الروح إليه أو إلى جزء منه. وخالف فيه محمد بن جرير الطبري وعبد الله بن كرام وطائفة فقالوا لا يشترط إعادة الروح.

قال أصحابنا هذا فاسد؛ لأن الألم والإحساس إنما يكون في الحي، قال أصحابنا :ولا يمنع من ذلك كون الميت قد تفرقت أجزاؤه كما نشاهد في العادة أو أكلته السباع أو حيتان البحر أو نحو ذلك فكما أن الله تعالى يعيده للحشر وهو سبحانه وتعالى قادر على ذلك فكذا يعيد الحياة إلى جزء منه أو أجزاء وإن أكلته السباع والحيتان.

(فإن قيل) فنحن نشاهد الميت على حاله في قبره فكيف يسأل ويقعد ويضرب بمطارق من حديد ويعذبه ولا يظهر له أثر؟

فالجواب أن ذلک غیر ممتنع بل له نظیر فی العادة وهو النائم فإنه یجد لذة وآلاما لا نحس نحن شیئا منها، وکذا یجد الیقظان لذة وألما لما یسمعه أو یفکر فیه ولا یشاهد ذلک جلیسه منه، وکذا کان جبریل یأتی النبی -صلی الله علیه وسلم- فیخبره بالوحی الکریم ولا یدرکه الحاضرون وکل هذا واضح ظاهر جلی (طرح التثریب فی شرح التقریب، لزین الدین العراقی، ج۳، ص ۳۰۶، کتاب الجنائز، باب عرض مقعد المیت علیه بالغداة والعشی)

ترجمہ: اس حدیث میں عذابِ قبر کا ثبوت پایا جاتا ہے، کیونکہ اس (کافرومنافق) پر جہنم والے ٹھکانے کا پیش کیا جانا، بڑے عذاب کی قسم ہے، اور یہی اہلُ السنۃ کا مذہب ہے، جس کے متعلق کتاب وسنت کے بھرپور دلائل موجود ہیں، اور عقل کی رُو سے بھی یہ بات ممتنع (اور ناممکن) نہیں کہ اللہ تعالیٰ، حیات کو جسم کے جزء کی طرف لوٹائے، اور اس کو عذاب دے، اور جب عقل کی رُو سے یہ بات ممتنع (وناممکن) نہیں، اور شریعت کا حکم بھی اس بارے میں وارد ہوا ہے، تو اس کو قبول کرنا واجب ہے، البتہ اس موقف کی خوارج نے اور معتزلہ کے ایک بڑے طبقہ نے اور مرجئہ فرقہ کے بعض لوگوں نے مخالفت کی ہے، اور اس طرح کے عذاب کی انہوں نے نفی کی ہے۔

پھر اہلُ السنۃ کے نزدیک عذاب، بعینہٖ جسم، یا اس کے بعض حصہ کو دیا جاتا ہے، جسم، یا اس کے کسی جزء کی طرف روح کا اعادہ کرنے کے بعد۔

لیکن اس میں محمد بن جریر طبری اور عبداللہ بن کرام اور ایک جماعت کا اختلاف ہے، جن کا کہنا یہ ہے کہ (عذاب کے لیے) روح کا اعادہ شرط نہیں۔

مگر ہمارے (اہلُ السنۃ) اصحاب نے فرمایا کہ یہ (جسم کی طرف روح کے اعادہ نہ کرنے کا) قول فاسد ہے، کیونکہ تکلیف اور احساس تو صرف زندہ کو ہوتا ہے، ہمارے (اہلُ السنۃ) اصحاب کا کہنا ہے کہ میت کے اجزاء کا عادتاً متفرق (ومنتشر) ہوجانا، جیسا کہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں، یا میت کا درندے، یا سمندری مچھلیوں (اور جانوروں) کا کھالینا، یا اسی طرح کی کسی اور چیز کا ہوجانا، روح اور

جسم کو عذاب کے لیے مانع نہیں، کیونکہ جس طرح اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے، اسی طرح میت کے کسی ایک جزء، یا چند اجزاء کی طرف، روح کو لوٹا دینے پر بھی قادر ہے، اگرچہ اس کو درندوں اور مچھلیوں نے کیوں نہ کھالیا ہو۔

اگر یہ شبہ کیا جائے کہ ہم تو اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ مُردہ اپنی قبر میں اسی حالت پر ہوتا ہے (جس حالت میں اس کو دفن کیا جاتا ہے) تو اس سے سوال کس طرح کیا جاتا ہے، اور اس کو کس طرح بٹھایا جاتا ہے، اور اس کو لوہے کے گُرزوں سے کس طرح مارا جاتا ہے، اور اس کو کس طرح عذاب دیا جاتا ہے، جبکہ میت پر اس کا اثر دکھائی نہیں دیتا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی مانع نہیں، بلکہ عادت میں اس کی نظیر پائی جاتی ہے، جو کہ سونے والے کی نظیر ہے کہ سویا ہوا شخص، لذت اور تکلیف کو محسوس کرتا ہے، جس میں سے کسی چیز کا ہمیں احساس نہیں ہوتا، اور اسی طریقے سے جاگتا ہوا شخص بھی لذت اور تکلیف کو محسوس کرتا ہے، کسی بات کے سننے، یا فکر (اور غم وغیرہ) کی وجہ سے، لیکن اس کے ہم نشین کو اس کا مشاہدہ نہیں ہوتا، اور اسی طریقے سے جبریلِ امین، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتے تھے، اور آپ کو مبارک وحی کی خبر دیتے تھے، لیکن حاضرین کو اس کا ادارک نہیں ہوتا تھا، اور یہ تمام باتیں بالکل ظاہر اور واضح ہیں (لہٰذا عذابِ قبر پر نظر نہ آنے کا شبہ کرنا درست نہیں، اور یہ بات گزر چکی ہے کہ اللہ نے اپنی حکمتِ خاص سے انسانوں کی نظروں سے برزخ وقبر کے معاملات کو آڑ و پردہ میں رکھ دیا ہے) (طرحُ التثریب)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک روح کا جسم وبدن کی طرف اعادہ کیا جاتا ہے، اور اس وجہ سے برزخ وقبر کی راحت وعذاب کو روحانی وجسمانی

قرار دیا جاتا ہے، اور روح کے اعادہ وغیرہ کے مجازی معنیٰ مراد ہونے کی تردید کے لیے اس حیاتِ برزخی کو ''حقیقی حیات'' سے تعبیر کر کے غیر جمہور کے قول کی تردید کی جاتی ہے۔

اور اس روح وجسم کے مجموعہ کی تعبیر بعض جمہور اہلُ السنۃ، جسم کے ساتھ روح کا تعلق ہونے سے کرتے ہیں، اور بعض یہ فرمادیتے ہیں کہ برزخ کا اصل عذاب (یا ثواب) تو روح کو ہوتا ہے، لیکن میت کے جسم تک وہ سرایت کرتا ہے، اور یہ سب کچھ عادتاً زندہ انسانوں کے شعور وادراک سے آڑ و پردہ میں ہوتا ہے۔

اور روح کا جسم سے یہ تعلق، یا جسم کو عذاب پہنچنا، خواہ اس طور پر ہو کہ جسم کے بعض اجزاء، یا کسی ایک جزء تک یہ اثر پہنچے، یا اس طور پر ہو کہ تمام اجزاء کی طرف پہنچے، اور میت کے وہ اجزاء، منتشر ومتفرق ہوں، جیسا کہ عادتاً مُردہ کی حالت ہوتی ہے، یا میت کا وہ جسم سلامت ومحفوظ ہو، جس کی وجہ سے اس کے جسم کے اجزاء یکجا ہوں، جس طرح دنیا میں تھے، اور یہ صورت انبیاء کے ساتھ تو جزماً ویقیناً ہوتی ہے، اور بعض کے نزدیک شہداء، یا جس کے ساتھ اللہ کی مشیّت متعلق ہو، اس کے ساتھ بھی ہوجاتی ہے۔

پھر بعض حضرات، انبیائے کرام کے جسمِ عنصری کے سلامت اور اس کے ساتھ روح کے تعلق کی وجہ سے اس کو دنیا کی حیات کے مشابہ ہونے سے تعبیر کردیتے ہیں، جو کہ واقع اور حقیقت میں ''برزخی حیات'' ہی ہوتی ہے، لیکن بعض کم علم حضرات اس حقیقت سے ناواقف ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے طرح طرح کے شبہات کا شکار ہوتے ہیں۔

عزُّ الدین کاسلافہ بالامیر کا حوالہ

عزُّ الدین کاسلافہ بالامیر (المتوفیٰ:1182ھ) فرماتے ہیں کہ:

أنه تعالى جعل الدور ثلاثة :دار الدنيا، ودار البرزخ، ودار القرار، وجعل لكل دار أحكاما تختص بها، فأحكام دار الدنيا جعلها على الأبدان والأرواح تبع لها وقد جعل أحكامه الشريفة مترتبة على ما يظهر من حركات اللسان والجوارح وإن أضمرت النفوس خلافها .

وجعل أحكام البرزخ على الأرواح والأبدان تبع لها فالأرواح في دار البرزخ التى هي تباشر العذاب والنعيم والأبدان متابعة لها تألم بألمها وتنعم بنعيمها والأرواح خفية والأبدان كالقبور لها فتجرى أحكام البرزخ على الأرواح وتسرى إلى الأبدان كما فى دار الدنيا تجرى على الأبدان وتسرى إلى أرواحها.

وقد أرانا الله فى الدنيا نوعا من ذلك فى النائم فإن الأمر الذى يتنعم به أو يتألم به فى المنام يجرى على روحه أصلا والبدن تبع له فى ذلك فقد يقوى ما ينال الروح من ذلك فتظهر على البدن ظهورا بينا من التألم أو المتنعم فقد يرى أنه يضرب ويصبح وأثر الضرب فى جسمه وقد يرى أنه يأكل وأثر الطعام فى فمه ويذهب عنه الجوع والظمأ وقد ينام بين المستيقظين ويرى عجائب يخبر بها ولا يدرك من يشاهده من المستيقظين حوله شيئا وذلك لأن هذا حكم يجرى لروحه وهو منقطع عن بدنه انقطاعا ما .

فإذا تجرد الروح عن البدن فى البرزخ وانقطع عنه انقطاعا أكمل من ذلك الانقطاع جرت عليه أحكامه من عذابه ونعيمه وسعة قبره عليه وضيقه أتم من حال النائم ولا يشاهده الأحياء.

فإذا حشرت الأجساد كانت أحكام دار القرار على الروح والجسد جميعا.

وثالثا :أن الله تعالى جعل أمر الآخرة وما يتصل بها غيبا محجوبا عن إدراك المكلفين فى هذه الدار وذلك لحكمة جليلة يتميز من يؤمن بالغيب من غيره، فأول ذلك أنها تنزل الملائكة على المحتضر وتجلس قريبا منه ويشاهدهم عيانا ويتحدثون عنده وقد يسلمون عليه ويرد عليهم تارة بإشارته وتارة بلفظه وقد يخاطبهم ويرحب بهم، وقد روى من هذا أنواعا يخرج عن الحصر وقد أشار الله تعالى إلى ذلك بقوله :(فلولا إذا بلغت الحلقوم ،وأنتم حينئذ تنظرون،ونحن أقرب إليه منكم ولكن لا تبصرون)أى أقرب إليه بملائكتنا ورسلنا ولكنكم لا ترونهم وقال :(لو ترى إذ الظالمون فى غمرات الموت والملائكة باسطوا أيديهم أخرجوا أنفسكم اليوم)فهذا أول الأمر وهو فى دار الدنيا غير مشاهد لنا ثم يخرجون روحه ولها نور كشعاع الشمس ورائحة أطيب من رائحة المسك وذلك لا يشاهده الحاضرون(التنوير شرح الجامع الصغير، ج٣،ص٢٠٧،حرف الهمزة،اللام مع الهاء)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تین گھر بنائے ہیں، ایک دارِ دنیا ہے، اور دوسرے دارِ برزخ ہے، اور تیسرے دارِ قرار (ودارِ آخرت) ہے، اور اللہ نے ہر ایک دار کے لیے اس کے مخصوص احکام بھی مقرر فرما دیئے ہیں، پس دارِ دنیا کے احکام کو تو اللہ نے

’’ابدان‘‘ پر مقرر فرمادیا، اور ارواح کو ابدان کے تابع قرار دے دیا، اور دارِ دنیا کے احکامِ شریفہ کو ان چیزوں پر مرتب فرمادیا، جو ظاہر ہوتی ہیں، مثلاً زبان اور اعضاء کی حرکات، اگرچہ دل میں اس کے خلاف چھپا ہوا ہو (اس دل میں چھپی ہوئی بات کا دوسروں کو دنیا میں مکلّف نہیں کیا گیا)

اور برزخ کے احکام کو اللہ نے ’’ارواح‘‘ کے لیے مقرر فرمایا، اور ابدان کو ارواح کے تابع قرار دے دیا، پس دارِ برزخ میں ارواح، عذاب اور نعمت کا سامنا کرتی ہیں، اور ابدان، ارواح کے تابع ہو کر ارواح کی تکلیف کی وجہ سے، تکلیف کو، اور ارواح کی راحت کی وجہ سے، راحت کو، محسوس کرتے ہیں، اور روحیں مخفی ہوتی ہیں، اور ابدان اُن ارواح کی قبروں کی طرح ہوتے ہیں، پس برزخ کے احکام، ارواح پر جاری ہوتے ہیں (جو عادتاً دوسروں کو نظر نہیں آتے) اور ابدان تک سرایت کرتے ہیں، جیسا کہ دارِ دنیا میں احکام، ابدان پر جاری ہوتے ہیں، اور ارواح تک سرایت کرتے ہیں۔ [1]

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ برزخ وقبر میں جو راحت، یا خوشی کی شکل میں حالات پیش آتے ہیں، وہ روح پر جاری ہوتے ہیں، اور جسم وبدن، یا اس کے جزء کے ساتھ وہ اثرات پہنچتے ہیں، جس طرح سافٹ ویئر کے اثرات، ہارڈ ویئر تک سرایت کرتے ہیں، اسی بات کی تعبیر بعض حضرات، روح وجسم کے مجموعہ کو عذاب وراحت حاصل ہونے سے، اور بعض حضرات اس عذاب وراحت کو روحانی وجسمانی ہونے سے تعبیر کر دیتے ہیں، اور جو لوگ نصوص میں روح کے اعادہ، اور عذاب کی مختلف شکلوں کو محض روح کے ساتھ خاص کرتے ہیں، اور جسم کے برزخ میں معطل ہونے کا حکم لگاتے ہیں، اور نصوص میں وارد الفاظ کو مجازی معنیٰ پر محمول ہونے کی تاویل کرتے ہیں، ان کی تردید کے لیے بعض اہلُ السنۃ اس کو ’’حیاتِ حقیقی‘‘ اور ’’عذابِ حقیقی‘‘ وغیرہ سے تعبیر کر دیتے ہیں، اور بعض اختصار کے ساتھ اس کو ’’برزخی حیات‘‘ کہہ دیتے ہیں، اور بعض حضرات جب دیکھتے ہیں کہ جمہور کے مقابلے میں ایک قول ’’برزخی حیات‘‘ کے محض روحانی اور جسم سے تعلق نہ ہونے، اور نصوص میں وارد الفاظ کو مجازی معنیٰ پر محمول کرنے کی تاویل کا ہے، تو وہ اس حیات کو ’’روحانی جسمانی، اور حقیقی حیات‘‘ سے تعبیر کر دیتے ہیں، پس تعبیرات وعنوانات کا یہ اختلاف اصل مقصود اور معنون کے مختلف ہونے کو مستلزم نہیں ہوتا، بلکہ اس کا مقصود کسی فائدۂ مزیدہ کو ذکر کرنا، یا فاسد خیال کو رَد کرنا ہوتا ہے، جس کو ظاہر بین شخص، حقیقت کا اختلاف سمجھ کر کسی غلط فکر کی طرف بھٹک جاتا ہے۔ محمد رضوان۔

اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں اس کی ایک قسم کو دکھلا دیا ہے، جو سونے والے کی صورت میں ہے، کیونکہ نیند میں انسان، نعمت، یا تکلیف کا احساس کرتا ہے، یہ احساس اصل میں تو اس کی روح پر جاری ہوتا ہے، اور بدن اس سلسلے میں اس کی روح کے تابع ہوتا ہے، پھر بعض اوقات خواب میں نظر آنے والی وہ چیز قوی ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں بدن پر اس کا قوی انداز میں اظہار ہوتا ہے، خواہ وہ تکلیف کی چیز ہو، یا راحت کی چیز ہو، چنانچہ بعض اوقات، سونے والا دیکھتا ہے کہ اس کو مارا جا رہا ہے، اور وہ چیخ وپکار کر رہا ہے، اور مارنے کا اثر اس کے جسم میں ظاہر ہوتا ہے، اور بعض اوقات سونے والا دیکھتا ہے کہ وہ کھا رہا ہے، اور کھانے کا اثر اس کے منہ میں ظاہر ہوتا ہے، اور اس سے بھوک اور پیاس دور ہو جاتی ہے، اور بعض اوقات سونے والا، جاگنے والوں کے درمیان میں ہوتا ہے، اور وہ عجیب وغریب چیزوں کو دیکھتا ہے، جن کی وہ دوسروں کو خبر دیتا ہے، لیکن اس کے قرب وجوار میں جاگنے والے، ان میں سے کسی چیز کا مشاہدہ نہیں کرتے، جس کی وجہ یہی ہے کہ یہ ایسا حکم ہے، جو اس کی روح پر جاری ہوتا ہے، جو کہ اس کے بدن سے منقطع ہوتی ہے، خواہ وہ انقطاع کسی بھی نوعیت کا ہو (اور خواہ ہمیں اس کی پوری نوعیت وکیفیت سمجھ نہ آئے)

پس جب روح، برزخ میں بدن سے جدا ہو جائے گی، اور اس کا انقطاع سونے والے سے زیادہ کامل نوعیت کا ہوگا (کہ روح پر پیش آنے والے احوال کا عام حالات میں بدن پر اثر دکھائی نہیں دے گا) تو اس پر اس کے احکام جاری ہوں گے، خواہ وہ احکام تعذیب وتکلیف کی شکل میں ہوں، یا نعمت وراحت کی شکل میں ہوں، اور اس کی قبر کی کشادگی کی شکل میں ہوں، یا اس کی قبر کی تنگی کی شکل میں ہوں، وہ سب کے سب سونے والے کی حالت سے زیادہ اتم واکمل نوعیت

کے ہوتے ہیں، جن کا زندہ لوگ مشاہدہ نہیں کر پاتے۔

پھر جب حشر کے موقع پر اجسام کو دوبارہ اٹھایا جائے گا، تو دارِقرار و دارِآخرت کے احکام، روح اور جسم پر اکٹھے اور یکساں طریقہ پر جاری ہوں گے (کہ جسم اور روح دونوں کی تاثیر وقوت اور نقل وحرکت میں بے پناہ اضافہ ہوجائے گا، اور زوال وغیرہ سے حفاظت ہوجائے گی)

تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آخرت کے معاملہ کو اور جو چیز اس سے وابستہ ہے (یعنی عذاب، یا راحت، جو کچھ بھی مُردہ کے ساتھ پیش آئے) اس کو غیب اور مکلفین کے ادراک سے چھپادیا ہے، اور یہ ایک عظیمُ الشان حکمت کی وجہ سے ہے، جس کے نتیجے میں غیب پر ایمان لانے والے، اور غیب پر ایمان نہ لانے والے کے درمیان امتیاز ہوجاتا ہے (ورنہ تو سب لوگ دیکھ کر اس بات کو مانیں گے، اور اِیْمَانٌ بِالْغَیْب، جو اللہ کو مطلوب ہے، وہ باقی نہ رہے گا) جن میں سے پہلی چیز یہ ہے کہ جس انسان کی موت کا وقت قریب ہوتا ہے، اس کے پاس فرشتے حاضر ہوتے ہیں، اور اس کے قریب میں بیٹھ جاتے ہیں، جن کو فوت ہونے والا اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے، اور وہ فرشتے اس کے پاس گفتگو کرتے ہیں، اور بعض اوقات وہ فوت ہونے والے کو سلام کرتے ہیں، جس کا بعض اوقات وہ اپنے اشارے سے جواب دیتا ہے، اور بعض اوقات الفاظ سے جواب دیتا ہے، اور بعض اوقات وہ فرشتے اس سے خطاب کرتے ہیں، اور اس کو مبارک باد دیتے ہیں، اس سلسلے میں مختلف قسم کی روایات موجود ہیں، جن کو شمار کرنا مشکل ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف، سورہ واقعہ میں مذکور اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے کہ ''فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمُ، وَأَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ، وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّاتُبْصِرُوْنَ'' (یعنی ''پھر کیوں نہیں جب

جان حلق کو پہنچ جاتی ہے، اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو۔ اور ہم تم سے زیادہ قریب ہوتے ہیں، اس کے اور لیکن تم نہیں دیکھ سکتے“) مطلب یہ ہے کہ ہمارے فرشتے اور ہمارے قاصد اس (مرنے والے) کے بہت قریب ہوتے ہیں، لیکن تم ان کو دیکھ نہیں پاتے، اور اللہ تعالیٰ کا سورہ انعام میں ارشاد ہے کہ ”وَلَوْ تَرٰی إِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِکَةُ بَاسِطُوْا أَیْدِیْهِمْ أَخْرِجُوْا أَنْفُسَکُمْ، اَلْیَوْمَ“ (یعنی ”اور کاش تم دیکھو جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور فرشتے پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں، ان کی طرف، اپنے ہاتھ کہ نکالو اپنی جانیں“) پس یہ پہلا معاملہ ہے، جو دارِ دنیا میں پیش آتا ہے، مگر ہمیں اس کا مشاہدہ نہیں ہوتا، پھر وہ فرشتے اس کی روح کو نکالتے ہیں، جس میں (نیک شخص ہو، تو) روشنی ہوتی ہے، سورج کی روشنی کی طرح اور اس میں خوشبو ہوتی ہے، مشک کی خوشبو سے زیادہ عمدہ، اس کا بھی حاضرین مشاہدہ نہیں کر پاتے (تو پھر اس کے بعد آنے والے قبر و برزخ کے مراحل کا وہ عادتاً کیسے مشاہدہ کر پائیں گے)

(التنویر شرح الجامع الصغیر)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد، بلکہ موت کے وقت پیش آنے والے حالات، روح اور اس کے واسطہ سے جسم پر اپنی اپنی نوعیت کے اعتبار سے ہر شخص کو اس کے حسبِ اعمال، اور حسبِ مشیتِ الٰہی پیش آتے ہیں، اور ان کو اللہ نے عام انسانوں کی نظروں سے مخفی رکھ دیا ہے، جس میں عظیم حکمت ہے، اور دنیا میں اس کو سمجھنے کی قریبی نظیر نیند اور خواب ہے۔
پس جس طرح دنیا میں سونے والے کو خواب میں ہونے والی تکلیف، روح کو اور اس کے واسطے سے جسم کو پہنچتی ہے، اور جسم پر اس کا اثر دیکھنے والے کو عادتاً نظر نہیں آتا، یہی حال موت کے بعد پیش آنے والے حالات کا بھی ہے۔
اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نیند اور خواب کی تکلیف، روحانی اور جسمانی ہوتی ہے، اور اس کی

مراد یہ ہو کہ روح کے واسطے سے جسم بھی اس تکلیف میں حسبِ شان شریک ہوتا ہے، تو اس کی تغلیط وتردید نہیں کی جائے گی، اسی طرح اہلُ السنۃ کے اس قول کی بھی تردید وتغلیط نہیں کرنی چاہیے کہ برزخ وقبر کا عذاب روح کو ہوتا ہے، اور جسم بھی اس کے ساتھ حسبِ شان شریک ہوتا ہے، یا یہ عذاب روح اور جسم کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔

ہمیں افسوس ہے کہ تعبیرات کے تھوڑا سا مختلف ہونے سے مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ مباحثہ ومجادلہ پر اتر آتے ہیں، بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ دست وگریبان تک ہونے لگ جاتے ہیں۔

اللہ حفاظت فرمائے۔ آمین۔

علامہ ابنِ رجب کا حوالہ

علامہ ابنِ رجب حنبلی (المتوفی: 795ھ) فرماتے ہیں:

اتصال الأرواح بالأجساد بعد الموت لإدراک البدن النعیم والعذاب، أو للسؤال عند نزول القبر لا یسمی حیاۃ تامۃ، ولا مفارقتها للجسد بعد ذلک موتا تاما، وإلا لکان المیت یحیی ویموت فی البرزخ مرارا کثیرۃ۔
وهذا یرد قول من أنکر إعادۃ الروح إلی الجسد عند السؤال والنعیم أو العذاب۔
وبسط القول فی هذا یتسع، وقد ذکر فی موضع آخر (فتح الباری شرح صحیح البخاری، لابن رجب الحنبلی، ج۵، ص۱۰۵، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب الأذان بعد ذهاب الوقت)

ترجمہ: روحوں کا مرنے کے بعد اجسام سے جو تعلق ہوتا ہے، تاکہ بدن، راحت اور عذاب کو محسوس کرسکے، یا قبر میں جانے کے بعد سوال ہو سکے، تو اس کا حیاتِ تامّہ نام نہیں رکھا جاتا، اور نہ ہی روح کے جسم سے الگ ہونے کے بعد موتِ تام نام رکھا جاتا، ورنہ تو میت برزخ میں بہت مرتبہ زندہ ہوتی اور بہت مرتبہ فوت ہوتی۔

اور یہ چیز اس شخص کے قول کی تردید کرتی ہے، جو سوال اور راحت، یا عذاب کے وقت روح کے جسم کی طرف اعادے کا انکار کرتا ہے، اور یہ بات کچھ تفصیل کی متقاضی ہے، جس کو دوسرے مقام پر ذکر کیا جاچکا ہے (فتح الباری)

جب ''برزخ وقبر'' میں روح کے جسم سے تعلق کو نہ تو ''موتِ تامہ'' قرار دیا جائے گا، نہ ''حیاتِ تامہ'' قرار دیا جائے گا، تو یہ ''برزخ وقبر'' کی اس حالت کو ''مِنْ وَجْهٍ حَيَات'' اور ''مِنْ وَجْهٍ موت'' کہنا بھی درست ہوگا، جیسا کہ اس دنیا میں سونے والے کی حالت بھی اسی نوعیت کی ''موتِ تامہ و حیاتِ تامہ'' کے بین بین ہوتی ہے۔

تو اس سلسلہ میں موجود مختلف قسم کے اقوال اور تعبیرات میں جمع تطبیق بھی ممکن ہو جائے گی، اور برزخ وقبر کی حالت کو ایک جہت سے ''موت'' کہنا، اور دوسری جہت سے ''حیات'' کہنا بھی درست ہوگا، اور یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ روحانی اعتبار سے مُردہ کو حیات اور جسمانی اعتبار سے موت حاصل ہوتی ہے، لیکن یہ موت ہماری دنیا کے اعتبار سے ہوتی ہے، ورنہ برزخ وقبر اور غیب کے اعتبار سے، روح کا جسم سے خاص تعلق ہوتا ہے؟ اور اس تعلق کی جہت سے جسم زندہ ہوتا ہے، جیسا کہ سونے والے کی روح بھی زندہ ہوتی ہے، اور جسم بھی زندہ ہوتا ہے، لیکن اصل احوال خواب میں روح کو پیش آتے ہیں، اور جسم بے حس وحرکت نظر آتا ہے۔

علامہ ابنِ رجب کا دوسرا حوالہ

علامہ ابنِ رجب حنبلی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

فهؤلاء السلف كلهم صرحوا بأن الروح تعاد إلى البدن عند السؤال.
وصرح بمثل ذلك طوائف من الفقهاء والمتكلمين من أصحابنا وغيرهم، كالقاضي أبي يعلى وأصحابه.
وأنكر ذلك طائفة منهم ابن حزم وغيره.
وذكر أن السؤال للروح خاصة، وكذلك سماع الخطاب، وأنكر أن تعاد الروح إلى الجسد في القبر للعذاب وغيره.
وقالوا :لو كان ذلك حقا للزم أن يموت الإنسان ثلاث مرات ويحيى

ثلاث مرات، والقرآن دل على أنهما موتتان وحياتان فقط.
وهـذا ضعيف جدا، فإن حياة البرزخ ليست حياة تامة مستقلة كحياة الدنيا وكالحياة الآخرة بعد البعث، وإنما فيها نوع اتصال الروح في البدن بحيث يحصل بذلك شعور البدن وإحساس بالنعيم والعذاب وغيرهما، وليست هي حياة تامة حتى يكون انفصال الروح به موتا تاما، وإنما هو شبيه بانفصال روح النائم عنه، ورجوعها إليه، فإن ذلك يسمى موتا وحياة.
كما كان النبي -صلى الله عليه وسلم- يقول إذا استيقظ من منامه: "الحمد لله الذى أحيانا بعد ما أماتنا، وإليه النشور".
وسماه الله تعالى وفاة، لقوله تعالى: (الله يتوفى الأنفس حين موتها والتى لم تمت فى منامها فيمسك التى قضى عليها الموت ويرسل الأخرى)، مع هذا فلا ينافي ذلك أن يكون النائم حيا، وكذلك اتصال روح الميت ببدنه وانفصالها عنه لا يوجب أن يصير للميت حياة مطلقة (روائع التفسير، لابن رجب الحنبلي، ج۲، ص۱۰۲، سورة فاطر)

ترجمہ: پس ان تمام اسلاف نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قبر میں سوال کے وقت، روح کو بدن کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔

اوراسی کے مثل ہمارے اصحاب وغیرہ فقہاء اور متکلمین کی کئی جماعتوں نے تصریح کی ہے، جیسا کہ قاضی ابویعلیٰ اوران کے اصحاب نے۔

لیکن ان میں سے ایک جماعت نے اس (روح کو بدن کی طرف لوٹائے جانے) کا انکار کیا ہے، جن میں ابنِ حزم وغیرہ داخل ہیں۔

انہوں نے یہ بات ذکر کی ہے کہ سوال، روح کے ساتھ خاص ہے، اوراسی طریقہ سے خطاب کا سماع بھی روح کے ساتھ خاص ہے، اورانہوں نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ قبر میں عذاب وغیرہ کے لیے روح کا جسم کی طرف اعادہ کیا جائے۔

علاوہ ازیں ان حضرات کا کہنا یہ بھی ہے کہ اگر یہ (یعنی روح کے جسم کی طرف لوٹائے جانے والی) بات حق ہوتی، تو لازم آتا کہ انسان کی تین مرتبہ موت واقع ہو، اور تین مرتبہ زندہ کیا جائے، حالانکہ قرآن اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ موت بھی دومرتبہ ہے، اورحیات بھی صرف دومرتبہ ہے۔

لیکن ان (ابنِ حزم وغیرہ) کا یہ قول بہت زیادہ ضعیف اور کمزور ہے، کیونکہ برزخی حیات، دنیاوی حیات اور دوبارہ زندہ ہونے کے بعد آخرت کی طرح کی ''حیاتِ تامّہ مستقلہ '' نہیں، اس میں تو صرف روح کا بدن سے ایک خاص قسم کا اتصال اور تعلق قائم ہوتا ہے، جس کے ذریعہ سے بدن کو شعور حاصل ہوجاتا ہے، اور (اس کے نتیجہ میں جسم وبدن کو) راحت اور عذاب وغیرہ کا احساس ہوجاتا ہے، اور یہ حیاتِ تامّہ نہیں، یہاں تک کہ روح کا اس جسم کے ساتھ انفصال بھی ''موتِ تام'' نہیں، بلکہ وہ سونے والے کی روح کے اس سے منفصل ہونے اور جاگتے وقت اس کی طرف لوٹنے کے مشابہ ہے کہ اس کا نام بھی موت اور حیات رکھا جاتا ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نیند سے بیدار ہوتے تھے، تو یہ دعاء کیا کرتے تھے کہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَحْیَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا، وَإِلَیْهِ النُّشُوْرُ''۔

اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس کا نام ''وفات'' رکھا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰى عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْأُخْرٰى''۔

اس کے باوجود یہ چیز اس بات کے منافی نہیں کہ سونے والا زندہ ہو، اور اسی طرح سے میت کے اس کے بدن کے ساتھ روح کے متصل ہونے، اور اس سے جدا ہونے کا معاملہ بھی ہے، جو کہ اس بات کو ثابت نہیں کرتا کہ میت کو حیاتِ مطلقہ حاصل ہو (روائع التفسیر)

جب سونے اور جاگنے کو بھی موت وحیات کہا گیا، تو ابنِ حزم وغیرہ کی دلیل کے پیشِ نظر بے شمار مرتبہ زندہ ہونا، اور مرنا لازم آئے گا، جس کو شمار کرنا بھی مشکل ہوگا، اور یہ دو مرتبہ، اور تین مرتبہ کی موت کے بھی خلاف ہوگا، اس لیے ابنِ حزم کا قول ضعیف وکمزور ہے، پس جس

طرح سونے کی حالت کا معاملہ ہے، اسی طرح موت کے بعد برزخی زندگی کا بھی معاملہ ہے کہ دونوں صورتوں کی زندگی، ایک دوسرے کے مشابہ ہے، نہ مطلق حیات ہے، نہ مطلق موت ہے، بلکہ بین بین حالت ہے، جو دنیوی زندگی کی حیات کی جہت سے کمزور ہے، اور برزخی حیات کی جہت سے بہت قوی ومضبوط ہے۔

حاصل یہ کہ مرنے کے بعد روح کا جسم کے ساتھ خاص تعلق ہوتا ہے، جس کی وجہ سے روح اور اس کے توسط سے جسم وبدن، عذاب، یا راحت کو بھرپور طرح سے محسوس کرتا ہے، لیکن قبر وبرزخ کی یہ حیات، دنیا وآخرت کے مقابلہ میں کمزور ہے، اگرچہ بعض جہات سے وہ حیات، دنیا کی حیات کے مقابلے میں قوی کیوں نہ ہو، جیسا کہ دوسرے حضرات نے تصریح کی ہے، لہٰذا دونوں قسم کے اقوال میں درحقیقت ٹکراؤ نہیں۔

تمام، یا جمہور سلف کے نزدیک روح کے جسم کی طرف اعادہ کیے جانے کا مطلب یہی ہے، اسی مقصود ومطلوب کی تعبیر جمہور واسلاف کے ترجمان حضرات، مختلف زمانوں میں مختلف الفاظ کے ساتھ فرماتے رہے، جس کی حقیقت نہ سمجھنے والے طرح طرح کے شکوک وشبہات کا شکار ہوتے رہے، اور پھر بعد میں اسلاف، یا ان کے ترجمانوں کی طرف الزامات واتہامات تک میں مبتلا ہوگئے۔

علامہ ابنِ رجب کا تیسرا حوالہ

اور علامہ ابنِ رجب حنبلی اپنی تالیف ''أهوالُ القبور واحوال أهلها الى النشور'' میں فرماتے ہیں کہ:

فإن الله سبحانه وتعالى خلق بنى آدم للبقاء لا للفناء وإنما ينقلهم بعد خلقهم من دار إلى دار كما قال ذلک طائفة من السلف الأخيار منهم بلال بن سعد وعمر بن عبد العزيز رضى الله عنهما فأسكنهم فى هذه الدار ليبلوهم أيهم أحسن عملا ثم ينقلها إلى دار البرزخ فيحبسهم هنالک إلى أن يجمعهم يوم القيامة ويجزى كل عامل جزاء عمله مفصلا هذا مع أنهم فى دار البرزخ بأعمالهم مدانون مكافؤون فمكرمون بإحسانهم وبإسائتهم

مهانون قال الله سبحانه وتعالى:"ومن ورائهم برزخ إلى يوم يبعثون" (أهوال القبورواحوال أهلها الى النشور، ص٥، مقدمة المؤلف)

ترجمہ: پس اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے بنی آدم کو بقاء کے لیے پیدا کیا ہے، نہ کہ فناء کے لیے، اور بنی آدم کو پیدا کرنے کے بعد ایک ''دار'' سے دوسرے ''دار'' کی طرف منتقل کیا جاتا ہے، جیسا کہ سلف اخیار کی ایک جماعت نے فرمایا، جن میں بلال بن سعد اور عمر بن عبدالعزیز رحمہما اللہ بھی داخل ہیں، پس اللہ نے انسانوں کو اس دارِ دنیا میں اس لیے سکونت دی، تاکہ وہ ان کی آزمائش کرے کہ ان میں کون عمل کے اعتبار سے اچھا ہے، پھر اللہ ان کو ''دارِ برزخ'' کی طرف منتقل فرمادیتا ہے، جہاں ان کو رکھتا ہے، اس وقت تک جب تک ان کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا، اور ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کا تفصیلی بدلہ عطاء فرمائے گا، لیکن اس کے باوجود ''دارِ برزخ'' میں لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جاتا ہے، پس لوگوں کی نیکیوں کی وجہ سے اکرام کیا جاتا ہے، اوران کی برائیوں کی وجہ سے اہانت کی جاتی ہے، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا (سورہ مومنون میں) ارشاد ہے کہ ''وَمِنۡ وَّرَائِهِمۡ بَرۡزَخٌ إِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ'' (أهوال القبور)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ انسان کے فوت ہونے کے بعد وہ فناء نہیں ہوتا، بلکہ ایک ''دار'' سے دوسرے ''دار'' کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، اسی لیے مرنے کو ''انتقال ہونے'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور پھر اس ''دار'' میں منتقل ہوکر اسے اپنے اچھے، یا بُرے عمل کے نتائج واثرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اور علامہ ابنِ رجب حنبلی، مذکورہ تالیف میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

الباب التاسع: في ذكر محل أرواح الموتى في البرزخ.

"أرواح الأنبياء "أما الأنبياء عليهم السلام فليس فيهم شك أن أرواحهم عند الله في أعلى عليين.

وقد أثبت في الصحيح أن آخر كلمة تكلم بها رسول الله صلى الله عليه وسلم عند موته:"اللهم الرفيق الأعلى"وكررها حتى قبض.

وقال رجل لابن مسعود:قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم فأين هو؟ قال :في الجنة.

محل أرواح الشهداء :وأما الشهداء فأكثر العلماء على أنهم في الجنة وقد تكاثرت بذلك الأحاديث (أهوال القبور،لابن رجب الحنبلي،ص ٩٦،الباب التاسع)

ترجمہ: یہ نواں باب ہے، برزخ میں مُردوں کی ارواح کے مقام کے ذکر میں۔

جہاں تک انبیاء علیہم السلام کا تعلق ہے، تو اس بات میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء کی ارواح، اللہ کے پاس ''اَعْلیٰ عِلِّیِّیْن'' میں ہوتی ہیں۔

اور ''صحیح'' میں یہ بات ثابت ہے کہ آخری کلمہ، جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی موت کے وقت تکلم فرمایا تھا، وہ یہ تھا کہ ''اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی'' (یعنی اے اللہ! رفیقِ اعلیٰ کی نعمت سے مستفید فرما دیجیے)

اور اس کو کئی مرتبہ دہرایا تھا، یہاں تک کہ آپ کی روح قبض ہوگئی تھی۔

اور ایک آدمی نے ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کر لی گئی، تو وہ کہاں ہیں؟ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ وہ جنت میں ہیں۔

اور جہاں تک شہداء کی ارواح کا تعلق ہے، تو اکثر علماء کے نزدیک وہ جنت میں ہیں، اور اس بارے میں کثرت سے احادیث وارد ہیں (أهوال القبور)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام کی ارواح، عالمِ برزخ میں سب سے اعلیٰ مقام پر ہوتی ہیں، جس کو ''اَعْلیٰ عِلِّیِّیْن'' کہا جاتا ہے ''رفیقِ اعلیٰ'' اور جنت میں ہونے سے بھی وہی مقام مراد ہے، اور یہ عالمِ برزخ کا مقام ہے، اسی لیے انبیاء علیہم السلام، بلکہ تمام انسان، برزخ میں جاتے ہیں، اور وہاں کی زندگی، خواہ راحت کی شکل میں ہو، یا غیر راحت کی شکل میں، وہ ''برزخی زندگی'' یا ''برزخی حیات'' کہلاتی ہے، جس کا انکار درست نہیں، البتہ بعض حضرات نے کسی خاص جہت سے اس ''برزخی حیات'' کو دنیا کی حیات سے تشبیہ دے دی،

لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ تشبیہ ''برزخی حیات'' کے منافی نہیں۔

فخرُ الدین رازی کا حوالہ

امام فخرُ الدین رازی (المتوفیٰ:606ھ) نے سورہ بقرہ کی آیت ''وَلاَ تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ، بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ'' کے ذیل میں فرمایا کہ:

فی الآية أقوال:القول الأول :أنهم فی الوقت أحياء كأن الله تعالى أحياهم لإيصال الثواب إليهم وهذا قول أكثر المفسرين وهذا دليل على أن المطيعين يصل ثوابهم إليهم وهم فی القبور، فإن قيل :نحن نشاهد أجسادهم ميتة فی القبور، فكيف يصح ما ذهبتم إليه؟ قلنا :أما عندنا فالبنية ليست شرطا فی الحياة ولا امتناع فی أن يعيد الله الحياة إلى كل واحد من تلك الذرات اوالأجزاء الصغيرة من غير حاجة إلى التركيب والتأليف. وأما عند المعتزلة فلا يبعد أن يعيد الله الحياة إلى الأجزاء التی لا بد منها فی ماهية الحی ولا يعتبر بالأطراف، ويحتمل أيضا أن يحييهم إذا لم يشاهدوا.......

واعلم أن أكثر العلماء على ترجيح القول الأول، والذی يدل عليه وجوه . أحدها :الآيات الدالة على عذاب القبر، كقوله تعالى :"قالوا ربنا أمتنا اثنتين وأحييتنا اثنتين"والموتتان لا تحصل إلا عند حصول الحياة فی القبر، وقال الله تعالى :"أغرقوا فأدخلوا نارا"والفاء للتعقيب، وقال :"النار يعرضون عليها غدوا وعشيا ويوم تقوم الساعة أدخلوا آل فرعون أشد العذاب "وإذا ثبت عذاب القبر وجب القول بثواب القبر أيضا لأن العذاب حق الله تعالى على العبد والثواب حق للعبد على الله تعالى، فاسقط العقاب أحسن من إسقاط الثواب فحيثما أسقط العقاب إلى يوم القيامة بل حققه فی القبر، كان ذلک فی الثواب أولى.

وثانيها :أن المعنى لو كان على ما قيل فی القول الثانی. والثالث لم يكن لقوله :ولكن لا تشعرون معنى لأن الخطاب للمؤمنين وقد كانواا يعلمون أنهم سيحيون يوم القيامة، وأنهم ماتوا على هدى ونور، فعلم أن الأمر على ما قلنا من أن الله تعالى أحياهم فی قبورهم.

وثالثها :أن قوله :ويستبشرون بالذين لم يلحقوا بهم دليل على حصول الحياة فی البرزخ قبل البعث.

ورابعها :قوله عليه الصلاة والسلام :القبر روضة من رياض الجنة أو حفرة من حفر النيران والأخبار فی ثواب القبر وعذابه كالمتواترة.

وكان عليه الصلاة والسلام يقول فی آخرصلاته : وأعوذ بک من

عذاب القبر.
وخامسها :أنه لو كان المراد من قوله :أنهم أحياء أنهم سيحيون، فحينئذ لا يبقى لتخصيصهم بهذا فائدة.
أجاب عنه أبو مسلم بأنه تعالى إنما خصهم بالذكر لأن درجتهم في الجنة أرفع ومنزلتهم أعلى وأشرف لقوله تعالى :ومن يطع الله والرسول فأولئك مع الذين أنعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين ،فأرادهم بالذكر تعظيما.
واعلم أن هذا الجواب ضعيف وذلك لأن منزلة النبيين والصديقين أعظم مع أن الله تعالى ما خصهم بالذكر .
وسادسها :أن الناس يزورون قبور الشهداء ويعظمونها وذلك يدل من بعض الوجوه على ما ذكرناه.
واحتج أبو مسلم على ترجيح قوله بأنه تعالى ذكر هذه الآية في آل عمران فقال :بل أحياء عند ربهم، وهذه العندية ليست بالمكان، بل بالكون في الجنة، ومعلوم أن أهل الثواب لا يدخلون الجنة إلا بعد القيامة .والجواب: لا نسلم أن هذه العندية ليست إلا بالكون في الجنة بل بإعلاء الدرجات وإيصال البشارات إليه وهو في القبر أو في موضع آخر (التفسير الكبير،لفخر الدين الرازي، ج۴،ص۱۲۵ و ۱۲۶ ،سورة البقرة)

ترجمہ: اس آیت میں حیات کے متعلق مختلف اقوال ہیں، پہلا قول یہ ہے کہ (شہداء) اس وقت بھی (برزخ میں) حیات ہیں، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایصالِ ثواب (یعنی نیکی کا اجر وثواب اور انعام واکرام عطاء فرمانے) کے لیے ان کو حیات عطاء فرمادی ہے، اور یہ اکثر مفسرین کا قول ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ نیک لوگوں کی طرف ثواب پہنچتا ہے، دراں حالیکہ وہ قبروں میں ہوتے ہیں۔

اگر یہ شبہ کیا جائے کہ ہم تو ان شہداء کے اجسام کو قبروں میں مردہ ہونے کی حالت میں مشاہدہ کرتے ہیں، تو تم نے جو قول اختیار کیا، وہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟

تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ہمارے نزدیک حیات کے لیے جسم کے ڈھانچہ کا ہونا ضروری نہیں، اور اس بات کے لیے کوئی مانع نہیں کہ اللہ تعالیٰ حیات کو ان چھوٹے چھوٹے تمام الگ الگ اجزاء وذرّات کی طرف لوٹا دیتا ہو، ان

اجزاء و ذرّات کی ترکیب اور تالیف (یعنی ان کو مرکب و جمع کرنے) کی بھی حاجت نہ ہو(اور اگر اللہ، برزخ میں جمع فرمانا چاہے، اور یہ کارروائی بندوں کی نظروں سے مخفی رکھ کر ہو، تو اس میں بھی کوئی مانع نہیں)

اور جہاں تک معتزلہ فرقہ کا تعلق ہے، تو ان کے قول کے مطابق، یہ بات بعید نہیں کہ اللہ، حیاۃ کو ان اجزاء کی طرف لوٹا دے، جو زندگی (اور بطورِ خاص برزخی زندگی) کی ماہیت کے لئے ضروری ہیں، اور دیگر اطراف و اجزاء کا اعتبار نہ کیا جائے (جن اجزاء کا دنیاوی زندگی کے لیے انسان دنیا میں محتاج ہوتا ہے)

اور یہ بھی احتمال ہے کہ اللہ ان کو ایسے طریقہ پر حیات عطاء فرمادے کہ جس کا انسانوں کو مشاہدہ نہ ہو سکے۔............

اور یہ بات جان لینی چاہیے کہ اکثر علماء اسی مذکورہ پہلے قول کو راجح قرار دیتے ہیں، جس کے چند دلائل ہیں۔

پہلی دلیل وہ آیات ہیں، جو عذابِ قبر پر دلالت کرتی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا (سورہ غافر میں) ارشاد ہے کہ ''قَالُوْا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ'' اور دو موتیں اس وقت ہی ثابت ہوتی ہیں، جب قبر میں حیات کو مانا جائے، اور اللہ تعالیٰ کا (سورہ نوح میں) ارشاد ہے کہ ''أُغْرِقُوْا فَأُدْخِلُوْا نَارًا'' اس آیت میں ''فاء'' تعقیب (یعنی غرق ہونے کے فوراً بعد جہنم میں داخل ہونے کے معنیٰ) کے لیے ہے، اور اللہ تعالیٰ کا (سورہ غافر میں) ارشاد ہے کہ ''اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا، وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ، أَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ'' (جس میں فرعون اور اس کے متبعین کو قیامت سے پہلے روزانہ صبح، شام آگ کے عذاب دیئے جانے کا ذکر ہے) اور جب عذابِ قبر ثابت ہو گیا، تو ثوابِ قبر کے قول کو ماننا بھی ضروری ہو گیا، اس لیے کہ بندے پر عذاب، دراصل

اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اور بندے کے لیے ثواب بھی اللہ تعالیٰ کا حق ہے، پس عذاب کو ساقط کرنا، ثواب کو ساقط کرنے سے زیادہ بہتر ہے، پس جب عذاب کو قیامت تک ساقط نہیں مانا گیا، بلکہ اسے قبر میں ثابت مانا گیا، تو قبر میں ثواب کو ثابت ماننا، بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگا۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر (سورہ بقرہ کی مذکورہ آیت سے متعلق) دوسرا اور تیسرا قول صحیح ہوتا (جس کی رو سے اس آیت سے شہداء کی برزخی حیات کا تعلق نہیں، بلکہ قیامت کے دن کی حیات کا تعلق ہے) تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وَلٰـكِـنۡ لَّا تَشۡـعُـرُوۡنَ " کے کوئی معنیٰ نہ ہوتے، کیونکہ اس آیت میں خطاب مومنوں کو ہے، اور مومن یہ بات جانتے تھے کہ ان کو قیامت کے دن زندہ کیا جائے گا، اور وہ (شہداء) ہدایت اور نور پر فوت ہوئے ہیں (پھر ان کے شعور کی نفی کرنے کا کیا مطلب؟) جس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ہمارا اختیار کردہ پہلا قول صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبروں میں زندہ فرماتا ہے۔

اور تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا (سورہ آلِ عمران میں) ارشاد ہے کہ "وَيَسۡتَبۡشِـرُوۡنَ بِـالَّـذِيۡنَ لَمۡ يَلۡحَقُوۡابِهِمۡ "جو قیامت سے پہلے برزخ میں حیات کی دلیل ہے (کیونکہ اس میں ان لوگوں کی طرف سے خوش ہونے کا ذکر ہے، جو ابھی تک فوت ہو کر ان سے نہیں ملے) [1]

اور چوتھی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ "قبر دراصل جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغ ہے، یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے"

اور قبر کے عذاب وثواب کے متعلق احادیث "احادیثِ متواترہ" کی طرح ہیں (اس لیے کسی ایک، دو احادیث کی اسناد کا غیر معتبر ہونا، اس مسئلہ کے لیے نقصان

---

[1] مذکورہ عبارت میں شہداء کی حیات کے "برزخ" میں ہونے کی تصریح ہے۔ محمد رضوان۔

وہ نہیں) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز کے آخر میں یہ دعاء کیا کرتے تھے کہ
''وَأَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ''۔

اور پانچویں دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''هُمْ اَحْيَاءٌ'' سے مراد یہ ہوتا کہ ان کو عنقریب (بروزِ قیامت) زندہ کیا جائے گا، تو پھر شہداء کی اس (حیات کی) خصوصیت کا کوئی فائدہ باقی نہ رہتا (کیونکہ قیامت کے دن تو سب ہی کو زندہ کیا جائے گا، اس میں شہداء کی خصوصیت کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے)

ابومسلم نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان شہداء کا خصوصیت کے ساتھ ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ جنت میں ان کا درجہ اور مقام بلند و اعلیٰ ہے، اللہ تعالیٰ کے (سورہ نساء میں) اس ارشاد کی وجہ سے کہ ''وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولٰئِکَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ'' تو اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر تعظیم کی غرض سے کیا ہے (لہٰذا اس سے شہداء کی برزخی زندگی کا تعلق نہیں)

لیکن یہ بات جان لینی چاہیے کہ مذکورہ جواب ضعیف ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ نبیوں اور صدیقوں کا درجہ زیادہ بڑا ہے، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے (قرآن مجید میں) خصوصیت کے ساتھ ان (کی حیات) کا ذکر نہیں فرمایا (بلکہ شہداء کی حیات کا ذکر فرمایا)

اور چھٹی دلیل یہ ہے کہ لوگ شہیدوں کی قبروں کی زیارت کرتے ہیں، اور ان کو عظیم سمجھتے ہیں، جو کہ ہماری ذکر کردہ بات پر بعض جہات سے دلالت کرتا ہے (لوگوں کا تعامل اس موقف کا مؤید ہے کہ قبر و برزخ میں ان کو خصوصی شرفِ حیات حاصل ہے)

اور ابومسلم نے اپنے قول کو راجح قرار دینے پر اس بات سے دلیل پکڑی ہے کہ اللہ

تعالیٰ نے اس آیت کو سورہ آلِ عمران میں ذکر کیا ہے، اور فرمایا کہ ''بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ '' اور یہ ''عِنْدِيَة'' مکان کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ جنت میں ہونے کے ساتھ ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ اہلِ ثواب، جنت میں قیامت کے بعد ہی داخل ہوں گے (لہٰذا ان کی یہ حیات قیامت کے بعد والی کہلائے گی)

لیکن مذکورہ دلیل کا جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ بات تسلیم نہیں کہ یہ ''عِنْدِيَة'' صرف جنت میں ہونے کی وجہ سے ہے، بلکہ وہ درجات کے بلند ہونے، اور اس کی طرف بشارات پہنچنے کی وجہ سے ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ قبر میں ہو، یا کسی دوسری جگہ ہو (تفسیر کبیر)

اس سے معلوم ہوا کہ جمہور کے نزدیک انسان کے فوت ہونے کے بعد، راحت، یا عذاب کا ہونا برحق ہے، اور فوت ہونے کے بعد روح کا فی الجملہ بدن کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔

اور انبیائے کرام کے اجسام وابدان کو چونکہ مٹی نہیں کھاتی، اس لیے ان کے دنیا میں حاصل شدہ اجسام وابدان ہی سے روح کا تعلق ہوتا ہے، اور ان کو روح وجسم کے اس تعلقِ خاص کے ساتھ برزخی زندگی کے انعامات واکرامات سے نوازا جاتا ہے، لیکن یہ تمام احوال، برزخی زندگی اور برزخی حیات سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے ان کو دنیا کی زندگی کے احوال پر قیاس کرنا درست نہیں۔

فخرُ الدین رازی کا دوسرا حوالہ

امام فخر الدین رازی نے سورہ آلِ عمران کی آیت ''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا. بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ'' کے ذیل میں فرمایا کہ:

الاحتمال الأول :أن تفسير الآية بأنهم سيصيرون فی الآخرة أحياء ، قد ذهب إليه جماعة من متكلمی المعتزلة، منهم أبو القاسم الكعبی قال : وذلک لأن المنافقين الذين حكی الله عنهم ما حكی، كانوا يقولون :أصحاب محمد صلی الله عليه وسلم يعرضون أنفسهم للقتل

فيقتلون ويخسرون الحياة ولا يصلون إلى خير، وإنما كانوا يقولون ذلك لجحدهم البعث والميعاد، فكذبهم الله تعالى وبين بهذه الآية أنهم يبعثون ويرزقون ويوصل إليهم أنواع الفرح والسرور والبشارة.

واعلم أن هذا القول عندنا باطل، ويدل عليه وجوه:

الحجة الأولى :أن قوله :بل أحياء ظاهره يدل على كونهم أحياء عند نزول الآية، فحمله على أنهم سيصيرون أحياء بعد ذلك عدول عن الظاهر.

الحجة الثانية :أنه لا شك أن جانب الرحمة والفضل والإحسان أرجح من جانب العذاب والعقوبة، ثم إنه تعالى ذكر في أهل العذاب أنه أحياهم قبل القيامة لأجل التعذيب فإنه تعالى قال :أغرقوا فأدخلوا نارا (نوح) والفاء للتعقيب، والتعذيب مشروط بالحياة، وأيضا قال تعالى :النار يعرضون عليها غدوا وعشيا (غافر) وإذا جعل الله أهل العذاب أحياء قبل قيام القيامة لأجل التعذيب، فلأن يجعل أهل الثواب أحياء قبل القيامة لأجل الإحسان والإثابة كان ذلك أولى.

الحجة الثالثة :أنه لو أراد أنه سيجعلهم أحياء عند البعث في الجنة لما قال للرسول عليه الصلاة والسلام :ولا تحسبن مع علمه بأن جميع المؤمنين كذلك، أما إذا حملناه على ثواب القبر حسن قوله:ولا تحسبن لأنه عليه الصلاة والسلام لعله ما كان يعلم أنه تعالى يشرف المطيعين والمخلصين بهذا التشريف، وهو أنه يحييهم قبل قيام القيامة لأجل إيصال الثواب إليهم.

فإن قيل :إنه عليه الصلاة والسلام وإن كان عالما بأنهم سيصيرون أحياء عند ربهم عند البعث ولكنه غير عالم بأنهم من أهل الجنة، فجاز أن يبشره الله بأنهم سيصيرون أحياء ويصلون إلى الثواب والسرور.

قلنا :قوله :ولا تحسبن إنما يتناول الموت لأنه قال :ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله أمواتا فالذي يزيل هذا الحسبان هو كونهم أحياء في الحال لأنه لا حسبان هناك في صيرورتهم أحياء يوم القيامة، وقوله : يرزقون فرحين فهو خبر مبتدأ ولا تعلق له بذلك الحسبان فزال هذا السؤال.

الحجة الرابعة :قوله تعالى :ويستبشرون بالذين لم يلحقوا بهم من خلفهم والقوم الذين لم يلحقوا بهم لا بد وأن يكونوا في الدنيا، فاستبشارهم بمن يكون في الدنيا لا بد وأن يكون قبل قيام القيامة، والاستبشار لا بد وأن يكون مع الحياة، فدل هذا على كونهم أحياء قبل يوم القيامة، وفي هذا الاستدلال بحث سيأتي ذكره.

الحجة الخامسة :ماروى عن ابن عباس رضي الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم قال في صفة الشهداء :إن أرواحهم في أجواف طير خضر وإنها ترد أنهار الجنة وتأكل من ثمارها وتسرح حيث شاء ت وتأوى إلى قناديل

من ذهب تحت العرش فلما رأوا طيب مسكنهم ومطعمهم ومشربهم قالوا : يا ليت قومنا يعلمون ما نحن فيه من النعيم وما صنع الله تعالى بنا كي يرغبوا في الجهاد فقال الله تعالى :أنا مخبر عنكم ومبلغ إخوانكم ففرحوا بذلك واستبشروا فأنزل الله تعالى هذه الآية.

وسئل ابن مسعود رضي الله عنه عن هذه الآية، فقال :سألنا عنها فقيل لنا إن الشهداء على نهر بباب الجنة في قبة خضراء ، وفي رواية في روضة خضراء ،

وعن جابر بن عبد الله قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ألا أبشرك أن أباك حيث أصيب بأحد أحياه الله ثم قال :ما تريد يا عبد الله بن عمرو أن أفعل بك فقال يا رب أحب أن تردني إلى الدنيا فأقتل فيها مرة أخرى.

والروايات في هذا الباب كأنها بلغت حد التواتر، فكيف يمكن إنكارها؟......

والذي يؤكد ما ذكرناه القرآن والحديث والعقل .أما القرآن فآيات :

إحداها :يا أيتها النفس المطمئنة ارجعي إلى ربك راضية مرضية فادخلي في عبادي وادخلي جنتي (الفجر) ولا شك أن المراد من قوله : ارجعي إلى ربك الموت .ثم قال :فادخلي في عبادي وفاء التعقيب تدل على أن حصول هذه الحالة يكون عقيب الموت، وهذا يدل على ما ذكرناه.

وثانيها :حتى إذا جاء أحدكم الموت توفته رسلنا وهم لا يفرطون (الأنعام) وهذا عبارة عن موت البدن.ثم قال :ثم ردوا إلى الله مولاهم الحق (الأنعام) فقوله :ردوا ضمير عنه .وإنما هو بحياته وذاته المخصوصة، فدل على أن ذلك باق بعد موت البدن.

وثالثها :قوله :فأما إن كان من المقربين فروح وريحان وجنة نعيم (الواقعة) وفاء التعقيب تدل على أن هذا الروح والريحان والجنة حاصل عقيب الموت (التفسير الكبير،لفخر الدين الرازي، ج۹، ص۴۲۵، الیٰ ۴۲۷،سورة آلِ عمران)

ترجمہ: پہلا احتمال یہ ہے کہ آیت کی یہ تفسیر کی جائے کہ شہداء، آخرت میں زندہ ہوں گے، جس کی طرف متکلمینِ معتزلہ کی ایک جماعت گئی ہے، جن میں ابوالقاسم کعبی داخل ہیں، جن کا کہنا یہ ہے کہ منافقین کے بارے میں اللہ نے یہ بات نقل کی ہے، منافقین یہ کہا کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کرتے ہیں، اور وہ قتل ہوکر اپنی زندگی کا خسارہ

کر لیتے ہیں، اور خیر کو نہیں پاتے، منافقین یہ بات اس وجہ سے کہا کرتے تھے کہ وہ قیامت اور آخرت کے منکر تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب فرمائی، اور اس آیت کے ذریعہ سے یہ واضح فرما دیا کہ ان شہیدوں کو قیامت کے دن زندہ کیا جائے گا، اور رزق دیا جائے گا، اور ان کو خوشی اور سرور کی مختلف شکلیں حاصل ہوں گی۔

لیکن یہ بات جان لینی چاہیے کہ بعض متکلمین معتزلہ کا یہ مذکورہ قول باطل ہے، جس کے چند دلائل ہیں۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''بَلْ أَحْيَاءٌ'' کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت زندہ تھے، لہٰذا اس آیت کو اس بات پر محمول کرنا کہ وہ اس کے بعد زندہ کیے جائیں گے، یہ ظاہر سے عدول کرنا ہے (جو کہ درست نہیں)

دوسری دلیل یہ ہے کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کی رحمت اور فضل اور احسان، زیادہ راجح ہوتا ہے، عذاب اور سزا کے مقابلہ میں، اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ عذاب کے بارے میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ ان کو قیامت سے پہلے عذاب دینے کے لیے زندہ کیا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا سورہ نوح میں ارشاد ہے کہ ''أُغْرِقُوْا فَأُدْخِلُوْا نَارًا'' اور مذکورہ آیت میں ''فا'' دراصل ''تَعْقِيْب'' کے لیے ہے، اور ''تَعْذِيْب'' حیات کے ساتھ مشروط ہے، نیز اللہ تعالیٰ کا سورہ غافر میں ارشاد ہے کہ ''اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا'' (مذکورہ دونوں آیتوں میں قیامت سے قبل عذاب دیے جانے کا ثبوت ہے) اور جب اللہ تعالیٰ اہلِ عذاب کو عذاب دینے کے لیے قیامت سے پہلے زندہ فرماتا ہے، تو نیکی و احسان کے لیے قیامت سے پہلے اہلِ ثواب کا زندہ کیا جانا، اور ان کو اس کا ثواب دیا جانا

زیادہ اولیٰ ہے۔

اور تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مذکورہ آیت میں مراد یہ ہوتی کہ آئندہ قیامت کے موقع پر ان شہیدوں کو جنت میں زندہ فرمائے گا، تو اللہ اپنے رسول کو یہ نہ فرماتا کہ ''وَلَا تَحْسَبَنَّ'' کیونکہ نبی کو یہ بات تو معلوم تھی کہ آخرت میں تمام مومنوں کے ساتھ یہی صورتِ حال پیش آنے والی ہے، لیکن جب ہم اس کو قبر (وبرزخ) کے ثواب پر محمول کریں گے، تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ''وَلَا تَحْسَبَنَّ'' یہ بہتر ہوگا، کیونکہ شاید اس سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم نہیں دیا گیا تھا کہ مطیعین ومخلصین کو اس خاص وامتیازی شان کے شرف سے نوازا جاتا ہے کہ ان کو قیامت سے پہلے اس عظیم الشان اجر وثواب کی وجہ سے زندہ کیا جاتا ہے۔

اگر یہ شبہ کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اس بات سے واقف تھے کہ ان کو قیامت کے دن ان کے رب کے پاس زندہ کیا جائے گا، لیکن اس بات سے واقف نہیں تھے کہ وہ اہلِ جنت میں سے ہیں، اس لیے یہ بات ممکن ہے کہ اللہ یہ بشارت دے کہ ان شہداء کو قیامت کے دن زندہ کیا جائے گا، اور وہ ثواب اور خوشی کو پائیں گے۔

ہم اس شبہ کے جواب میں کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ''وَلَا تَحْسَبَنَّ'' یہ صرف موت کو شامل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا'' پس یہ اس گمان کو زائل کرتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ وہ فی الحال (برزخ میں) زندہ ہیں، کیونکہ قیامت کے دن زندہ ہونے میں تو کوئی گمان تھا ہی نہیں، اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ''يُرْزَقُوْنَ. فَرِحِيْنَ'' یہ مبتداء کی خبر ہے، جس کا اس حسبان سے تعلق نہیں (اور مطلب یہ ہے کہ ان کو فی الحال

رزق دیا جاتا ہے) لہٰذا یہ شبہ زائل ہوگیا۔

چوتھی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ "وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ" اور جو لوگ ان کے ساتھ لاحق نہیں ہوئے، ضروری ہے کہ وہ دنیا میں موجود ہوں، پس شہداء کو ان لوگوں کی خوشخبری دینا، جو دنیا میں ہیں، اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ واقعہ قیامت سے پہلے کا ہو (کیونکہ قیامت کے بعد تو کسی کے لاحق ہونے کا مطلب نہیں) اور خوشخبری کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ حیات کی صورت میں ہو، جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ قیامت سے پہلے زندہ ہیں، تاہم اس استدلال میں بحث ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

پانچویں دلیل وہ روایت ہے، جو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء کی شان میں فرمایا کہ ان کی ارواح، سبز پرندوں کے پیٹوں میں ہوتی ہیں، اور وہ جنت کی نہروں پر آتی ہیں، اور جنت کے پھلوں کو کھاتی ہیں، اور وہ جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں، اور عرش کے نیچے سونے کی قندیلوں میں ٹھکانہ پکڑتی ہیں، پھر جب وہ اپنے قیام وطعام اور پینے کی عمدگی کو دیکھتے، تو یہ کہتے کہ کاش کہ ہماری قوم بھی اس بات کو جان لے، جو نعمتیں ہمیں حاصل ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ جو برتاؤ کیا ہے، تاکہ ان کو بھی جہاد کی رغبت ہو، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہارے متعلق (تمہاری قوم کو) خبر دیتا ہوں، اور تمہارے بھائیوں تک یہ بات پہنچاتا ہوں، جس سے ان کو خوشی ہوئی، اور خوشی میں اضافہ ہوگیا، جس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ آلِ عمران کی مذکورہ آیت کو نازل فرمایا (اور واضح ہوگیا کہ یہ آیت، شہداء کے فوت ہونے کے بعد اِن کو حاصل ہونے والی حیات وراحت کی خبر دینے کے لیے نازل ہوئی، پھر اس حیات ونعمت کو قیامت کے بعد پر محمول کرنے کا کیا مطلب؟)

اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا، تو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے اس آیت کے متعلق (نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے) سوال کیا تھا، جس کے جواب میں ہمیں بتایا گیا کہ شہداء، جنت کے دروازے کی ایک نہر پر سبز قبے میں ہوتے ہیں، اور ایک روایت میں سبز روضہ کا ذکر ہے (اس حدیث سے بھی قبل از قیامت، شہداء کی حیاتِ برزخی و نعمتِ برزخی کا ثبوت ہوا)

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں اس بات کی بشارت نہ دے دوں کہ تمہارے والد کو جب اُحد میں شہید کیا گیا، تو ان کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کر کے یہ فرمایا کہ اے عبداللہ بن عمرو! آپ کیا چاہتے ہیں؟ کہ میں آپ کے ساتھ کیا برتاؤ کروں؟ تو انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ اے میرے رب! میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ مجھے دنیا کی طرف دوبارہ لوٹا دیں، تاکہ دنیا میں مجھے دوبارہ قتل کر دیا جائے (اس روایت سے بھی قیامت سے قبل، برزخ کی نعمت وراحت اور اس عالم کی حیات کا ثبوت ہوا)

اور شہیدوں کے فضائل کے سلسلہ میں جو روایات آئی ہیں، وہ تواتر کے درجہ تک پہنچ چکی ہیں، تو ان کا انکار کیسے ممکن ہے؟............

اور ہم نے جو بات ذکر کی اس کی تائید قرآن اور حدیث اور عقل سے ہوتی ہے، جہاں تک قرآن کا تعلق ہے، تو اس کی چند آیات ہیں۔

پہلی آیت سورہ فجر کی یہ ہے کہ ’’يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ، ارْجِعِيْ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً، فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ‘‘ اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قول ’’ارْجِعِيْ إِلٰى رَبِّكِ ‘‘ سے مراد موت ہے، پھر یہ فرمایا کہ ’’فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ ‘‘ اور اس آیت میں ’’فا‘‘

تعقیب کا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حالت موت کے فوراً بعد حاصل ہوتی ہے، جو ہماری ذکر کردہ بات کی دلیل ہے (کہ شہیدوں اور صالح مومنوں کو شہادت اور وفات کے بعد قیامت سے پہلے انعامات عطاء کیے جاتے ہیں)

اور دوسری آیت سورہ انعام کی یہ ہے کہ ''حَتّٰی إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ''جس میں بدن کی موت مراد ہے، جس کے بعد ارشاد ہے کہ ''ثُمَّ رُدُّوْا إِلَى اللّٰهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقُّ ''تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''ردّوا '' کی ضمیر اُسی کی ہے، جو کہ اس کی حیات ہے، اور اس کی مخصوص ذات ہے، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ روح، بدن کی موت کے بعد بھی باقی ہے (اور روح، موت کے بعد فناء نہیں ہوتی)

اور تیسری آیت سورہ واقعہ کی یہ ہے کہ ''فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ. فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ. وَّجَنَّةُ نَعِيْمٍ ''جس میں ''فائے تعقیب'' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ روح اور ریحان اور جنت، موت کے فوراً بعد حاصل ہوتی ہے (تفسیرِ کبیر)

فخرُ الدین رازی کا تیسرا حوالہ

امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

تمسک أصحابنا فی إثبات عذاب القبر بقوله :أغرقوا فأدخلوا نارا وذلک من وجهین.

الأول :أن الفاء فی قوله :فأدخلوا نارا تدل على أنه حصلت تلک الحالة عقیب الإغراق فلا یمکن حملها على عذاب الآخرة، وإلا بطلت دلالة هذه الفاء.

الثانی :أنه قال :فأدخلوا على سبیل الإخبار عن الماضی،وهذا إنما یصدق لو وقع ذلک.

قال مقاتل والکلبی :معناه أنهم سیدخلون فی الآخرة نارا ثم عبر عن المستقبل بلفظ الماضی لصحة کونه وصدق الوعد به کقوله :ونادى أصحاب النار . ونادى أصحاب الجنة .

واعلم أن الذی قالوه ترک للظاهر من غیر دلیل.

فإن قيل :إنما تركنا هذا الظاهر لدليل، وهو أن من مات في الماء فإنا نشاهده هناك فكيف يمكن أن يقال :إنهم في تلك الساعة أدخلوا نارا؟ والجواب :هذا الإشكال إنما جاء لاعتقاد أن الإنسان هو مجموع هذا الهيكل، وهذا خطأ لما بينا أن هذا الإنسان هو الذي كان موجودا من أول عمره، مع أنه كان صغير الجثة في أول عمره، ثم إن أجزاء ه دائما في التحلل والذوبان، ومعلوم أن الباقي غير المتبدل، فهذا الإنسان عبارة عن ذلك الشيء الذي هو باق من أول عمره إلى الآن، فلم لا يجوز أن يقال: إنه وإن بقيت هذه الجثة في الماء إلا أن الله تعالى نقل تلك الأجزاء الأصلية الباقية التي كان الإنسان المعين عبارة عنها إلى النار والعذاب

(التفسير الكبير لفخر الدين الرازی، ج ۳۰،ص ۶۵۹ ،سورة نوح)

ترجمہ: ہمارے (اہل السنۃ) اصحاب نے عذابِ قبر کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ کے قول ''أُغۡرِقُوۡا فَأُدۡخِلُوۡا نَارًا '' کے ذریعہ سے دلیل پکڑی ہے، جس کے دو طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول ''فَأُدۡخِلُوۡا نَارًا '' میں لفظِ'' فا'' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حالت غرق کرنے کے فوراً بعد حاصل ہوئی، لہٰذا اس حالت کو آخرت کے عذاب پر محمول کرنا ممکن نہیں، ورنہ تو اس ''فا'' کی دلالت باطل ہو جائے گی۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ''فَأُدۡخِلُوۡا'' اور یہ ماضی کی خبر دینے کے قبیل سے ہے، جو کہ اسی صورت میں صادق آتی ہے کہ یہ حالت واقع ہو چکی ہے۔

مقاتل اور کلبی کا کہنا یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو آخرت میں آگ میں داخل کیا جائے گا، پھر مستقبل کے معاملہ کو ماضی کے لفظ سے تعبیر کر دیا گیا، اس کے صحیح اور وعدہ کے سچا ہونے کی وجہ سے، جیسا کہ سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''وَنَادٰی أَصۡحَابُ النَّارِ '' اور ''وَنَادٰی أَصۡحَابُ الۡجَنَّةِ''۔

لیکن یہ بات جان لینی چاہیے کہ ان (کلبی اور مقاتل) لوگوں نے جو قول کیا ہے،

اس میں بغیر دلیل کے ظاہر کو ترک کر دیا گیا ہے (لہٰذا یہ قول نا قابلِ اعتبار ہے، کیونکہ کسی معتبر دلیل کے بغیر ظاہرِ نصوص کو ترک نہیں کیا جاتا)

پھر اگر اس کے جواب میں کہا جائے کہ ہم نے اس ظاہر کو ایک دلیل کی وجہ سے ترک کیا ہے، اور وہ دلیل یہ ہے کہ جو شخص پانی میں غرق ہو کر فوت ہو جائے، تو ہم اس شخص کو وہیں دیکھتے ہیں، تو یہ کہنا کیسے ممکن ہے کہ ان کو اسی وقت آگ کے اندر داخل کر دیا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اشکال صرف اس اعتقاد کی وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ انسان اس ہیکل (مخصوص شکل وصورت) کے مجموعہ کا نام ہے، حالانکہ یہ خطاء پر مبنی ہے، کیونکہ ہم یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ انسان دراصل وہی ہے، جو عمر کے اول حصہ سے موجود تھا، باوجودیکہ یہ عمر کے شروع حصہ میں نہایت چھوٹے جثہ پر مشتمل تھا، علاوہ ازیں انسان کے اجزاء برابر تحلیل پذیر ہوتے اور گھٹتے رہتے ہیں، اور یہ بات معلوم ہے کہ باقی رہنے والی چیز تبدیل ہونے والی نہیں ہوا کرتی، پس اس انسان سے وہی چیز مراد ہوگی، جو اس کی اول عمر سے تا حال باقی ہے، اس لیے یہ بات کیونکر ممکن نہیں کہ یہ کہا جائے کہ یہ جثہ اگر چہ پانی میں باقی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان اصلی باقی رہنے والے اجزاء کو کہ جن سے متعین انسان مراد تھا، ان کو آگ اور عذاب کی طرف منتقل کر دیا (تفسیر کبیر)

اور ہم یہ پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ ریڑھ کی ہڈی کی دُم، کبھی گلتی سڑتی نہیں، لہٰذا اس کے ساتھ بہر حال، روح کا تعلق ہوتا ہے، اور انبیائے کرام علیہم السلام کے اجسام سلامت رہتے ہیں، تو ان کے پورے جسم کے ساتھ روح کا تعلق قائم ہوتا ہے، خواہ اس تعلق کے اثرات، دنیا میں موجود انسان کو اپنے حواس سے مشاہدہ نہ ہوں۔

شیخ عبدُ الحق محدث دہلوی کا حوالہ

شیخ عبدُ الحق محدث دہلوی (المتوفی: 1052ھ) فرماتے ہیں کہ:

والمراد بالقبر ههنا عالم البرزخ، وهو عالم بين الدنيا والآخرة له تعلق بكل منهما، وليس المراد به الحفرة التي يدفن فيها الميت، فرب ميت لا يدفن كالغريق والمحروق والمأكول فى بطن الحيوانات يعذب وينعم ويسأل، وإنما خص العذاب بالذكر للاهتمام، ولا قائل بالفصل، ولأن العذاب أكثر لكثرة الكفار والعصاة، وقد يراد بعذاب القبر حال للعبد فى البرزخ مطلقا سواء كان تنعيما أو تعذيبا، وصار اسما لتلك الحالة تغليبا.

واختلف فى أن الميت يعذب بإحيائه فى القبر أو بجعل الروح فى مقابلته أو بنوع آخر مما يعلمه الله ولا نعلمه.

والأظهر الأصوب أنه بالإحياء وإعادة الروح،وهو ظاهر الأحاديث.

ثم اختلف فى كيفية الإحياء فقيل :إنه يعاد الروح فى جملته، وقيل :فى أقل جزء يحتمل الحياة والعقل، قال الحليمى :فإن صح فلا جزء أولى به من القلب الذى هو ينبوع الحياة ومحل العقل، وقيل :كل من مات وتفرقت أجزاؤه، فإن الله يعلق روحه بجزئه الأصلى الباقى من أول عمره إلى آخره المستمر على حالتى النمو والذبول، لأن الله تعالى عالم بها كلها حسب ما هو عليها، ويعلم مواقعها ومحالها كما فى الحشر، والبنية عندنا ليست شرطا للحياة.

ويكفى فى صحة الاعتقاد أن تعتقد أن الحق تعالى يحدث فيه الإدراك بأى وجه يريد، والله أعلم (لمعات التنقيح فى شرح مشكاة المصابيح لعبد الحق الدّهلوى، ج ا ،ص۸ ۱ ۴، كتاب الإيمان، باب إثبات عذاب القبر)

ترجمہ: اور یہاں پر قبر سے مراد عالمِ برزخ ہے، جو کہ دنیا اور آخرت کے درمیان کا عالم ہے،اس عالم کا دنیا اور آخرت دونوں سے ہی تعلق ہوتا ہے (آخرت سے مثلاً اس طرح کہ جنت، یا جہنم کے آثار اس کو پہنچتے ہیں، اور دنیا سے مثلاً اس طرح کہ دنیوی جسم اور زمین کے جس حصہ ومقام میں اس کا بدن مجمع، یا منتشر حالت میں گوشت پوست، ہڈی، مٹی وغیرہ کی شکل میں موجود ہو، وہاں راحت، یا عذاب کے اثرات سرایت کرتے ہیں)

اور اس قبر سے مراد وہ گڑھا نہیں ہے، جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے، کیونکہ بعض

اوقات، میت کو دفن نہیں کیا جاتا، جیسا کہ غرق ہو کر فوت ہونے والا، اور جل کر فوت ہونے والا، اور جو جانوروں کے پیٹ میں کھایا ہوا ہو کر چلا جائے، اس کو بھی اس کے حسبِ عمل عذاب دیا جاتا ہے، اور حسبِ عمل نعمتیں عطاء فرمائی جاتی ہیں، اور (توحید ورسالت اور دین کے متعلق) سوال وجواب کا سلسلہ ہوتا ہے، اور (متعدد نصوص میں) عذاب کا ذکر بطورِ خاص اہتمام کی وجہ سے کیا گیا ہے، ورنہ کوئی بھی (قابلِ ذکر عالم) عذاب اور ثواب میں فرق کا قائل نہیں، اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کافروں اور گناہ گاروں کی کثرت کی وجہ سے قبر کا عذاب زیادہ ہوتا ہے (اس لیے جگہ جگہ نصوص میں قبر کا ذکر کیا گیا ہے، اور مراد عالمِ برزخ ہی ہوتا ہے) اور بعض اوقات قبر کے عذاب سے بندے کی برزخی حالت کو مراد لیا جایا کرتا ہے، خواہ اس کو راحت پہنچائی جائے، یا عذاب دیا جائے، برزخی حالت کا علی الاطلاق یہ (قبر) نام غلبہ کے طور پر ہو گیا ہے (اس لیے نصوص میں قبر کے الفاظ سے، برزخ کے برخلاف اور اس کے مقابل مفہوم کو مراد لینا درست نہیں، کیونکہ کسی عام اور مطلق کا فرد، اس کے مقابل نہیں ہوا کرتا، بلکہ اس کا جز وحصہ ہوا کرتا ہے) [1]

اور اس بارے میں اختلاف واقع ہوا ہے کہ میت کو قبر میں زندہ کر کے عذاب دیا جاتا ہے، یا روح کو اس کے مقابلے میں کر کے عذاب دیا جاتا ہے، یا کسی دوسرے طریقے سے عذاب دیا جاتا ہے، جس کو اللہ جانتا ہے، اور ہم نہیں جانتے؟

---

[1] پس نصوص میں مذکور "قبر" کے الفاظ کو لے کر برزخ کے تمام احوال کو اس مخصوص مفہوم تک محدود کرنا، درست نہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام کے جو قبور میں زندہ ہونے کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد بھی برزخ میں زندہ ہونا ہے، اور اس سے برزخی زندگی مراد ہے، ورنہ تو جن غیر انبیاء کے متعلق قبر میں روح کے اعادہ کے الفاظ آئے ہیں، ان کو بھی اسی معنیٰ میں زندہ کہنا لازم آئے گا۔

رہا انبیاء کے اجسام وابدان کے محفوظ وسلامت رہنے وغیرہ کا معاملہ، اور ان کی برزخی زندگی کے سب سے اعلیٰ واشرف ہونے کا مسئلہ، تو وہ اپنی جگہ مسلّم ہے، اس سے کس نے انکار کیا ہے۔ محمد رضوان۔

تاہم اس سلسلے میں راجح اور زیادہ درست قول یہ ہے کہ میت کو زندہ کیا جاتا ہے، اور روح کو لوٹایا جاتا ہے، احادیث کے ظاہر کا تقاضا یہی ہے۔ [1]

پھر زندہ کیے جانے کی کیفیت میں اختلاف واقع ہوا ہے، ایک قول یہ ہے کہ روح کافی الجملة (یعنی خاص نوعیت کا) اعادہ کیا جاتا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ میت کے کم ترین جزء میں روح کا اعادہ کیا جاتا ہے، جس میں حیات اور شعور کا احتمال ہوتا ہے، حلیمی نے فرمایا کہ اگر یہ بات صحیح ہو، تو دل کے مقابلے میں کوئی جزء زیادہ لائق نہیں، یہیں سے زندگی کی ڈور چلتی ہے، اور عقل کا مقام بھی یہی ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ جو شخص بھی فوت ہو، اور اس کے اجزاء منتشر ہو جائیں، تو اللہ اس کی روح کو اس کے اصلی جزء کے ساتھ وابستہ فرما دیتا ہے، جو اس کی عمر کے شروع سے اس کی عمر کے آخر تک باقی رہتا ہے، اور وہ بڑھوتری اور زوال کی دونوں حالتوں میں برابر قائم رہتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح واقف ہے، وہ جس حالت پر بھی تھا، اور اللہ اس کے موقع اور محل سب کو جانتا ہے، جیسا کہ حشر میں بھی ایسا ہی ہوگا، اور ہمارے نزدیک حیات کے لیے ڈھانچے کا ہونا شرط نہیں۔ [2]

اور اعتقاد صحیح ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ حق تعالیٰ اس میں

---

[1] اس راجح اور زیادہ درست قول کی بنیاد پر ہی، برزخی زندگی وحیات کو روحانی وجسمانی حیات وزندگی کہا جاتا ہے، اور زندہ کیے جانے کو حقیقت پر محمول ہونے کے اثبات اور مجازی معنیٰ پر محمول کرنے کی نفی کی غرض سے حقیقی حیات، اور انبیائے کرام کے اجسام، سلامت ومحفوظ ہونے، اور ان کی برزخی حیات کے سب سے اولیٰ وارفع ہونے کی وجہ سے ان کی حیات کو سب سے قوی کہا جاتا ہے۔

اور جو کم فہم، یا بدفہم حضرات اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں، وہ خوانخواہ کے شوشے چھیڑ کر سیدھے سادے مسئلے کو ٹیڑھا بنانے کی کوشش کرتے ہیں، اور اوپر سے حقیقت شناس حضرات پر طرح طرح کے الزامات عائد کرنا بھی شروع کردیتے ہیں۔ **فیا للعجب!** محمد رضوان۔

[2] پس جب عذاب، یا راحت کو فراہم کرنا، من جانب اللہ ہوتا ہے، تو اس کو عملی طور پر وجود میں لانے کے لیے، اللہ کی قدرت پر ایمان لانا کافی ہے، اور کسی بھی لمبی چوڑی بحث کی ضرورت نہیں۔ محمد رضوان۔

جس طرح بھی چاہتا ہے، ادراک پیدا کر دیتا ہے، اور اللہ ہی زیادہ جانتا ہے

(لمعاتُ التنقیح)

مذکورہ عبارت سے بھی جمہور کے قول کی ترجیح ثابت ہوتی ہے۔

اور موجودہ دور میں ''حیات وممات'' وغیرہ کے عنوان سے جاری کئی بحثوں کا جواب معلوم ہوجاتا ہے، بلکہ اس عبارت میں کم فہم لوگوں کے لیے اور بحث ومباحثہ سے بچنے کے لیے صحیح اجمالی اعتقاد کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ (المتوفیٰ: 728ھ) اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ:

عود الروح إلى بدن الميت فى القبر ليس مثل عودها إليه فى هذه الحياة الدنيا؛ وإن كان ذاك قد يكون أكمل من بعض الوجوه كما أن النشأة الأخرى ليست مثل هذه النشأة.

وإن كانت أكمل منها بل كل موطن فى هذه الدار وفي البرزخ والقيامة :له حكم يخصه؛ ولهذا أخبر النبى صلى الله عليه وسلم أن الميت يوسع له فى قبره ويسأل ونحو ذلك وإن كان التراب قد لا يتغير فالأرواح تعاد إلى بدن الميت وتفارقه......

والنوم أخو الموت .ولهذا (كان النبى صلى الله عليه وسلم يقول إذا أوى إلى فراشه :باسمك اللهم أموت وأحيا) (وكان إذا استيقظ يقول :الحمد لله الذى أحيانا بعد ما أماتنا وإليه النشور) فقد سمى النوم موتا والاستيقاظ حياة .وقد قال تعالى :(الله يتوفى الأنفس حين موتها والتي لم تمت فى منامها فيمسك التى قضى عليها الموت ويرسل الأخرى إلى أجل مسمى) فبين أنه يتوفى الأنفس على نوعين :فيتوفاها حين الموت ويتوفى الأنفس التى لم تمت بالنوم ثم إذا ناموا فمن مات فى منامه أمسك نفسه ومن لم يمت أرسل نفسه .ولهذا (كان النبى صلى الله عليه وسلم إذا أوى إلى فراشه قال :باسمك ربى وضعت جنبى وبك أرفعه فإن أمسكت نفسى فارحمها وإن أرسلتها فاحفظها بما تحفظ به عبادك الصالحين) . والنائم يحصل له فى منامه لذة وألم وذلك يحصل للروح والبدن حتى إنه يحصل له فى منامه من يضربه؛ فيصبح والوجع فى بدنه ويرى فى منامه أنه أطعم شيئا طيبا فيصبح وطعمه فى فمه وهذا موجود .

فإذا كان النائم يحصل لروحه وبدنه من النعيم والعذاب ما يحس به - والذى إلى جنبه لا يحس به -حتى قد يصيح النائم من شدة الألم؛ أو الفزع الذى يحصل له ويسمع اليقظان صياحه وقد يتكلم إما بقرآن وإما بذكر وإما بجواب .واليقظان يسمع ذلك وهو نائم عينه مغمضة ولو خوطب لم يسمع فكيف ينكر حال المقبور الذى أخبر الرسول صلى الله عليه وسلم أنه يسمع قرع نعالهم؟ وقال :(ما أنتم أسمع لما أقول منهم) .

والقلب يشبه القبر؛ ولهذا (قال صلى الله عليه وسلم لما فاتته صلاة العصر يوم الخندق :ملأ الله أجوافهم وقبورهم نارا) وفى لفظ :(قلوبهم وقبورهم نارا) وفرق بينهما فى قوله :(بعثر ما فى القبور) (وحصل ما فى الصدور) وهذا تقريب وتقرير لإمكان ذلك .ولا يجوز أن يقال :ذلك الذى يجده الميت من النعيم والعذاب مثلمايجده النائم فى منامه؛ بل ذلك النعيم والعذاب أكمل وأبلغ وأتم .وهو نعيم حقيقى وعذاب حقيقى ولكن يذكر هذا المثل لبيان إمكان ذلك إذا قال السائل :الميت لا يتحرك فى قبره والتراب لا يتغير ونحو ذلك (مجموع الفتاوى،لابن تيمية، ج۴،ص ۲۷۶،كتاب مفصل الاعتقاد،سؤال منكر ونكير الميت إذا مات)

ترجمہ: قبر میں روح کا میت کے بدن کی طرف لوٹنا، ایسا نہیں ہے، جیسا کہ اس دنیوی زندگی میں روح کا بدن کی طرف لوٹنا ہے، اگرچہ قبر میں روح کا میت کے بدن کی طرف لوٹنا، بعض جہات سے زیادہ کامل ہوتا ہے، جیسا کہ آخرت میں دوبارہ زندہ ہونا، اس دنیا کے زندہ ہونے کی طرح نہیں ہے، اگرچہ آخرت میں زندہ ہونا، زیادہ کامل ہے۔ [1]

بلکہ اس دنیا اور عالَمِ برزخ اور قیامت ہر عالَم کا الگ حکم ہے، جو اُس عالَم کے ساتھ ہی خاص ہے، اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ میت کی قبر میں کشادگی کردی جاتی ہے، اور اس طرح کی دوسری چیزوں کی بھی خبر دی ہے، اگرچہ مٹی، بعض اوقات، میت میں تبدیلی پیدا نہیں کرتی (جیسا کہ انبیائے

---

[1] پس بعض لوگوں کا روح کے بدن کی طرف اعادہ کیے جانے کے موقف سے، دنیا کی حیات کی طرح سے بدن وجسم میں نقل وحرکت اور دنیاوی بشری تقاضوں سے متصف ہونے کا نظریہ درست نہیں، ہر عالَم کے تقاضے، صفات واثرات اپنے اپنے ہوتے ہیں، ایک کو دوسرے پر، بالخصوص عالمِ غیب کو عالمِ شہادت پر قیاس کرنا درست نہیں۔ محمد رضوان۔

کرام کا استثناء احادیث سے ثابت ہے، باقی جس کے متعلق اللہ کی مشیت ہو)
پس روحیں میت کے بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہیں، اور بدن سے الگ مقام
پر (مثلاً علیین وسجین میں) بھی ہوتی ہیں۔............

اور نیند دراصل موت کی بہن ہے، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، رات کو اپنے
بستر پر تشریف لاتے تھے، تو یہ کہا کرتے تھے کہ ''بِـاسْـمِکَ اللّٰهُـمَّ أَمُـوْتُ
وَأَحْيَا'' اور جب بیدار ہوا کرتے تھے، تو یہ کہا کرتے تھے کہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ
أَحْيَـانَـا بَـعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُوْرُ'' پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نیند کا نام
موت، اور بیداری کا نام حیات رکھا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''اَللّٰهُ يَتَوَفَّى
الْاَنْـفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا فَيُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰى
عَـلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى'' پس اللہ نے یہ بیان
فرمادیا کہ وہ جانوں کو دو قسم کی وفات دیتا ہے، ایک تو موت کے وقت وفات دیتا
ہے، اور دوسرے ان جانوں کو نیند کے ذریعے وفات دیتا ہے، جو مرے نہیں، پھر
جب وہ سو جاتے ہیں، تو جو شخص اپنی نیند میں مر گیا، تو اس کی جان کو روک لیتا ہے،
اور جو نہیں مرا، تو اس کی جان کو چھوڑ دیتا ہے، اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
اپنے بستر پر آنے کے وقت یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ''بِـاسْـمِکَ رَبِّیْ وَضَعْتُ
جَنْبِیْ وَبِکَ أَرْفَعُـهُ فَإِنْ أَمْسَـكْـتَ نَفْسِیْ فَارْحَمْهَا وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا
فَـاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَکَ الصَّالِحِيْنَ'' اور سونے والے کو اپنی نیند
میں لذت اور تکلیف حاصل ہوتی ہے، جو کہ روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتی
ہے، یہاں تک کہ وہ اپنی نیند میں اپنے آپ کی پٹائی ہوتے ہوئے دیکھتا ہے، اور
وہ چیخ و پکار کرتا ہے، اور اس کے بدن میں درد ہوتا ہے، اور وہ اپنی نیند میں یہ دیکھتا
ہے کہ اس نے کوئی عمدہ چیز کھائی ہے، پھر وہ بیدار ہوتا ہے، اور اس خواب میں

کھائی ہوئی چیز کا ذائقہ اپنے منہ میں محسوس کرتا ہے، جس کا وجود ہوتا ہے۔

پس جب سونے والے کی روح اور بدن کو راحت اور تکلیف حاصل ہوتی ہے، جس کو وہ محسوس کرتا ہے، لیکن جو شخص اس کے برابر اور قریب میں ہوتا ہے، وہ اس کو محسوس نہیں کرتا، یہاں تک کہ بعض اوقات سونے والا، تکلیف کی شدت، یا گھبراہٹ سے بیدار ہو جاتا ہے، جو اس کو حاصل ہوتی ہے، اور بیدار شخص اس کی چیخ و پکار اور آواز کو سنتا ہے، اور بعض اوقات سونے والا کلام کرتا ہے، یا قرآن پڑھتا ہے، یا ذکر کرتا ہے، یا کسی بات کا جواب دیتا ہے، اور بیدار شخص اس کو سنتا ہے، اور سونے والے کی آنکھیں بند ہوتی ہیں، اور اگر اس سے خطاب کیا جائے، تو وہ سن نہیں پاتا، تو پھر قبر و برزخ کی اس حالت کا کیوں انکار کیا جاتا ہے، جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ وہ لوگوں کے جوتوں کی آہٹ کو سنتا ہے، اور فرمایا کہ تم اس بات کو مجھ سے زیادہ نہیں سنتے، جو میں اِن مُردوں کو کہہ رہا ہوں۔

اور دل، قبر کے مشابہ ہے (جس طرح دل، جسم کے اندر مخفی ہوتا ہے، اسی طرح روح بھی قبر میں نظروں سے مخفی ہوتی ہے) اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خندق کے دن جب عصر کی نماز فوت ہوگئی، تو یہ فرمایا کہ اللہ ان کے پیٹوں اور قبروں کو آگ سے بھر دے، اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اللہ ان کے دلوں اور قبروں کو آگ سے بھر دے، اور ان دونوں کے درمیان فرق بھی بتلا دیا گیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ. وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ'' اور یہ قریبی تقریر ہے، اس بات کے امکان کو ثابت کرنے کے لیے۔

لیکن یہ بات کہنا درست نہیں کہ میت جس راحت اور عذاب کو پاتی ہے، وہ بعینہٖ اسی طرح ہے، جس طرح نیند والا اپنی نیند میں محسوس کرتا ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ قبر و برزخ کی راحت و عذاب، زیادہ کامل اور زیادہ بلیغ اور زیادہ اَتَمّ ہے، اور

وہ حقیقی راحت اور حقیقی عذاب ہے، خواب کی اس مثال کو اس کے ممکن ہونے کو بیان کرنے کے لیے اس وقت ذکر کیا جاتا ہے، جب سوال کرنے والا یہ کہتا ہے کہ میت اپنی قبر میں حرکت نہیں کرتی، اور قبر کی مٹی میں متغیر نہیں ہوتی، اور اس طرح کی کوئی اور بات کہی جاتی ہے (مجموع الفتاویٰ)

مطلب یہ ہے کہ نیند اور خواب میں پیش آنے والے حالات، قبر و برزخ میں پیش آنے والے حالات کو سمجھنے کی نظیر ہیں، ورنہ قبر و برزخ میں پیش آنے والے حالات، حقیقت اور واقعہ کے مطابق اور بہت قوی درجہ کے ہوتے ہیں، جبکہ خواب کا معاملہ اس سے کمزور ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ کی مذکورہ عبارت سے واضح ہوگیا کہ فوت ہونے کے بعد برزخ وقبر میں روح کا بدن وجسم کے ساتھ اللہ کی حسبِ مشیت وحکمت تعلق ہوتا ہے، اور اس کے نتیجہ میں برزخ کی حیات، روح وجسم کے مجموعہ کی کہلاتی ہے، اور وہاں نصوص میں بیان کردہ تمام حالات و واقعات حقیقت میں پیش آتے ہیں، اس لیے برزخی حیات، حقیقی بھی ہوئی، اور روحانی بھی اور جسمانی بھی، پھر اس مقصد کے لیے جو بھی تعبیر اختیار کی جائے، اس سے اصل مقصود پر فرق واقع نہ ہوگا، اور نہ اس میں بلاوجہ کی بحث ومباحثہ کرنا کارِ خیر کہلائے جانے کا مستحق ہوگا۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا دوسرا حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ اپنے فتاویٰ میں ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

العذاب والنعيم على النفس والبدن جميعا باتفاق أهل السنة والجماعة تنعم النفس وتعذب منفردة عن البدن وتعذب متصلة بالبدن والبدن متصل بها فيكون النعيم والعذاب عليهما في هذه الحال مجتمعين كما يكون للروح منفردة عن البدن .

وهل يكون العذاب والنعيم للبدن بدون الروح؟ هذا فيه قولان مشهوران لأهل الحديث والسنة والكلام.

وفي المسألة أقوال شاذة ليست من أقوال أهل السنة والحديث.

قول من يقول :إن النعيم والعذاب لا يكون إلا على الروح؛ وأن البدن لا ينعم ولا يعذب .وهذا تقوله "الفلاسفة "المنكرون لمعاد الأبدان؛

وهؤلاء كفار بإجماع المسلمين .ويقوله كثير من "أهل الكلام "من المعتزلة وغيرهم :الذين يقولون :لا يكون ذلك فى البرزخ وإنما يكون عند القيام من القبور .
وقول من يقول :إن الروح بمفردها لا تنعم ولا تعذب وإنما الروح هى الحياة وهذا يقوله طوائف من أهل الكلام من المعتزلة وأصحاب أبى الحسن الأشعرى كالقاضى أبى بكر وغيرهم؛ وينكرون أن الروح تبقى بعد فراق البدن .وهذا قول باطل؛ خالفه الأستاذ أبو المعالى الجوينى وغيره؛ بل قد ثبت فى الكتاب والسنة واتفاق سلف الأمة أن الروح تبقى بعد فراق البدن وأنها منعمة أو معذبة " .والفلاسفة "الإلهيون يقولون بهذا لكن ينكرون معاد الأبدان وهؤلاء يقرون بمعاد الأبدان؛ لكن ينكرون معاد الأرواح ونعيمها وعذابها بدون الأبدان.
وكلا القولين خطأ وضلال لكن قول الفلاسفة أبعد عن أقوال أهل الإسلام وإن كان قد يوافقهم عليه من يعتقد أنه متمسك بدين الإسلام بل من يظن أنه من أهل المعرفة والتصوف والتحقيق والكلام.
والقول الثالث :الشاذ .قول من يقول إن البرزخ ليس فيه نعيم ولا عذاب بل لا يكون ذلك حتى تقوم القيامة الكبرى كما يقول ذلك من يقوله من المعتزلة ونحوهم الذين ينكرون عذاب القبر ونعيمه بناء على أن الروح لا تبقى بعد فراق البدن وأن البدن لا ينعم ولا يعذب.
فجميع هؤلاء الطائفتين ضلال فى أمر البرزخ لكنهم خير من الفلاسفة؛ لأنهم يقرون بالقيامة الكبرى.
فإذا عرفت هذه الأقوال الثلاثة الباطلة فاعلم أن مذهب "سلف الأمة وأئمتها "أن الميت إذا مات يكون فى نعيم أو عذاب وأن ذلك يحصل لروحه ولبدنه وأن الروح تبقى بعد مفارقة البدن منعمة أو معذبة وأنها تتصل بالبدن أحيانا فيحصل له معها النعيم والعذاب .ثم إذا كان يوم القيامة الكبرى أعيدت الأرواح إلى أجسادها وقاموا من قبورهم لرب العالمين .
ومعاد الأبدان متفق عليه عند المسلمين واليهود والنصارى وهذا كله متفق عليه عند علماء الحديث والسنة.
وهل يكون للبدن دون الروح نعيم أو عذاب؟ أثبت ذلك طائفة منهم وأنكره أكثرهم .(مجموع الفتاوى،لابن تيمية، ج۴،ص ۲۸۲،الیٰ ص ۲۸۴، كتاب مفصل الاعتقاد،رسالة فى عذاب القبر)

ترجمہ: عذاب اور راحت، نفس اور بدن دونوں کو ہوتی ہے، اس پر (معدودے چند افراد کے علاوہ) اهلُ السنة و الجماعة کا اتفاق ہے کہ نفس، راحت محسوس کرتا ہے، اور تکلیف بھی محسوس کرتا ہے، بدن سے جدا ہو کر بھی، اور عذاب کو

محسوس کرتا ہے، بدن سے متصل ہوکر بھی، اور بدن، نفس کے ساتھ متصل ہوتا ہے، پس راحت اور عذاب، اس حالت میں نفس اور جسم دونوں کے جمع ہونے کی حالت میں ہوتا ہے، جیسا کہ روح کو عذاب، بدن سے جدا ہونے کی حالت میں بھی ہوتا ہے (یعنی عالمِ برزخ میں روح، کو راحت وتکلیف بدن سے جدا ہوکر بھی ہوتی ہے، اور جسم کے ساتھ جمع ہونے کی حالت میں بھی ہوتی ہے)

اور کیا عذاب اور راحت، بدن کو بغیر روح کے ہوتی ہے؟ اس میں اہلِ حدیث، اور اہلُ السنۃ، اور اہلِ کلام کے دو مشہور قول ہیں۔

اور اس مسئلہ میں بعض شاذ اقوال بھی ہیں، جو اھلُ السنۃ والحدیث کے نہیں ہیں۔

ایک شاذ قول اس شخص کا ہے، جو یہ کہتا ہے کہ راحت اور عذاب صرف روح کو ہوتا ہے، اور بدن کو راحت اور عذاب نہیں ہوتا، اور یہ قول دراصل ان فلاسفہ کا ہے، جو ابدان کے دوبارہ زندہ ہونے کے منکر ہیں، اور مسلمانوں کے اجماع کی رُو سے یہ کافر ہیں، اور بہت سے معتزلہ اور ان کے علاوہ متکلمین کا قول بھی یہی ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ برزخ میں عذاب نہیں ہوتا، وہ تو قبروں سے اٹھنے کے بعد ہوگا۔

اور دوسرا قول اس شخص کا ہے، جو یہ کہتا ہے کہ تنہا روح کو راحت وعذاب نہیں ہوتا، اور روح دراصل حیات کا ہی نام ہے، بعض اہلِ کلام معتزلہ اور ابوالحسن اشعری کے بعض اصحاب، مثلاً قاضی ابوبکر وغیرہ کا یہی قول ہے، جو اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ روح، بدن سے جدا ہونے کے بعد باقی رہتی ہے، لیکن یہ قول باطل ہے، جس کی استاد ابویعلیٰ جوینی وغیرہ نے مخالفت کی ہے، اور کتاب وسنت سے یہ بات ثابت ہے کہ روح، بدن سے جدا ہونے کے بعد باقی رہتی ہے، جو راحت، یا عذاب کو پاتی ہے، اور یہ دراصل فلاسفۂ الٰھیون کا قول ہے، لیکن وہ ابدان کے

دوبارہ لوٹنے کا انکار کرتے ہیں، مگر یہ (قاضی ابوبکر وغیرہ) حضرات ابدان کے دوبارہ لوٹنے کا اقرار کرتے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ ارواح کے لوٹنے، اور ابدان کے بغیر ارواح کی راحت اور عذاب کا انکار کرتے ہیں۔

اور یہ دونوں قول خطاء اور ضلالت پر مبنی ہیں، جن میں فلاسفہ کا قول اہلِ اسلام کے اقوال سے بعید تر ہے، اگرچہ اہلِ فلاسفہ، اہلِ اسلام کی اس بارے میں موافقت کرتے ہیں کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ دینِ اسلام سے ہی دلیل پکڑتے ہیں، بلکہ ان میں بعض لوگ یہ گمان بھی کرتے ہیں کہ وہ اہلِ معرفت اور اہلِ تصوف اور اہلِ تحقیق اور اہلِ کلام میں سے ہیں۔ [1]

اور تیسرا شاذ قول اس شخص کا ہے، جو یہ کہتا ہے کہ برزخ میں راحت اور عذاب نہیں ہوتا، بلکہ یہ صرف قیامتِ کبریٰ قائم ہونے کے بعد ہی ہوگا، یہ قول بعض معتزلہ اور ان لوگوں کا ہے، جو عذابِ قبر اور راحتِ قبر کا اس بنیاد پر انکار کرتے ہیں کہ روح، بدن سے جدا ہونے کے بعد باقی نہیں رہتی، اور بدن کو راحت اور عذاب نہیں ہوتا۔

پس یہ دونوں جماعتیں، برزخ کے معاملے میں گمراہی کا شکار ہیں، لیکن یہ فلاسفہ سے بہتر ہیں، کیونکہ یہ لوگ قیامتِ کبریٰ کو تسلیم کرتے ہیں (اس لیے ان پر تکفیر کا حکم نہیں لگایا گیا)

پس جب آپ نے ان تینوں باطل اقوال کو پہچان لیا، تو یہ بات جان لینی چاہیے

---

[1] علامہ ابنِ تیمیہ نے مذکورہ بالا عبارت میں دوسرے اقوال کے مقابلے میں اہلُ السنۃ والجماعۃ کے اس قول کو ترجیح دی ہے، جس کی رُو سے عذاب وراحت نفس، یعنی انسانی روح اور بدن دونوں کو ہوتی ہے، اسی قول سے برزخ وقبر میں روحانی و جسمانی حیات کا قول نکلا، اور اسی کی تعبیر اہلُ السنۃ والجماعۃ کے ترجمان مختلف حضرات نے اپنے اپنے الفاظ میں بیان کی، اور اس قول کے برخلاف اقوال کی تردید کرتے ہوئے، بعض نے ''حقیقی راحت وعذاب ہونے'' اور بعض نے اس برزخی حیات کے حقیقی حیات ہونے سے تعبیر کردی، جس کی حقیقت نہ سمجھنے والے طرح طرح کے شبہات سے دوچار ہوگئے، اور طرفین کے کم علم لوگوں میں بحث طول پکڑ گئی، اور مختلف فرقے، یا دھڑے وجود میں آ گئے۔ محمد رضوان۔

کہ امت کے سلف اور اُن کے ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ میت فوت ہونے کے بعد راحت، یا عذاب میں ہوتی ہے، اور یہ چیز اس کی روح اور بدن کو حاصل ہوتی ہے، اور روح، بدن سے جُدا ہونے کے بعد نعمت، یا عذاب کی حالت میں مبتلاء رہتی ہے، اور روح بعض اوقات بدن کے ساتھ متصل ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں بدن کو روح کے ساتھ راحت، یا عذاب حاصل ہوتا ہے، پھر جب قیامتِ کبریٰ کا دن ہوگا، تو تمام روحوں کو اُن کے مخصوص اجسام فراہم کرکے، ان کی طرف لوٹا دیا جائے گا، اور وہ رب العالمین کے لیے اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے، اور ابدان کا دوبارہ زندہ ہونا، مسلمانوں اور یہود اور نصاریٰ سب کے درمیان متفق علیہ ہے، اور اس سب پر علمائے حدیث و السنة کا اتفاق ہے۔

اور کیا بدن کو روح کے بغیر راحت، یا عذاب ہوتا ہے؟ علماء کی ایک جماعت نے اس کو ثابت مانا ہے، لیکن اکثر نے اس کا انکار کیا ہے (اور یہی صحیح ہے، کیونکہ روح کے بغیر راحت و عذاب کا احساس و ادراک بے معنیٰ ہے) (مجموعُ الفتاویٰ)

یعنی اکثر اہلِ علم کے نزدیک بدن کو روح کے بغیر عذاب و راحت نہیں ہوتی، بلکہ یا تو روح اور بدن کے مجموعہ پر ہوتی ہے، یا بعض اوقات روح کے بدن سے جدا ہونے کے بعد محض روح پر بھی ہوتی ہے، چنانچہ روح آسمان کی طرف جاتی ہے، اور نیک روح کا اعزاز و اکرام ہوتا ہے، اور اسے خوشبودار کپڑے میں لے جایا جاتا ہے، اور بد روح کی اہانت ہوتی ہے، اور اسے بدبودار کپڑے میں لے جایا جاتا ہے، پھر اس کو بعد میں بدن میں واپس بھیج دیا جاتا ہے، جیسا کہ گزرا۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا تیسرا حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ اپنے فتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

نعم يسمع الميت فى الجملة كما ثبت فى الصحيحين عن النبى صلى الله

عليه وسلم أنه قال :(يسمع خفق نعالهم حين يولون عنه) . وثبت عن النبى صلى الله عليه وسلم (أنه ترك قتلى بدر ثلاثا ثم أتاهم فقال :يا أبا جهل بن هشام يا أمية بن خلف يا عتبة بن ربيعة يا شيبة بن ربيعة هل وجدتم ما وعدكم ربكم حقا؟ فإني وجدت ما وعدنى ربى حقا فسمع عمر رضى الله عنه ذلك فقال :يا رسول الله كيف يسمعون وأنى يجيبون وقد جيفوا فقال :والذى نفسى بيده ما أنت بأسمع لما أقول منهم ولكنهم لا يقدرون أن يجيبوا) ثم أمر بهم فسحبوا فى قليب بدر .

وكذلك فى الصحيحين عن عبد الله بن عمر (أن النبى صلى الله عليه وسلم وقف على قليب بدر فقال :هل وجدتم ما وعدكم ربكم حقا؟ وقال : إنهم يسمعون الآن ما أقول) . وقد ثبت عنه فى الصحيحين من غير وجه أنه كان يأمر بالسلام على أهل القبور .ويقول :(قولوا السلام عليكم أهل الديار من المؤمنين والمسلمين وإنا إن شاء الله بكم لاحقون ويرحم الله المستقدمين منا ومنكم والمستأخرين نسأل الله لنا ولكم العافية اللهم لا تحرمنا أجرهم ولا تفتنا بعدهم واغفر لنا ولهم) فهذا خطاب لهم وإنما يخاطب من يسمع، وروى ابن عبد البر عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال :(ما من رجل يمر بقبر رجل كان يعرفه فى الدنيا فيسلم عليه إلا رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام .) . وفى السنن عنه أنه قال :(أكثروا من الصلاة على يوم الجمعة وليلة الجمعة فإن صلاتكم معروضة على فقالوا :يا رسول الله وكيف تعرض صلاتنا عليك؟ وقد أرمت -يعنى صرت رميما - فقال :إن الله تعالى حرم على الأرض أن تأكل لحوم الأنبياء)

وفى السنن أنه قال :(إن الله وكل بقبرى ملائكة يبلغونى عن أمتى السلام .) .فهذه النصوص وأمثالها تبين أن الميت يسمع فى الجملة كلام الحى ولا يجب أن يكون السمع له دائما بل قد يسمع فى حال دون حال كما قد يعرض للحى فإنه قد يسمع أحيانا خطاب من يخاطبه وقد لا يسمع لعارض يعرض له وهذا السمع سمع إدراك ليس يترتب عليه جزاء ولا هو السمع المنفى بقوله :(إنك لا تسمع الموتى) فإن المراد بذلك سمع القبول والامتثال، فإن الله جعل الكافر كالميت الذى لا يستجيب لمن دعاه وكالبهائم التى تسمع الصوت ولا تفقه المعنى، فالميت وإن سمع الكلام وفقه المعنى فإنه لا يمكنه إجابة الداعي ولا امتثال ما أمر به ونهى عنه فلا ينتفع بالأمر والنهى، وكذلك الكافر لا ينتفع بالأمر والنهى وإن سمع الخطاب وفهم المعنى، كما قال تعالى :(ولو علم الله فيهم خيرا لأسمعهم.) . وأما رؤية الميت :فقد روى فى ذلك آثار عن عائشة وغيرها.

فصل :وأما قول القائل :هل تعاد روحه إلى بدنه ذلك الوقت أم تكون

ترفرف على قبره في ذلك الوقت وغيره؟ فإن روحه تعاد إلى البدن في ذلك الوقت، كما جاء في الحديث، وتعاد أيضا في غير ذلك، وأرواح المؤمنين في الجنة كما في الحديث الذي رواه النسائي ومالك والشافعي وغيرهم :(أن نسمة المؤمن طائر يعلق في شجر الجنة حتى يرجعه الله إلى جسده يوم يبعثه) وفي لفظ (ثم تأوي إلى قناديل معلقة بالعرش) ومع ذلك فتتصل بالبدن متى شاء الله وذلك في اللحظة بمنزلة نزول الملك وظهور الشعاع في الأرض وانتباه النائم .هذا وجاء في عدة آثار أن الأرواح تكون في أفنية القبور قال مجاهد :الأرواح تكون على أفنية القبور سبعة أيام من يوم دفن الميت لا تفارقه فهذا يكون أحيانا وقال مالك بن أنس: بلغني أن الأرواح مرسلة تذهب حيث شاء ت .والله أعلم.

فصل :وأما "القراء ة والصدقة "وغيرهما من أعمال البر فلا نزاع بين علماء السنة والجماعة في وصول ثواب العبادات المالية كالصدقة والعتق كما يصل إليه أيضا الدعاء والاستغفار والصلاة عليه صلاة الجنازة والدعاء عند قبره .وتنازعوا في وصول الأعمال البدنية :كالصوم والصلاة والقراء ة .

والصواب أن الجميع يصل إليه فقد ثبت في الصحيحين عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال :(من مات وعليه صيام صام عنه وليه) وثبت أيضا :(أنه أمر امرأة ماتت أمها وعليها صوم أن تصوم عن أمها) . وفي المسند عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال لعمرو بن العاص :(لو أن أباك أسلم فتصدقت عنه أو صمت أو أعتقت عنه نفعه ذلك) وهذا مذهب أحمد وأبي حنيفة وطائفة من أصحاب مالك والشافعي .

وأما احتجاج بعضهم بقوله تعالى :(وأن ليس للإنسان إلا ما سعى) فيقال له قد ثبت بالسنة المتواترة وإجماع الأمة :أنه يصلى عليه ويدعى له ويستغفر له، وهذا من سعي غيره، وكذلك قد ثبت ما سلف من أنه ينتفع بالصدقة عنه والعتق وهو من سعي غيره، وما كان من جوابهم في موارد الإجماع فهو جواب الباقين في مواقع النزاع.

وللناس في ذلك أجوبة متعددة .لكن الجواب المحقق في ذلك أن الله تعالى لم يقل :إن الإنسان لا ينتفع إلا بسعي نفسه وإنما قال :(ليس للإنسان إلا ما سعى) فهو لا يملك إلا سعيه ولا يستحق غير ذلك .وأما سعي غيره فهو له كما أن الإنسان لا يملك إلا مال نفسه ونفع نفسه، فمال غيره ونفع غيره هو كذلك للغير؛ لكن إذا تبرع له الغير بذلك جاز . وهكذا هذا إذا تبرع له الغير بسعيه نفعه الله بذلك كما ينفعه بدعائه له والصدقة عنه .

وهو ينتفع بكل ما يصل إليه من كل مسلم سواء كان من أقاربه أو غيرهم

كما ينتفع بصلاة المصلين عليه ودعائهم له عند قبره.
فصل :وأما قوله :هل تجتمع روحه مع أرواح أهله وأقاربه؟ ففي الحديث عن أبي أيوب الأنصاري وغيره من السلف ورواه أبو حاتم في الصحيح عن النبي صلى الله عليه وسلم (أن الميت إذا عرج بروحه تلقته الأرواح يسألونه عن الأحياء فيقول بعضهم لبعض :دعوه حتى يستريح فيقولون له : ما فعل فلان؟ فيقول :عمل عمل صلاح فيقولون :ما فعل فلان؟ فيقول :ألم يقدم عليكم فيقولون :لا فيقولون ذهب به إلى الهاوية)
ولما كانت أعمال الأحياء تعرض على الموتى كان أبو الدرداء يقول ": اللهم إني أعوذ بك أن أعمل عملا أخزى به عند عبد الله بن رواحة ."
فهذا اجتماعهم عند قدومه يسألونه فيجيبهم .وما استقرارهم فبحسب منازلهم عند الله فمن كان من المقربين كانت منزلته أعلى من منزلة من كان من أصحاب اليمين؛ لكن الأعلى ينزل إلى الأسفل والأسفل لا يصعد إلى الأعلى فيجتمعون إذا شاء الله كما يجتمعون في الدنيا مع تفاوت منازلهم ويتزاورون.
وسواء كانت المدافن متباعدة في الدنيا أو متقاربة، قد تجتمع الأرواح مع تباعد المدافن وقد تفترق مع تقارب المدافن يدفن المؤمن عند الكافر وروح هذا في الجنة وروح هذا في النار والرجلان يكونان جالسين أو نائمين في موضع واحد وقلب هذا ينعم وقلب هذا يعذب وليس بين الروحين اتصال.
فالأرواح كما قال النبي صلى الله عليه وسلم (جنود مجندة :فما تعارف منها ائتلف وما تناكر منها اختلف.)والبدن لا ينقل إلى موضع الولادة بل قد جاء:(أن الميت يذر عليه من تراب حفرته) ومثل هذا لا يجزم به ولا يحتج به، بل أجود منه حديث آخر فيه: (أنه ما من ميت يموت في غير بلده إلا قيس له من مسقط رأسه إلى منقطع أثره في الجنة) والإنسان يبعث من حيث مات وبدنه في قبره مشاهد فلا تدفع المشاهدة بظنون لا حقيقة لها بل هي مخالفة في العقل والنقل (مجموع الفتاوى لابن تيمية، ج۲۴،ص ۳۶۳، الیٰ ص ۳۶۹، کتاب مفصل الاعتقاد، رسالة في عذاب القبر)

ترجمہ: بے شک میت فی الجملہ سنتی ہے۔ [1]
جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا

---

[1] فی الجملہ سننے کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات جب اللہ کو منظور ہوتا ہے، سن لیتی ہے، اور بعض اوقات جب اللہ کو منظور نہیں ہوتا، تو نہیں سنتی، پھر جن مواقع پر سننے کی تصریح ہے، وہاں اللہ کی مشیّت کا ہمیں علم ہو گیا، اور دوسرے مواقع کا ہمیں علم نہ ہوا، وہاں معاملہ، اللہ کی مشیّت پر معلق رہا۔ محمد رضوان۔

کہ مُردہ شخص لوگوں کے جوتوں کی آہٹ کو سنتا ہے، جب وہ اس کے پاس سے جاتے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے بدر کے موقع پر مقتولین کو تین دن چھوڑے رکھا، پھران کے پاس آ کر فرمایا کہ اے ابوجہل بن ہشام، اے امیہ بن خلف، اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ! کیا تم نے اس چیز کو سچا پا لیا ہے، جس کا تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا، پس بے شک میں نے تو اس وعدہ کو سچا پا لیا، جو میرے رب نے مجھ سے کیا تھا، اس بات کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سن لیا، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ کیسے سنیں گے؟ اور یہ کیسے جواب دیں گے؟ جبکہ یہ مردہ لاش ہو چکے ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے، جو میں اُن کو کہہ رہا ہوں، البتہ یہ لوگ جواب دینے پر قادر نہیں ہیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بدر کی زمین میں گھسیٹنے کا حکم دیا۔

اور اسی طریقہ سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے مقام پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم نے اپنے رب کے وعدہ کو حق پا لیا ہے؟ اور فرمایا کہ اس وقت جو میں کہہ رہا ہوں، وہ اس بات کو سن رہے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیحین میں کئی سندوں سے مروی ہے کہ آپ اہلِ قبور کو سلام کرنے کا حکم فرماتے تھے، اور یہ فرماتے تھے کہ تم یہ کہو کہ ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ، وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَمِنْكُمْ وَالْمُسْتَأْخِرِيْنَ، نَسْأَلُ اللهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ. اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُمْ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهُمْ'' اور یہ مُردہ لوگوں کو خطاب ہے، اور خطاب اُس کو کیا جاتا ہے، جو سنتا ہے (لہٰذا یہ حدیث بھی

مُردوں کے فی الجملہ سننے پر دلالت کرتی ہے)

اور ابنِ عبدالبر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بھی کسی آدمی کی قبر کے قریب سے گزرتا ہے، جو اس کو دنیا میں جانتا تھا، پھر وہ اس کو سلام کرتا ہے، تو اللہ اس پر اس کی روح کو لوٹا دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ [1]

---

[1] ملحوظ رہے کہ مندرجہ بالا حدیث کی سند پر اہلِ علم حضرات نے کلام کیا ہے، اور اس کو ضعیف وغیرہ قرار دیا ہے، جس کا مندرجہ ذیل عبارت میں ذکر ہے۔ محمد رضوان۔

أخبرنا أبو عبد الله عبيد بن محمد قراء ة منى عليه سنة تسعين وثلاثمائة فى ربيع الأول قال أملت علينا فاطمة بنت الريان المستملى فى دارها بمصر فى شوال سنة اثنتين وأربعين وثلاث مئة قالت حدثنا الربيع بن سليمان المؤذن صاحب الشافعى قال حدثنا بشر بن بكير عن الأوزاعى عن عطاء عن عبيد بن عمير عن بن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم)(ما من أحد مر بقبر أخيه المؤمن كان يعرفه فى الدنيا فسلم عليه إلا عرفه ورد عليه السلام (الاستذكار، ج ۱، ص ۱۸۵، باب جامع الوضوء)

(ما من عبد يمر بقبر رجل كان يعرفه فى الدنيا فسلم عليه إلا عرفه ورد عليه السلام).

ضعيف.

أخرجه أبو بكر الشافعى فى "مجلسان "(1 /6) ، وابن جميع فى "معجمه "(351) ، وأبو العباس الأصم فى "الثانى من حديثه "(ق 2 /143ورقم - 43منسوختى) ، ومن طريقه الخطيب فى "التاريخ "(6/ 137) ، وتمام فى "الفوائد1 /19 /2) ") ، وعنه ابن عساكر (2 /209 /3و 8/ 1 /517) ، والديلمى (11 /4) ، والذهبى فى "سير أعلام النبلاء "(590 /12) عن عبد الرحمن بن زيد بن أسلم، عن أبيه، عن عطاء بن يسار، عن أبى هريرة مرفوعا.

قلت :وهذا إسناد ضعيف جدا؛ عبد الرحمن بن زيد؛ متروك كما تقدم مرارا، وساق الذهبى فى ترجمته هذا الحديث فى جملة ما أنكر عليه.

وقد توبع عليه، لكن فى الطريق من لا يحتج به، فقال ابن أبى الدنيا فى "كتاب القبور - "باب معرفة الموتى بزيارة الأحياء :حدثنا محمد بن قدامة الجوهرى :حدثنا معن بن عيسى القزاز :أخبرنا هشام بن سعد :حدثنا زيد بن أسلم، عن أبى هريرة رضى الله عنه قال:

"إذا مر الرجل بقبر أخيه يعرفه فسلم عليه؛ رد عليه السلام وعرفه، وإذا مر بقبر لا يعرفه فسلم عليه؛ رد عليه السلام."

قلت :وهذا مع كونه موقوفا على أبى هريرة؛ فإنه منقطع وضعيف.

أما الانقطاع؛ فلأن زيد بن أسلم لم يسمع منه؛ كما قال ابن معين.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور سنن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ تم مجھ پر جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا؟ جبکہ آپ مٹی ہو چکے ہوں گے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر اس بات کو حرام قرار دے دیا ہے کہ وہ نبیوں کے گوشت کو کھائے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما الضعف؛ فهو من الجوهرى هذا؛ قال ابن معين":ليس بشيء ."وقال أبو داود ":ضعيف، لم أكتب عنه شيئا قط."

قلت :ولهذا أورده الذهبى فى "الضعفاء "، وقال فى "الميزان":"وقد وهم الخطيب وغيره فى خلط ترجمته بترجمة محمد بن قدامة بن أعين المصيصى الثقة ."وقال الحافظ ابن حجر فى "التهذيب":"وميزه ابن أبى حاتم وغيره، وهو الصواب."

ثم استدل على ذلك بدليل قوى فليراجعه من شاء ، وقال فى "التقريب":"فيه لين، ووهم من خلطه بالذى قبله."يعنى المصيصى الثقة.

قلت :وللحديث شاهد من حديث ابن عباس صححه البعض، فوجب تحرير القول فيه بعد أن يسر الله لى الوقوف على إسناده فى مخطوطة المحمودية فى المدينة النبوية، فقال الحافظ ابن عبد البر فى "شرح الموطأ "(1/ 147/ 1) : أخبرنا أبو عبد الله عبيد بن محمد -قراءة منى عليه سنة تسعين وثلاث مئة فى ربيع الأول -قال :أملت علينا فاطمة بنت الريان المخزومى المستملى -فى دارها بمصر فى شوال سنة اثنتين وأربعين وثلاث مئة -قالت :أخبرنا الربيع بن سليمان المؤذن -صاحب الشافعى :-أخبرنا بشر بن بكر، عن الأوزاعى، عن عطاء ، عن عبيد بن عمير، عن ابن عباس قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-فذكره.

قلت :وهذا إسناد غريب؛ الربيع بن سليمان فمن فوقه؛ ثقات معروفون من رجال "التهذيب"، وأما من دونه فلم أعرفهما، لا شيخ ابن عبد البر، ولا المملية فاطمة بنت الريان، وظنى أنها تفردت -بل شذت -بروايتها الحديث عن الربيع بن سليمان بهذا الإسناد الصحيح له عن ابن عباس؛ فإن المحفوظ عنه إنما هو الإسناد الأول.

كذلك رواه الحافظ الثقة أبو العباس الأصم السابق الذكر، قال :حدثنا الربيع بن سليمان :حدثنا بشر بن بكر، عن عبد الرحمن بن زيد بإسناده المتقدم عن أبى هريرة .وكذلك هو عند تمام من طريقين أخريين عن الربيع به.

ومن هذا التحقيق يتبين أن قول عبد الحق الإشبيلى فى "أحكامه "(1/ 80)": إسناده صحيح." غير صحيح، وإن تبعه العراقى فى "تخريج الإحياء "(- 419 /4حلبى) ، وأقره المناوى !وأما الحافظ ابن رجب الحنبلى؛ فقد رده بقوله فى "أهوال القبور "(ق 2 /83)": يشير إلى أن رواته

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور سنن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ اللہ نے میری قبر پر فرشتوں کو مقرر فرمادیا ہے، جو میرے پاس میری امت کے سلام کو پہنچاتے ہیں۔ [1]

پس یہ اور ان جیسی نصوص اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ میت **فی الجملة** زندہ کے کلام کو سنتی ہے، لیکن ضروری نہیں کہ یہ سننا دائمی طور پر ہو، بلکہ کسی حالت میں سنتی ہے اور کسی حالت میں نہیں سنتی (اور یہ دونوں حالتیں، اللہ کے حکم اور اس کی مشیّت پر معلق ہوتی ہیں) جیسا کہ زندہ شخص کی حالت ہوتی ہے کہ وہ بعض اوقات اپنے سے خطاب کرنے والے کی بات کو سنتا ہے اور بعض اوقات کسی پیش آنے والے عارض (مثلاً آواز کے ہلکا ہونے، یا قوتِ سماعت کے کمزور ہونے وغیرہ) کی وجہ سے نہیں سنتا (ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے کسی مُردہ کو سنوائے، اور کسی کو نہ سنوائے) اور اسی طریقہ سے یہ سننا ''ادراک والا سننا'' ہے جس پر کوئی جزاء مرتب نہیں ہوتی اور نہ یہ وہ سننا ہے، جس کی نفی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں کی گئی ہے کہ '' **إِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی** '' اس سے مراد قبول کرنے اور بات ماننے کا سننا ہے، کیونکہ اللہ نے کافر کو میت کی طرح قرار دے دیا ہے، جو

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾ كلهم ثقات، وهو كذلک؛ إلا أنه غريب، بل منكر."

ثـم ساق حديث أبي هريرة مرفوعا في شهداء أحد " :أشهـد أنكم أحياء عند الله، فزوروهم وسلموا عليهم، فوالذي نفسي بيده !لا يسلم عليهم أحد إلا ردوا عليه إلى يوم القيامة ."وأعله بالاضطراب والإرسال، وسأخرج ذلک فيما يأتي (5221).

(تنبيه) : سـقـط من إسناد ابن جميع والذهبي اسم عطاء بن يسار، فقال الذهبي عقبه: "غريب، ومع ضـعـفـه، ففيه انقطاع؛ ما علمنا زيدا سمع أبا هريرة (سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيء في الأمة، رقم الحديث ۴۴۹۳)

[1] اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع کو علامہ ابنِ تیمیہ دوسری اموات کے سماع کے ضمن میں داخل مانتے ہیں، اور فی الجملہ کا مطلب یہی ہے کہ میت ہمیشہ اور ہر آواز کو نہیں سنتی، نیز تمام اموات، اس سلسلہ میں یکساں حکم نہیں رکھتیں، بلکہ اللہ کی حسبِ مشیت وحسبِ حکمت مختلف اموات اور مختلف اصوات میں فرق ہوسکتا ہے۔

اور ہم نے آگے اس سلسلہ میں جمع وتطبیق کا جو قول راجح قرار دیا ہے، اس کا حاصل بھی یہی ہے، جیسا کہ آگے خود علامہ ابنِ تیمیہ نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے، یہ اجتہادی نوعیت کے اقوال ہیں۔ محمد رضوان۔

اپنے آپ کو پکارنے والے کا جواب نہیں دیتا، جیسا کہ چوپائے، آواز کو سنتے ہیں، مگر معنیٰ کو نہیں سمجھتے، پس میت اگرچہ کلام کو سن لے اور معنیٰ کو سمجھ لے، تب بھی اس میت کے لیے پکارنے والے کو جواب دینا اور جو بات اسے کہی گئی ہے، اس کی تعمیل کرنا، اور جس چیز سے منع کیا گیا ہے، اس سے رُکنا، ممکن نہیں، پس میت امرونہی سے فائدہ حاصل نہیں کرسکتی، اور اسی طرح سے کافر بھی امرونہی سے فائدہ حاصل نہیں کرتا، اگرچہ وہ خطاب کو سنتا ہے، اور معنیٰ کو سمجھتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ''۔

اور جہاں تک میت کے دیکھنے کا تعلق ہے، تو اس سلسلہ میں حضرت عائشہ اور دیگر حضرات سے کئی روایات مروی ہیں (لیکن دیکھنے کا معاملہ بھی سننے کی طرح ہے کہ یہ بھی ادراک والا دیکھنا ہے، جس کا ہمیشہ اور ہر میت کے حق میں پایا جانا ضروری نہیں، اللہ چاہے، تو کسی میت تک کوئی حالت پہنچا دیتا ہے، لیکن وہ کسی کو نفع ونقصان پہنچانے کے طور پر ہرگز نہیں) [1]

---

[1] میت کے سماع اور ادراک کے متعلق علامہ ابنِ تیمیہ نے جو موقف ذکر کیا، اس کا خلاصہ یہی ہے کہ میت سے سوال وجواب، اور اس کو راحت وعذاب کا احساس، جس کا بہت سی احادیث میں ذکر ہے، اس کے **في الجملة** ثبوت کا انکار کرنا درست نہیں، ورنہ تو ''برزخی زندگی'' اور ''برزخی حیات'' ایک طرح سے بے معنیٰ ہو کر رہ جاتی ہے، اور میت کی روح کا **في الجملة، عند اهل السنة و الجماعة**، بدن وجسم سے تعلق بھی مسلّم ہے، اور جسم وبدن کا اس مقام سے تعلق، جہاں اس کو دفن کیا جاتا ہے، یا جہاں بھی میت کے بدن وجسم کے مجتمع، یا منتشر اجزاء موجود ہوں، یہ بھی جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک طے شدہ اور مسلّمہ مسئلہ ہے۔

میت سے ہر طرح کے سماع وادراک کا انکار کرنا، گویا کہ ایک طرح سے برزخ وقبر کی حیات کے انکار کو مستلزم ہوگا، لیکن چونکہ میت کا جسم اور روح ''عالمِ برزخ'' میں ہوتی ہے، جو عالمِ غیب کہلاتا ہے، اور وہاں وہ اچھے وبرے حالات میں مشغول ہوتی ہے، نیز اس کا سماع وادراک، دنیا کے اسباب ووسائل کی حیثیت سے عادتاً نہیں ہوتا، جس کا تقاضا یہ تھا کہ اس عالمِ شہادت کی اصوات وحالات کے سماع وادراک کا انکار کیا جائے، لیکن اس سلسلہ میں وارد نصوص کے پیشِ نظر **في الجملة** سماع وادراک کو تسلیم وقبول کیے بغیر چارہ نہیں، اور **في الجملة** کا حاصل یہی ہے کہ جب اور جس میت کے لیے اللہ کی مشیّت وحکمت متعلق ہو جاتی ہے، وہاں سماع وادارک ہو جاتا ہے ''والا ، لا''۔ محمد رضوان۔

فصل: اورسوال کرنے والے کا یہ قول کہ کیا اس وقت (یعنی فوت ہونے کے بعد سوال وجواب کے وقت) روح کو بدن کی طرف لوٹایا جاتا ہے، یا اس وقت میں اور دوسرے وقت میں میت اپنی قبر میں متحرک ہوتی ہے، یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی روح کو اس وقت میں بدن کی طرف لوٹایا جاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، اور اس کے علاوہ دوسرے وقت میں بھی لوٹایا جاتا ہے، اور مومنوں کی روحیں جنت میں ہوتی ہیں، جیسا کہ اُس حدیث میں آیا ہے، جس کو نسائی اور امام مالک اور امام شافعی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ مومن کی روح، پرندوں کی شکل میں جنت کے پتوں سے لٹکی ہوتی ہے، یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ اس کو اس کے جسم کی طرف لوٹا دے گا، اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ روح ایسی قندیلوں میں ٹھکانا پکڑتی ہے، جو عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی ہوتی ہیں۔
لیکن اس کے باوجود جب اللہ کو منظور ہوتا ہے، وہ بدن کے ساتھ ہی متصل ہوتی ہیں، اور یہ کسی لمحہ میں ہوتا ہے، جیسا کہ فرشتے کے نازل ہونے اور زمین میں شعاع کے ظاہر ہونے اور سونے والے کے بیدار ہونے کے وقت ہوتا ہے، اور کئی روایات میں یہ بات وارد ہوئی ہے کہ ارواح، قبروں کے مقام پر ہوتی ہیں، مجاہد نے فرمایا کہ روحیں میت کے دفن ہونے کے دن سے لے کر سات دن تک قبروں کے مقام پر ہوتی ہیں، وہاں سے جدا نہیں ہوتیں، پس بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے (ہمیشہ اور ہر ایک کے لیے ایسا نہیں ہوتا) اور مالک بن انس نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ روحوں کو (برزخ میں) آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے، وہ جہاں چاہتی ہیں، وہاں جاتی ہیں، واللہ اعلم۔ [1]

---

[1] یعنی ان میں سے ہر بات کا امکان ہے، اللہ، جس روح کے ساتھ اس کے حسبِ اعمال، جیسا چاہے، ویسا ہوتا ہے، اپنی طرف سے سب کے لیے یکساں حکم لگا دینا مناسب نہیں، نہ ہی یہ کہنا درست ہے کہ روح، جس مقام پر ہوتی ہے، وہاں

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

فصل: اور جہاں تک قرائت اور صدقہ اور ان کے علاوہ دوسرے نیک اعمال کا تعلق ہے، تو علمائے اہلُ السنۃ والجماعۃ کے درمیان مالی عبادات، مثلاً صدقہ اور غلام آزاد کرنے، جیسے اعمال کے ذریعے (مومن میت کو) ایصالِ ثواب ہونے میں کوئی نزاع واختلاف نہیں، جیسا کہ دعاء اور استغفار اور نمازِ جنازہ اور قبر کے قریب دعاء کے ذریعے ایصالِ ثواب ہونے میں بھی کوئی نزاع واختلاف نہیں، البتہ دوسرے بدنی اعمال، مثلاً روزہ اور نماز اور قرائت کے ذریعے ایصالِ ثواب ہونے میں نزاع واختلاف ہے۔

لیکن درست بات یہ ہے کہ بدنی اعمال کے ذریعے بھی ایصالِ ثواب درست ہے، کیونکہ صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت ہے کہ ''جو شخص فوت ہو جائے، اور اس کے ذمے روزے ہوں، تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھ سکتا ہے'' نیز حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو، جس کی ماں فوت ہوگئی تھی، اور اس کے ذمہ روزہ تھا، یہ حکم فرمایا تھا کہ وہ اپنی ماں کی طرف سے روزہ رکھ لے'' اور مسند میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات مروی ہے کہ آپ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو یہ فرمایا کہ ''اگر آپ کے والد اسلام لے آتے، پھر آپ ان کی طرف سے صدقہ کرتے، یا اُن کی طرف سے روزہ رکھتے، یا ان کی طرف سے غلام کو آزاد کرتے، تو ان کو اس کا نفع پہنچتا''

اور یہی امام احمد اور امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے، اور امام مالک اور امام شافعی کے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

اس کا جسم بھی ساتھ ہی ہوتا ہے، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ روح کے ساتھ مختلف الانواع پیش آنے والے حالات کافی الجملہ اس کے جسم وبدن سے خاص تعلق ہوتا ہے، جس کے باعث جسم وبدن تک، روح کو حاصل ہونے والے، غم، یا سرور کا اثر پہنچ جاتا ہے، اور ہم شروع میں واضح کر آئے ہیں کہ موجودہ سائنسی شعبہ میں اس کی مثال ہارڈ ویئر اور سافٹ ویئر جیسی ہے کہ سافٹ ویئر نیچے زمین کے ہارڈ ویئر کے ساتھ بھی منسلک ہوتا ہے اور اوپر فضاء میں بھی کارفرما ہوتا ہے۔ محمد رضوان۔

اصحاب کی ایک جماعت کا مذہب بھی یہی ہے۔

رہا دوسرے حضرات کا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے دلیل پکڑنے کا تعلق کہ ''وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَاسَعٰى ''(جیسا کہ سورۃُ النجم میں ہے) تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ سنتِ متواترہ اور اجماعِ امت سے یہ بات ثابت ہے کہ میت کی نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے، اور اس کے لیے دعاء کی جاتی ہے، اور اس کے لیے استغفار کیا جاتا ہے، تو یہ بھی دوسرے کی سعی ہے، اور اسی طریقے سے گزشتہ دلائل سے یہ بات ثابت ہو چکی کہ میت کو اس کی طرف سے صدقہ کرنے، اور اس کی طرف سے غلام آزاد کرنے کی وجہ سے نفع حاصل ہوتا ہے، یہ بھی دوسرے کی سعی ہے، تو ان (بدنی عبادات کے ذریعہ ایصالِ ثواب کے عدمِ قائلین) حضرات کی طرف سے جو جواب اجماعی مسائل کے متعلق ہوگا، وہی جواب دوسروں کی طرف سے نزاعی واختلافی مسئلے کے متعلق بھی ہوگا۔

اور لوگوں کی طرف سے مذکورہ آیت کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں، لیکن اس سلسلے میں تحقیقی جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ انسان کو نفع، صرف اپنی ذات کی سعی سے ہوتا ہے، بلکہ یہ فرمایا کہ انسان کے لیے وہی ہے، جو وہ سعی کرے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف اپنی سعی کا ہی مالک ومختار ہے، اس کے علاوہ کا وہ مستحق نہیں، جہاں تک دوسرے کی سعی کا تعلق ہے، تو وہ اسی کے لیے ہے، جیسا کہ انسان، صرف اپنے مال کا ہی مالک ہوتا ہے، جس کا وہ اپنے آپ کو نفع پہنچاتا ہے، پس دوسرے کا مال اور دوسرے کا نفع بھی اسی طریقے سے دوسرے کے لیے ہوگا، لیکن جب اس کو دوسرا شخص تبرعاً اپنا مال دے دے، تو ایسا کرنا جائز ہے، پس اسی طریقے سے جب میت کو دوسرا شخص اپنی سعی سے تبرعاً کچھ ثواب وفائدہ دے دے، تو اللہ اس کے ذریعے سے بھی اس کو نفع پہنچاتا ہے،

جیسا کہ اللہ، میت کو دوسرے کی دعاء کرنے، اور دوسرے کے صدقہ کرنے سے نفع پہنچاتا ہے۔

اور میت کو ہر اس عمل سے فائدہ پہنچتا ہے، جس کا کسی بھی مسلمان کی طرف ایصالِ ثواب کیا جائے، خواہ وہ مسلمان اس کا رشتہ دار ہو، یا رشتہ دار نہ ہو، جیسا کہ میت کے لیے ہر مسلمان کا نمازِ جنازہ پڑھنا، اور اس کی قبر پر دعاء کرنا، فائدے کا ذریعہ ہے، خواہ وہ مسلمان رشتہ دار ہو، یا اجنبی ہو (جس طرح یہاں اپنے پرائے کا فرق نہیں، اسی طرح ایصالِ ثواب میں بھی نہیں) [1]

فصل: جہاں تک سوال کرنے والے کے اس قول کا تعلق ہے کہ ''کیا (عالمِ برزخ میں) روح اپنے گھر والوں اور رشتہ داروں کی ارواح کے ساتھ جمع ہوتی ہے، یا نہیں؟'' تو حدیث میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور دیگر سلف سے مروی ہے، اور اس کو ابوحاتم نے ''صحیح'' میں روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میت کی روح کو جب اوپر لے جایا جاتا ہے، تو اس سے دوسری (نیک ومومن) ارواح ملاقات کرتی ہیں، اور اس سے زندوں کے بارے میں سوال کرتی ہیں، پھر وہ ایک دوسرے سے کہتی ہیں کہ اسے چھوڑ دو، تاکہ یہ آرام کرلے، پھر وہ ارواح اس سے کہتی ہیں کہ فلاں کا کیا بنا؟ اس کے جواب میں یہ روح کہتی ہے کہ اس نے نیک عمل کیا، پھر وہ ارواح کہتی ہیں کہ فلاں کا کیا بنا؟ تو یہ روح جواب میں کہتی ہے کہ کیا وہ پہلے تمہارے پاس نہیں آیا، وہ ارواح جواب میں کہتی ہیں کہ نہیں! پھر وہ ارواح کہتی ہیں کہ ہائے وہ جہنم کی طرف چلا گیا'' [2]

اور جبکہ زندوں کے اعمال، مُردوں پر پیش کیے جاتے ہیں، تو اسی وجہ سے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ یہ کہا کرتے تھے کہ ''اے اللہ! میں آپ کے ذریعے سے،

---

[1] ایصالِ ثواب سے متعلق تفصیل بندہ نے اپنی اس سلسلہ میں ایک مستقل تالیف میں ذکر کردی ہے۔ محمد رضوان۔

[2] مطلب یہ ہے کہ جہنمی ارواح کی جنتی ارواح سے ملاقات نہیں ہوتی، کیونکہ دونوں کی منازل جدا ہوتی ہیں۔ محمد رضوان۔

ایسے عمل سے پناہ طلب کرتا ہوں، جو مجھے عبداللہ بن رواحہ کے پاس رسوا کرے'' [1]

پس یہ مُردوں کا (عالمِ برزخ میں) اجتماع ہے، جو میت کے آنے کے وقت دوسری ارواح اس سے سوال کرتی ہیں، اورفوت ہوکر جانے والی روح اس کا جواب دیتی ہے۔ [2]

---

[1] وبالجملة فالحديث صحيح كما قال السيوطى بهذه الشواهد والله أعلم .ثم رأيت القرطبى قال فى "التذكرة "(ق 2 / 40– 1 / 41) بعد أن ذكر أثر ابن المبارك المتقدم عن أبى أيوب وغيره من الآثار: " وهذه الأخبار وإن كانت موقوفة فمثلها لا يقال من جهة الرأى، وقد خرج النسائى بسنده عن أبى هريرة ...الحديث، وفيه: " فيأتون به أرواح المؤمنين فلهم أشد فرحا به من أحدكم بغائبه، يقدم عليه فيسألونه: ماذا فعل فلان؟ ماذا فعل فلان؟ فيقولون: دعوه فإنه كان فى غم الدنيا" .... الحديث (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۲۶۲۹)
أخرجه ابن المبارك فى "الزهد : (443 / 149) "أخبرنا ثور بن يزيد عن أبى رهم السمعى عن أبى أيوب الأنصارى قال: فذكروه موقوفا عليه .قال ابن صاعد – راوى الزهد – عقبه: " رواه سلام الطويل عن ثور فرفعه ."قلت: إسناد الموقوف صحيح، أبو رهم السمعى اسمه أحزاب بن أسيد، قال الحافظ فى "التقريب " :" مختلف فى صحبته، والصحيح أنه مخضرم ثقة ."وثور بن يزيد ثقة ثبت من رجال البخارى، وكونه موقوفا لا يضر، فإنه يتحدث عن أمور غيبية لا يمكن أن تقال بالرأى، فهو فى حكم المرفوع يقينا، ولا سيما وقد روى مرفوعا............ثم وجدت لبعضه شاهدا آخر من طريق عبد الله بن جبير بن نفير أن أبا الدرداء كان يقول: " إن أعمالكم تعرض على موتاكم فيسرون، ويساؤون ."
أخرجه نعيم بن حماد فى "زوائد الزهد : (165 / 42) "أنبأنا صفوان بن عمرو قال: حدثنى عبد الله بن جبير بن نفير أن أبا الدرداء كان يقول: فذكره .
قلت: وهذا إسناد رجاله ثقات، لكن قول صفوان: حدثنى عبد الله بن جبير بن نفير مشكل ، لأننى لم أجد فى الرواة "عبد الله بن جبير بن نفير "لكنى وجدت فى شيوخ صفوان: " جبير بن نفير "، ووجدت فى ترجمة هذا أنه يكنى بأبى عبد الرحمن، وقيل: أبو عبد الله، فغلب على ظنى أن فى الإسناد خطأ، وأن الصواب: " أبو عبد الله: جبير بن نفير ."على أنه يحتمل أن يكون الصواب عبد الرحمن بن جبير بن نفير، لأنهم ذكروا لصفوان رواية عن عبد الرحمن هذا أيضا، فقد روى صفوان عن الوالد والولد، فعلى الأول الإسناد متصل، لأن جبيرا تابعى مخضرم، وأما ابنه عبد الرحمن فتابعى صغير، فلم يذكروا له رواية إلا عن أبيه وفراس بن مالك ، وجمع من التابعين .والله أعلم(سلسلة الاحاديث الصحيحة ، تحت رقم الحديث ۲۷۵۸)

[2] مطلب یہ ہے کہ عالمِ برزخ میں ارواح، اللہ کی حسبِ مشیّت ایک دوسرے سے ملاقات وغیرہ کرتی ہیں، جس کو قبول کرنا چاہیے اور پیش آمدہ شکوک وشبہات کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ محمد رضوان۔

جہاں تک مُردوں کے ٹھکانے کا تعلق ہے، تو اُن کے ٹھکانے اللہ کے نزدیک اُن کے حسبِ درجات ہوتے ہیں، پس جو شخص مقربین میں سے ہوتا ہے، تو اس کا درجہ اس شخص کے درجے سے اعلیٰ ہوتا ہے، جو اَصْحَابُ الْيَمِيْن میں سے ہوتا ہے، لیکن اعلیٰ درجے کا شخص، ادنیٰ درجے والے کی طرف تو نزول کرلیا کرتا ہے، لیکن ادنیٰ درجے کا شخص، اعلیٰ درجے والے کی طرف نہیں جاپاتا، پس مُردوں کی ارواح، جب اللہ چاہتا ہے، جمع ہوتی ہیں، جیسا کہ دنیا میں زندہ انسانوں کے درجات مختلف ہونے کے باوجود، لوگ جمع ہوتے ہیں، اور ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں۔

اوراس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ لوگوں کے دنیا میں دفن ہونے کے مقامات ایک دوسرے سے دور ہوں، یا قریب ہوں، بہرحال مردوں کے دفن ہونے کے مقامات، ایک دوسرے سے دور ہونے کے باوجود، ارواح جمع ہوجاتی ہیں، جیسا کہ دفن ہونے کے مقامات، قریب ہونے کے باوجود، ارواح ایک دوسرے سے الگ ہوجاتی ہیں، چنانچہ مومن کو کافر کے قریب جگہ میں دفن کیا جاتا ہے، اوراس کی روح، جنت سے منسلک ہوتی ہے، لیکن کافر کی روح، جہنم سے منسلک ہوتی ہے، جیسا کہ دو اشخاص کسی ایک جگہ بیٹھے ہوئے، یا سوئے ہوئے ہوتے ہیں، اور ان میں سے ایک کا دل، نعمت وراحت میں ہوتا ہے، اور دوسرے کا دل، تکلیف وتعذیب میں ہوتا ہے، اوردونوں کی ارواح کے درمیان کوئی قرب واتصال نہیں ہوتا (یا جس طرح آج کل فون وغیرہ پر، دوروالے سے رابطہ ہوجاتا ہے)

جہاں تک ارواح کا تعلق ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''روحیں مجتمع جماعتیں تھیں، پس جن کا ایک دوسرے سے (ایمان، عمل وغیرہ کی بناء پر) تعارف ہوا، تو ان میں انسیت ہوگئی، اور جو ارواح ایک دوسرے سے اجنبی رہیں،

ان میں اختلاف ہوگیا“ (بخاری، مسلم) اور بدن موضعِ ولادت کی طرف منتقل نہیں کیا جاتا، بلکہ حدیث میں یہ آیا ہے کہ ”میت پر اس کی قبر کے گڑھے کی مٹی کو ڈالا جائے گا“ اور اس کے مثل پر نہ یقین کیا جاسکتا، اور نہ دلیل پکڑی جاسکتی، بلکہ اس سے زیادہ عمدہ ایک دوسری حدیث ہے، جس میں یہ مضمون آیا ہے کہ ”جو شخص بھی اپنے وطن کے علاوہ کسی جگہ فوت ہوجائے (جو کہ مومن، صالح ہو، یا میدانِ جہاد وغیرہ میں شہید ہوا ہو) تو اس کے سر (یعنی مقامِ ولادت) والی جگہ سے اس کے فوت ہونے والی جگہ تک ناپا جاتا ہے، جنت میں“ (یعنی جب کوئی نیک بندہ اپنے وطن کے علاوہ کسی دوسری جگہ فوت ہوجائے، اور وہ اپنے اہل وعیال و متعلقین سے دور رہ جائے، تو اس کے فوت ہونے والی جگہ سے لے کر اس کے وطن تک جنت میں جگہ کشادہ کردی جاتی ہے، تاکہ جنت سے تعلق ہونے کے باوجود اس کے وطن سے بھی تعلق قائم رہے) اور انسان کو اس جگہ سے اٹھایا جائے گا، جس جگہ وہ فوت ہوتا ہے، اور اس کا بدن اس کی قبر میں ہی نظر آتا ہے، پس مشاہدہ کا ایسے گمانوں سے، جن کی (نصوص کی رو سے) کوئی حقیقت نہ ہو، مقابلہ نہیں کیا جاسکتا، بلکہ یہ عقل اور نقل کے خلاف ہے (لہٰذا ظاہری مشاہدہ کا انکار کرنا بھی درست نہیں، اور اس کی وجہ سے دور دراز مقامات پر دفن ہونے والوں کی ارواح کی عالمِ برزخ میں ملاقات کا انکار کرنا بھی درست نہیں) (مجموع الفتاویٰ)

سماعِ موتیٰ، اور عدمِ سماعِ موتیٰ کے درمیان اختلاف اور انطباق پر کلام آگے آتا ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا چوتھا حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ اپنے فتاویٰ میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

وإذا قبضت الروح عرج بها إلى الله فى أدنى زمان ثم تعاد إلى البدن فتسأل وهى فى البدن .ولو كان الجسم هو الصاعد النازل لكان ذلك فى مدة طويلة وكذلك ما وصف النبى صلى الله عليه وسلم من حال الميت فى

قبره وسؤال منكر ونكير له والأحاديث في ذلك كثيرة .
وقد ثبت في "الصحيحين "من حديث البراء بن عازب رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال :(إذا أقعد الميت في قبره أتى ثم شهد أن لا إله إلا الله فذلك قوله:"يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت في الحياة الدنيا وفي الآخرة")
وكذلك في "صحيح البخاري "وغيره عن قتادة عن أنس عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال :(إن العبد إذا وضع في قبره -وذهب أصحابه حتى إنه ليسمع قرع نعالهم -أتاه ملكان فأقعداه فيقولان له :ما كنت تقول في هذا الرجل محمد؟ فيقول أشهد أنه عبد الله ورسوله .فيقول له انظر إلى مقعدك من النار أبدلك الله به مقعدا من الجنة .قال النبي صلى الله عليه وسلم فيراهما جميعا.وأما الكافر والمنافق فيقول :هاه هاه لا أدري كنت أقول ما يقول الناس سمعت الناس يقولون شيئا فقلته فيقال له :لا دريت ولا تليت ويضرب بمطرقة من حديد بين أذنيه فيصيح صيحة يسمعها من يليه إلا الثقلين)
والناس في مثل هذا على "ثلاثة أقوال "منهم من ينكر إقعاد الميت مطلقا لأنه قد أحاط ببدنه من الحجارة والتراب ما لا يمكن قعوده معه وقد يكون في صخر يطبق عليه وقد يوضع على بدنه ما يكشف فيوجد بحاله ونحو ذلك .ولهذا صار بعض الناس إلى أن عذاب القبر إنما هو على الروح فقط كما يقوله ابن ميسرة وابن حزم .وهذا قول منكر عند عامة أهل السنة والجماعة.
وصار آخرون إلى أن نفس البدن يقعد على ما فهموه من النصوص .
وصار آخرون يحتجون بالقدرة وبخبر الصادق ولا ينظرون إلى ما يعلم بالحس والمشاهدة وقدرة الله حق وخبر الصادق حق؛ لكن الشأن في فهمهم .وإذا عرف أن النائم يكون نائما وتقعد روحه وتقوم وتمشي وتذهب وتتكلم وتفعل أفعالا وأمورا بباطن بدنه مع روحه ويحصل لبدنه وروحه بها نعيم وعذاب؛ مع أن جسده مضطجع؛ وعينيه مغمضة وفمه مطبق.وأعضاءه ساكنة وقد يتحرك بدنه لقوة الحركة الداخلة وقد يقوم ويمشي ويتكلم ويصيح لقوة الأمر في باطنه؛ كان هذا مما يعتبر به أمر الميت في قبره؛ فإن روحه تقعد وتجلس وتسأل وتنعم وتعذب وتصيح وذلك متصل ببدنه؛ مع كونه مضطجعا في قبره .وقد يقوى الأمر حتى يظهر ذلك في بدنه وقد يرى خارجا من قبره والعذاب عليه وملائكة العذاب موكلة به فيتحرك بدنه ويمشي ويخرج من قبره وقد سمع غير واحد أصوات المعذبين في قبورهم وقد شوهد من يخرج من قبره وهو معذب ومن يقعد بدنه أيضا إذا قوى الأمر لكن هذا ليس لازما في حق كل

ميت. كما أن قعود بدن النائم لما يراه ليس لازما لكل نائم بل هو بحسب قوة الأمر .
وقد عرف أن أبدانا كثيرة لا يأكلها التراب كأبدان الأنبياء وغير الأنبياء من الصديقين وشهداء أحد وغير شهداء أحد والأخبار بذلك متواترة .
لكن المقصود أن ما ذكره النبى صلى الله عليه وسلم من إقعاد الميت مطلقا هو متناول لقعودهم ببواطنهم وإن كان ظاهر البدن مضطجعا .
ومما يشبه هذا إخباره صلى الله عليه وسلم بما رآه ليلة المعراج من الأنبياء فى السموات وأنه رأى آدم وعيسى ويحيى ويوسف وإدريس وهارون وموسى وإبراهيم صلوات الله وسلامه عليهم وأخبر أيضا أنه رأى موسى قائما يصلى فى قبره؛ وقد رآه أيضا فى السموات .ومعلوم أن أبدان الأنبياء فى القبور إلا عيسى وإدريس .
وإذا كان موسى قائما يصلى فى قبره ثم رآه فى السماء السادسة مع قرب الزمان؛ فهذا أمر لا يحصل للجسد .ومن هذا الباب أيضا نزول الملائكة صلوات الله عليهم وسلامه :جبريل وغيره (مجموع الفتاوى لابن تيمية، ج۵، ص ۵۲۴، الیٰ ص۵۲۷، كتاب الأسماء والصفات، معنٰى علوه على المخلوقات)

ترجمہ: اور جب روح کو قبض کرلیا جاتا ہے، تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف لے کر چڑھا جاتا ہے، اور یہ کام ادنیٰ وقت میں (آناً فاناً) ہوجاتا ہے، پھر اس کی روح کو بدن کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے، پھر اس روح سے سوال ہوتا ہے، اور وہ بدن میں ہوتی ہے، اور اگر جسم کو لے کر اوپر جایا جاتا، پھر نیچے اتارا جاتا، تو یہ کام لمبے وقت میں ہوتا، اور یہی صورتِ حال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیان کردہ قبر میں میت کی حالت کی بھی ہے، اور منکر نکیر کے، میت سے سوال کرنے کی بھی ہے، جس کے بارے میں کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں۔

اور صحیحین میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ’’جب میت کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے، تو وہ (مومن ہونے کی صورت میں) ’’لا الٰہ اِلَّا اللّٰہُ‘‘ کی گواہی دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے قول ’’یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْآخِرَۃِ‘‘ میں اسی بات کا ذکر ہے۔

اوراسی طرح سے ''صحیح بخاری'' وغیرہ میں حضرت قتادہ سے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ'' جب بندہ کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے، اور اس کے ساتھی جانے لگتے ہیں، اور بے شک یہ (قبر کا مُردہ) ان (جانے والوں) کے جوتوں کی آواز کو سنتا ہے، تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، جو اسے بٹھاتے ہیں، پھر وہ فرشتے کہتے ہیں کہ تو اس آدمی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ پس (مومن تو) یہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اپنے جہنم کے ٹھکانے کو دیکھ لے، اللہ نے تیرے لئے اس جہنم کے ٹھکانے کو جنت کے ٹھکانے سے تبدیل فرمادیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر وہ ان دونوں ٹھکانوں کو دیکھ لیتا ہے۔

جہاں تک کافر اور منافق کا تعلق ہے، تو وہ کہتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں، میں وہی کچھ کہا کرتا تھا، جو عام لوگ کہتے تھے، پھر اس کو جواب میں کہا جاتا ہے کہ نہ تو تُو نے (خود حق کو) سمجھا، اور نہ (حق سمجھنے والوں کی) اتباع کی، اور اس کو لوہے کے گرزوں سے شدید ضرب لگائی جاتی ہے، پھر وہ ایسی چیخ مارتا ہے، جس کو اس کے قریب والے انسان اور جنات کے علاوہ (دوسرے جانور وغیرہ) سنتے ہیں''

اس حدیث کے متعلق لوگوں کے تین اقوال ہیں، ایک قول اُن بعض لوگوں کا ہے، جو قبر کے اندر میت کے بٹھانے کا مطلق انکار کرتے ہیں، اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ میت کے بدن کو تو پتھر اور مٹی نے گھیرا ہوا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اس کا بیٹھنا ممکن نہیں ہوتا، اور بعض اوقات وہ پتھر میں ہوتا ہے، جو اس کے اوپر ہوتے ہیں، اور بعض اوقات اس کے بدن پر موجود چیز (مٹی وغیرہ) کو ہٹایا جاتا ہے، تو وہ مُردہ اسی حال میں موجود ہوتا ہے، اسی طرح کی اور باتیں بھی ہوتی ہیں،

اوران ہی وجوہات کی بناء پر بعض لوگ عذابِ قبر کے صرف روح پر ہونے کے قائل ہیں، جیسا کہ ابنِ میسرہ اور ابنِ حزم کا قول ہے۔
لیکن اکثر اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ کے نزدیک یہ قول اجنبی وناپسندیدہ ہے۔
اور دوسرا قول اُن لوگوں کا ہے، جو بدن ہی کو بٹھائے جانے وغیرہ کے قائل ہیں (روح کا اس میں دخل نہیں مانتے) جیسا کہ انہوں نے نصوص سے سمجھا ہے۔
اور تیسرا قول اُن (جمہور) حضرات کا ہے، جو اللہ کی قدرت اور سچے نبی کی خبر سے دلیل پکڑتے ہیں، اور وہ حس اور مشاہدے سے معلوم شدہ چیز پر نظر نہیں کرتے، اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قدرت بھی حق ہے، اور مخبرِ صادق کی خبر بھی حق ہے، لیکن ہماری فہم قاصر ہے (اس لیے ہمیں اپنے حس اور مشاہدہ سے یہ چیز سمجھ نہیں آتی) جیسا کہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ سونے والا، سو رہا ہوتا ہے، اور اس کی روح بیٹھتی ہے، اور کھڑی ہوتی ہے، اور چلتی ہے، اور جاتی ہے، اور کلام کرتی ہے، اور کئی افعال اور امور کو اپنے بدن کے باطن سے، اپنے ساتھ استعمال کرتی ہے، اور اس کے بدن اور روح کو راحت اور تکلیف حاصل ہوتی ہے، باوجود یکہ اس کا جسم لیٹا ہوا ہوتا ہے، اور اس کی آنکھیں بند ہوتی ہیں، اور اس کا منہ بھی بند ہوتا ہے، اور اس کے اعضاء غیر متحرک ہوتے ہیں، اور بعض اوقات اس کا بدن حرکت کرتا ہے، جبکہ اس کے بدن کی داخلی حرکت قوی ہوتی ہے، اور بعض اوقات اسی حالت میں کھڑا ہو جاتا ہے، اور چلتا ہے، اور کلام کرتا ہے، اور چیخ وپکار کرتا ہے، جب اس کے جسم کے باطن میں کسی چیز کا اثر قوی ہوتا ہے، تو اسی پر قبر میں میت کے معاملے کو قیاس کیا جائے گا کہ اس کی روح کو بٹھایا جاتا ہے، اور سوال کیا جاتا ہے، اور راحت وعذاب دیا جاتا ہے، اور وہ چیخ وپکار کرتی ہے، اور روح، اس کے بدن کے ساتھ متصل ہوتی ہے، باوجود یکہ وہ اپنی قبر میں لیٹا ہوا ہوتا ہے، اور بعض

اوقات معاملہ قوی ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس کا اثر، اس کے بدن میں ظاہر ہو جاتا ہے، جس کو اس کی قبر سے باہر دیکھنے والا دیکھ لیتا ہے، اور اس پر عذاب ہو رہا ہوتا ہے، اور عذاب کے فرشتے اس پر مسلط ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے اس کا بدن حرکت کرتا ہے، اور وہ چلتا ہے، اور اپنی قبر سے نکل پڑتا ہے، اور بہت سے لوگوں نے قبروں میں عذاب دیئے جانے والے لوگوں کی آوازوں کو سنا ہے، اور قبر سے نکلتے ہوئے شخص کو دیکھا گیا ہے، جس کو عذاب دیا جا رہا ہوتا ہے، اور جس کے بدن کو بٹھایا جاتا ہے، اس کو بھی دیکھا گیا ہے، جب (جسم پر روح کے اثر کا) معاملہ قوی ہوتا ہے، لیکن یہ ہر مُردہ کے حق میں ضروری نہیں، جیسا کہ سونے والے کا بیٹھنا، جس کو دیکھا جاتا ہے، لیکن وہ ہر سونے والے کے لیے لازم نہیں، بلکہ وہ معاملے کی قوت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ بہت سے ابدان کو مٹی نہیں کھاتی، جیسا کہ انبیاء کے ابدان، اور نبیوں کے علاوہ بعض صدیقین اور اُحد اور غیر اُحد کے شہداء، اور اس سلسلے میں واقعات اور روایات تواتر سے ثابت ہیں۔

اور مقصود یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مُردہ کے بٹھائے جانے کا جو مطلقاً ذکر کیا ہے، وہ مُردوں کے باطن کے اعتبار سے بٹھانے کو شامل ہے، اگرچہ ظاہرِ بدن لیٹا ہوا ہو۔

اور اسی کے مثل، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج کی رات میں جو نبیوں کو آسمانوں میں دیکھنے کی خبر دینا ہے، اس کا بھی معاملہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم، عیسیٰ اور یحییٰ اور یوسف اور ادریس اور ہارون اور موسیٰ اور ابراہیم علیہم الصلاۃ والسلام کو دیکھا، اور اس بات کی بھی خبر دی کہ آپ نے حضرت موسیٰ کو ان کی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اور اُن کو آسمان میں بھی دیکھا، اور یہ

بات معلوم ہے کہ انبیائے کرام کے ابدان ان کی قبروں میں ہیں، سوائے عیسیٰ اور ادریس علیہما السلام کے۔

اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ کو ان کی قبر میں کھڑے ہوکر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، تو پھر ان کو کچھ ہی دیر بعد، چھٹے آسمان میں بھی دیکھا، تو یہ چیز دنیوی جسم کو حاصل نہیں ہوتی، اور اسی طرح کا معاملہ فرشتوں کے نازل ہونے کا بھی ہے، خواہ جبریلِ امین ہوں، یا دوسرا فرشتہ ہو (کہ وہ بھی آناًفاناً اوپر نیچے آتے جاتے ہیں، جس طرح آج کل سافٹ وئیر بہت تیز کام کرتا ہے) (مجموع الفتاویٰ)

مذکورہ عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ انسان کے فوت ہونے کے بعد، اس کی روح پر گزرنے والے احوال کا، اس کے جسم وبدن سے بھی تعلق ہوتا ہے، خواہ وہ عالمِ دنیا کے لوگوں کو اپنی ان آنکھوں سے نظر نہ آئے، اور ان کانوں سے سنائی نہ دے، جن سے عالمِ دنیا کی چیزوں کو دیکھا، اور آوازوں کو سنا جاسکتا ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا پانچواں حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ اپنے فتاویٰ میں ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

فمقابر الأنبياء لا تنتن بل الأنبياء لا يبلون وتراب قبورهم طاهر

(مجموع الفتاوى، ج۲۷، ص ۱۶۰، کتاب الفقه: الجزء السابع: الزيارة، علة النهى عن الصلاة على المقبرة)

ترجمہ: پس انبیاء کی قبروں میں، بدبو پیدا نہیں ہوتی، بلکہ انبیائے کرام بوسیدہ نہیں ہوتے، اور ان کی قبروں کی مٹی پاک ہوتی ہے (مجموع الفتاویٰ)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے مدافن اور مقابر، پاک وصاف ہوتی ہیں، جس کی وجہ یہی ہے کہ ان کے اجسام متغیر ہونے سے محفوظ اور تروتازہ رہتے ہیں، پس جب

ان کے اجسام نہایت پاک ہیں، تو ان اجسام سے متصل زمین کا بقعہ بھی نہایت پاکیزہ ہوگا۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا چھٹا حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ اپنے فتاویٰ میں ہی فرماتے ہیں کہ:

(فلا تتخذوا القبور مساجد فإني أنهاكم عن ذلك) . فهذه نصوصه الصريحة توجب تحريم اتخاذ قبورهم مساجد مع أنهم مدفونون فيها وهم أحياء في قبورهم ويستحب إتيان قبورهم للسلام عليهم ومع هذا يحرم إتيانها للصلاة عندها و اتخاذها مساجد(مجموع الفتاوى، ج۲۷، ص۵۰۲، کتاب الفقه،الجزء السابع: الزيارة، فصل في قصد الصلاة والدعاء والعبادة في مكان لم يقصد الأنبياء فيه الصلاة والعبادة)

ترجمہ: ’’پس تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بناؤ، بے شک میں نے تم کو اس بات سے منع کر دیا ہے‘‘ پس یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے واضح حکم ہے، جو قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کے حرام ہونے کو ثابت کرتا ہے، باوجودیکہ انبیائے کرام اُن قبروں میں دفن ہوتے ہیں، اور وہ اپنی قبروں میں حیات ہوتے ہیں، اور اُن کی قبروں پر اُن کو سلام کرنے کے لیے حاضر ہونا مستحب ہے، لیکن اس کے باوجود اُن قبروں کے قریب نماز پڑھنے کے لیے آنا، اور ان کو سجدہ گاہ بنانا، حرام ہے (مجموع الفتاویٰ)

مذکورہ عبارت سے انبیاء علیہم السلام کا قبروں میں حیات ہونا معلوم ہوا۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا ساتواں حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ اپنے فتاویٰ میں ہی فرماتے ہیں کہ:

الأنبياء والصالحون وإن كانوا أحياء في قبورهم وإن قدر أنهم يدعون للأحياء وإن وردت به آثار فليس لأحد أن يطلب منهم ذلك ولم يفعل ذلك أحد من السلف لأن ذلك ذريعة إلى الشرك بهم وعبادتهم من دون الله تعالى؛ بخلاف الطلب من أحدهم في حياته فإنه لا يفضي إلى الشرك(مجموع الفتاوى، ج۱، ص۳۳۰، کتاب توحيد الالوهية، التوسل والوسيلة، دعاء الغائب اقرب للاجابة)

ترجمہ: انبیائے کرام اور صالحینِ عظام اگر چہ اپنی قبروں میں حیات ہیں، اور اگر چہ وہ اس بات پر قادر ہیں کہ وہ زندوں کے لیے دعاء کریں، اور اگر چہ اس سلسلہ میں آثار وارِد ہوئے ہیں (کہ وہ اپنی قبروں میں عبادت کرتے ہیں، اور دعاء، عبادت ہے) لیکن کسی کے لیے یہ بات جائز نہیں کہ اُن سے دعاء کی درخواست کرے، اور سلف میں سے کسی نے بھی یہ طرزِ عمل اختیار نہیں کیا، کیونکہ یہ اللہ کے مقابلے میں ان کے ذریعے شرک کرنے، اور ان کی عبادت کرنے کا ذریعہ ہے، بخلاف اُن کی زندگی میں اُن سے دعاء کی درخواست کرنے کے کہ یہ شرک کا ذریعہ نہیں (مجموع الفتاویٰ)

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابنِ تیمیہ کے نزدیک انبیاء علیہم السلام سے دعاء کی درخواست کرنے، اور ان سے شفاعت کی درخواست کرنے کی فی نفسہٖ گنجائش ہوسکتی تھی، لیکن شرک کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں، اور جو حضرات جواز کے قائل ہیں، وہ اس بات پر نظر کرتے ہیں کہ جس سے دعاء کی درخواست کی جائے، اس کی اللہ سے احتیاج ظاہر ہوتی ہے، وہ اس طرح کہ وہ خود کسی کو کچھ دینے پر قادر نہیں ہوتا، بلکہ وہ بھی اللہ سے دعاء ہی کر سکتا ہے۔
پس یہ اختلاف اجتہادی نوعیت کا ہے، اور اس طرح کے اور بھی کئی مسائل اجتہادی واختلافی ہیں، جن میں ایک کا دوسرے کی طرف تضلیل وتفسیق کی نسبت کرنا درست نہیں۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا آٹھواں حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

وأما من سلم عليه عند قبره فإنه يرد عليه ذلك كالسلام على سائر المؤمنين؛ ليس هو من خصائصه، ولا هو السلام المأمور به الذى يسلم الله على صاحبه عشرا، كما يصلى على من صلى عليه عشرا، فإن هذا هو الذى أمر الله به فى القرآن، وهو لا يختص بمكان دون مكان.
وقد تقدم حديث أبى هريرة أنه يرد السلام على من سلم عليه، والمراد عند قبره، لكن النزاع فى معنى كونه عند القبر، هل المراد به فى بيته، كما يراد

مثل ذلک فی سائر ما أخبر به من سماع الموتى إنما هو لمن كان عند قبورهم قريبا منها، أو يراد به من كان في المسجد أيضا قريبا من الحجرة، كما قاله طائفة من السلف والخلف، وهل يستحب ذلک عند الحجرة لمن قدم من سفر أو لمن أراده من أهل المدينة أو لا يستحب بحال؟ وليس الاعتماد في سماعه ما يبلغه من صلاة أمته وسلامهم إلا على هذه الأحاديث الثابتة.

فأما ذاک الحديث وإن كان معناه صحيحا فإسناده لا يحتج به، وإنما يثبت معناه بأحاديث أخر، فإنه لا يعرف إلا من حديث محمد بن مروان السدى الصغير، عن الأعمش كما ظنه البيهقي، وما ظنه في هذا هو متفق عليه عند أهل المعرفة بالحديث، وهو عندهم موضوع على الأعمش، قال عباس الدوري عن يحيى بن معين: محمد بن مروان ليس بثقة .وقال البخاري: سكتوا عنه، لا يكتب حديثه البتة. وقال الجوزجاني: ذاهب الحديث. وقال النسائي: متروک الحديث. وقال صالح جزرة: كان يضع الحديث [و] قال أبو حاتم الرازي والأزدي: متروک الحديث. وقال الدارقطني: ضعيف. وقال ابن حبان: لا يحل كتب حديثه لا اعتبارا ولا للاحتجاج به بحال. وقال ابن عدي: عامة ما يرويه غير محفوظ، والضعف على روايته بين.

فهذا الكلام على ما ذكره من الحديث مع أنا قد بينا صحة معناه بأحاديث أخر، وهو لو كان صحيحا فإنما فيه أنه يبلغ صلاة من صلى عليه نائيا ليس فيه أنه يسمع ذلک، كما وجدته منقولا عن هذا المعترض، فإن هذا لم يقله أحد من أهل العلم ولا يعرف في شيء من الحديث، وإنما يقوله بعض المتأخرين الجهال، يقولون: إنه ليلة الجمعة ويوم الجمعة يسمع بأذنيه صلاة من يصلي عليه .فالقول إنه يسمع ذلک من نفس المصلي باطل، وإنما في الأحاديث المعروفة أنه يبلغ ذلک ويعرض عليه، وكذلک السلام تبلغه إياه الملائكة .وقول القائل: إنه يسمع الصلاة من البعيد ممتنع، فإنه إن أراد وصول صوت المصلي إليه فهذه مكابرة، وإن أراد أنه هو يكون بحيث يسمع أصوات الخلائق من بعيد، فليس هذا إلا لله رب العالمين الذي يسمع أصوات العباد كلهم (الرد على الأخنائي قاضي المالكية، ص ۱۴۵ الی ۱۴۷، فصل حديث من صلى علي عند قبري سمعته)

ترجمہ: اور جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ کی قبر کے قریب سلام پڑھتا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب مرحمت فرماتے ہیں، جیسا کہ تمام مسلمانوں کو کئے ہوئے سلام کا معاملہ ہے، جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے نہیں ہے، اور نہ ہی یہ وہ سلام ہے جس کا (قرآن وسنت میں خاص نبی کے لئے) حکم

دیا گیا ہے، اور اس سلام کرنے والے پر اللہ دس مرتبہ سلامتی نازل کرتا ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے والے پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے، کیونکہ یہ صلاۃ وسلام تو وہ ہے، جس کا اللہ نے قرآن میں حکم فرمایا ہے، اور یہ صلاۃ وسلام کسی جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے (بلکہ اس کو ہر جگہ سے پڑھنے کا حکم ہے)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث گزر چکی ہے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کرتا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں، جس سے مراد قبر کے قریب پڑھا ہوا سلام ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ قبر کے قریب ہونے کا مطلب کیا ہے؟

آیا اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ سلم کے روضۂ مبارک کا حصہ ہے؟ جیسا کہ اس کے مثل ان تمام حالات میں مراد لیا جاتا ہے، جن میں سماعِ موتی کی خبر دی گئی ہے کہ وہاں قبور کے قریب سے مراد اسی طرح کا قرب ہے، یا اس سے مراد وہ سلام ہے، جو روضۂ مبارک کے قریب مسجدِ نبوی میں رہ کر کیا جائے، جیسا کہ سلف اور خلف کی ایک جماعت کا قول ہے۔

اور (اس میں بھی اختلاف ہے کہ) کیا یہ عمل حجرہ کے قریب اس کے لئے مستحب ہے، جو سفر سے آیا ہو، یا اس کے لئے بھی مستحب ہے، جو مدینہ کا کوئی شخص روضہ پر حاضر ہو، یا کسی حال میں مستحب نہیں؟ (یہ سب اقوال ہیں) [1]

اور نبی صلی اللہ علیہ سلم پر پڑھے جانے والے صلاۃ وسلام کے نبی صلی اللہ علیہ سلم

---

[1] اس حیثیت سے یہ مسئلہ مذکورہ بالا اقوال کے مابین اجتہادی ہے، پس اگر کوئی یہ قول اختیار کرے کہ موجودہ زمانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے قریب پہنچنا ممکن نہیں، اس لیے باہر اور دور کھڑے ہو کر سلام پڑھنے والے کا سلام فرشتے پہنچاتے ہیں، جس طرح نماز وغیر نماز میں، کسی بھی مقام سے پڑھے ہوئے سلام کا معاملہ ہے، تو یہ قول بھی اجتہادی طور پر باطل اور باعثِ ضلالت نہیں، جس طرح مسجدِ نبوی میں پڑھے ہوئے سلام کی سماعت کا قول بھی اسی نوعیت کا ہے، پس ان اقوال کی ترجیح میں اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے پر ضلالت وگمراہی کا حکم لگانا اور بعض اقوال کی تردید وبطلان میں اپنی صلاحیتوں کو خرچ کرنا اور اس میں غلو، مبالغہ کرنا، درست نہیں۔ محمد رضوان۔

کے سماعت کرنے میں اعتماد اُن ثابت شدہ احادیث پر ہی کیا جائے گا، اور اس (محمد بن مروان سدی کی) حدیث کے معنیٰ اگرچہ صحیح ہیں (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے قریب ''جس طرح کا قرب بھی کسی کے نزدیک راجح ہو'' پڑھا گیا سلام بلاواسطہ سماعت فرماتے ہیں، اور دور کا سلام فرشتوں کے واسطہ سے سماعت فرماتے ہیں، یہ مفہوم تو درست ہے)

لیکن اس حدیث کی سند قابلِ حجت نہیں، اور اس کے معنیٰ دوسری احادیث سے ثابت ہیں، کیونکہ یہ روایت محمد بن مروان سدی صغیر کی حدیث سے ہی معروف ہے، جو اعمش سے نقل کرتے ہیں، جیسا کہ بیہقی نے گمان فرمایا، اور بیہقی کا گمان حدیث کی معرفت رکھنے والے حضرات کے نزدیک متفق علیہ ہے (یعنی محمد بن مروان عن اعمش کی سند پر ہی اس روایت کا مدار ہے)

اور ان اہلِ معرفت کے نزدیک یہ حدیث اعمش کے نام وسند سے گھڑی گئی ہے، عباس دوری نے یحییٰ بن معین کے حوالہ سے فرمایا کہ محمد بن مروان ثقہ نہیں ہے، اور بخاری نے فرمایا کہ محمد بن مروان سے محدثین نے سکوت اختیار کیا ہے، جس کی حدیث ہرگز لکھی نہیں جاسکتی، اور جوزجانی نے فرمایا کہ یہ ذاهبُ الحديث ہے، اور نسائی نے متروکُ الحديث فرمایا، اور صالح نے حدیث کو وضع کرنے والا قرار دیا، اور ابوحاتم رازی اور ازدی نے متروکُ الحديث قرار دیا، اور دارقطنی نے ضعیف قرار دیا، اور ابنِ حبان نے فرمایا کہ اس کی حدیث کو نہ تو لکھنا جائز ہے، اور نہ اس کا (دوسری ضعیف حدیث کے ساتھ) اعتبار کرنا جائز ہے، اور نہ کسی حال میں اس سے حجت پکڑنا جائز ہے، اور ابنِ عدی نے فرمایا کہ اس کی اکثر احادیث غیر محفوظ ہیں، اور اس کی روایت میں ضعف واضح ہے۔

پس یہ تو اس حدیث کی سند کے متعلق کلام تھا، اور ہم یہ بات بیان کر چکے کہ اس

حدیث کا مطلب دوسری احادیث کی رُو سے صحیح ہے، اور اگر اس حدیث کو صحیح بھی مان لیا جائے، تو اس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ سلم پر دور سے درود پڑھتا ہے، تو اس کا درود نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا جاتا ہے، اس میں اس بات کی تصریح نہیں کہ دور سے پڑھے ہوئے درود کو نبی صلی اللہ علیہ سلم خود سنتے ہیں، جیسا کہ اس معترض کی طرف سے نقل کیا گیا ہے، کیونکہ یہ بات اہلِ علم میں سے کسی نے بھی نہیں کہی، اور نہ ہی حدیث میں کسی جگہ اس کا ذکر آیا ہے، بلکہ یہ بات تو بعض لاعلم متاخرین نے کہی ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ جمعہ کی رات میں اور جمعہ کے دن میں جو شخص نبی صلی اللہ علیہ سلم پر درود پڑھتا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کانوں سے اس کو سنتے ہیں، پس یہ بات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دور سے درود پڑھنے والے کے درود کو براہِ راست خود سنتے ہیں، باطل ہے۔

مشہور احادیث میں یہ بات ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھے گئے درود کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا جاتا ہے، اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ سلم پر پیش کیا جاتا ہے، اور اسی طریقہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام بھی فرشتے پہنچاتے ہیں، اور کہنے والے کا یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دور سے پڑھے گئے درود کو سنتے ہیں، یہ ناممکن ہے، کیونکہ اگر اس کی مراد یہ ہے کہ دور سے درود پڑھنے والے کی آواز نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتی ہے، تو یہ ضد اور ہٹ دھرمی ہے، اور اگر یہ مراد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کی آوازوں کو دور سے سنتے ہیں، تو یہ صفت دراصل اَللّٰہُ رَبُّ الْعَالَمِیْن کے ساتھ خاص ہے، جو اپنی تمام مخلوق کی آواز کو (ہر مقام سے) سنتا ہے (اللہ کے علاوہ کسی اور کو یہ صلاحیت وقدرت حاصل نہیں) (الرد علی الاخنائی)

علامہ ابنِ تیمیہ کے اس مذکورہ بالا کلام کی علامہ محمود شکری آلوسی نے بھی تائید کی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا نواں حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

والسلام عليه عند قبره المكرم جائز لما فى السنن عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال :(ما من أحد يسلم على إلا رد الله على روحى حتى أرد عليه السلام) .
وحيث صلى الرجل وسلم عليه من مشارق الأرض ومغاربها فإن الله يوصل صلاته وسلامه إليه لما فى السنن عن أوس بن أوس أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :(أكثروا على من الصلاة يوم الجمعة وليلة الجمعة فإن صلاتكم معروضة على .قالوا : كيف تعرض صلاتنا عليک وقد أرمت؟ -أى صرت رميما -قال :إن الله حرم على الأرض أن تأكل لحوم الأنبياء) . ولهذا قال صلى الله عليه وسلم (لا تتخذوا قبرى عيدا وصلوا على حيثما كنتم فإن صلاتكم تبلغنى) . رواه أبو داود وغيره .
فالصلاة تصل إليه من البعيد كما تصل إليه من القريب .وفى النسائى عنه صلى الله عليه وسلم أنه قال :(إن لله ملائكة سياحين يبلغونى عن أمتى السلام)
.وقد أمرنا الله أن نصلى عليه وشرع ذلک لنا فى كل صلاة أن نثنى على الله بالتحيات ثم نقول :(السلام عليک أيها النبى ورحمة الله وبركاته) .
وهذا السلام يصل إليه من مشارق الأرض ومغاربها .
وكذلک إذا صلينا عليه فقلنا :(اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على آل إبراهيم إنک حميد مجيد .وبارک على محمد وعلى آل محمد كما باركت على آل إبراهيم إنک حميد مجيد)......
”ما من أحد يسلم على إلا رد الله على روحى حتى أرد عليه السلام“وهذا السلام مشروع لمن كان يدخل الحجرة .وهذا السلام هو القريب الذى يرد النبى صلى الله عليه وسلم على صاحبه .
وأما السلام المطلق الذى يفعل خارج الحجرة وفى كل مكان فهو مثل السلام عليه فى الصلاة وذلک مثل الصلاة عليه .والله هو الذى يصلى على من يصلى عليه مرة عشرا ويسلم على من يسلم عليه مرة عشرا .
فهذا هو الذى أمر به المسلمون خصوصا للنبى صلى الله عليه وسلم بخلاف السلام عليه عند قبره فإن هذا قدر مشترک بينه وبين جميع المؤمنين فإن كل مؤمن يسلم عليه عند قبره كما يسلم عليه فى الحياة عند اللقاء .
وأما الصلاة والسلام فى كل مكان والصلاة على التعيين فهذا إنما أمر به فى

حق النبی صلی اللہ علیہ وسلم فهو الذی أمر العباد أن یصلوا علیه ویسلموا تسلیما .صلی الله علیه وعلی آله وسلم تسلیما (مجموع الفتاوی لابنِ تیمیة، ج۲۷، ص ۳۲۱، الٰی ص ۳۲۵، ملخصاً، کتاب الفقه،الجزء السابع: الزیارة، حب الرسول صلی الله علیه وسلم واجب علینا)

ترجمہ: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مکرم کے قریب، سلام جائز ہے، جیسا کہ سنن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مروی ہے کہ ''جو کوئی بھی مجھ پر سلام پڑھتا ہے، تو اللہ مجھ پر میری روح کو لوٹا دیتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دے دیتا ہوں''

اور آدمی، زمین کے مشرق اور مغرب کے جس حصے سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجے، تو اللہ اس کے درود وسلام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیتا ہے، جیسا کہ سنن میں حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم مجھ پر جمعہ کے دن، اور جمعہ کی رات میں کثرت سے درود بھیجا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارا درود آپ پر مٹی ہونے کے بعد کیسے پیش کیا جائے گا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ نے حرام کر دیا ہے، زمین پر اس بات کو کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے'' اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم میری قبر کو عید نہ بناؤ، اور تم جہاں کہیں بھی ہو، وہیں سے مجھ پر درود پڑھا کرو، پس بے شک تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے'' اس کو ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دور سے پڑھا گیا درود بھی پہنچ جاتا ہے، جیسا کہ آپ پر قریب سے پڑھا گیا درود پہنچ جاتا ہے (لہٰذا اس کے پہنچنے کی کیفیت وحیثیت میں غیر معمولی نزاع کرنا، زیادہ اہمیت نہیں رکھتا) چنانچہ سنن نسائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ ''اللہ کے فرشتے، زمین میں پھرتے ہیں، جو مجھ تک میری امت کے سلام کو پہنچاتے ہیں''

اور ہمیں اللہ نے یہ حکم فرمایا ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دورد پڑھیں، اور اللہ نے ہمارے لیے دورد شریف کو ہر نماز میں اس طرح مقرر کیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ''اَلتَّحِيَّات'' کے ساتھ ثناء کریں، پھر ہم یہ کہیں کہ ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ'' آخر تک۔

اور یہ سلام، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک زمین کے مشرق اور مغرب میں، ہر جگہ سے پہنچ جاتا ہے۔

اور اسی طرح سے جب ہم (نماز اور غیر نماز میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھیں، تو ہم یہ کہیں کہ ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ، إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، وبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ، إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ'' (یہ درود بھی زمین کے مشرق اور مغرب، ہر جگہ سے پڑھا جاتا ہے)

............اور جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے کہ ''جو شخص بھی مجھ پر سلام کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں'' تو یہ سلام اس کے لیے مشروع ہے، جو حجرہ میں داخل ہو، اور یہ سلام وہی قریب کا سلام ہے، جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم، سلام کرنے والے کو جواب دیتے ہیں۔ [1]

---

[1] علامہ ابنِ تیمیہ کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ میں داخل ہو کر پڑھے جانے والے سلام کو اس سلام کا درجہ دیتے ہیں، جو ہر مسلمان کی قبر پر، یا قبرستان داخل ہونے کے وقت پڑھا جاتا ہے، اور وہ اسی سلام کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب دیئے جانے کے قائل ہیں۔

اور آگے آتا ہے کہ آج کل عام لوگوں کے لیے حجرہ میں داخل ہونا ممکن نہیں، لہٰذا باہر سے پڑھے گئے اس سلام کے سماعت فرمانے اور جواب دینے کا حکم بھی اس پر مرتب نہ ہوگا، اور باہر سے پڑھا گیا سلام، ان کے نزدیک وہ خاص سلام ہے، جو نماز میں پڑھا جاتا ہے، اس کا جواب، اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس مرتبہ سلامتی نازل ہونے کی شکل میں حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ محمد رضوان۔

جہاں تک مطلق اُس سلام کا تعلق ہے، جو حجرہ سے باہر کیا جاتا ہے، اور ہر مقام پر کیا جاتا ہے، تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سلام کے مثل ہے، جو نماز میں کیا جاتا ہے، اور یہ والا ''سلام'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی طرح ہے، اور یہ وہ درود ہے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مرتبہ پڑھتا ہے، تو اللہ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے، اور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مرتبہ سلام پڑھتا ہے، تو اللہ اس پر دس مرتبہ سلامتی نازل فرماتا ہے۔

پس یہی وہ سلام ہے، جس کا مسلمانوں کو بطورِ خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حکم دیا گیا ہے۔

بخلاف اس سلام کے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے قریب کیا جاتا ہے کہ ''یہ سلام، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مومنوں کے درمیان قدرِ مشترک کے طور پر ہے'' کیونکہ ہر مومن پر اس کی قبر کے قریب سلام کیا جاتا ہے، جیسا کہ اس پر ملاقات کے وقت دنیوی زندگی میں سلام کیا جاتا ہے۔

اور جہاں تک اس صلاۃ وسلام کا تعلق ہے، جو ہر مقام پر پڑھا جاتا ہے، اور بطورِ خاص نماز میں پڑھا جاتا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں، خاص طور پر اس کا ہی حکم دیا گیا ہے، پس اس کا بندوں کو حکم ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھیں، اور سلام پڑھیں ''صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا ''

(مجموعُ الفتاویٰ)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا ہوا، سلام بھی پہنچ جاتا ہے، اور درود بھی پہنچ جاتا ہے، البتہ قریب سے کیے جانے والے سلام کی نوعیت، نیز اس کی حد بندی میں اختلاف ہے کہ وہ قبر سے کتنے قریب سے سماعت فرماتے ہیں، اور آج کل عامۃ الناس کو قبر کے اتنے قریب جانا ممکن بھی ہے کہ نہیں؟

جو حضرات بحالاتِ موجودہ عامۃ الناس کے لئے اتنا قرب ممکن نہ ہونے کی وجہ سے بلاواسطہ سماعت کا انکار کرتے ہیں، وہ فرشتوں کے واسطہ سے پہنچ جانے کے قائل ہیں، بلکہ جو حضرات قریب سے سماع کے منکر ہیں، وہ بھی فرشتوں کے واسطہ سے پہنچ جانے کے قائل ہیں۔

ظاہر ہے کہ مقصود دونوں صورتوں میں حاصل ہے، اور مذکورہ اختلاف کی حیثیت اجتہادی ہے، جس میں اجتہادی طور پر دلائل کی رو سے اختلاف وترجیح قابلِ مذمت نہیں۔

مگر افسوس کہ ہمارے یہاں ایک عرصہ سے اس قسم کے اجتہادی وفروعی مسائل میں افراط وتفریط، اور ایک دوسرے کے خلاف تضلیل وتفسیق کی فضاء قائم ہے۔

علامہ ابنِ قیم کا حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ کے شاگرد علامہ ابنِ قیم (المتوفیٰ: 751ھ) فرماتے ہیں:

ان اللہ سبحانہ جعل الدور ثلاثا. دار الدنیا .ودار البرزخ. ودار القرار. وجعل لکم دار أحکاما تختص بھا. ورکب ھذا الانسان من بدن ونفس.
وجعل أحکام دار الدنیا علی الأبدان والأرواح تبعا لھا ولھذا جعل أحکامہ الشرعیۃ مرتبۃ علی ما یظھر من حرکات اللسان والجوارح وان أضمرت النفوس خلافہ.
وجعل أحکام البرزخ علی الأرواح والأبدان تبعا لھا.
فکما تبعت الأرواح الأبدان فی أحکام الدنیا فتألمت بألمھا والتذت براحتھا.
وکانت ھی التی باشرت أسباب النعیم والعذاب تبعت الأبدان الأرواح فی نعیمھا وعذابھا والأرواح حینئذ ھی التی تباشر العذاب والنعیم فالأبدان ھنا ظاھرۃ والأرواح خفیۃ.
والأبدان کالقبور لھا والأرواح ھناک ظاھرۃ والأبدان خفیۃ فی قبورھا تجری أحکام البرزخ علی الأرواح فتسری إلی أبدانھا نعیما أو عذابا کما تجری أحکام الدنیا علی الأبدان فتسری إلی أرواحھا نعیما أو عذابا.
فأخط بھذا الموضع علما واعرفہ کما ینبغی یزیل عنک کل اشکال یورد علیک من داخل وخارج.
وقد أرانا اللہ سبحانہ بلطفہ ورحمتہ وھدایتہ من ذلک أنموذجا فی الدنیا من حال النائم فإن ما ینعم بہ أو یعذب فی نومہ یجری علی روحہ أصلا والبدن تبع لہ وقد یقوی حتی یؤثر فی البدن تاثیرا مشاھدا فیری النائم فی

نومه أنه ضرب فيصبح وأثر الضرب في جسمه ويرى أنه قد أكل أو شرب فيستيقظ وهو يجد أثر الطعام والشراب في فيه ويذهب عنه الجوع والظمأ.
وأعجب من ذلك أنك ترى النائم يقوم في نومه ويضرب ويبطش ويدافع كأنه يقظان وهو نائم لا شعور له بشيء من ذلك وذلك أن الحكم لما جرى على الروح استعانت بالبدن من خارجه ولو دخلت فيه لاستيقظ وأحس فإذا كانت الروح تتألم وتتنعم ويصل ذلك إلى بدنها بطريق الاستتباع فهكذا في البرزخ بل أعظم فإن تجرد الروح هنالك أكمل وأقوى وهي متعلقة ببدنها لم تنقطع عنه كل الانقطاع .
فإذا كان يوم حشر الأجساد وقيام الناس من قبورهم صار الحكم والنعيم والعذاب على الأرواح والأجساد ظاهرا باديا أصلا.
وأعجب من ذلك أنك تجد النائمين في فراش واحد وهذا روحه في النعيم ويستيقظ وأثر النعيم على بدنه وهذا روحه في العذاب ويستيقظ وأثر العذاب على بدنه وليس عند أحدهما خبر عند الآخر فأمر البرزخ أعجب من ذلك.
ومتى أعطيت هذا الموضع حقه تبين لك أن ما أخبر به الرسول من عذاب القبر ونعيمه وضيقه وسعته وضمه وكونه حفرة من حفر النار أو روضة من رياض الجنة مطابق للعقل وأنه حق لا مرية فيه وإن من أشكل عليه ذلك فمن سوء فهمه وقلة علمه أتى كما قيل"وكم من عائب قولا صحيحا ... وآفته من الفهم السقيم." (الروح في الكلام على أرواح الأموات والأحياء بالدلائل من الكتاب والسنة، ص٦٣، وص٦٤، المسألة السادسة وهي أن الروح هل تعاد إلى الميت في قبره وقت السؤال أم لا، فصل الأمر الثاني أن يفهم عن الرسول مراد من غير غلو ولا تقصير)

ترجمہ: بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تین گھر بنائے ہیں، ایک دارِ دنیا ہے، اور دوسرا دارِ برزخ ہے، اور تیسرا دارِ قرار ہے، اور ہر ایک دار کے لیے اس کے مخصوص احکام بھی مقرر فرما دیئے ہیں، پس دارِ دنیا کے احکام کو ''ابدان'' پر مقرر فرما دیا، اور ارواح کو ابدان کے تابع قرار دے دیا، اور اسی وجہ سے دارِ دنیا کے احکامِ شریفہ کو ان چیزوں پر مرتب فرما دیا، جو ظاہر ہوتی ہیں، مثلاً زبان اور اعضاء کی حرکات، اگرچہ دل میں اس کے خلاف چھپا ہوا ہو (اس کا دوسروں کو دنیا میں مکلّف نہیں کیا گیا) اور برزخ کے احکام کو ''ارواح'' کے لیے مقرر فرما دیا، اور ابدان کو ارواح کے تابع

قرار دے دیا، پس جس طرح دنیا کے احکام میں ارواح، ابدان کے تابع ہوتی ہیں، اور وہ بدن کی تکلیف کی وجہ سے تکلیف کو، اور بدن کی راحت کی وجہ سے راحت کو محسوس کرتی ہیں، اسی طرح عالمِ برزخ میں ارواح، نعمت وتکلیف کے اسباب کو پاتی ہیں، اور ابدان اس نعمت وتکلیف میں ارواح کے تابع ہوتے ہیں، پس ابدان، دنیا میں ظاہر وغالب ہوتے ہیں، اور ارواح مخفی ہوتی ہیں۔

اور ابدان اُن ارواح کے لئے قبروں کی طرح ہوتے ہیں، اور ارواح، برزخ میں ظاہر وغالب ہوتی ہیں، اور ابدان اپنی قبروں میں مخفی ہوتے ہیں، برزخ کے احکام، ارواح پر جاری ہوتے ہیں، اور ابدان تک سرایت کرتے ہیں، جیسا کہ دنیا کے احکام، ابدان پر جاری ہوتے ہیں، پھر ارواح کی طرف سرایت کرتے ہیں، خواہ نعمت وراحت کی حالت ہو، یا تکلیف وعذاب کی حالت ہو۔

پس آپ اس مقام کا علم اچھی طرح محفوظ کر لیجئے، اور اس طرح سمجھ لیجئے، جس طرح اس کو سمجھنے کا حق ہے، تو آپ کے اندر اور باہر سے پیدا ہونے والے ہر اشکال کا ازالہ ہوجائے گا۔[1]

اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے فضل ورحمت اور رشد ہدایت سے ہمیں دنیا میں اس کا ایک نمونہ، سونے والے کی حالت کی شکل میں دکھلا دیا ہے کہ نیند میں انسان، نعمت

---

[1] لیکن کم فہم، یا بدفہم لوگوں کی بدقسمتی ہے کہ وہ ''دارِ برزخ'' اور ''عالمِ برزخ'' کے حالات کو ''دارِ دنیا'' اور ''عالمِ دنیا'' پر قیاس کرکے طرح طرح کے شکوک وشبہات میں پڑ جاتے ہیں۔

مثلاً بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں قبر میں عذاب، یا راحت نظر نہیں آتی۔

حالانکہ قبر کے حالات دراصل ''عالمِ برزخ ودارِ برزخ'' کے حالات ہیں، جہاں روح غالب ہوتی ہے، اور اسی پر اصل حالات جاری ہوتے ہیں، البتہ بدن تک اس طرح سرایت کرتے ہیں کہ زندہ انسانوں کو شعور نہیں ہوتا، کیونکہ مردہ ''برزخ'' میں اور زندہ شخص ''دنیا'' میں ہوتا ہے اور دونوں کے مابین حجاب وپردہ حائل ہے۔

پس جس طرح دنیا میں روح کے حالات نظر نہیں آتے، اسی طرح اگر برزخ میں جسم کے حالات نظر نہ آئیں، تو اس میں شبہ و اعتراض کا کیا مطلب؟ محمد رضوان۔

، یا تکلیف کا احساس کرتا ہے، جو اصل میں تو اس کی روح پر جاری ہوتا ہے، اور بدن اس سلسلے میں اس کی روح کے تابع ہوتا ہے، پھر بعض اوقات خواب میں نظر آنے والی چیز قوی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے بدن میں اس کی تاثیر ظاہر ہوتی ہے، چنانچہ بعض اوقات، سونے والا دیکھتا ہے کہ اس کو مارا جارہا ہے، اور وہ چیخ وپکار کررہا ہے، اور مارنے کا اثر اس کے جسم میں ظاہر ہوتا ہے، اور بعض اوقات سونے والا دیکھتا ہے کہ وہ کھا، یا پی رہا ہے، اور کھانے، پینے کا اثر اس کے منہ میں ظاہر ہوتا ہے، اور اس سے بھوک اور پیاس دور ہوجاتی ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ تعجب خیز منظر یہ ہوتا ہے کہ آپ دیکھتے ہیں کہ سونے والا، اپنی نیند کی حالت میں کھڑا ہوجاتا ہے، اور پکڑ دھکڑ کرتا ہے، اور دفاع کی کوشش کرتا ہے، گویا کہ وہ جاگا ہوا ہو، حالانکہ وہ سویا ہوا ہوتا ہے، جس کو کسی چیز کا شعور نہیں ہوتا، جس کی وجہ یہی ہے کہ جب حکم، روح پر جاری ہوتا ہے، تو روح، در اصل بدن کے ذریعہ خارج سے مدد حاصل کرتی ہے، اور اگر روح، بدن میں داخل ہوجائے، تو وہ بیدار ہوجاتا ہے، اور محسوس کرتا ہے، پس جب روح ، راحت وتکلیف کو پاتی ہے، اور اس کا اثر تابع ہوکر، اس کے بدن تک پہنچ جاتا ہے، تو اسی طرح برزخ میں بھی ہوتا ہے، بلکہ برزخ میں زیادہ شدت کے ساتھ بدن تک پہنچتا ہے، کیونکہ برزخ میں روح کا، بدن سے تجرد (اور الگ تھلگ ہونا) زیادہ کامل، اور زیادہ قوی ہوتا ہے (چنانچہ روح اپنے اپنے حسبِ عمل، سجین اور علیین، یہاں تک کہ رفیقِ اعلیٰ، اور جنت وجہنم سے بھی منسلک ہوجاتی ہے) لیکن اس کے باوجود روح، بدن کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے، اس سے بالکلیہ منقطع نہیں ہوتی۔ [1]

---

[1] اور بظاہر دو الگ الگ چیزوں کا ایک دوسرے کے ساتھ، تعلق موجودہ سائنسی شعبہ میں بھی ثابت ہوچکا ہے، جیسا کہ سافٹ ویئر پروگرام زمین پر موجود ہارڈ ویئر کے ساتھ منسلک ہوکر، فضاء کے ساتھ منسلک ہوتا ہے، اور فضاء میں دور دراز اور بلند وبالا مقامات پر اپنا کام سرانجام دیتا ہے۔ محمد رضوان۔

پھر جب حشر کے دن اجسام کو دوبارہ محشور کیا جائے گا، اور لوگوں کو اپنی قبروں سے اٹھایا جائے گا، تو حکم، اور نعمت وعذاب، روح اور جسم دونوں پر اصل حالت میں غالب اور واضح ہو جائے گا۔

اور اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ آپ بعض اوقات کئی سونے والوں کو دیکھتے ہیں، جو ایک ہی بستر پر ہوتے ہیں، لیکن ایک کی روح، نعمت وراحت میں ہوتی ہے، اور جب وہ بیدار ہوتا ہے، تو اس کی نعمت کا اثر اس کے بدن پر موجود ہوتا ہے، اور دوسرے کی روح، تکلیف میں ہوتی ہے، اور جب وہ بیدار ہوتا ہے، تو اس کی تکلیف کا اثر اس کے بدن پر موجود ہوتا ہے، لیکن ایک کی حالت کی دوسرے کو خبر نہیں ہوتی، جبکہ برزخ کا معاملہ اس سے کہیں زیادہ تعجب خیز ہے۔

اور جب آپ اس مسئلہ کو اس کا حق دیں گے (اور توجہ ویکسوئی سے غور کریں گے) تو آپ پر قبر کے عذاب، قبر کی نعمت، قبر کی تنگی، قبر کی وسعت، اور قبر کے دبوچنے، اور قبر کے جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا، یا جنت کے باغوں میں سے باغ ہونے کے متعلق وہ تمام چیزیں کھل جائیں گی، جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ وہ عقل کے مطابق ہیں، اور برحق ہیں، جن میں کوئی شبہ نہیں، اور جس کو اس میں شبہ ہوگا، تو وہ اس کی بدفہمی، اور قلتِ علم کا نتیجہ ہوگا، جیسا کہ کہا گیا ہے کہ ”کتنے عیب منسوب کیے والے قول صحیح ہوتے ہیں، جن کی آفت (یعنی ان پر عیب لگانے کا سبب) کم فہمی ہوتی ہے“ (الروح)

مذکورہ عبارت سے عالمِ برزخ وقبر سے متعلق پیدا ہونے والے بہت سے شکوک وشبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

اور یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جن نصوص میں ”قبر“ کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد برزخ ہی ہے، کچھ اور نہیں، قبر اور برزخ میں ”عام، خاص مطلق“ کی نسبت ہے، ”قبر“ دراصل ”برزخ“ کا فرد ہے، قبر، یا زمین کے جس حصے میں بھی جسم کے اجزاء ہوں، وہاں سے روح

کا تعلق و کنکشن تو ہوتا ہے، لیکن روح صرف اس حصۂ زمین تک محصور و محدود نہیں ہوتی، بلکہ اس کا مقام و مستقر، اور اس کا جولان و احتباس، ہر شخص کے حسبِ عمل جہاں اللہ کو منظور ہوتا ہے، وہاں ہوتا ہے، جس طرح سونے والے کی حالت ہوتی ہے کہ اس کے جسم کے ساتھ روح کا تعلق ہوتا ہے، لیکن اس کی روح کا جولان و احتباس دیگر مقامات پر بھی ہوتا ہے۔

علامہ ابنِ قیم کا دوسرا حوالہ

علامہ ابنِ قیم ایک مقام پر فرماتے ہیں:

أن الروح لها بالبدن خمسة أنواع من التعلق متغايرة الأحكام:
أحدها تعلقها به فى بطن الأم جنينا.
الثانى تعلقها به بعد خروجه إلى وجه الأرض.
الثالث تعلقها به فى حال النوم فلها به تعلق من وجه ومفارقة من وجه.
الرابع تعلقها به فى البرزخ فإنها وإن فارقته وتجردت عنه فإنها لم تفارقه فراقا كليا بحيث لا يبقى لها التفات إليه البتة وقد ذكرنا فى أول الجواب من الأحاديث والآثار ما يدل على ردها إليه وقت سلام المسلم وهذا الرد إعادة خاصة لا يوجب حياة البدن قبل يوم القيامة.
الخامس تعلقها به يوم بعث الأجساد وهو أكمل أنواع تعلقها بالبدن ولا نسبة لما قبله من أنواع التعلق إليه إذ تعلق لا يقبل البدن معه موتا ولا نوما ولا فسادا.
وأما قوله تعالى (الله يتوفى الأنفس حين موتها والتى لم تمت فى منامها فيمسك التى قضى عليها الموت ويرسل الأخرى إلى أجل مسمى) فإمساكه سبحانه التى قضى عليها الموت لا ينافى ردها إلى جسدها الميت فى وقت ما ردا عارضا لا يوجب له الحياة المعهودة فى الدنيا.
وإذا كان النائم روحه فى جسده وهو حى وحياته غير حياة المستيقظ فإن النوم شقيق الموت فهكذا الميت إذا أعيدت روحه إلى جسده كانت له حال متوسطة بين الحى وبين الميت الذى لم ترد روحه إلى بدنه كحال النائم المتوسطة بين الحى والميت فتأمل هذا يزيح عنك إشكالات كثيرة.
وأما أخبار النبى عن رؤية الأنبياء ليلة أسرى به فقد زعم بعض أهل الحديث أن الذى رآه أشباحهم وأرواحهم قال فإنهم أحياء عند ربهم وقد رأى إبراهيم مسندا ظهره إلى البيت المعمور موسى قائما فى قبره يصلي وقد نعت الأنبياء لما رآهم نعت الأشباح فرأى موسى آدما ضربا طوالا كأنه من

رجال شنوءة ورأى عيسى يقطر رأسه كأنما أخرج من ديماس ورأى إبراهيم فشبهه بنفسه.

ونازعهم فى ذلك آخرون وقالوا هذه الرؤية إنما هى لأرواحهم دون أجسادهم والأجساد فى الأرض قطعا إنما تبعث يوم بعث الأجساد ولم تبعث قبل ذلك إذ لو بعثت قبل ذلك لكانت قد انشقت عنها الأرض قبل يوم القيامة كانت تذوق الموت عند نفخة الصور وهذه موتة ثالثة وهذا باطل قطعا.

ولو كانت قد بعثت الأجساد من القبور لم يعدهم الله إليها بل كانت فى الجنة وقد صح عن النبى أن الله حرم الجنة على الأنبياء حتى يدخلها هو وهو أول من يستفتح باب الجنة وهو أول من تنشق عنه الأرض على الإطلاق لم تنشق عن أحد قبله.

ومعلوم بالضرورة أن جسده في الأرض طرى مطرا وقد سأله الصحابة كيف تعرض صلاتنا عليك وقد أرمت فقال إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء .

ولو لم يكن جسده فى ضريحه لما أجاب بهذا الجواب.

وقد صح عنه أن الله وكل بقبره ملائكة يبلغونه عن أمته السلام.

وصح عنه أنه خرج بين أبى بكر وعمر وقال هكذا نبعث.

هذا مع القطع بأن روحه الكريمة فى الرفيق الأعلى فى أعلى عليين مع أرواح الأنبياء .

وقد صح عنه أنه رأى موسى قائما يصلى فى قبره ليلة الاسراء ورآه فى السماء السادسة أو السابعة فالروح كانت هناك ولها اتصال بالبدن فى القبر وإشراف عليه وتعلق به بحيث يصلى فى قبره ويرد سلام من سلم عليه وهى فى الرفيق الأعلى.

ولا تنافى بين الأمرين فإن شأن الأرواح غير شأن الأبدان وأنت تجد الروحين المتماثلتين المتناسبتين فى غاية التجاور والقرب وان كان بينهما بعد المشرقين وتجد الروحين المتنافرتين المتاغضتين بينهما غاية البعد وإن كان جسداهما متجاورين متلاصقين.

وليس نزول الروح وصعودها وقربها وبعدها من جنس ما للبدن فإنها تصعد إلى ما فوق السموات ثم تهبط إلى الأرض ما بين قبضها ووضع الميت فى قبره وهو زمن يسير لا يصعد البدن وينزل فى مثله وكذلك صعودها وعودها إلى البدن فى النوم واليقظة، وقد مثلها بعضهم بالشمس وشعاعها فإنها فى السماء وشعاعها فى الأرض قال شيخنا وليس هذا مثلا مطابقا فإن نفس الشمس لا تنزل من السماء والشعاع الذى على الأرض ليس هو الشمس ولا صفتها بل هو عرض حصل بسبب الشمس والجرم المقابل

لھا والروح نفسھا تصعد وتنزل (الروح فی الکلام علی أرواح الأموات والأحیاء بالدلائل من الکتاب والسنة،ص ۴۳،الیٰ ۴۵، المسألة السادسة وھی أن الروح ھل تعاد إلی المیت فی قبرہ وقت السؤال أم لا)

ترجمہ: روح کا بدن کے ساتھ تعلق، پانچ قسم کا ہوتا ہے، جو احکام میں ایک دوسرے سے مختلف ہے:

پہلا تعلق، روح کا بدن کے ساتھ ماں کے پیٹ میں ''جنین'' ہونے کی حالت میں ہوتا ہے۔

اور دوسرا تعلق، روح کا بدن کے ساتھ ماں کے پیٹ سے زمین پر آنے کے بعد ہوتا ہے۔

اور تیسرا تعلق، روح کا بدن کے ساتھ نیند کی حالت میں ہوتا ہے کہ نیند میں روح کا بدن کے ساتھ تعلق ایک جہت سے ہوتا ہے، اور دوسری جہت سے روح، بدن سے جدا ہوتی ہے۔

اور چوتھا تعلق، روح کا بدن کے ساتھ، برزخ میں ہوتا ہے کہ برزخ میں روح اگرچہ بدن سے جدا اور الگ ہوجاتی ہے (اور وہ سجین ،جہنم، اور علیین ، جنت، اور رفیقِ اعلیٰ تک پہنچادی جاتی ہے، آسمانوں پر بھی پہنچتی ہے) لیکن وہ (بدن سے) پوری طرح سے جدا نہیں ہوتی کہ روح کا بدن سے کسی قسم کا تعلق ہی باقی نہ رہے (اس لیے بدن کو بھی راحت، یا تکلیف کا احساس ہوتا ہے) اور ہم نے پہلے جواب میں اس طرح کی احادیث اور روایات ذکر کردی ہیں، جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ روح کو بدن کی طرف لوٹایا جاتا ہے، جب کوئی مسلم، سلام کرتا ہے، اور یہ روح کا جسم کی طرف لوٹایا جانا، خاص قسم کا لوٹایا جانا ہے، جو قیامت سے پہلے بدن کی حیات کو ثابت نہیں کرتا۔ [1]

---

[1] علامہ ابنِ قیم نے مذکورہ عبارت میں جو کچھ فرمایا، وہ نصوص کو پیشِ نظر رکھ کر جو سمجھا، اس کے مطابق فرمایا، اور جو بات سمجھ سے بالاتر تھی، اس کو خاص نوعیت سے تعبیر فرمادیا، اور بس۔ محمد رضوان۔

اور پانچواں تعلق، روح کا بدن کے ساتھ، اس (قیامت کے) دن ہوگا، جس دن تمام اجسام کو اٹھایا جائے گا، جو کہ روح کے بدن کے ساتھ تعلق کی تمام قسموں میں سب سے کامل تعلق ہوگا، اور اس سے پہلے جو روح کے بدن کے ساتھ تعلق کی اقسام ذکر کی گئیں، ان کے ساتھ اس کی نسبت نہیں ہوگی، کیونکہ وہ ایسا تعلق ہوگا کہ اس کے ساتھ بدن نہ تو موت کو قبول کرے گا، اور نہ نیند کو قبول کرے گا اور نہ خراب ہونے کو قبول کرے گا (کہ جس کے نتیجہ میں وہ فناء ہوجائے)

جہاں تک اللہ تعالیٰ کے (سورہ زمر میں مذکور) اس ارشاد کا تعلق ہے کہ ''اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰٓی اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی'' تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا اس نفس کو روک کر رکھنا، جس پر اس نفس کی موت کا فیصلہ ہوجائے، اس کے کسی وقت میت کے جسم کی طرف اس طرح لوٹانے کے مخالف نہیں، جو عارضی لوٹانا ہو، اور وہ ایسی حیات کو ثابت نہ کرتا ہو، جو دنیا میں معروف ہے۔

اور جب سونے والے کی روح، اس کے جسم کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے، اور وہ زندہ ہوتا ہے، لیکن اس کا زندہ ہونا، بیدار شخص کی زندگی کی طرح نہیں ہوتا، اور نیند، موت کی بہن ہے، تو اسی طریقے سے میت کی روح کو بھی، جب اس کے جسم کی طرف لوٹایا جاتا ہے، تو اس کی حالت اس زندہ اور مُردہ کی حالت کے بین بین ہوتی ہے، جس کی روح کو اس کے بدن کی طرف لوٹایا نہیں جاتا، جیسا کہ سونے والے کی حالت بھی زندہ اور مُردہ کی حالت کے بین بین ہوتی ہے، اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے، جو تمہارے بہت سے شبہات کو دور کردے گی۔ [1]

اور جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسراء کی رات میں نبیوں کو دیکھنے کی خبر دینے

---

[1] معلوم ہوا کہ برزخ وقبر میں روح کا بدن کی طرف اعادہ، دنیا کی طرح کا نہیں ہوتا، وہ عالمِ برزخ اور عالمِ قبر کی شایانِ شان، اور نیند کے مشابہ ہوتا ہے، اور اس حالت کو دنیا کی حالت پر قیاس کرنا درست نہیں۔ محمد رضوان۔

کا تعلق ہے، تو بعض اَھْلُ الْحَدِیْث کا گمان یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیائے کرام کی شکل وشباہت (یعنی ان کی امثال) اور ان کی ارواح کو دیکھا، کیونکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، اور ابراہیم علیہ السلام کو بَیْتُ الْمَعْمُوْر سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے دیکھا، اور موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں کھڑے ہوکر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن نبیوں کی شکل وشباہت کو بیان کردیا، اور موسیٰ علیہ السلام کو لمبے قد وقامت، اور گندمی رنگ میں دیکھا، گویا کہ وہ قبیلۂ شنوء ۃ کے لوگوں میں سے ہیں، اور عیسیٰ علیہ السلام کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا، گویا کہ وہ پانی سے برآمد ہوئے ہوں، اور ابراہیم علیہ السلام کو اپنے مشابہ حالت میں دیکھا۔

لیکن دیگر اہلِ علم حضرات نے مذکورہ اَھْلُ الْحَدِیْث حضرات سے اختلاف کیا ہے، اور انہوں نے فرمایا کہ یہ نبیوں کو دیکھنا، اُن کی ارواح کو جسم کے بغیر دیکھنا تھا، کیونکہ ان کے جسم تو یقینی طور پر زمین میں ہیں، جن کو قیامت کے دن جب سارے جسم اٹھائے جائیں گے، اس دن اٹھایا جائے گا، اور اس سے پہلے نہیں اٹھایا جائے گا، اس لیے کہ اگر اس سے پہلے اٹھایا جاتا، تو قیامت سے قبل وہاں سے زمین پھٹتی، اور وہ صور پھونکے جانے کے وقت، دوبارہ موت کو پاتے، جو کہ تیسری موت ہوتی، اور یہ قطعی طور پر غلط بات ہے۔

اور اگر قبروں سے اجسام کو اٹھایا جاچکا ہو، تو اللہ تعالیٰ اُن کو قبروں کی طرف واپس نہ لوٹاتا، بلکہ وہ اجسام، جنت میں ہوتے، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث میں یہ بات وارِد ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو نبیوں پر حرام کردیا ہے، جب تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، جنت میں داخل نہ ہوجائیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی پہلے شخص ہیں، جن کے لیے جنت کے دروازے کو کھولا جائے گا، اور سب سے پہلے

آپ کے لیے زمین کو شق کیا جائے گا، یہ بات **علی الاطلاق** ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی کے لیے زمین کو شق نہیں کیا جائے گا۔

اور یہ بات بھی ضروری طور پر معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمِ مبارک، زمین پر تروتازہ ہے، جس کے متعلق آپ سے صحابہ نے سوال کیا تھا کہ ہمارا درود آپ پر کس طرح پیش کیا جائے گا، جبکہ آپ مٹی ہو چکے ہوں گے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ بے شک اللہ نے زمین پر، نبیوں کے جسموں کے کھانے کو حرام قرار دے دیا ہے۔

اور اگر آپ کا جسمِ مبارک آپ کی قبر میں نہ ہوتا، تو آپ یہ جواب مرحمت نہ فرماتے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی صحیح ہے کہ ”اللہ نے آپ کی قبر پر فرشتوں کو مقرر فرمادیا ہے، جو آپ کی طرف، آپ کی امت کا سلام پہنچاتے ہیں“

اورحدیث میں یہ مضمون بھی آیا ہے کہ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان تشریف لائے، اور فرمایا کہ ہمیں اسی طرح اٹھایا جائے گا“ (یعنی اسی زمین کے حصہ سے، جہاں آپ سب مدفون ہیں)

اسی کے ساتھ یہ بات بھی یقینی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک، رفیقِ اعلیٰ میں نبیوں کی روحوں کے ساتھ اعلیٰ علیین میں ہے۔

اور یہ بات بھی صحیح حدیث میں مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو اسراء کی رات میں، ان کی قبر میں کھڑے ہوکر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اور ان کو چھٹے، یا ساتویں آسمان پر بھی دیکھا، تو روح وہاں پر تھی، اور روح کا قبر میں بدن کے ساتھ اتصال ہے، اور روح، بدن کی طرف متوجہ ہے، اور روح کا بدن کے ساتھ اس طرح کا تعلق ہے کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں، اور سلام

کرنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں، حالانکہ روح، رفیقِ اعلیٰ میں ہے۔

اوران دونوں باتوں کے درمیان کوئی ٹکراؤ نہیں، کیونکہ ارواح کی حالت، ابدان کی حالت سے مختلف ہے، اورآپ دیکھتے ہیں کہ دوہم مثل اورایک دوسرے سے مناسبت رکھنے والی روحیں، ایک دوسرے کے بہت زیادہ قریب اورنزدیک ہوتی ہیں، اگرچہ ان کے درمیان میں مشرق ومغرب کا فاصلہ کیوں نہ ہو، اورآپ دیکھتے ہیں کہ ایک دوسرے سے نفرت کرنے والی، اوربغض رکھنے والی، دوروحوں کے درمیان، بہت زیادہ فاصلہ ہوتا ہے، اگرچہ ان کے جسم ایک دوسرے کے قریب، اورایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے کیوں نہ ہوں۔

اورروح کا اترنا اور چڑھنا، اوراس کا قریب ہونا، اوردور ہونا، اس طرح کا نہیں، جس طرح کا بدن کے لیے ہوتا ہے، کیونکہ روح، آسمان سے اوپر چڑھ جاتی ہے، پھرزمین کی طرف اُترآتی ہے، جب اس روح کو قبض کیا جاتا ہے، تاآنکہ اس کی میت کو قبر میں رکھا جائے، اوریہ تھوڑا سا زمانہ ہوتا ہے، جس میں بدن کا اس طرح چڑھنا، اوراترنا مشکل ہے، اوراسی طریقے سے روح کا نینداور بیداری میں چڑھ جانا، اوراس کا لوٹ آنا بھی ہے، اوربعض نے اس کی مثال، سورج اوراس کی روشنی کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ سورج آسمان میں ہوتا ہے، اوراس کی روشنی زمین میں ہوتی ہے، ہمارے شیخ (ابنِ تیمیہ) نے فرمایا کہ یہ مثال مطابقت نہیں رکھتی، کیونکہ سورج خودتو آسمان سے نیچے نہیں آتا، اوراس کی جو روشنی زمین پر ہوتی ہے، وہ نہ تو سورج ہوتی، اورنہ اس کی صفت ہوتی، بلکہ وہ ایسی حالت ہوتی ہے، جوسورج اوراس کی ٹکیہ کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے، جواس (سورج) کے مقابلے میں ہوتی ہے، لیکن روح، بذاتِ خود چڑھتی اوراترتی ہے(الروح)

فائدہ: مثالیں صرف افہام وتفہیم کے لیے ہوتی ہیں، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ”دارِ برزخ وقبراور

عالمِ برزخ'' کا معاملہ ''دارِ دنیا'' سے الگ اور جُدا ہے، ایک عالم کے حالات کو دوسرے عالم پر قیاس کرنا، درست نہیں۔

مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیائے کرام وشہدائے عظام، سب کی ارواح ''عالمِ برزخ'' میں ہوتی ہیں، اور وہ حضرات عالمِ دنیا کے اعتبار سے مردہ ہی ہوتے ہیں، اور ''شہداء'' کو جو مردہ کہنے اور سمجھنے سے منع کیا گیا ہے، وہ دراصل عالمِ برزخ کی جہت سے ہی ہے، کہ وہ عالمِ برزخ میں زندہ ہیں، ''عِنۡدَ رَبِّهِمۡ'' فرما کر ''عالمِ برزخ'' میں زندہ ہونے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

اور اگر کسی کو سمجھ نہ آئے، تو اس کے لیے ''وَلٰكِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ'' سے فیصلہ کر دیا گیا ہے۔

پس جس طرح شہداء اپنے رب کے پاس، اور عالمِ برزخ میں زندہ ہیں، اسی طرح انبیائے کرام بھی اپنے رب کے پاس ''عالمِ برزخ'' میں انتہائی اعلیٰ مقام پر زندہ ہیں، اسی کی تعبیر علیین، رفیقِ اعلیٰ اور جنت وغیرہ میں ہونے سے کی گئی ہے۔

البتہ انبیائے کرام کے اجسامِ مبارکہ کو یہ استثناء حاصل ہے کہ ان کے اجسام کو مٹی نہیں کھاتی، اور وہ ہمیشہ تروتازہ اور معطر رہتے ہیں۔

پس رفیقِ اعلیٰ اور علیین وجنت کی اعلیٰ درجہ کی حیات کی نفی کر کے اس سے کمزور دنیاوی زندگی کے درپے ہونا، غیر معقول طریقہ ہے۔

علامہ ابنِ قیم کا تیسرا حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ کے شاگرد، علامہ ابنِ قیم ایک مقام پر فرماتے ہیں:

قبور الأنبياء من أطهر البقاع، وليس للنجاسة عليها طريق البتة، فإن الله حرم على الأرض أن تأكل أجسادهم فهم في قبورهم طريون (إغاثة اللهفان من مصايد الشيطان، لابن القيم، ج ا، ص١٨٧، الباب الثالث عشر: في مكايد الشيطان التي يكيد بها ابن آدم)

ترجمہ: انبیائے کرام کی قبور، پاک ترین مقامات میں سے ہیں، اور ان کے

ناپاک ہونے کا کوئی مطلب نہیں، کیونکہ اللہ نے زمین پر اس چیز کو حرام قرار دے
دیا ہے کہ وہ انبیائے کرام کے اجسام کو کھائیں، پس وہ اپنی قبروں میں تروتازہ ہیں
(اغاثۃ اللھفان)

علامہ ابنِ قیم نے یہ حکم، انبیائے کرام کی قبروں کے ان مقامات کے بارے میں بیان فرمایا ہے، جہاں ان کی تدفین کی جاتی ہے۔

اور ارواح کے متعلق اصول وقواعد سے یہ بات طے شدہ ہے کہ وہ برزخ میں ہوتی ہیں، جس کی حدود اور اس کی نعمتیں وراحتیں، دنیا سے کہیں اعلیٰ وارفع ہیں، اور انبیائے کرام کی ارواح سب سے اعلیٰ مرتبہ ودرجہ پر ہوتی ہیں، جس کو ''رفیقِ اعلیٰ، اعلیٰ علیین اور جنت'' وغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس لیے انبیائے کرام کے اجسام کے محفوظ رہنے کی بنیاد پر ایک اصولی اور متفق علیہ برزخی زندگی کا انکار کرنا درست نہیں۔

اسی طرح ''قبور'' یا ''قبر'' کے الفاظ سے ''برزخ'' کی نفی سمجھنا بھی درست نہیں، ورنہ تو جن بے شمار نصوص میں کافر ومومن اور جہنمی وجنتی کے متعلق ''قبر'' یا ''قبور'' کے الفاظ آئے ہیں، ان میں بھی اس طرح کی تاویل کی ضرورت پیش آئے گی، جس سے سارا معاملہ بگڑ کر رہ جائے گا، کیونکہ یہ معلوم ہے کہ بہت سے کافر ومشرک، مُردہ کی تدفین نہیں کرتے، بلکہ جلا دیتے ہیں۔

اور ہم یہ بار بار واضح کر چکے کہ ''برزخ'' اور ''قبر'' کو دو متضاد چیزیں سمجھ کر احکام جاری کرنا، اور قبر، یا زمین کے اس حصے سے جہاں میت کے اجزاء، یا اس کا بدن ہو، وہاں عالمِ برزخ کے جملہ احوال کے جاری ہونے کو سمجھنا، دراصل عالمِ برزخ اور قبر کے مفہوم میں التباس ہے، جبکہ عالمِ برزخ میں اصل احوال روح پر جاری ہوتے ہیں، اور اللہ کی حسبِ مشیت جسم تک، دنیا والوں کے شعور سے ماوراء ہو کر سرایت کرتے ہیں۔

علامہ ابنِ قیم کا چوتھا حوالہ

علامہ ابنِ قیم اپنی تالیف ''زادُ المعاد'' میں فرماتے ہیں:

وبعد وفاته استقرت (روح رسول الله صلى الله عليه وسلم) في الرفيق الأعلى مع أرواح الأنبياء -عليهم الصلاة والسلام- ومع هذا فلها إشراف على البدن وإشراق وتعلق به بحيث يرد السلام على من سلم عليه وبهذا التعلق رأى موسى قائما يصلي في قبره ورآه في السماء السادسة. ومعلوم أنه لم يعرج بموسى من قبره ثم رد إليه وإنما ذلك مقام روحه واستقرارها وقبره مقام بدنه واستقراره إلى يوم معاد الأرواح إلى أجسادها فرآه يصلي في قبره ورآه في السماء السادسة كما أنه صلى الله عليه وسلم في أرفع مكان في الرفيق الأعلى مستقرا هناك وبدنه في ضريحه غير مفقود وإذا سلم عليه المسلم رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام ولم يفارق الملأ الأعلى ومن كثف إدراكه وغلظت طباعه عن إدراك هذا فلينظر إلى الشمس في علو محلها وتعلقها وتأثيرها في الأرض وحياة النبات والحيوان بها هذا وشأن الروح فوق هذا فلها شأن وللأبدان شأن وهذه النار تكون في محلها وحرارتها تؤثر في الجسم البعيد عنها مع أن الارتباط والتعلق الذي بين الروح والبدن أقوى وأكمل من ذلك وأتم فشأن الروح أعلى من ذلك وألطف (زاد المعاد لابن القيم، ج۳، ص۳۶، فصل: الفرق بين من قال كان الإسراء بالروح وبين أن يقال كان الإسراء مناما)

ترجمہ: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد، آپ کی روح انبیاء علیہم السلام کی ارواح کے ساتھ رفیقِ اعلیٰ میں ہے، لیکن اس کے باوجود اس روح کو بدن سے اس طرح کا واسطہ اور تعلق ہے کہ جو آپ پر سلام کرتا ہے، آپ اس کے سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں، اور اسی تعلق کی وجہ سے آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اور ان کو چھٹے آسمان پر بھی دیکھا، اور یہ بات معلوم ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر سے اوپر لے جا کر واپس نہیں لوٹایا گیا، بلکہ وہ آپ کی روح کا مقام اور اس کا ٹھکانا تھا، اور ان کی قبر ان کے بدن کا مقام اور بدن کا ٹھکانا ہے، قیامت کے اس دن تک، جب ارواح

کو اجسام کی طرف لوٹایا جائے گا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اور چھٹے آسمان پر بھی دیکھا، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیقِ اعلیٰ میں بلند مقام پر ٹھکانا ہے، اور آپ کا بدن آپ کی قبر میں موجود ہے، اور جب کوئی مسلمان آپ کو سلام کرتا ہے، تو آپ کی طرف آپ کی روح کو سلام کا جواب دینے کے لیے لوٹا دیا جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود آپ اَعْلٰی عِلِّیِّیْن کی جماعت سے جدا نہیں ہوتے، اور جس کی سمجھ میں کثافت ہو، اور طبیعت میں اس بات کو سمجھنے سے اکھڑ پن ہو، تو اسے چاہیے کہ وہ سورج کے بلند مقام اور اس کے زمین میں تعلق اور تاثیر کو دیکھ لے، اور نبات اور حیوان کی زندگی کو دیکھ لے، جب کہ روح کی شان اس سے بلند تر ہے، اس کی الگ شان ہے، اور ابدان کی الگ شان ہے، اور آگ کے مقام اور اس کی حرارت، اپنے سے دور جسم پر اثر انداز ہو جاتی ہے، اور وہ تعلق جو روح اور بدن کے درمیان ہے، وہ ان چیزوں سے زیادہ قوی اور زیادہ کامل اور مکمل ہوتا ہے، پس روح کی شان اس سے بہت بلند اور بہت لطیف ہے (زاد المعاد)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ''رفیقِ اعلیٰ'' میں ہے، جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے تھے، اور آپ کی روح کا آپ کی قبر سے بھی تعلق قائم ہے۔

اور یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ انبیائے کرام کے اجسام وابدان، وفات کے بعد متغیر نہیں ہوتے، اور مٹی ان پر اثر انداز ہو کر، ان کو خراب نہیں کرتی۔

اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کا آپ کے جسمِ عنصری سے تعلق قائم ہے، جس کے نتیجہ میں وہ اپنی قبر میں اس طرح نماز بھی پڑھتے ہیں کہ ان کو اللہ کی طرف سے نماز کا مکلّف نہیں کیا جاتا۔

لیکن یہ سب کچھ بندوں کی نظر سے غائب اور عالمِ برزخ میں ہے، اور آپ کی یہ حیات

''برزخی'' ہے، اس لیے اس کی ''کیفیت و کنہ'' میں کھود کرید، اور کدو کاوِش درست نہیں، بلکہ کم علم لوگوں کے لیے طرح طرح کے شکوک وشبہات کا باعث ہے۔

علامہ ابنِ قیم کا پانچواں حوالہ

علامہ ابنِ قیم اپنی تالیف ''مدارجُ السالکین'' میں فرماتے ہیں:

قال اللّٰہ تعالی : (ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ أمواتا بل أحیاء عند ربھم یرزقون) (آل عمران) ، وقال تعالی :(ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ أموات بل أحیاء ولکن لا تشعرون) (البقرۃ) وإذا کان الشھداء إنما نالوا ھذہ الحیاۃ بمتابعۃ الرسل وعلی أیدیھم، فما الظن بحیاۃ الرسل فی البرزخ؟ (مدارج السالکین بین منازل إیاک نعبد وإیاک نستعین، ج۳، ص ۲۶۴، فصل الحیاۃ الأولی حیاۃ العلم من موت الجھل وھی عشر مراتب)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا (سورہ آلِ عمران میں) ارشاد ہے کہ تم ہرگز گمان نہ کرو ان لوگوں کو جو اللہ کے راستہ میں قتل کر دیئے جائیں کہ وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس، ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا (سورہ بقرہ میں) ارشاد ہے کہ نہ کہو تم اس کو جو قتل کر دیا جائے، اللہ کے راستہ میں ''مردہ'' بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔

اور جب شہداء نے اس حیات کو رسولوں کی متابعت اور ان کے ہاتھ پر پالیا، تو رسولوں کی برزخ میں حیات کے متعلق کیا گمان ہوگا؟ (مدارج السالکین)

مذکورہ عبارت میں انبیاء کی حیات کے برزخی ہونے کی صاف تصریح ہے۔

امام بیہقی کا حوالہ

امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفیٰ: 458ہجری) فرماتے ہیں:

أن اللّٰہ جلّ ثناؤہٗ ردّ (إلی) الأنبیاء علیھم السلام أرواحھم فھم أحیاء عند ربھم کالشھداء (حیاۃ الأنبیاء صلوات اللہ علیھم بعد وفاتھم للبیھقی، ص ۱۱۰، تحت رقم الحدیث ۱۲)

ترجمہ: بے شک اللّٰہ جلّ ثنائہٗ نے انبیاء علیہم السلام کی طرف اُن کی ارواح کو لوٹا دیا ہے، پس وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، جس طرح شہداء بھی اپنے رب کے پاس زندہ ہیں (حیاۃ الانبیاء)

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات رب تعالیٰ کے قرب میں ہے، اسی کو بعض نے ''رفیقِ اعلیٰ'' میں ہونے سے، اور بعض نے ''اعلیٰ علیین'' میں ہونے سے، اور بعض نے ''جنت'' میں ہونے سے اور بعض نے ''برزخ'' میں ہونے سے تعبیر کر دیا ہے، اور بعض نے ان کے اجسام، سلامت ہونے اور سلام کا جواب دینے کی وجہ سے اس برزخی حیات کو دنیا کی حیات کے مشابہ کہہ دیا ہے، اور بعض نے محض خیالی، یا خواب کی طرح کی نفی کرنے کے لیے حقیقی حیات کہہ دیا ہے، جو مختلف تعبیرات ہیں، اور مقصود ایک ہی ہے، اس لیے اس قسم کی مختلف تعبیرات کو پکڑ کر بیٹھ جانا، اور ان کے مابین تعارض کا دعویٰ کر کے بحث ومباحثہ کرنا درست طریقہ نہیں۔

امام بیہقی کا دوسرا حوالہ

امام بیہقی ''شعبُ الایمان'' میں فرماتے ہیں کہ:

ووجهه عندی أن نبينا صلی الله عليه وسلم أخبر عن رؤية جماعة من الأنبياء ليلة المعراج، وإنما يصح ذلک علی تقدير أن الله تعالی رد إليهم أرواحهم فهم أحياء عند ربهم (شعب الایمان للبیهقی، ج ۱، ص ۵۳۳، تحت رقم الحديث ۱۴۶، الثامن من شعب الإيمان: وهو باب فی حشر الناس بعدما يبعثون، فصل "فی كيفية انتهاء الحياة الأولی وابتداء الحياة الأخری وصفة يوم القيامة ")

ترجمہ: اور اس کی وجہ میرے نزدیک یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کی ایک جماعت کو معراج کی رات میں دیکھنے کی خبر دی ہے، اور یہ بات اسی صورت میں درست قرار پاتی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اُن کی ارواح کو لوٹا دیا ہو، پس وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں (شعب الایمان)

امام بیہقی کا تیسرا حوالہ

اور امام بیہقی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

فصل: والأنبياء عليهم السلام بعدما قبضوا ردت إليهم أرواحهم فهم أحياء عند ربهم كالشهداء، وقد رأى نبينا صلى الله عليه وسلم جماعة منهم ليلة المعراج وأمر بالصلاة عليه والسلام عليه .وأخبر -وخبره صدق -أن صلاتنا معروضة عليه وأن سلامنا يبلغه وأن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء (الاعتقاد للبيهقي، ص۳۰۵، باب القول في إثبات نبوة محمد المصطفى صلى الله عليه وسلم)

ترجمہ: فصل: اور انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو قبض کرنے کے بعد اُن کی طرف اُن کی ارواح کو لوٹا دیا جاتا ہے، پس وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، جس طرح شہداء بھی اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض انبیائے کرام کو معراج کی رات میں دیکھا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ و سلام پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی خبر دی ہے، اور آپ کی خبر سچی ہے کہ ہمارا درود نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا جاتا ہے، اور ہمارا سلام بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا جاتا ہے، اور بے شک اللہ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کے کھانے کو حرام قرار دے دیا ہے (الاعتقاد)

اس عبارت میں بھی انبیاء علیہم السلام کی ارواح قبض ہونے کے بعد ان کی طرف ارواح کے لوٹائے جانے کے بعد ''اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ كَالشُّهَدَاءِ'' کے الفاظ ہیں۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ ''عِنْدَ رَبِّهِمْ'' سے ''عالَمِ برزخ'' کی طرف اشارہ ہے، جہاں اللہ کی حسبِ منشاء، ان کے ساتھ اعزاز و اکرام والا سلوک کیا جاتا ہے۔

اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ ''عالَمِ برزخ'' کا مفہوم اپنی وسعت کے اعتبار سے جنت، اور اَعْلٰی عِلِّيِّيْن کو بھی شامل ہے، جس طرح نافرمانوں کے لیے جہنم اور سِجِّيْن کو بھی شامل ہے۔

امام بیہقی کا چوتھا حوالہ

اور امام بیہقی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

ولیس بین هذه الأخبار منافاة فقد یراه فی مسیره وإنما یصلی فی قبره لم یسار به إلی بیت المقدس کما أسری بالنبی صلی الله علیه وآله وسلم، فیراه فی السماء وکذلک سائر من رآه من الأنبیاء ، فی الأرض ثم فی السماء والأنبیاء صلوات الله علیهم أحیاء عند ربهم کالشهداء فلا ینکر حلولهم فی أوقات بمواضع مختلفات کما ورد خبر الصادق به (دلائل النبوة للبیهقی، ج۲، ص۳۸۸، باب الدلیل علی أن النبی صلی الله علیه وآله وسلم عرج به إلی السماء فرأی جبریل علیه السلام فی صورته عند سدرة المنتهی)

ترجمہ: اور ان احادیث کے درمیان کوئی ٹکراؤ نہیں، پس یقینی طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت القدس میں نہیں لے جایا گیا، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے جایا گیا، پھر موسیٰ علیہ السلام کو ساتویں آسمان پر دیکھا، اور اسی طرح سے ان سب انبیاء کو (بیتُ المقدس وغیرہ کی) زمین میں دیکھا، پھر آسمان میں بھی دیکھا، اور انبیاء صلی اللہ علیہم وسلم اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، جس طرح شہداء بھی اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، لہٰذا ان انبیاء کے مختلف اوقات میں مختلف مقامات میں حلول (ونزول) کرنے کا انکار نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ اس کے متعلق سچی حدیث آئی ہے (دلائلُ النبوۃ)

امام بیہقی نے مذکورہ عبارت میں نصوص کے مطابق حکم بیان کر دیا، اور اس کے عقل کے موافق ہونے نہ ہونے کی بحث نہیں چھیڑی، کیونکہ اللہ کے لئے کوئی کام مشکل نہیں، سلف کا اس طرح کے احکام بیان کرنے کا یہی طریقہ تھا کہ وہ شریعت کے حکم پر اسی طرح سے عقیدہ رکھتے تھے، جس طرح شریعت کی طرف سے وہ حکم آیا ہے، اور اس میں دنیا کے قیاسات کو دخیل نہیں بنایا کرتے تھے، جو کم علم لوگوں کے لئے عالمِ غیب کی باتوں کو عالمِ شہادت کی طرح

سمجھ کر مختلف شکوک وشبہات پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

امام ذہبی کا حوالہ

مشہور محدث امام ذہبی (المتوفیٰ:748ہجری) فرماتے ہیں:

والنبی صلی الله علیه وسلم فمفارق لسائر أمته فی ذلک، فلا یبلی، ولا تأكل الارض جسده، ولا یتغیر ریحه، بل هو الآن، وما زال أطیب ریحا من المسک، وهو حی فی لحده حیاة مثله فی البرزخ، التی هی أكمل من حیاة سائر النبیین، وحیاتهم بلا ریب أتم وأشرف من حیاة الشهداء الذین هم بنص الكتاب''أحیاء عند ربهم یرزقون'‘وهؤلاء حیاتهم الآن التی فی عالم البرزخ حق، ولكن لیست هی حیاة الدنیا من كل وجه، ولا حیاة أهل الجنة من كل وجه، ولهم شبه بحیاة أهل الكهف.

ومن ذلک اجتماع آدم وموسی لما احتج علیه موسی، وحجه آدم بالعلم السابق. كان اجتماعهما حقا، وهما فی عالم البرزخ، وكذلک نبینا -صلی الله علیه وسلم -أخبر أنه رأی فی السماوات آدم، وموسی، وإبراهیم، وإدریس، وعیسی، وسلم علیهم، وطالت محاورته مع موسی، هذا كله حق، والذی منهم لم یذق الموت بعد، هو عیسی -علیه السلام.

فقد تبرهن لک أن نبینا -صلی الله علیه وسلم -ما زال طیبا مطیبا، وإن الأرض محرم علیها أكل أجساد الأنبیاء ، وهذا شیء سبیله التوقیف، وما عنف النبی -صلی الله علیه وسلم -الصحابة -رضی الله عنهم -لما قالوا له بلا علم :وكیف تعرض صلاتنا علیک وقد أرمت؟ یعنی :قد بلیت.-فقال: ”إن الله حرم علی الأرض أن تأكل أجساد الأنبیاء “(سیر اعلام النبلاء، ج۹، ص ۱۶۱،۱۶۲، تحت ترجمة: وكیع بن الجراح بن ملیح بن عدی الرؤاسی، رقم الترجمة ۴۸)

ترجمہ: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلہ میں پوری امت سے جُدا حکم رکھتے ہیں کہ آپ کا جسم بوسیدہ نہیں ہوتا، اور آپ کے جسم کو مٹی نہیں کھاتی، اور آپ (کے بدن مبارک سے پھوٹنے والی مخصوص نوعیت) کی خوشبو متغیر نہیں ہوتی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی اور آئندہ بھی ہمیشہ مشک کی خوشبو سے زیادہ معطر ہیں، اور آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، برزخ میں آپ کو اس کے مثل حیات حاصل ہے، جو کہ تمام نبیوں کی حیات سے زیادہ اکمل ہے، اور انبیائے کرام کی

حیات بلا شک وشبہ اُن شہداء سے اتم اور اشرف ہے، جن کی حیات کا قرآن مجید کی سورہ آلِ عمران میں اس طرح ذکر آیا ہے کہ ''أَحۡيَـاءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ '' اور انبیائے کرام کی اب بھی عالمِ برزخ میں حیات برحق ہے۔ [1]

لیکن وہ ہر جہت سے دنیا کی حیات نہیں ہے، اور نہ ہر جہت سے جنت والوں کی حیات ہے، اور ابنیائے کرام کی حیات ''اہلِ کہف'' کی حیات کے مشابہ ہے۔

اور اسی قبیل سے آدم اور موسیٰ علیہما السلام کا جمع ہونا ہے، جب اُن سے موسیٰ علیہ السلام نے گفتگو کی، اور موسیٰ علیہ السلام سے آدم علیہ السلام نے اپنے سابق علم کی روشنی میں گفتگو کی، ان دونوں حضرات کا اجتماع بھی برحق ہے، اور یہ دونوں نبی، عالمِ برزخ میں ہیں۔

اور اسی طریقہ سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ انہوں نے آسمانوں میں آدم اور موسیٰ اور ابراہیم اور ادریس اور عیسیٰ علیہم السلام کو دیکھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ طویل گفتگو ہوئی، یہ تمام باتیں برحق ہیں۔

اور انبیائے کرام میں سے جن کی (دنیاوی) موت واقع نہیں ہوئی، جو کہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے) ان کو بھی دیکھا۔

پس آپ کے سامنے مضبوط دلیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم برابر خوشبودار ہیں، اور آپ سے برابر خوشبو مہکتی ہے، اور زمین پر انبیاء کے اجسام کو کھانا حرام کر دیا گیا ہے۔

---

[1] مذکورہ عبارت میں انبیائے کرام کی حیات کے برزخ میں ہونے کو برحق فرمایا گیا ہے، اسی کو ''برزخی حیات'' کہا جاتا ہے، اور جن حضرات نے ''حقیقی حیات'' فرمایا، وہ اس کے برخلاف نہیں، کیونکہ ''حقیقی'' کا راجح مطلب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ وہ حقیقت اور نفس الامر میں واقع کے مطابق ہے، صرف روحانی وخیالی، یا محض خواب کے درجہ کی نہیں، اور کسی جہت سے تمثیل اس کے منافی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد رضوان۔

اور یہ ایسی چیز ہے، جس پر مطلع ہوئے بغیر خاموشی کا حکم ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس بات پر تنبیہ نہیں فرمائی، جب انہوں نے علم کے بغیر یہ سوال کیا کہ ہمارا درود آپ پر کس طرح پیش کیا جائے گا، جب کہ آپ مٹی ہو چکے ہوں گے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کو کھانا حرام قرار دے دیا ہے (سیر اعلام النبلاء)

مذکورہ عبارت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اور برزخ میں حیات کی تصریح ہے۔

ساتھ ہی مذکورہ عبارت میں آپ کی حیات کے مِنْ کُلِّ الْوُجُوْہ دنیا کی حیات اور مِنْ کُلِّ الْوُجُوْہ جنت کی حیات ہونے کی نفی کی گئی ہے، اور اس سلسلہ میں نصوص کے بغیر کوئی حکم لگانے کی نفی کی گئی ہے۔

اور بطور تفہیم کے آپ کی حیات کو ''اہلِ کہف'' کی حیات سے مشابہت دی گئی ہے۔

اور اہلِ کہف کی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ حالت بیان فرمائی ہے کہ:

وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ

(سورة الكهف، رقم الآية ۱۸)

اور یہ بات ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت ومشیت سے انبیاء کے اجسام وابدان کو بھی دائیں، بائیں کروٹ پر بدلتا رہتا ہو، جیسا کہ ظاہر اسباب میں میڈیکل کی رُو سے جسم کو متغیر ہونے سے بچنے کے لیے اس طرح کی حرکت کی ضرورت ہوتی ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ مافوق الاسباب حرکت دیے بغیر ان کے اجسام وابدان کو سلامت رکھتا ہو، یہ سب کچھ اللہ کے علم اور اس کی مشیّت کے ساتھ وابستہ ہے۔

امام ذہبی کا دوسرا حوالہ

امام ذہبی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

فالجواب: أنهم مثلوا له، فرآهم غير مرة، فرأى موسى في مسيرة قائما

يصلى فى قبره، ثم رآه ببيت المقدس، ثم رآه فى السماء السادسة هو وغيره، فعرج بهم، كما عرج بنبينا صلوات الله على الجميع وسلامه.
والأنبياء أحياء عند ربهم كحياة الشهداء عند ربهم، وليست حياتهم كحياة أهل الدنيا، ولا حياة أهل الآخرة، بل لون آخر، كما ورد أن حياة الشهداء بأن جعل الله أرواحهم فى أجواف طير خضر، تسرح فى الجنة وتأوى إلى قناديل معلقة تحت العرش، فهم أحياء عند ربهم بهذا الاعتبار كما أخبر سبحانه وتعالى، وأجسادهم فى قبورهم .وهذه الأشياء أكبر من عقول البشر، والإيمان بها واجب كما قال تعالى :"الذين يؤمنون بالغيب"
(سير أعلام النبلاء، ج ١، ص ٢٢٠، السيرة النبوية ،ذكر معراج النبى صلى الله عليه وسلم إلى السماء)

ترجمہ: اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ (شبِ معراج میں) انبیائے کرام کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمثیل پیش کی گئی، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن انبیاء کو ایک سے زیادہ مرتبہ دیکھا، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو راستے میں اُن کی قبر میں کھڑے ہوکر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، پھر دوبارہ ان کو بیتُ المقدس میں دیکھا، پھر سہ بارہ ان کو، اوران کے علاوہ دوسرے نبیوں کو چھٹے آسمان میں دیکھا، پھر اُن نبیوں کو اوپر لے جایا گیا، جیسا کہ ہمارے نبی کو اوپر لے جایا گیا، ان سب پر اللہ کی رحمت اور اللہ کی سلامتی نازل ہو۔

اورانبیاء، اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، جس طریقے سے شہداء کی حیات بھی، اپنے رب کے پاس ہے، اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ نے ان شہداء کی ارواح کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں رکھ دیا ہے، جو جنت میں گھومتی پھرتی ہیں، اور عرش کے نیچے لٹکی ہوئی قندیلوں میں ٹھکانہ پکڑتی ہیں، پس وہ حضرات اپنے رب کے پاس اس اعتبار سے ہی زندہ ہیں، جیسا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے خبر دی ہے، اوران کے اجسام اور ابدان، اُن کی قبروں میں ہیں، اور یہ چیزیں بشری عقلوں سے بالاتر ہیں، اوران پر ایمان لانا واجب ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا (سورہ بقرہ میں) ارشاد ہے کہ ''اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ'' (سیر اعلام النبلاء)

فائدہ: انبیاء کی قبروں کے علاوہ آسمان وغیرہ پر انبیاء کی تمثیل پیش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آسمان پر دیکھے جانے والے، انبیاء، کسی دوسری طرح کے نہیں تھے، بلکہ ویسے ہی تھے، جیسے زمین پر دیکھے تھے، اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے، اور اس کی قدرت طرح طرح کے شکوک وشبہات کرنے والوں پر غالب ہے، جس پر کسی کے شک وشبہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

سمجھنے کے لئے اتنا بھی کافی ہے کہ جس طرح سے نیند میں سونے والے کا جسم اور بدن، زمین کے مخصوص حصہ میں ہوتا ہے، اور اس کی روح مختلف مقامات پر چلی جاتی ہے، اسی طرح انبیائے کرام وشہدائے عظام کے اجسامِ عنصری بھی اپنی اپنی حسبِ شان اُن کی قبروں میں ہوتے ہیں، اور ان کی ارواح عالمِ بالا میں مختلف مقامات پر ہوتی ہیں، اور جس طرح سونے والے کے جسم کے ساتھ، اس کی روح کا تعلق ہوتا ہے، اسی طرح انبیائے کرام وشہدائے عظام وغیرہ کے اجسام وابدان کے ساتھ اُن کی ارواح کا تعلق ہوتا ہے، اور یہ بات اپنے مقام پر ذکر کی جاچکی ہے کہ قرآن وسنت میں، نیند کو موت کی نظیر قرار دیا گیا ہے، جس کی روشنی میں انبیائے کرام وغیرہ کے اجسام وابدان اور ان کی ارواح کے مسئلے کو بآسانی سمجھا جاسکتا ہے، تاہم یہ بات ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ نیند اور خواب کی حالت، موت اور اس کے بعد عالمِ برزخ میں پیش آنے والے احوال کی ایک نظیر، ضرور ہے، لیکن وہ اس کا ''عین'' نہیں، بلکہ ''غیر'' ہے، اس لیے اگر بعض جہات سے موت اور عالمِ برزخ کے احوال کو نیند سے مشابہت ومماثلت حاصل نہ ہو، تو اس سے مسئلہ ہٰذا پر کوئی فرق نہیں پڑتا، جیسا کہ ''نظائر وامثال'' کے متعلق یہ بات اصولی طور پر طے شدہ ہے۔

امام ذہبی کا تیسرا حوالہ

اور امام ذہبی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

قلت: النبی صلی اللہ علیہ وسلم سید البشر، وھو بشر یأکل ویشرب

وینام، ویقضی حاجته، ویمرض ویتداوی، ویتسوک لیطیب فمه، فهو فی هذا کسائر المؤمنین، فلما مات – بأبی هو وأمی صلی الله علیه وسلم – عمل به کما یعمل بالبشر من الغسل والتنظیف والکفن واللحد والدفن، لکن ما زال طیبا مطیبا، حیا ومیتا، وارتخاء أصابعه المقدسة، وانثناؤها، وربو بطنه لیس معنا نص علی انتفائه، والحی قد یحصل له ریح وینتفخ منه جوفه، فلا یعد هذا – وإن کان قد وقع – عیبا، وإنما معنا نص علی أنه لا یبلی، وأن الله حرم علی الأرض أن تأکل أجساد الانبیاء علیهم السلام، بل ویقع هذا لبعض الشهداء رضی الله عنهم (میزان الاعتدال للذهبی، ج۲ص ۶۴۹،و ص ۶۵۰، تحت ترجمة "عبد المجید بن عبد العزیز"رقم الترجمة ۵۱۸۳، حرف العین)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ''سَیِّدُ الْبَشَر'' ہیں، اور آپ ایسے بشر ہیں، جو کھاتے اور پیتے، اور سوتے اور قضائے حاجت فرماتے تھے، اور بیمار ہوتے تھے، اور دوا وعلاج کرتے تھے، اور اپنے منہ کو صاف کرنے کے لیے مسواک فرماتے تھے، پس ان امور کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام مومنین کی طرح ہیں، پھر جب آپ کی وفات ہوگئی، ہمارے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں، تو آپ کے ساتھ اُسی طرح کا معاملہ کیا گیا، جس طرح کا معاملہ بشر کے ساتھ کیا جاتا ہے، یعنی آپ کو غسل دیا گیا، اور آپ کی صفائی کی گئی، اور کفن پہنایا گیا، اور قبر مبارک میں رکھا گیا، اور آپ کو دفن کیا گیا، اور آپ برابر خوشبودار ہیں، اور آپ سے برابر خوشبو مہکتی ہے، زندہ ہونے کی حالت میں بھی، اور وفات کے بعد بھی۔

اور (آپ کی وفات کے بعد) آپ کی مبارک انگلیوں کے ڈھیلا ہونے، اور اُن کے ٹیڑھا ہونے اور آپ کے پیٹ پھولنے کے متعلق ہمارے پاس کوئی ایسی نص نہیں، جو اس کی نفی کرتی ہو، اور زندہ آدمی کو بعض اوقات ریاح ہو جاتی ہے، اور اس کا پیٹ پھول جاتا ہے، لہٰذا اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اگرچہ بعض اوقات یہ عیب کا باعث ہوتا ہے، البتہ ہمارے پاس ایسی نص آئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ

وسلم کا جسم بوسیدہ نہیں ہوتا، اور بے شک اللہ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کھانا حرام قرار دے دیا ہے، بلکہ بعض اوقات یہ چیز بعض شہداء رحمہم اللہ کو بھی حاصل ہوجاتی ہے (کہ اُن کے اجسام مٹی نہیں کھاتی، لیکن ایسا ضروری نہیں)

(میزانُ الاعتدال)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی بشری تقاضوں کے مطابق، موت واقع ہوئی، اوران کو موت کے بعد جو اعزازات عطاء کیے گئے، ان میں یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ کا جسم قیامت تک متغیر اور مٹی ہونے سے محفوظ رکھا گیا ہے، اوراس جسم سے آپ کی دنیاوی زندگی کی طرح خوشبو مہک رہی ہے، اور مہکتی رہے گی، جبکہ اس حیات کے برزخی ہونے کی تصریح پہلے گزر چکی ہے، اور تصریح نہ بھی ہوتی، تب بھی اصولِ کلی سے یہ امر ثابت ہے۔

امام مناوی کا حوالہ

امام زین الدین مناوی (المتوفیٰ:1031ھ) فرماتے ہیں:

(الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون) لأنهم كالشهداء بل أفضل والشهداء أحياء عند ربهم . وفائدة التقييد بالعندية الإشارة إلى أن حياتهم ليست بظاهرة عندنا وهي كحياة الملائكة وكذا الأنبياء (فيض القدير شرح الجامع الصغير، ج٣، ص١٨٤، تحت رقم الحديث ٣٠٨٩، حرف الهمزة)

ترجمہ: انبیاء اپنی قبروں میں حیات ہیں، نماز پڑھتے ہیں، کیونکہ وہ شہداء کی طرح ہیں، بلکہ ان سے افضل ہیں، اور شہداء اپنے رب کے پاس (یعنی برزخ میں) حیات ہیں، اور ''عِنْدِیَة'' کی قید کا فائدہ اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ ان کی حیات ہمارے سامنے ظاہر نہیں، اور وہ حیات فرشتوں کی حیات کی طرح ہے، اوراسی طرح انبیاء کی حیات بھی (ہمارے سامنے ظاہر نہیں، پس وہ بھی اپنے رب کے پاس، یعنی برزخ میں زندہ ہیں) (فیض القدیر)

مذکورہ عبارت کا مطلب واضح ہے۔

امام محمد بن یوسف صالحی شامی کا حوالہ

اورامام محمد بن یوسف صالحی شامی (المتوفی: 942ہجری) فرماتے ہیں:

وقد صح عن النبى صلى الله عليه وسلم قوله إن الله تعالى حرم الجنة على الانبياء حتى يدخلها هو، فهو أول من يستفتح باب الجنة، وأول من تنشق عنه الارض على الاطلاق، ولم تنشق عن أحد قبله، ومعلوم بالضرورة أن جسده صلى الله عليه وسلم فى الارض طرى.

وقد سأله أصحابه : كيف تعرض عليك صلاتنا وقد بليت ؟ فقال :(إن الله حرم على الارض أن تأكل أجساد الانبياء) ولو لم يكن جسده فى ضريحه طريا لما أجاب بهذا الجواب.

وقد صح عنه صلى الله عليه وسلم أن الله تعالى وكل بقبره ملائكة يبلغونه عن أمته السلام.

وصح عنه صلى الله عليه وسلم لما خرج بين أبى بكر وعمر قال :(هكذا نبعث)

هذا مع القطع بأن روحه الكريمة فى الرفيق الاعلى فى أعلى عليين مع أرواح الانبياء صلوات الله وسلامه عليهم.

وقد صح أنه رأى موسى عليه السلام قائما يصلى فى قبره ليلة الاسراء ورآه فى السماء السادسة أو السابعة، فالروح كانت هناك ولها اتصال بالبدن فى القبر وإشراق عليه وتعلق به بحيث تصلى فى قبره وترد سلام من سلم عليه وهو فى الرفيق الاعلى.

ولا تنافى بين الامرين فإن شأن الارواح غير شأن الابدان، فأنت تجد الروحين المتلائمتين المتناسبتين فى غاية التجاور والقرب وإن كان بين بدنيهما غاية البعد، وتجد الروحين المتنافرتين المتباغضتين فى غاية البعد وإن كان جسداهما متجاورين متلاصقين.

وليس نزول الروح وصعودها، وقربها وبعدها من جنس ما للبدن فهى تصعد إلى فوق سبع سموات ثم تهبط إلى الارض ما بين قبضها ووضع الميت فى قبره، وهو زمن يسير لا يصعد البدن وينزل فى مثله، وكذلك صعودها وعودها إلى البدن فى النوم واليقظة (سبل الهدى والرشاد، فى سيرة خير العباد، ج۳،ص ۱۳۳، ۱۳۴،الباب التاسع فى تنبيهات على بعض فوائد تتعلق بقصة المعراج،التنبيه الحادى والخمسون)

ترجمہ: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو اس وقت تک انبیاء پر حرام کردیا ہے، جب تک کہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم، اس میں داخل نہ ہوں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھلوایا جائے گا، اور سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زمین شَق ہوگی، اس میں کسی کا استثناء نہیں، اور آپ سے پہلے کسی کی زمین شَق نہیں ہوگی، اور یہ بات بھی واضح طور پر معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک، زمین میں تر وتازہ ہے۔

اور آپ کے صحابۂ کرام نے آپ سے سوال کیا کہ آپ پر ہمارا درود کس طرح پیش کیا جائے گا، جبکہ آپ مٹی ہو چکے ہوں گے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ بلاشبہ اللہ نے زمین پر اس بات کو حرام قرار دے دیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسموں کو کھائے، اور اگر آپ کا جسد مبارک، آپ کی قبر میں تر وتازہ نہ ہوتا، تو آپ یہ جواب ارشاد نہ فرماتے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قبر پر فرشتوں کو مقرر فرما دیا ہے، جو آپ کی امت کی طرف سے سلام، آپ تک پہنچاتے ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ جب آپ ابوبکر وعمر کے درمیان نکلے، تو آپ نے فرمایا کہ ہمیں اسی طرح اٹھایا جائے گا۔

اسی کے ساتھ یہ بات بھی یقینی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مبارک ''اَعْلٰی عِلِّیِّیْن'' میں انبیاء صلی اللہ علیہم وسلم کے ساتھ رفیقِ اعلیٰ میں ہے۔

اور یہ حدیث بھی صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لَیْلَۃُ الْاِسْرَاء میں موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اور اُن کو چھٹے، یا ساتویں آسمان پر بھی دیکھا، پس موسیٰ علیہ السلام کی روح تو وہاں آسمان پر تھی، لیکن اس روح کو قبر میں بدن کے ساتھ اتصال حاصل تھا، اور

روح، قبر کے ساتھ اس طرح منسلک ومتعلق تھی کہ وہ روح اپنی قبر میں (بدن کے ساتھ) نماز پڑھ رہی تھی، اور جو آپ پر سلام پڑھے، اس کا آپ کی روح جواب دیتی ہے، جبکہ آپ رفیقِ اعلیٰ میں ہیں۔

اور دنوں باتوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں، کیونکہ ارواح کی حالت، ابدان کی حالت سے مختلف ہوا کرتی ہے، چنانچہ آپ دو باہم مناسبت ومتجانست والی روحوں کو ایک دوسرے کے انتہائی قریب اور نزدیک پاتے ہیں، اگرچہ ان دونوں روحوں کے بدن، انتہائی دور ہوں، اور آپ دو باہم نفرت اور بغض رکھنے والی روحوں کو ایک دوسرے سے انتہائی دور پاتے ہیں، اگرچہ ان دونوں کے جسم، ایک دوسرے کے قریب اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں۔

اور روح کا اترنا اور چڑھنا، اور اس کا قرب اور بُعد، بدن کی جنس سے تعلق نہیں رکھتا، پس روح، ساتوں آسمانوں سے اوپر چڑھ جاتی ہے، پھر زمین کی طرف اتر جاتی ہے، اتنے وقت میں کہ اس روح کو قبض کیا جائے، اور میت کو اس کی قبر میں رکھا جائے، حالانکہ یہ تھوڑا سا زمانہ ہے، اتنے وقت میں بدن ایسے مقام تک چڑھ اور اُتر نہیں سکتا، اور یہی صورتِ حال نیند میں اور بیداری میں روح کے چڑھنے اور بدن کی طرف لوٹ کر آنے کی بھی ہے (سبل الھدی والرشاد)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ ارواح کی حالت کو ابدان واجسام کی حالت پر قیاس کرنا درست نہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیائے کرام کی ارواح ''اَعْلٰی عِلِّیِّیْن'' میں ہیں، لیکن ان کا ان کی قبروں سے بھی گہرا تعلق ہے، چنانچہ انبیائے کرام کے اجسام کو مٹی متغیر نہیں کرتی، اور آپ پر اللہ کی طرف سے سلام پہنچانے کے لیے فرشتے مامور ہیں، اور آپ سلام کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔

صاحبِ روحُ المعانی علامہ آلوسی کا حوالہ

علامہ آلوسی (المتوفیٰ: 1270ہجری) اپنی تفسیر ''روحُ المعانی'' میں فرماتے ہیں:

ویصیر المعنی بل -قولوا أحیاء -لأن المقصود إثبات الحیاة لهم لا أمرهم بأن یقولوا فی شأنهم إنهم أحیاء وإن کان ذلک أیضا صحیحا.

ولکن لاتشعرون. أی لا تحسون ولا تدرکون ما حالهم بالمشاعر لأنها من أحوال البرزخ التی لا یطلع علیها ولا طریق للعلم بها إلا بالوحی -

واختلف فی هذه الحیاة -فذهب کثیر من السلف إلی أنها حقیقیة بالروح والجسد ولکنا لا ندرکها فی هذه النشأة، واستدلوا بسیاق قوله تعالیٰ 'عند ربهم یرزقون' وبأن الحیاة الروحانیة التی لیست بالجسد لیست من خواصهم فلا یکون لهم امتیاز بذلک علی من عداهم.

وذهب البعض إلی أنها روحانیة وکونهم یرزقون لا ینافی ذلک -فقد روی عن الحسن -أن الشهداء أحیاء عند الله تعالی تعرض أرزاقهم علی أرواحهم فیصل إلیهم الروح والفرح کما تعرض النار علی أرواح آل فرعون غدوا وعشیا فیصل إلیهم الوجع، فوصول هذا الروح إلی الروح هو الرزق والامتیاز لیس بمجرد الحیاة بل مع ما ینضم إلیها من اختصاصهم بمزید القرب من الله عز شأنه ومزید البهجة والکرامة (تفسیر روح المعانی، ج ۱، ص ۴۱۸، سورة البقرة)

ترجمہ: اور آیت کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ ''بلکہ کہو تم (کہ وہ شہداء) زندہ ہیں'' کیونکہ مقصود اُن شہداء کے لیے حیات کو ثابت کرنا ہے، لوگوں کو یہ حکم دینا مقصود نہیں کہ وہ شہداء کی شان میں یہ کہیں کہ ''وہ زندہ ہیں'' اگرچہ یہ معنیٰ بھی صحیح ہیں۔

پھر آگے فرمایا کہ ''لیکن تمہیں شعور نہیں'' یعنی تم ان شہداء کی امتیازی شان اور حالت کا احساس وادارک نہیں کر سکتے، کیونکہ اُس کا تعلق اُس برزخ کے احوال سے ہے، جس پر مطلع نہیں ہوا جاسکتا، اور اس کے علم کا راستہ، سوائے وحی کے اور کوئی نہیں۔

اور اس برزخی حیات کے متعلق اہلِ علم کا اختلاف ہے، بہت سے سلف حضرات کا قول یہ ہے کہ وہ برزخی حیات ''حقیقی'' ہے، روح اور جسم کے ساتھ، لیکن ہم اس

برزخی حیات کا اس دنیوی زندگی میں ادراک نہیں کر سکتے، اور ان حضرات نے اللہ تعالیٰ کے سورہ آلِ عمران میں مذکور اس قول سے استدلال کیا ہے کہ ''عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ''اور اس روحانی وجسمانی ''حیاتِ برزخی'' حاصل ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ ایسی روحانی حیات، جو جسم کے ساتھ نہ ہو، وہ اگر شہداء کے خواص میں سے نہیں ہوگی، تو اُن کو محض اس روحانی حیات کی وجہ سے اپنے علاوہ دوسروں پر کوئی امتیاز حاصل نہیں ہوگا۔

اور بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ شہداء کی وہ برزخی حیات ''روحانی'' ہے، اور ان کو رزق دیا جانا، اس کے منافی نہیں، کیونکہ حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ شہداء، اللہ تعالیٰ کے پاس حیات ہیں، ان کی ارواح پر ان کا رزق پیش کیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں اُن کو راحت اور خوشی حاصل ہو جاتی ہے، جیسا کہ آگ کو آلِ فرعون کی ارواح پر صبح اور شام پیش کیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں ان کو تکلیف پہنچ جاتی ہے، پس اس راحت کا روح کی طرف پہنچنا ہی رزق ہے، اور شہداء کا امتیاز محض حیات کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ ان وجوہات کی بناء پر ہے، جو اِن کی روح کو اللہ عزشانہٗ کے اضافی قرب اور اُن کے اعزاز واکرام کی خصوصیت کی وجہ سے حاصل ہے (روح المعانی)

علامہ آلوسی کا دوسرا حوالہ

اور علامہ آلوسی اپنی مذکورہ تفسیر میں ہی فرماتے ہیں:

بل هم أحياء عند ربهم بالحياة الحقيقية الدائمة السرمدية شهداء لله تعالى قادرون به ولكن لا تشعرون لعمى بصيرتكم وحرمانكم من النور الذى تبصر به القلوب أعيان عالم القدس وحقائق الأرواح (تفسير روح المعانى، ج ۱، ص ۴۲۲، سورة البقرة)

ترجمہ: بلکہ وہ (شہداء) حیات ہیں، اپنے رب کے پاس ''حیاتِ حقیقی دائمی

سرمدی‘‘ کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کے دربار کے حاضرین میں سے ہیں (جیسا کہ شہید کے نام سے ظاہر ہے) اس حاضری پر وہ قادر ہیں (جس کی حقیقت وکنہ سے اللہ ہی واقف ہے) اور لیکن تم کو شعور نہیں، کیونکہ تمہاری بصیرت (اس کو دیکھنے سے) نابینا (وقاصر) ہے، اور تم اس نور سے محروم ہو، جس کے ذریعہ سے قلوب ’’عالمِ قدس کے اعیان‘‘ اور ’’حقائقِ ارواح‘‘ کو دیکھتے ہیں (روح المعانی)

علامہ آلوسی کا تیسرا حوالہ

علامہ آلوسی اپنی مذکورہ تفسیر میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

بـل أحيـاء عـنـد ربهم بالحياة الحقيقة مقربين في حضرة القدس يرزقون من الأرزاق المعنوية (تفسير روح المعانى، ج۲، ص ۳۲۲، سورة آل عمران)

ترجمہ: بلکہ وہ (شہداء) حیات ہیں، اپنے رب کے پاس ’’حیاتِ حقیقی‘‘ کے ساتھ، حضـرَۃِ قُدُس میں تقرُّب حاصل کئے ہوئے ہیں، جن کو معنوی ارزاق میں سے رزق دیا جاتا ہے (روح المعانی)

علامہ آلوسی نے شہداء کی حیات کو برزخی، اور حقیقی، اور کثیر سلف کے نزدیک اس حیات کو روح بمع جسم سب کچھ ہی فرمادیا۔

جس سے معلوم ہوا کہ اس موقع پر مذکورہ اور اس جیسی عبارات سے ’’برزخی حیات‘‘ کی نفی مقصود نہیں ہوتی، بلکہ ’’مجازی حیات‘‘ قرار دینے والوں کی تردید مقصود ہوتی ہے، جو کہتے ہیں کہ اس طرح کی نصوص میں حیات کے حقیقی معنیٰ مراد نہیں، بلکہ اس سے مخصوص راحت وسرور وغیرہ مراد ہے، اور اس حیات کو روح مع جسم کے قرار دینے کا مقصود، جمہور کے مقابلہ میں ان لوگوں کے قول کی تردید مقصود ہوتی ہے، جو عالمِ برزخ میں صرف روح کی حیات اور تمام برزخی احوال کے روح کے ساتھ پیش آنے کے قائل ہیں، اور عالمِ برزخ میں روح کا جسم سے کسی قسم کا تعلق ہونے کے قائل نہیں۔

پھر بعد کے، کم علم، کم فہم، یا بدفہم حضرات نے اس جیسی عبارات سے ''برزخی حیات'' کی نفی اور دنیوی حیات کا اثبات سمجھ لیا، اور معاملہ وتنازعہ کہیں کے کہیں پہنچ گیا، گویا کہ ''رسی کا سانپ'' بنا لیا گیا۔ اللہ حفاظت فرمائے۔ آمین۔

علامہ آلوسی کا چوتھا حوالہ

علامہ آلوسی اپنی مذکورہ تفسیر میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

البحث السادس في مستقر الأرواح بعد مفارقة الأبدان الذى دلت عليه الأخبار أن مستقر الأرواح بعد المفارقة مختلف فمستقر أرواح الأنبياء عليهم السلام في أعلى عليين وصح أن آخر كلمة تكلم بها صلى الله عليه وسلم اللهم الرفيق الأعلى وهو يؤيد ما ذكر، ومستقر أرواح الشهداء في الجنة ترد من أنهارها وتأكل من ثمارها وتأوى إلى قناديل معلقة بالعرش

(روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم، ج۸، ص ۱۵۳، سورۃ الإسراء)

ترجمہ: چھٹی بحث ارواح کے ٹھکانے کے متعلق ہے، ابدان سے جدا ہونے کے بعد، جس کے متعلق احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جسم سے جدا ہونے کے بعد (عالمِ برزخ میں) ارواح کا ٹھکانا مختلف ہوتا ہے، چنانچہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح، اعلیٰ علیین میں ہوتی ہیں، اور صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری کلام یہ فرمایا کہ ''اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْأَعْلٰى'' جس سے ہماری مذکورہ بات کی تائید ہوتی ہے کہ انبیاء کی ارواح کا ٹھکانا، اعلیٰ علیین میں ہے۔

اور شہداء کی ارواح کا ٹھکانا، جنت میں ہے، وہ جنت کی نہروں پر آتی ہیں، اور جنت کے پھلوں کو کھاتی ہیں، اور عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی قندیلوں میں پہنچ جاتی ہیں (یہ سب ارواح کے احوال ہیں) (روح المعانی)

علامہ آلوسی کا پانچواں حوالہ

علامہ آلوسی اپنی مذکورہ تفسیر میں ہی فرماتے ہیں:

وبهذا التحقيق تندفع معارضات كثيرة واعتراضات وفيرة، ويعلم أن حديث ما من أحد يمر بقبر أخيه المؤمن كان يعرفه فى الدنيا فسلم عليه إلا عرفه ورد عليه السلام.
ليس نصا فى أن الروح على القبر إذ يفهم منه أن الذى فى القبر حقيقته النفسانية المتصلة بالروح اتصالا لا يعلم كنهه إلا الله تعالى.
وللروح مع ذلک أحوالا وأطوارا لا يعلمها إلا الله تعالى فقد تكون مستغرقة بمشاهدة جمال الله تعالى وجلاله سبحانه ونحو ذلک وقد تصحو عن ذلک الاستغراق وهو المراد برد الروح فى خبر ما من أحد يسلم على إلا رد الله تعالى روحى فأرد عليه السلام.
والذى ينبغى أن يعول عليه مع ما ذكر أن الأرواح وإن اختلف مستقرها بمعنى محلها الذى أعطيته بفضل الله تعالى جزاء عملها لكن لها جولانا فى ملک الله تعالى حيث شاء جل جلاله ولا يكون إلا بعد الأذن وهى متفاوتة فى ذلک حسب تفاوتها فى القرب والزلفى من الله تعالى (تفسيرروح المعانى، ج٨، ص ١٥٥، سورة الاسراء)

ترجمہ: اور اس تحقیق سے کثیر تعارضات اور وافر اعتراضات دور ہوگئے، اور یہ بات معلوم ہوگئی کہ حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ ''جو شخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر کے قریب سے گزرتا ہے، جو اس کو دنیا میں پہچانتا تھا، پھر وہ اس کو سلام کرتا ہے، تو وہ قبر والا اس کو پہچان لیتا ہے، اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے''۔

تو اس میں اس بات کی وضاحت نہیں کہ روح قبر پر ہوتی ہے، کیونکہ اس سے تو یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ قبر میں اس کی حقیقتِ نفسانیہ ہوتی ہے، جو روح کے ساتھ متصل ہوتی ہے، اور اس کے اتصال کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ [1]

اور اس کے باوجود روح کے مختلف احوال اور طور وطریقے ہوتے ہیں، ان کو بھی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، بعض اوقات روح، اللہ تعالیٰ کے جمال، اور اللہ

---

[1] پس جس طرح کا اتصال، اللہ اور اس کے رسول سے معتبر سند کے ساتھ ہمیں معلوم ہوگا، اس پر ایمان لائیں گے، اور اپنی طرف سے اس کے متعلق محض قیاس سے کوئی فیصلہ نہ کریں گے، کیونکہ اس کا تعلق امورِ غیبی وتوقیفی سے ہے، جن سب کے متعلق یہی اصول طے ہے۔ محمد رضوان۔

سبحانہٗ وتعالیٰ کے جلال کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتی ہے، یا اسی طرح کی کسی دوسری حالت میں ہوتی ہے، اور بعض اوقات اس استغراق سے نکل آتی ہے، اور اس حدیث میں بھی روح کے لوٹنے سے مراد یہی ہے، جس میں یہ آیا ہے کہ ”جو شخص بھی مجھ پر سلام پڑھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتا ہے، پھر میں اس کے سلام کا جواب دے دیتا ہوں“۔

اور مذکورہ تفصیل کے ساتھ ایک اس اہم بات کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ ارواح کا ٹھکانا، یعنی اس کا وہ محل جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کے عمل کے بدلہ میں عطاء کیا جاتا ہے، وہ ٹھکانا اگرچہ مختلف ارواح کا مختلف ہوتا ہے، لیکن ان ارواح کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں رہتے ہوئے، جولان اور نقل وحرکت کا اختیار حاصل ہوتا ہے، جہاں اللہ جل جلالہٗ چاہتا ہے، لیکن یہ اللہ کے حکم کے بعد ہی ہوتا ہے، اور ارواح اس سلسلہ میں ایک دوسرے سے متفاوت ہیں، جس طرح سے اللہ تعالیٰ کے قرب اور نزدیکی میں ان کو تفاوت حاصل ہے (روح المعانی)

فائدہ: مذکورہ عبارت سے بھی انبیائے کرام کی اعلیٰ درجہ کی برزخی حیات حاصل ہونے کا ثبوت ہوا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات کا تعلق امورِ غیب سے ہے، جس کا معاملہ عقل سے ماوراء ہے، اس لیے اس میں کھود کرید اور ظاہری قیاسات کے بجائے، قرآن و سنت کی نصوص کے مطابق ایمان لانا چاہیے، اور ارواح کے معاملہ کو ابدان واجسام پر قیاس کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

اگر آج بھی اس اصول پر عمل پیرا ہوا جائے، تو بہت سے تنازعات واختلافات سے محفوظ رہا جا سکتا ہے، اور کسی ایک عبارت کو پکڑ کر بیٹھ جانا، اور اس پر جمود اختیار کرنا مسئلہ کا اصل حل، بلکہ عدل پر مبنی طریقہ نہیں۔

علامہ آلوسی کا چھٹا حوالہ

اور علامہ آلوسی اپنی مذکورہ تفسیر میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

والأخبار المذكورة بعد فيما سبق المراد منها كلها إثبات الحياة فى القبر بضرب من التأويل، والمراد بتلك الحياة نوع من الحياة غير معقول لنا وهى فوق حياة الشهداء بكثير، وحياة نبينا صلى الله عليه وسلم أكمل وأتم من حياة سائرهم عليهم السلام.

وخبر ما من مسلم يسلم على إلا رد الله تعالى على روحى حتى أرد عليه السلام.

محمول على إثبات إقبال خاص والتفات روحانى يحصل من الحضرة الشريفة النبوية إلى عالم الدنيا وتنزل إلى عالم البشرية حتى يحصل عند ذلك رد السلام، وفيه توجيهات أخر مذكورة فى محلها.

ثم إن تلك الحياة فى القبر وإن كانت يترتب عليها بعض ما يترتب على الحياة فى الدنيا المعروفة لنا من الصلاة والأذان والإقامة ورد السلام المسموع ونحو ذلك إلا أنها لا يترتب عليها كل ما يمكن أن يترتب على تلك الحياة المعروفة ولا يحس بها ولا يدركها كل أحد فلو فرض انكشاف قبر نبى من الأنبياء عليهم السلام لا يرى الناس النبى فيه إلا كما يرون سائر الأموات الذين لم تأكل الأرض أجسادهم، وربما يكشف الله تعالى على بعض عباده فيرى ما لا يرى الناس (تفسير روح المعانى، ج ۱۱، ص ۲۱۷، سورة الأحزاب)

ترجمہ: اور ماسبق کے بعد میں جو احادیث ذکر کی گئیں، ان سب سے مراد قبر میں ''حَيَاتُ النَّبِی'' کا اثبات ہے، خواہ کسی طرح کی تاویل کے ساتھ ہو، اور اس قبر کی حیات سے مراد اس طرح کی حیات ہے، جو ہماری عقل سے بالاتر ہے، اور وہ شہداء کی حیات سے بہت زیادہ اونچی ہے، اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تمام انبیاء علیہم السلام کی حیات سے زیادہ اَکْمَلُ اور اَتَمُّ ہے۔

اور جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے کہ ''جو مسلمان بھی مجھ پر سلام کرتا ہے، تو اللہ مجھ پر میری روح کو لوٹا دیتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دے دیتا ہوں''۔

تو یہ خاص توجہ اور روحانی التفات کے اثبات پر محمول ہے، جو حضرتِ شریفہ نبویہ

سے عالمِ دنیا کی طرف حاصل ہوتی ہے، اور وہ عالمِ بشریہ کی طرف نزول کرتی ہے، جس کے نتیجہ میں سلام کا جواب حاصل ہوجاتا ہے۔

اور اس میں دوسری توجیہات بھی ہیں، جو اپنے مقام پر مذکور ہیں۔

پھر اس قبر کی حیات پر اگرچہ بعض وہ چیزیں مرتب ہوجاتی ہیں، جو ہماری اس معروف دنیا کی حیات میں مرتب ہوتی ہیں، مثلاً نماز، اذان، اقامت (جیسا کہ معراج کی رات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آئے ہوئے واقعات سے معلوم ہوتا ہے) اور سنے ہوئے سلام کا جواب اور اس کے مثل دوسری چیزیں، لیکن اس کے باوجود اس قبر کی حیات پر ہر وہ چیز مرتب نہیں ہوتی، جس کا ہماری اس معروف دنیا کی حیات پر مرتب ہونا، ممکن ہوا کرتا ہے، اور اس قبر کی حیات کو ہر ایک نہ تو محسوس کرسکتا، اور نہ اس کا ادراک کرسکتا، پس اگر انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کی قبر کے کھولنے کو فرض کرلیا جائے، تو لوگ اس قبر میں نبی کو اسی طرح دیکھیں گے، جس طرح دوسری ان تمام اموات کو دیکھتے ہیں، جن کے اجسام کو زمین نے نہیں کھایا، البتہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں پر ایسی چیزوں کے دیکھنے کو ظاہر فرمادیتا ہے، جس کو دوسرے لوگ نہیں دیکھ پاتے (روح المعانی)

مذکورہ عبارت میں صاف تصریح ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام تو قبور میں سلامت ہوتے ہیں، لیکن ان اجسام کا ارواح کے ساتھ تعلق غیبی و برزخی ہوتا ہے، جو عادتاً دوسرے انسانوں کو نظر نہیں آتا، اسی بنیاد پر اس حیات کو ''برزخی حیات'' قرار دیا جاتا ہے، اس کو قبول کرنا چاہیے، اور اس کے مطابق اعتقاد رکھنا چاہیے۔

نعمان بن محمود آلوسی کا حوالہ

صاحبِ ''روحُ المعانی'' علامہ آلوسی رحمہ اللہ کے بیٹے نعمان بن محمود آلوسی بغدادی

(المتوفیٰ: 1317ہجری) فرماتے ہیں کہ:

أما حياة الأنبياء عليهم الصلاة والسلام الحياة البرزخية التى هى فوق حياة الشهداء الذين قال الله تعالى فيهم (بل أحياء عند ربهم يرزقون) فأمر ثابت بالأحاديث الصحيحة قال بخارى عصره شيخ مشايخنا الشيخ على السويدى البغدادى فى كتابه العقد أخرج أبو يعلى والبيهقي وصححه عن انس رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال الأنبياء أحياء فى قبورهم يصلون.

وأخرج الإمام أحمد ومسلم فى صحيحه والنسائى عن أنس بن مالک رضى الله تعالى عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال مررت ليلة أسرى بى على موسى قائما يصلى فى قبره.

قال المناوى أى يدعو ويثنى عليه ويذكره فالمراد الصلاة اللغوية وهى الدعاء والثناء. وقيل المراد الشرعية وعليه القرضى .

ولا تدافع بين هذا وبين رؤيته إياه تلک الليلة فى السماء السادسة لأن للأنبياء عليهم الصلاة والسلام مسارح أو لأن أرواح الأنبياء بعد مفارقة البدن فى الرفيق الأعلى ولها إشراف على البدن وتعلق به وبهذا التعلق رآه يصلى فى قبره ورآه فى السماء فلا يلزم كون موسى عليه الصلاة والسلام عرج به من قبره ثم رد إليه بل ذلک مقام روحه واستقرارها وقبره مقام بدنه واستقراره إلى يوم معاد الأرواح إلى الأجساد .

كما أن روح نبينا صلى الله عليه وسلم بالرفيق الأعلى وبدنه الشريف فى ضريحه المكرم يرد السلام على من يسلم عليه الصلاة والسلام.

ومن غلظ طبعه عن إدراک هذا فلينظر إلى السماء فى علوها وتعلقها وتاثيرها فى الأرض وحياة النبات والحيوان. إذا تأملت فى هذه الكلمات علمت أن لا حاجة الى التكلفات البعيدة التى .

منها أن هذا كان رؤية منام أو تمثيلا أو اخبارا عن وحى لا رؤية عين.

وفى المواهب اللدنية اختلف فى رؤية نبينا محمد صلى الله تعالى عليه وسلم لهؤلاء الأنبياء عليهم الصلاة والسلام فحمل ذلک بعضهم على رؤية أرواحهم الا عيسى عليه السلام فيحتمل أن يكون عليه الصلاة والسلام عاين كل واحد منهم فى قبره فى الأرض على الصورة التى أخبر بها من الموضع الذى ذكر أنه عاينه فيه فيكون الله عز وجل قد أعطاه من القوة فى البصر والبصيرة ما أدرک به ذلک ويشهد له رؤيته صلى الله تعالى عليه وسلم الجنة والنار فى عرض الحائط والقدرة صالحة لكليهما الى آخر ما قال انتهى ما فى المواهب وشرحه ،وتمام البحث فيه.

وأن أجسام الأنبياء عليهم الصلاة والسلام لا تاكلها الارض كما ورد بالحديث بخلاف غيرهم .

وقد روى فى المواهب عن أبى داود بلفظ إن الأرض لا تأكل اجساد الأنبياء.
ومن خصائص نبينا عليه الصلاة والسلام أن الله تعالى وكل ملكا يبلغه صلاة المصلين والمسلمين عليه الصلاة والسلام.
وورد أيضا ما من أحد يسلم على إلا رد الله على روحى فرددت عليه الصلاة والسلام فلا تغفل.
النعيم والعذاب فى القبر للروح والبدن:
وأما كون العذاب والنعيم للروح والبدن فأمر مسلم عند الجمهور.
ولا ينافى عدم السماع على قول الأئمة الحنفية ومن وافقهم فهذا النائم يرى الرؤيا فتلتذ روحه وبدنه أو تغتم روحه ويتألم ويضطرب بدنه وإذا تكلم عنده شخص وهو فى تلك الحالة لا يسمع وقد وردت به الأخبار فاعتقدته ذوو الأبصار.............
نعم إن بعض العلماء ذهب إلى عدم إعادة الروح إلى البدن وقت السؤال وأن السؤال للروح فقط وكذا التعذيب أو التنعيم. ومنهم أبو محمد بن حزم الظاهرى (الآيات البينات فى عدم سماع الأموات على مذهب الحنفية السادات، ص ۳۹ الٰی ۴۷ ملخصاً، الفصل الثالث، حياة الأنبياء البرزخية)

ترجمہ: جہاں تک انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی حیاۃ کا تعلق ہے، تو وہ برزخی حیاۃ ہے، جو اُن شہیدوں سے اعلیٰ ہے، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْن'' اور یہ بات صحیح احادیث سے ثابت ہے، بخاریِ عصر ہمارے شیخ المشائخ، شیخ علی سویدی بغدادی نے اپنی ''کتابُ العقد'' میں فرمایا کہ ابویعلیٰ، اور بیہقی نے روایت کیا ہے، اور اس کو صحیح بھی کہا ہے، جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں حیات ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔

اور امام احمد، اور مسلم نے اپنی صحیح میں اور نسائی نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس رات مجھے (آسمان پر معراج کے لیے) لے جایا گیا، اس رات میں موسیٰ کے پاس سے گذرا، جو اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے''۔

مناوی نے فرمایا کہ نماز پڑھنے کا مطلب، اللہ سے دعاء اور اس کی ثناء کرنا اور اس کا ذکر کرنا ہے، پس (اس مذکورہ حدیث میں) لفظِ ''صـلاۃ'' سے مراد لغوی معنیٰ ہیں، جو کہ دعاء اور ثناء کے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شرعی نماز مراد ہے، قرضی نے اس کو اختیار کیا ہے (بہرحال یہ دونوں اقوال ہیں، جو ذکر کر دیئے گئے، وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا)

اور معراج کی رات میں موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھنے، اور اسی رات موسیٰ علیہ السلام کو چھٹے آسمان پر دیکھنے میں کوئی ٹکراؤ نہیں، کیونکہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی منازل کئی ہوتی ہیں (لہٰذا ان کو ایک منزل سے دوسری منزل میں آنے جانے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت حاصل ہے) یا یہ وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح، بدن سے جُدا ہونے کے بعد ''رفیقِ اعلیٰ'' میں ہوتی ہیں، لیکن اُن کو بدن سے ایک خاص قسم کی وابستگی اور تعلق ہوتا ہے، اور اسی تعلق کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اور آسمان پر بھی دیکھا، لہٰذا مذکورہ دونوں قسم کے واقعات سے یہ لازم نہیں آتا کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو ان کی قبر سے اوپر لے جایا گیا ہو، پھر قبر کی طرف لوٹایا گیا ہو، بلکہ آسمان پر اُن کی روح اور اُس کے ٹھہرنے کا مقام تھا، اور آپ کی قبر آپ کے بدن اور اس کے ٹھہرنے کا مقام ہے، ارواح کو اجسام کی طرف لوٹانے (یعنی قیامت) کے دن تک۔

جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح، رفیقِ اعلیٰ میں ہے، اور آپ کا بدن شریف، آپ کے روضۂ مبارکہ میں ہے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام پر جو درود پڑھتا ہے، اس کے سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں۔

اور جس کی طبیعت میں اس بات کو سمجھنے سے اَکھڑپَنا ہو، تو اس کو آسمان (اور

سیاروں) کی طرف دیکھنا چاہیے، اس کی بلندی پر بھی غور کرنا چاہیے، اور اس کے تعلق پر بھی غور کرنا چاہیے، اور اس کی زمین میں پائی جانے والی تاثیر پر بھی غور کرنا چاہیے (کہ آسمان، بلکہ اس کے نیچے قدرتی سیارے، خلاء اور فضاء میں موجود ہوکر زمین کے لیے سیٹلائیٹ کا کام کرتے ہیں، اور دوسرے اہم اثرات بھی زمین پر مرتب کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں، جو موجودہ سائنسی دنیا میں بدیہی شکل اختیار کر چکے ہیں) اور اسی طرح نباتات اور حیوانات کی زندگی اور حیات میں بھی غور کرنا چاہیے (جن میں ایسے جانور بھی ہیں، جو دور رہتے ہوئے اپنے انڈوں وغیرہ کو حرارت پہنچانے کا کام سرانجام دیتے ہیں) اور جب آپ مذکورہ کلمات پر غور کریں گے، تو یہ بات جان لیں گے کہ اس مسئلے میں دور دراز کے تکلفات میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

جن میں سے ایک تکلف یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ (معراج میں مناظر کا) دیکھنا، نیند میں تھا، یا تمثیل کے طور پر تھا، یا وحی کی وجہ سے خبر دینے کے طور پر تھا، آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔

اور ''اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَة'' میں ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو دیکھنے کی نوعیت میں اختلاف واقع ہوا ہے، بعض نے انبیائے کرام کی ارواح کو دیکھنا مراد لیا ہے، سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے، لہٰذا اس بات کا احتمال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن میں سے ہر نبی کو زمین پر ان کی قبر کے اندر اس صورت میں دیکھا ہو، جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے، اور وہ احادیث میں اپنے مقام پر مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر، اس نبی کو آنکھوں سے دیکھا، پھر اللہ عزوجل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بصارت اور بصیرت میں اتنی قوت عطاء فرمادی ہو، جس کے ذریعے سے آپ نے اس کا

ادراک کرلیا ہو، جس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت اور جہنم کو باغ کے اندر موجود ہوکر دیکھنا بھی ہے، اور قدرت ان دونوں چیزوں کی صلاحیت رکھتی ہے ''اَلْـمَوَاہِب'' اوراس کی شرح میں جو بات مذکور ہے، وہ ختم ہوئی، اور مکمل بحث وہیں پر ہے۔ [1]

اور انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے اجسام کو مٹی نہیں کھاتی، جیسا کہ حدیث میں وارِد ہوا ہے، انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دوسرے افراد کو یہ (لازمی) شرف حاصل نہیں۔

اور ''اَلْمَوَاہِب'' ہی میں ابوداؤد کے حوالے سے یہ روایت منقول ہے کہ ''زمین، انبیاء کے جسموں کو نہیں کھاتی''

اور ہمارے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو مقرر فرمادیا ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کو آپ تک پہنچاتا ہے۔

اور حدیث میں یہ بات بھی وارد ہوئی ہے کہ جو کوئی بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے، تو اللہ، میری روح کو لوٹا دیتا ہے، پھر میں اس کے صلاۃ وسلام کا جواب دے دیتا ہوں، لہٰذا آپ ان باتوں سے غافل نہ ہوں۔

قبر میں نعمت اور عذاب، روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے:

اور عذاب اور نعمت کا روح اور بدن دونوں کے لیے ہونا، جمہور کے نزدیک طے شدہ مسئلہ ہے۔

اور ائمۂ حنفیہ اور ان کی موافقت کرنے والے عدمِ سماعِ موتیٰ کے قائلین کے قول

---

[1] دنیا میں بھی دوربینوں اور طاقت ور کیمروں سے ایسی ایسی چیزوں کو دیکھ لیا جاتا ہے، جن کو عادتاً انسان اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا، اور عالمِ برزخ وعالمِ بالا کا معاملہ تو دوسرے عالم کا ہے، اس کی اشیاء اگر انسانوں کو نظر نہ آئیں، اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو وحی وغیرہ کی طاقت سے دکھلا دے، تو اس میں کوئی بھی شک وشبہ والی بات نہیں۔ محمد رضوان۔

کے یہ بات مخالف نہیں، جیسا کہ سونے والا، خواب کو دیکھتا ہے، جس کی وجہ سے اس کی روح اور اس کا بدن، لذت حاصل کرتا ہے، یا اس کی روح غمگین ہوتی ہے، اور اس کا بدن بھی تکلیف اور اضطراب کو پاتا ہے، لیکن جب اس کے پاس، اس حالت میں کوئی شخص بات چیت کرے، تو وہ اس بات چیت کو نہیں سنتا، اور اس سلسلے میں احادیث وارِد ہوئی ہیں، جن کو اہلِ بصیرت مضبوطی سے سمجھتے ہیں۔......

البتہ بعض علماء، سوال کے وقت، روح کے بدن کی طرف اعادہ نہ ہونے کی طرف گئے ہیں، اُن کا کہنا یہ ہے کہ سوال صرف روح سے ہوتا ہے، اور اسی طریقے سے تکلیف وراحت کا تعلق بھی، روح کے ساتھ ہوتا ہے، ان علماء میں ابومحمد بن حزم ظاہری بھی ہیں (لیکن یہ قول جمہور کے خلاف ہے، جیسا کہ گزرا) (الآیاتُ البینات)

مذکورہ عبارت میں انبیاء علیہم السلام کی حیات کے برزخی ہونے، اور شہدائے عظام سے اعلیٰ وارفع ہونے کی تصریح ہے۔

اور ''سِمَاعِ مَوْتٰی'' کے بارے میں کلام آگے آتا ہے، سماعِ موتٰی کے قائلین بھی اہلُ السنۃ میں داخل ہیں، اور عدمِ سماعِ موتٰی کے قائلین بھی اہلُ السنۃ میں داخل ہیں، جب تک اصولِ شریعت سے باہر نہ نکلیں۔

اور بعض حضرات دونوں طرح کی نصوص واقوال میں ''جمع وتطبیق'' کے قائل ہیں۔

اس لیے اس مسئلہ کے متعلق بے جا افراط وتفریط درست نہیں، جیسا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ، آگے آنے والی تفصیل سے معلوم ہوگا۔

نعمان بن محمود آلوسی کا دوسرا حوالہ

نعمان بن محمود آلوسی ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

القول بحياتهم حق ثابت بالأحاديث الصحيحة، فنعتقد حياتهم عليهم الصلاة والسلام، حياة برزخية فوق حياة الشهداء، وأن نبينا -صلى الله عليه وسلم -قد جعل عند قبره الشريف ملك يبلغه سلام المسلمين الذين

عند ضريحه المكرم والنائين عنه.
ونعتقد أن الأنبياء عليهم السلام جميعهم طريون لا تأكل الأرض أجسامهم الشريفة للأحاديث الواردة فى ذلك، منها حديث أوس -رضى الله عنه - مرفوعاً :(أفضل ايامكم يوم الجمعة، فيه خلق آدم، وفيه قبض، وفيه النفخة، وفيه الصعقة، فأكثروا على من الصلاة فيه فإن صلاتكم معروضة على. قالوا :وكيف صلاتنا عليك؟ وقد أرمت -أى بليت فقال عليه الصلاة والسلام :إن الله تعالى حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء) أخرجه ابن حبان وغيره.
ولكنا نمنع أن يطلب منهم شيئ؟ فلا يسألون شيئاً بعد وفاتهم، كما تقدم، سواء كان لفظ استغاثة أو توجه أو استشفاع أو غير ذلك.
فجميع ذلك من وظائف الألوهية، فلا يليق جعله لمن يتصف بالعبودية.
فإن ادعى أحد أن حياتهم -صلى الله عليه وسلم -إذا ثبتت الرواية بها ،وهى ما اخرجه أبو يعلى والبيهقى عن انس -رضى الله عنه -أنه -صلى الله عليه وسلم -قال :(الأنبياء أحياء فى قبورهم يصلون) حياة حقيقية، كما هو الأصل فى حمل الألفاظ على حقائقها، ولم نثبت قرينه على التجوز بها فينبغى الحياة على حقيقتها .أجبناه قائلين :لا شك أنه لا يرد بهذه الحياة الحقيقية ولو أريدت لاقتضت جميع لوازمها من اعمال وتكليف وعبادة ونطق وغير ذلك، وحيث أنتفت حقيقة هذه الحياة الدنيوية بانتفاء لوازمها، وبحصول الانتقال من هذه الحياة الدنيوية الحقيقية إلى تلك الحياة البرزخية المعبر عن هذا الانتقال بالموت الحال به -صلى الله عليه وسلم -وارواحنا له الفداء -كما قال تعالى :(إنك ميت وإنهم ميتون)وقال عز من قائل :(وما محمد إلا رسول قد خلت من قبله الرسل أفإن مات او قتل انقلبتم على أعقابكم)
وحلول الموت به -صلى الله عليه وسلم -لا يمكن أحداً إنكاره.
ولما جاء الصديق -رضى الله عنه -، وكان غائباً بالعالية، وقد أذن له -صلى الله عليه وسلم -بالذهاب فكشف عن وجهه الشريف المكرم قال له :روحى لك الفداء ، طبت حياً وميتاً.
وفى حديث سالم :أنه تلا الايتين المذكورتين عند ذلك، ثم صعد المنبر فقال فى خطبته :يأيها الناس، من كان يعبد محمداً فإن محمداً قد مات، ومن كان يعبد الله فإن الله حى لا يموت -وتلا هذه الآية، فتراجع الناس إلى عقولهم .وقال عمر :فو الله لكأنى لم اتل هذه الآية قط.
وحيث انتفت الحياة الحقيقية بما ذكر وبغيره ثبتت الحياة البرزخية، وهى متفاوتة، فحياة الشهداء فوق حياة المؤمنين، وحياة الأنبياء عليهم السلام أعلى من حياة الشهداء .وقد شرف سبحانه هؤلاء الأحياء بالتشريفات

العندية. فقال عز من قائل في حق الشهداء الذين تتقاصر مرتبتهم عن الأنبياء (ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله أمواتاً بل أحياء عند ربهم يرزقون)
(فإن قلت) : قد ثبت في الحديث السابق أن الأنبياء يصلون، واخرج الإمام أحمد ومسلم عن انس بن مالك -رضي الله عنه -عنه عن النبي -صلى الله عليه وسلم -أنه قال: (مررت ليلة اسرى بي على موسى قائماً يصلي في قبره .وفي رواية -عند الكثيب الأحمر) فما الجواب عن ذلك؟ .
(قلنا) : المراد من الصلاة المعنى اللغوي .أي يدعو ويثني عليه سبحانه ويذكره .وقال القرطبي :المراد الصلاة الشرعية، لظاهر الحديث، وأنها ليست بحكم التكليف بل بحكم الأكرام لهم والتشريف.
ولا تدافع بين هذا وبين رؤيته إياه تلك الليلة في السماء السادسة، لأن للأنبياء عليهم السلام مراقع ومسارح ينصرفون فيما شاء وا ثم يرجعون إلى قبورهم.
أو لآن أرواح الأنبياء بعد مفارقة البدن في الرفيق الأعلى، ولها إشراف على البدن وتعلق به، ويمكنون من التصرف والتقرب بحيث يرد السلام على المسلم، وبهذا التعلق رآه يصلي في قبره، ورآه في السماء السادسة.
فلا يلزم كون موسى عليه السلام عرج به من قبره تلك الليلة ثم رد إليه بل ذلك مقام روحه واستقراره إلي يوم معاد الرواح إلى الأجساد .كما أن روح نبينا -صلى الله عليه وسلم -بالرفيق الأعلى، وبدنه في ضريحه المطهر يرد السلام على من يسلم عليه.
ومن غلظ طبعه عن إدراك هذا فلينظر إلى السماء في علوها وتعليقها وتأثيرها في الأرض، وحياة النبات والحيوان، ولينظر إلى النار كيف تؤثر في الجسم البعيد، مع أن الارتباط الذي بين الروح والبدن اقوى واتم .
وتتمة الأقوال، وبسط الأحوال لأهل البرزخ من نعيم واهوال -طور عظيم وحال يجب له التسليم .وقد فصل في الكتب المخصوصة، وأثبت بالدلائل المنصوصة (جلاء العينين في محاكمة الأحمدين، ج ا ، ص۵۲۸،الیٰ ص ۵۳۱، كلام في التوسل والوسيلة والاستغاثة،الحياة البرزخية)

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کی حیات کا قول، صحیح احادیث سے ثابت ہے، لہٰذا ہم انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی حیات کا عقیدہ رکھتے ہیں، جو کہ حیاتِ برزخی ہے، شہیدوں کی حیات سے اعلیٰ ہے، اور بلاشبہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے قریب ایک فرشتے کو مقرر کر دیا گیا ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

روضۂ مبارکہ کے قریب اور دور سے سلام پڑھنے والے مسلمانوں کے سلام کو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیتا ہے۔

اور ہم یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام، سب کے سب تر و تازہ ہیں، جن کے اجسامِ شریفہ کو زمین نہیں کھاتی، اس سلسلے میں احادیث وارد ہوئی ہیں، جن میں سے ایک حدیث حضرت اوس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ ''تمہارے سب دنوں میں جمعہ کا دن افضل ہے، اسی دن حضرت آدم کو پیدا کیا گیا، اور اسی دن اِن کی روح قبض کی گئی، اور اسی دن (قیامت سے پہلے) صور پھونکا جائے گا، اور اسی دن قیامت قائم ہوگی، پس تم اس دن کثرت سے مجھ پر درود پڑھا کرو، اس لئے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہمارا درود آپ پر کس طرح پیش کیا جائے گا، جبکہ آپ کا جسم مبارک (وصال کے بعد) بوسیدہ ہو چکا ہوگا؟ لوگوں کا مطلب یہ تھا کہ آپ مٹی ہو چکے ہوں گے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کو حرام کر دیا ہے'' اس کو ابنِ حبان وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

لیکن ہم انبیائے کرام علیہم السلام سے کوئی چیز طلب کرنے سے منع کرتے ہیں، پس ان کی وفات کے بعد، لوگ ان سے کسی چیز کا سوال نہیں کریں گے، جیسا کہ گزر چکا ہے، خواہ لفظِ ''اِسْتِغَاثَہ'' سے ہو، یا لفظِ ''تَوَجُّہ'' سے ہو، یا لفظِ ''اِسْتِشْفَاع'' سے ہو، یا اس کے علاوہ سے ہو۔

پس یہ تمام الفاظ ''اُلُوْهِيَتْ'' کے وظائف میں سے ہیں، لہٰذا ان کو ایسی ہستی کے لیے کرنا زیب نہیں، جو ''عَبْدِيَت'' کے ساتھ متصف ہو۔ [1]

---

[1] ملحوظ رہے کہ اس طرح کے الفاظ میں اختلاف ہے، بعض ان کے جواز کے قائل ہیں، جبکہ الوہیت کے طور پر نہ ہو۔
علامہ ابنِ تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا کہ انبیاء اور اولیاء اگر چہ اپنی قبور میں زندہ ہوں، اور وہ زندوں کے لیے اللہ سے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی حیات، جب روایت سے ثابت ہے، جس کو ابو یعلیٰ اور بیہقی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''انبیاء اپنی قبروں میں حیات ہیں، نماز پڑھتے ہیں'' اور یہ ''حیاتِ حقیقی'' ہے، جیسا کہ الفاظ کو اپنے حقائق پر محمول کرنا اصل ہے، اور ہمارے سامنے اس کے جواز کا قرینہ ثابت نہیں، لہٰذا اس کو ''حیاتِ حقیقی'' پر محمول کرنا مناسب ہے، تو ہم اس کو یہ کہہ کر جواب دیں گے کہ بلاشبہ اس سے ''حیاتِ حقیقی'' مراد نہیں ہے، اور اگر اس سے ''حیاتِ حقیقی'' کو مراد لیا جائے، تو پھر یہ ''حیاتِ حقیقی'' کے تمام لوازمات کا تقاضا کرے گی، مثلاً اعمال اور مکلّف ہونے کا، اور عبادت کرنے کا، اور بولنے وغیرہ کا، اور اس دنیوی حیات کی حقیقت، اس کے لوازمات کے منتفی ہونے، اور اس دنیوی حقیقی حیات سے اس برزخی حیات کی طرف منتقل ہونے کے حاصل ہونے سے، منتفی ہو جائے گی، جس کو موت کے ذریعے ''انتقال'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور یہ حالت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آ چکی ہے، جن پر ہماری روح فدا ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا (سورہ زمر میں) ارشاد ہے کہ ''إِنَّکَ مَيِّتٌ وَّإِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ '' اور اللہ عزوجل کا (سورہ آلِ عمران میں) ارشاد ہے کہ ''وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ

《 گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ 》

دعاء کرنے پر قدرت رکھتے ہوں، تب بھی ان سے دعاء کی درخواست کرنا، شرک کا ذریعہ ہے، اس لیے ان سے دعاء کی درخوست کرنے سے بچنا چاہیے، جیسا کہ گزرا۔

اور اس قسم کے مسائل میں اصحابِ علم کا اختلاف، اجتہادی نوعیت کا ہوتا ہے، جن میں دلائل کی رُو سے کسی ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح دینے میں تو حرج نہیں، لیکن اس کو حق وباطل کا اختلاف بنالینا، اور اس کی وجہ سے ایک دوسرے کی طرف ضلالت وبدعت اور کفر وشرک وغیرہ کی نسبت کرنا، درست طریقہ نہیں، اور ہم یہ آگے مستقل باب میں تفصیلاً ذکر کر چکے ہیں کہ فقہی احکام کے علاوہ بعض فکری، اعتقادی اور نظریاتی اختلافات بھی، اجتہادی، یا فروعی نوعیت کے ہیں۔

لہٰذا جو حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ جملہ اعتقادی مسائل ''اجتہادی'' نہیں ہو سکتے، ان کی بات سے ہمیں اتفاق نہیں۔ محمد رضوان۔

الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی أَعْقَابِكُمْ ‘‘اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس موت کے طاری ہونے کا، کسی کے لیے انکار کرنا ممکن نہیں۔

اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے، اور وہ مدت سے غائب تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جانے کی اجازت دی تھی، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کے مبارک ومشرف چہرے سے کپڑا ہٹا کر عرض کیا کہ میری روح آپ پر فداء ہو، آپ نے پاکیزہ زندگی گزاری، اور آپ کی پاکیزہ حالت میں موت واقع ہوئی۔

اور حضرت سالم کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مذکورہ دوآیتوں کی تلاوت کی، اور منبر پر تشریف لے گئے، اور اپنے خطبہ میں فرمایا کہ ’’اے لوگو! جو شخص ’’محمد‘‘ کی عبادت کیا کرتا تھا، تو ’’محمد‘‘ کی تو موت واقع ہوگئی، اور جو ’’اللہ‘‘ کی عبادت کیا کرتا تھا، تو بے شک ’’اللہ‘‘ زندہ ہے، اس کو موت واقع نہیں ہوگی، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس آیت ہی کو تلاوت فرمایا، تب لوگوں کے ہوش وحواس بحال ہوئے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم! گویا کہ میں نے اس آیت کو کبھی تلاوت ہی نہیں کیا‘‘

اور جب مذکورہ امور کی وجہ سے ’’حیاتِ حقیقی‘‘ کی نفی ہوگئی، تو ’’حیاتِ برزخی‘‘ ثابت ہوگئی۔

اور ’’حیاتِ برزخی‘‘ کے درجات مختلف ہیں، چنانچہ شہیدوں کی حیات، مومنوں کی حیات سے اعلیٰ ہے، اور انبیائے علیہم السلام کی حیات، اُن شہیدوں کی حیات سے بھی اعلیٰ ہے، جن کو اللہ سبحانہ نے اپنے پاس مبارک حیات سے مشرف فرمایا، چنانچہ اللہ عزوجل کا ان شہیدوں کے متعلق (سورہ آلِ عمران میں) ارشاد ہے، جن کا درجہ انبیاء سے کم ہے کہ ’’وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

أَمْوَاتاً بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ''

اوراگرآپ یہ شبہ کریں کہ گزشتہ حدیث میں تو یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نماز پڑھتے ہیں، امام احمد اور مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں اس رات میں، جس رات میں مجھے سیر کرائی گئی، موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، جو اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے، اور ایک روایت میں ''کَثِيْبِ اَحْمَر'' کے قریب کا ذکر ہے'' تو اس کا جواب کیا ہوگا؟

تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ''صَلَاة'' سے لغوی معنیٰ مراد ہیں، یعنی وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے دعاء اور اس کی ثناء اور اس کا ذکر کر رہے تھے، اور قرطبی نے فرمایا کہ اس سے شرعی نماز مراد ہے، ظاہرِ حدیث کی وجہ سے، لیکن یہ نماز، مکلّف ہونے کے حکم کی وجہ سے نہیں تھی، بلکہ انبیائے کرام کے اکرام اور اُن کی شرافت کے حکم کی وجہ سے تھی۔

اور اس بات کے درمیان، اور موسیٰ علیہ السلام کو اس رات چھٹے آسمان کے درمیان، دیکھنے میں کوئی ٹکراؤ نہیں، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے مختلف مقامات ودرجات ہیں، وہ ان میں جہاں چاہیں، آجا سکتے ہیں، پھر وہ اپنی قبروں کی طرف لوٹ سکتے ہیں۔

یا یہ وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بدن سے ان کی ارواح، جدا ہونے کے بعد رفیقِ اعلیٰ میں ہوتی ہیں، لیکن ان کا بدن سے خاص قسم کا لگاؤ اور تعلق ہوتا ہے، اور وہ عالمِ برزخ میں نقل وحرکت کرنے پر قادر ہوتے ہیں، اس طور پر کہ مسلمان کے سلام کا جواب دیتے ہیں، اور اسی تعلق کی وجہ سے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (موسیٰ علیہ السلام کو) قبر میں بھی دیکھا، اور ان کو چھٹے آسمان پر بھی دیکھا۔

لٰہذا یہ بات لازم نہیں آتی کہ موسیٰ علیہ السلام کو، اس رات میں ان کی قبر سے اوپر لے جایا گیا ہو، پھر قبر کی طرف لوٹایا گیا ہو، بلکہ آسمان پر اُن کی روح اور اُس کے ٹھہرنے کا مقام تھا، ارواح کو اجسام کی طرف لوٹانے (یعنی قیامت) کے دن تک، جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کا مقام ''رفیقِ اعلیٰ'' میں ہے، اور آپ کا پاکیزہ بدن، آپ کے روضۂ مبارک میں ہے، جہاں سے آپ سلام کرنے والے کا جواب دیتے ہیں۔ [1]

اور جس کی طبیعت میں اس بات کو سمجھنے سے اکھڑپنا ہو، تو اس کو آسمان (اور سیاروں) کی بلندی اور ان کے معلق ہونے، اور ان کی زمین میں تاثیر کی طرف دیکھنا چاہیے (کہ آسمان، بلکہ اس کے نیچے قدرتی سیارے، خلاء اور فضاء میں موجود ہو کر زمین کے لیے سیٹلائیٹ کا کام کرتے ہیں، اور دوسرے اہم اثرات بھی زمین پر مرتب کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں) اور اسی طرح نباتات اور حیوانات کی زندگی اور حیات میں بھی غور کرنا چاہیے، اور آگ کو بھی دیکھنا چاہیے کہ وہ دور دراز کے جسم پر کیسے اثر انداز ہوتی ہے (اور بجلی کے کرنٹ اور آسمانی بجلی اور روشنی پر غور کرنا چاہیے کہ وہ کس طرح آناً فاناً ایک جگہ سے دوسری جگہ اثر انداز ہوتی ہے، اور زمین پر آنے والے زلزلہ کو دیکھنا چاہیے کہ مرکز کہیں ہوتا ہے، اور اس کے اثرات دور دراز تک پہنچتے ہیں) حالانکہ روح اور بدن کے درمیان کا تعلق زیادہ قوی اور زیادہ اَتَم ہے۔

اور برزخ والوں کی نعمت اور ان کی ہولناکیوں کے احوال اور ان سے متعلق اقوال، بہت تفصیلی ہیں، جو ایک عظیم سلسلہ ہے، اور ایسی حالت ہے، جس کو قبول کرنا واجب ہے، جن کی تفصیل مخصوص کتابوں میں بیان کی گئی ہے، جہاں منصوص

---

[1] اور ضروری نہیں کہ آسمان پر کسی کو متشکل طور پر دیکھنے کے لیے عالَمِ سفلی والا مادی جسم ضروری ہو، وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ، وَیَفْعَلُ مَا یَشَاءُ۔ محمد رضوان۔

دلائل کے ذریعے سے ان باتوں کو ثابت کیا گیا ہے (جلاءُ العینین)

مذکورہ بالا عبارت میں انبیاء کی ''برزخی حیات'' کا قول کیا گیا ہے، اور ''حیاتِ حقیقی'' کی اس بناء پر نفی کی گئی ہے کہ اس صورت میں دنیوی حیات کے تمام لوازمات، مثلاً اعمال اور مکلّف ہونے، اور عبادت کرنے، اور بولنے وغیرہ کو ماننا پڑے گا، جو کہ درست نہیں۔

اس بات سے ہمیں بھی اتفاق ہے۔

اور اگر کوئی انبیاء کی ''برزخی حیات'' کا انکار کرے، اور اس طرح کی ''حیاتِ حقیقی'' کا دعویٰ کرے، جو دنیوی حیات کے تمام لوازمات کو مستلزم ہو، تو اس کا ''بَدِیْھِیُ الْبُطْلَانْ'' ہونا واضح ہے۔

لیکن اگر کوئی انبیائے کرام کی ''برزخی حیات'' کو ''حیاتِ حقیقی'' سے تعبیر کرے، اور اس کی مراد ''برزخی حیات'' کی نفی نہ ہو، اور اگر یہ مراد ہو بھی، تو بھی دوسرے افراد واشخاص کی طرح کی ''عام برزخی حیات'' کی نفی اور اس کے نتیجہ میں انبیاء کی خاص اور اعلیٰ درجہ کی برزخی حیات کا اثبات مقصود ہو، اور ''حقیقی حیات'' سے اس کی مراد ''اس حیات کے حقیقت اور واقعہ اور نَفْسُ الْاَمْر کے مطابق ہونا، اور مجازی حیات کا دعویٰ کرنے والوں کی نفی ہو، جو نصوص کو حقیقی معنیٰ پر محمول کرنے کے بجائے، مجازی معنیٰ پر محمول کرنے کی تاویل پر عمل پیرا ہیں'' تو اس حد تک اس قول سے اختلاف زیادہ اہمیت نہیں رکھتا، اور ایسی صورت میں اس کی حیثیت تعبیر کے اختلاف سے زیادہ نہ ہوگی، جو حقیقی اختلاف نہیں کہلائے گا۔

چنانچہ ''اَلْمَوَاھِبُ اللَّدُنِیَة'' میں شہداء کی حقیقی حیات کے قول کو جمہور کا قول قرار دے کر، اس حقیقی حیات کے صرف روح کے لیے، یا اس کے ساتھ جسد کے لیے بھی ''بِمَعْنیٰ عَدَمِ الْبَلٰی'' حاصل ہونے کے دو اقوال کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ [1]

---

[1] وإذا ثبت بشهادة قوله تعالى :ولا تحسبن الذين قتلوا فى سبيل الله أمواتا بل أحياء عند ربهم يرزقون حياة الشهيد، ثبت للنبى -صلى الله عليه وسلم -بطريق الأولى، والذى عليه جمهور العلماء :أن الشهداء أحياء حقيقة، وهل ذلک للروح فقط أو للجسد معها؟ بمعنى عدم البلى، قولان (المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، ج٣،ص ٦٠١ ،المقصد العاشر،الفصل الثانى فى زيارة قبره الشريف ومسجده المنيف)

پس جب جسم کے بوسیدہ ہوجانے کی صورت پر بھی ''برزخی حقیقی حیات'' کا اطلاق ہوسکتا ہے، تو جسم سلامت رہنے پر کیسے اطلاق نہیں ہوسکتا۔

اور علامہ خفاجی حنفی نے تفسیر بیضاوی کے حواشی میں ''شہداء کی حیاتِ حقیقی، روح بمع جسد ہونے کا قول ذکر کرکے فرمایا کہ ہم اس حیات کا ادراک نہیں کرسکتے، اور اس کی حقیقت کا علم نہیں رکھتے، کیونکہ اس کا تعلق برزخ کے احوال سے ہے۔انتھٰی۔ [1]

علامہ خفاجی نے شہداء کی حیات کو''حقیقی حیات'' اور روح مع جسد کی حیات فرما کر، ''مِنْ أَحْوَالِ الْبَرْزَخ ''فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک حقیقی حیات کا اثبات''برزخی حیات'' کی نفی کو مستلزم نہیں۔

اسی طرح کا سلافہ بالامیر (المتوفیٰ :1182ھ) نے''شہداء کی حیات کو برزخ میں ''حقیقی'' کہا ہے۔ [2]

اس سے بھی معلوم ہوا کہ ''حقیقی حیات'' قرار دینے والوں کا مقصود''برزخی حیات'' کی نفی، اور دنیا کے تمام لوازمات اور بشری تقاضوں کا اثبات نہیں۔

اور بعض حضرات نے جو انبیاء وشہداء کی قبر کی حیات کو''کَحَیَاتِھِمْ فِی الدُّنْیَا '' جیسے الفاظ کے ذریعہ دنیا کی حیات کے مشابہ، اور''روح مع جسم'' کی حیات کہہ دیا ہے، اس سے بھی حیاتِ برزخی کی نفی ہرگز مقصود نہیں۔

ہم بار، بار قبر کے برزخ کے خلاف نہ ہونے کی وضاحت کرچکے ہیں، اور قبر بول کر برزخ مراد لینے کا بھی باحوالہ ذکر کرچکے ہیں۔

---

[1] حیاۃ الشھداء ثابتۃ فی الآیات والأحادیث وقد اختلفوا فیھا فذھب کثیر من السلف إلی أنھا حیاۃ حقیقیۃ بالروح والجسد ولکنا لا ندرکھا ولا نعلم حقیقتھا لأنھا من أحوال البرزخ التی لا یطلع علیھا (عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی علی تفسیر البیضاوی،لشھاب الدین أحمد بن محمد الخفاجی الحنفی، ج۲، ص۲۵۷، سورۃ البقرۃ)

[2] حیاۃ الشھداء فی البرزخ حیاۃ حقیقیۃ(التنویر شرح الجامع الصغیر، ج۶، ص۸۵،تحت رقم الحدیث۴۱۶۸،حرف الدال المھملۃ،الدال مع الخاء المعجمۃ)

اوراس جیسی عبارات میں ''کاف تشبیہ'' کوکلی مشابہت ومماثلت پر محمول کرنا بھی درست نہیں، بلکہ اس سے جزوی مماثلت ومشابہت مراد ہے، ورنہ تو موت کی نیند سے مشابہت ومماثلت پر بھی یہی حکم لگانا چاہئے، ویسے بھی اصولی اعتبار سے اس طرح کے مواقع پر کلی مشابہت ومماثلت سمجھ لینا درست نہیں ہوا کرتا، جیسا کہ کسی کو چاند، یا شیر جیسا کہنے کا مطلب یہ نہیں ہوا کرتا کہ وہ شخص انسانی جنس سے خارج اور بشری تقاضوں سے پاک ہے۔

پس اسی طرح انبیاء کی مَـا بَعْدَ الْمَوْتْ حیات کو، دنیا کی حیات کے مشابہ کہنے کا مقصود بھی یہ نہیں کہ وہ برزخی حیات، بالکلیہ دنیا کی حیات کی طرح ہے، البتہ اس حیثیت سے جزوی مشابہت ومماثلت قرار دینے کی گنجائش ہے کہ جس طرح دنیا میں زندہ انسان کے اجسام مٹی نہیں ہوتے، بلکہ گوشت، پوست، ہڈی وغیرہ سے عبارت ہوتے ہیں، اس طرح انبیائے کرام کے اجسام، برزخ میں بھی سلامت ہوتے ہیں، اور برزخ میں بدن وجسم کے کل، یا بعض کے ساتھ روح کا تعلق جَمْهُوْر اَهْلُ السُّنَّةُ کے نزدیک مسلم ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس برزخی حیات کو روحانی وجسمانی کہنے کا مقصود، اولاً تو ان لوگوں کی تردید ہے، جو''عالمِ برزخ'' میں روح اور بدن کے تعلق کے قائل نہیں۔

دوسرے اس بات کو ثابت کرنا مقصود ہے کہ انبیاء کے ابدان واجسام، متغیر ہونے سے محفوظ رہتے ہیں، اور بس۔

نہ یہ کہ ان کی ارواح، ہمیشہ ان ابدان کے ساتھ ہی عالمِ برزخ میں مستقر ومتحرک ہوتی ہیں، اورارواح، ان اجسام کے بغیر عالمِ برزخ میں راحت وسرور حاصل نہیں کرتیں، یہ مراد لینا درست نہیں، کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ برزخ کے احوالِ سرور وغیرہ کا اصل مرکز تو روح ہوتی ہے، اور بدن سے اس کا ایسا تعلق اور کنکشن ہوتا ہے، جس کے نتیجہ میں بدن تک اس سرور وغیرہ کا اثر سرایت کر جاتا ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر باحوالہ ذکر کیا جا چکا۔

یہی وجہ ہے کہ ان حضرات نے یہ بھی ساتھ ہی فرمادیا کہ ان کے ابدان سلامت ہونے سے یہ

لازم نہیں آتا کہ وہ ابدان اس طرح ہوں، جس طرح دنیا میں کھانے پینے اور دوسرے بشری تقاضوں، نکاح، اور حقوقِ زوجیت وغیرہ کے محتاج تھے، اور برزخ میں ارواح کے باہم ملاقات کرنے سے یہ سمجھ لینا درست نہیں کہ وہاں کی ملاقات بشری تقاضوں کے مطابق ہو، جس میں نعوذ باللہ تعالیٰ، دنیا کی طرح عورتوں سے قضائے شہوت بھی داخل ہو، کیونکہ یہ امور عالمِ دنیا کے تقاضوں سے تعلق رکھتے ہیں، عالمِ برزخ کے احوال کو عالمِ دنیا کے احوال پر قیاس کرنا، سراسر کم علمی اور اس کی وجہ سے علمائے محققین پر الزام عائد کرنا، اتہام والزام تراشی ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ علامہ سیوطی شافعی نے علامہ سبکی شافعی کے حوالہ سے اپنے رسالے''انباء الاذكياء ''میں نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ:

وقال الشيخ تقى الدين السبكى :حياة الأنبياء والشهداء فى القبر كحياتهم فى الدنيا، ويشهد له صلاة موسى فى قبره، فإن الصلاة تستدعى جسدا حيا، وكذلك الصفات المذكورة فى الأنبياء ليلة الإسراء كلها صفات الأجسام، ولا يلزم من كونها حياة حقيقة أن تكون الأبدان معها كما كانت فى الدنيا من الاحتياج إلى الطعام والشراب، وأما الإدراكات كالعلم والسماع فلا شك أن ذلك ثابت لهم ولسائر الموتى، انتهى(الحاوى للفتاوى، ج ٢، ص ١٨٤، كتاب البعث، مبحث النبوات، أنباء الأذكياء بحياة الأنبياء)

مندرجہ بالا عبارت میں تقی الدین سبکی نے جو یہ فرمایا کہ''حياة الأنبياء والشهداء في القبر ''اس میں''قبر'' کا لفظ ''برزخی حیات'' کی دلیل ہے، ہم قبر سے برزخ مراد ہونے کی تصریحات دوسرے مقام پر نقل کر چکے ہیں، پھر آگے جو یہ فرمایا کہ''كحياتهم فى الدنيا ''اس میں''ک ''تشبیہ کے لیے ہے،، جس کا مقصود تقریبِ فہم ہوا کرتا ہے، یعنی''انبیاء وشہداء کی وہ حیات، جو پیچھے ذکر کی گئی، اور وہ حیات''برزخی'' ہے، وہ دنیا کی حیات کے مشابہ ہے، اس میں''مشبه به '' دراصل''حیاتِ دنیا، یا دنیوی حیات'' ہے، اور''مشبه'' درحقیقت''حیاتِ برزخی، یا برزخی حیات'' ہے، کیونکہ''مشبه'' کے لیے ضروری ہے کہ وہ''مشبه به ''کا غیر ہو، ورنہ تو''تشبيه'' کے کوئی معنیٰ نہیں، اور'' مشبه'' و''مشبه به ''میں کلی مماثلت ضروری نہیں، بلکہ''تمثیل وتشبیہ'' کے لیے کسی ایک جزء میں، یا کسی جہت سے بھی مماثلت ومشابہت کافی ہے، جیسا کہ''زيد كالاسد''یا''زيد كالقمر ''وغیرہ جیسی مثالوں سے بالکل واضح ہے۔

اور اصل یہ ہے کہ اس تشبیہ میں''مشبه به'' اعلیٰ ہو''مشبه'' سے۔

فلا يدل التشبيه على أفضلية المشبه به من كل وجه (فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج ٤، ص ٢٢٣، كتاب الصوم، باب حق الأهل فى الصوم)

الأصل أن المشبه به أعلى درجة من المشبه(فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج ٩، ص ٥٨٣، كتاب الأطعمة، باب الطاعم الشاكر)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورعالمِ برزخ میں انبیائے کرام جوکوئی بھی عمل نماز وغیرہ کی شکل میں کرتے ہیں (جیسا کہ شبِ معراج کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے،تو) وہ عالمِ برزخ کی شایانِ شان مکلّف ہوئے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وفائدة التشبيه التقريب لفهم السائل(فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج۱۳،ص ۲۹۶، کتاب الاعتصام بالكتاب والسنة،باب من شبه أصلا معلوما بأصل مبين)

اورسبکی کی اسی مذکورہ عبارت میں آگے صاف طور پر یہ بھی فرمادیا گیا کہ اس ''حیاتِ برزخی وحقیقی'' سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے ابدان اسی طرح سے ان کے ساتھ ہوں، جس طرح سے دنیا میں اکل وشرب وغیرہ کے محتاج تھے۔

جس سے اس تشبیہ کے دوسری جہات سے ہونے کی نفی بھی ہوگئی، اور ''مشبــه بــه'' کا ''مشبــه'' سے اعلیٰ ہونا بھی معلوم ہوگیا۔

اس لیے مذکورہ عبارت سے انبیاء وشہداء کی ''برزخی حیات'' کی نفی سمجھنا، اوراوراس کی نفی کرکے ان کی حیات کو''دنیوی'' سمجھ لینا، سخت غلط فہمی اور تسامح پرمبنی ہے، جس کا بعض علماء سے بھی صدور ہوگیا، والا نسان مر کب من الخطاء۔

اب دیکھنا یہ چاہیے کہ انبیاء کی برزخی حیات کو دنیا کی حیات سے وہ تشبیہ کس جہت سے، اور کس مقصد کے لئے ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ تشبیہ اس جہت سے، اوراس مقصد کے لئے ہے کہ ان کے اجسام متغیر نہیں ہوتے، یعنی جس طرح سے دنیا میں اُن کو اجسام وابدان حاصل تھے، برزخ وقبر میں چلے جانے کے بعد، ان کے اجسام وابدان اسی حالت پر ہوتے ہیں، اس جہت سے تشبیہ ہرگز نہیں کہ وہ اجسام دنیا کے بشری تقاضوں، اورلوازمات کے ساتھ ہوتے ہوں، اور قبروں پر نماز پڑھنے پر کلام پہلے گزر چکا ہے۔

سبکی کی مذکورہ عبارت پر اس طرح کا الزام عائد کرنا، اتہام سے کم حیثیت نہیں رکھتا، جوعنداللہ باعثِ مواخذہ ہے۔

اورہمیں راجح یہ معلوم ہوا کہ دنیا کی وفات کے بعد، نصوص کی رو سے، مَافَوُقُ الْعَادَة اجسام وابدان متغیر نہ ہونے کا استثناء، صرف انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے، انبیاء کے اجسام متغیر نہ ہونے کی تصریح تو نصوص میں آئی ہے، اورنصوص کی رو سے انبیاء کے علاوہ فوت ہونے کے بعد انسان کے جسم کی ہر چیز گل جاتی ہے، سوائے ریڑھ کی ہڈی کے، اور شہداء کے ابدان واجسام متغیر نہ ہونے کا استثناء، یا تصریح نصوص میں نہیں آئی، اس لئے بہت سے محققین نے اس حکم میں انبیاء کے ساتھ شہداء کو داخل نہیں مانا، جبکہ بعض حضرات نے اس حکم میں شہداء کو بھی داخل مانا ہے، اوراس طرح شہداء کے متعلق دونوں اقوال ہوگئے۔

تقی الدین سبکی کی مذکورہ عبارت میں شہداء کو انبیاء کے حکم میں داخل ماننے کے قول کی پیروی کی گئی ہے، لیکن ہمارے نزدیک اس قسم کے غیبی امور''توقیفی'' کہلاتے ہیں، جن میں ''قیاس'' کو دخل نہیں ہوتا، بلکہ نصوص کی تصریح ضروری ہوتی ہے، اور ہمارے نزدیک انبیاء کے علاوہ متعین طور پر کسی بھی دوسرے فردِ بشر کے بدن کا عادتاً متغیر نہ ہونے کا استثناء کرنا، اور شہداء کے اجسام وابدان کے متغیر نہ ہونے کا قول، راجح نہیں، الَّا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی شہید کے جسم وبدن کو متغیر ہونے سے محفوظ رکھے، اور کسی غیر نبی کے جسم وبدن کو اللہ مافوق العادۃ استثناء عطاء فرمادے، اس سے کس کو اختلاف کی جرأت ہوسکتی ہے؟ اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ محمد رضوان۔

بغیر سکون وسرور کے لئے کرتے ہیں، دنیا میں مکلّف ہونے کے اعتبار سے نہیں کرتے، ان کی ارواح، ان اعمالِ صالحہ سے سکون وسرور حاصل کرتی ہیں، اور اللہ ان کے اجر وثواب کو اپنے فضل سے جاری رکھتا ہے۔ [1]

یہی وجہ ہے کہ ان حضرات نے ہی دوسرے مقامات پر برزخی حیات وغیرہ کی تصریح کی ہے۔ [2]

البتہ میت کے ادراک، علم وسماع کو حسبِ مشیتِ الٰہی وحسبِ درجات بعض حضرات تو تمام

---

[1] بل أحياء لأنهم في الحكم كالأحياء ، لأنه يجرى ثوابهم إلى يوم القيامة، ولأنهم يسرحون في الجنة حيث شاؤوا . كما قال في آية أخرى: "عند ربهم يرزقون فرحين "ولكن لا تشعرون (تفسيربحر العلوم،لأبى الليث السمرقندى، ج ا ،ص ١٠٥ ،سورة البقرة)

ولا تظنن الذين قتلوا في سبيل الله أمواتا كسائر الأموات بل أحياء ، يعني :هم كالأحياء عند ربهم، لأنه يكتب لهم أجرهم إلى يوم القيامة، فكأنهم أحياء في الآخرة (تفسيربحر العلوم،لأبى الليث السمرقندى، ج ا ،ص ٢٦٤ ،سورة آل عمران)

[2] چنانچہ علامہ سیوطی شافعی ہی اپنے رسالے ''انباء الاذکیاء'' میں لکھتے ہیں:

وقال الإمام بدر الدين بن الصاحب في تذكرته فصل في حياته صلى الله عليه وسلّم بعد موته في البرزخ وقد دل على ذلك تصريح الشارع وإيماؤه ومن القرآن قوله تعالى :) ولا تحسين الذين قتلوا في سبيل الله أمواتاً بل أحياء عند ربهم يرزقون (فهذه الحالة وهي الحياة في البرزخ بعد الموت حاصلة لآحاد الأمة من الشهداء وحالهم أعلى وأفضل ممن لم تكن له هذه الرتبة لا سيما في البرزخ ، ولا تكون رتبة أحد من الأمة أعلى من رتبة النبي صلى الله عليه وسلّم بل إنما حصل لهم هذه الرتبة بتزكيته وتبعيته ، وأيضاً فإنما استحقوا هذه الرتبة بالشهادة والشهادة حاصلة للنبي صلى الله عليه وسلّم على أتم الوجوه وقال عليه السلام :(مررت على موسى ليلة أسرى بي عند الكثيب الأحمر وهو قائم يصلي في قبره) وهذا صريح في إثبات الحياة لموسى فإنه وصفه بالصلاة وأنه كان قائماً ، ومثل هذا لا يوصف به الروح وإنما وصف به الجسد ، وفي تخصيصه بالقبر دليل على هذا ، فإنه لو كان من أوصاف الروح لم يحتج لتخصيصه بالقبر ، فإن أحداً لم يقل أن أرواح الأنبياء مسجونة في القبر مع الأجساد وأرواح الشهداء أو المؤمنين في الجنة(الحاوى للفتاوى، ج٢، ص ٢٥١ ،كتاب البعث، مبحث النبوات، أنباء الأذكياء بحياة الأنبياء)

مذکورہ عبارت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے بعد برزخی حیات کا صاف ذکر ہے، اور اس کی دلیل میں شارع کی تصریح، اور اشارہ ہونے کے ساتھ ہی قرآن کی آیت سے بھی دلیل کا ذکر ہے، پس بعض علماء کا علامہ سیوطی، یا سبکی کی کسی عبارت سے انبیاء کی برزخی حیات کی نفی سمجھنا صریح تسامح معلوم ہوتا ہے۔ محمد رضوان۔

اموات کے لئے ان میں سے ہر ایک کی شایانِ شان مانتے ہیں، خواہ مومن ہو، یا کافر، علامہ ابنِ تیمیہ بھی ان حضرات میں داخل ہیں، اور یہ ایک الگ درجہ کا اختلافی مسئلہ ہے، جس میں غلو مناسب نہیں، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

اور اگر کسی کو عالمِ برزخ کی حیات کے بارے میں کوئی بات سمجھ نہ آئے، تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ’’بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ‘‘اور’’ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ‘‘ کا اعلان فرما چکا ہے۔

ایسی صورت میں اس کے مطابق نظریہ رکھنا چاہئے، اور عقل کے پیچھے لاٹھی لے کر دوڑنے کے طرزِ عمل سے اجتناب کرنا چاہیے۔ [1]

---

[1] قولهم :أموات أى هم أموات .بل أحياء .

أى بل هم أحياء ، والجملة معطوفة على لا تقولوا إضراب عنه، وليس من عطف المفرد على المفرد ليكون فى حيز القول ويصير المعنى بل -قولوا أحياء -لأن المقصود إثبات الحياة لهم لا أمرهم بأن يقولوا فى شأنهم إنهم أحياء وإن كان ذلك أيضا صحيحا ولكن لا تشعرون .أى لا تحسون ولا تدركون ما حالهم بالمشاعر لأنها من أحوال البرزخ التى لا يطلع عليها ولا طريق للعلم بها إلا بالوحى -واختلف فى هذه الحياة -فذهب كثير من السلف إلى أنها حقيقية بالروح والجسد ولكنا لا ندركها فى هذه النشأة، واستدلوا بسياق قوله تعالى:”عند ربهم يرزقون“وبأن الحياة الروحانية التى ليست بالجسد ليست من خواصهم فلا يكون لهم امتياز بذلك على من عداهم، وذهب البعض إلى أنها روحانية وكونهم يرزقون لا ينافى ذلك -فقد روى عن الحسن -أن الشهداء أحياء عند الله تعالى تعرض أرزاقهم على أرواحهم فيصل إليهم الروح والفرح كما تعرض النار على أرواح آل فرعون غدوا وعشيا فيصل إليهم الوجع، فوصول هذا الروح إلى الروح هو الرزق والامتياز ليس بمجرد الحياة بل مع ما ينضم إليها من اختصاصهم بمزيد القرب من الله عز شأنه ومزيد البهجة والكرامة، وذهب البلخى إلى نفى الحياة بالفعل عنهم مطلقا (تفسير روح المعانى، ج ۱ ، ص ۴۱۸، سورة البقرة)

بل هم أحياء عند ربهم بالحياة الحقيقية الدائمة السرمدية شهداء لله تعالى قادرون به ولكن لا تشعرون لعمى بصيرتكم وحرمانكم من النور الذى تبصر به القلوب أعيان عالم القدس وحقائق الأرواح (تفسير روح المعانى، ج ۱ ، ص ۴۲۲، سورة البقرة)

فصل: وفى هذه المرتبة تعلم حياة الشهداء ، وأنهم عند ربهم يرزقون، وأنها أكمل من حياتهم فى هذه الدنيا، وأتم وأطيب، وإن كانت أجسادهم متلاشية، ولحومهم متمزقة، وأوصالهم متفرقة، وعظامهم نخرة، فليس العمل على الطلل إنما الشأن فى الساكن، قال الله تعالى:”ولا تحسبن الذين

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر آخری درجہ میں کسی علمی بات پر دوسرے صاحبِ علم سے اختلاف ہو، تو اختلافات تو اور مسائل میں بھی ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں اور ہوتے رہیں گے، یہ کوئی نئی بات نہیں، ایک مسئلہ میں اگر ایک عالم کی بات قابلِ اختلاف ہوسکتی ہے، تو دوسرے کسی مسئلہ میں اسی کی بات قابلِ اتفاق بھی ہوسکتی ہے، اھلُ السنۃ کے نزدیک انبیائے کرام کے علاوہ کسی انسان کو بھی ''معصوم'' ہونے کا شرف حاصل نہیں، اور ''کُلٌّ یُؤْخَذُ وَیُتْرَکُ اِلَّا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم'' والی بات ہے۔

لیکن علمی اختلاف کی کچھ حدود وقیود اور آداب ہوا کرتے ہیں، جن سے موجودہ دور کے اگر بعض علماء محروم ہوں، تو یہ ان کا اپنا فعل ہے، اس طرزِ عمل کی نسبت سے سلفِ صالحین محققین بری ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی بری رکھے۔ آمین۔

پس بعض مجمل عبارات سے موجودہ دور کے بعض حضرات کا برزخی اور بطورِ خاص قوی واعلیٰ درجہ کی برزخی حیات کی نفی کو مراد لینا، اور اس پر محاذ کھڑا کرنا، اور اھلُ السنۃ اصحابِ علم کی پگڑیاں اچھالنا، اور ان کی عزت کے خون سے اپنے سینے، زبان، یا قلم کو داغ دار بنانا، کونسا ثواب والا کام ہے؟

ہم اس طرزِ عمل کو راجح نہیں سمجھتے، کوئی دوسرا راجح سمجھ کر اس طرزِ عمل میں اپنے آپ کو مشغول کرے، تو وہ اس کا اپنا فعل، اور ''لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ'' اور ''وَلَا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قتلوا فی سبیل اللہ أمواتا بل أحیاء عند ربھم یرزقون"وقال تعالی:"ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ أموات بل أحیاء ولکن لا تشعرون"وإذا کان الشھداء إنما نالوا ھذہ الحیاۃ بمتابعۃ الرسل وعلی أیدیھم، فما الظن بحیاۃ الرسل فی البرزخ؟ ولقد أحسن القائل:

فالعیش نوم والمنیۃ یقظۃ ...والمرء بینھما خیال ساری

فللرسل والشھداء والصدیقین من ھذہ الحیاۃ التی ھی یقظۃ من نوم الدنیا أکملھا وأتمھا، وعلی قدر حیاۃ العبد فی ھذا العالم یکون شوقہ إلی ھذہ الحیاۃ، وسعیہ وحرصہ علی الظفر بھا، واللہ المستعان (مدارج السالکین بین منازل إیاک نعبد وإیاک نستعین، لابن قیم الجوزیۃ، ج۳، ص ۲۶۴، فصل الحیاۃ الاولیٰ)

تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْن ‘‘والا معاملہ ہے۔واللہ أعلم۔

محمود شکری آلوسی کا حوالہ

اورعلامہ آلوسی (صاحبِ روح المعانی) کے پوتے محمود شکری آلوسی (المتوفیٰ: 1342ھ) فرماتے ہیں کہ:

فالصلاة والسلام عليه صلى الله عليه وسلم فى مسجده وسائر المساجد وسائر البقاع مشروع بالكتاب والسنة والإجماع.
وأما السلام عليه عند قبره من داخل الحجرة فهذا كان مشروعا لما كان ممكنا بدخول من يدخل على عائشة.
وأما تخصيص هذا السلام والصلاة بالمكان القريب من الحجرة فهذا محل النزاع، وللعلماء فى ذلك ثلاثة أقوال (غاية الأمانى فى الرد على النبهانى، ج ا ، ص ۲۱۹ ، الكلام على قول النبهانى أن الوهابية مبتدعة غير أن ضررهم دون من قبلهم)

ترجمہ: پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام پڑھنا، مسجدِ نبوی اور تمام مساجد میں اور تمام مقامات میں کتاب وسنت اور اجماعِ امت کی رُو سے مشروع ہے۔
جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے قریب حجرے کے اندر سلام کا تعلق ہے، تو یہ اس شخص کے لیے مشروع ہے، جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں داخل ہونا ممکن ہو۔
اور اس صلاۃ وسلام کے حجرے کے قریب جگہ کی تخصیص کا مسئلہ محلِ نزاع ہے، جس کے بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں (غایۃ الأمانی)

اُن تین اقوال کا ذکر آگے آتا ہے۔

محمود شکری آلوسی کا دوسرا حوالہ

علامہ محمود شکری آلوسی مذکورہ تالیف میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

وبالجملة؛ فمن قال إنه يسلم سلام التحية الذى يقصد به الرد فلا بد من تحديد مكان ذلك فإن قال :إلى أن يسمع ويرد السلام فإن حد فى ذلك

ذراعاً أو ذراعين أو عشرة أذرع، أو قال : إن ذلک في المسجد کله أو خارج المسجد؛ فلا بد له من دليل.
والأحاديث الثابتة عنه فيها أن الملائکة يبلغونه صلاة من صلى عليه وسلام من يسلم عليه، ليس في شيء منها أنه يسمع بنفسه ذلک.
فمن زعم أنه يسمع ويرد من خارج الحجرة من مکان دون مکان فلا بد له من حد، ومعلوم أنه ليس في ذلک حد شرعي وما أحد يحد في ذلک حداً إلا عورض بمن يزيده أو ينقصه ولا فرق .وأيضاً فذلک يختلف باختلاف ارتفاع الأصوات وانخفاضها، والسنة للمُسَلِّم في السلام عليه خفض الصوت، ورفع الصوت في مسجده منهي عنه بالسلام والصلاة وغير ذلک.
بخلاف المسلّم من الحجرة، فإنه فرق ظاهر بينه وبين المسلّم عليه من المسجد، ثم السنة لمن دخل مسجده أن يخفض صوته، فالمسلّم عليه إن رفع الصوت أساء الأدب برفع الصوت في المسجد، وإن لم يرفع لم يصل الصوت إلى داخل الحجرة.
وهذا بخلاف السلام الذي أمر الله به ورسوله، الذي يسلّم الله على صاحبه کما يصلّي على من صلَّى عليه، فإن هذا مشروع في کل مکان لا يختص بالقبر.
وبالجملة؛ فهذا الموضع فيه نزاع قديم بين العلماء على کل تقدير (غاية الأماني في الرد على النبهاني، ج ۱، ص ۲۵۴، الکلام على قول النبهاني أن الوهابية مبتدعة غير أن ضررهم دون من قبلهم)

ترجمہ: اور خلاصہ یہ کہ جس شخص نے یہ کہا کہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک پر) وہ والا سلام کرے، جو ''سلامِ تحیہ'' کہلاتا ہے، جس کے جواب کا قصد کیا جاتا ہے، تو اس کے لیے مکان کی تحدید ضروری ہے، اگر مذکورہ شخص یہ کہے کہ اتنے قریب سے یہ سلام کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سلام کو سنیں، اور سلام کا جواب دیں، اور اس کے لیے ایک ذراع، یا دو ذراع، یا دس ذراع کی حد بندی کی جائے، یا مذکورہ شخص یہ کہے کہ یہ حکم پوری مسجدِ نبوی کے لیے ہے، یا خارجِ مسجد کے لیے بھی ہے، تو اس سب کے لیے دلیل کا پیش کرنا ضروری ہوگا۔
اور اس سلسلے میں جو احادیث ثابت ہیں، وہ یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو شخص درود وسلام بھیجتا ہے، تو اس کے درود وسلام کو فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک

پہنچادیتے ہیں، مگران احادیث میں ایسی کوئی بات بھی مذکور نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس درود وسلام کو بنفسِ نفیس سماعت فرماتے ہوں۔

پس جس شخص کا یہ گمان ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ کے باہر، کسی مقام سے کیے ہوئے سلام کو سنتے، اور جواب دیتے ہیں، اور کسی مقام سے کیے ہوئے سلام کو نہیں سنتے، تو اس مذکورہ شخص کے ذمہ کسی مکان کی حد بندی کرنا ضروری ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ اس سلسلے میں کوئی شرعی حد موجود نہیں، اور جو کوئی شخص بھی اس سلسلے میں کوئی حد بندی بیان کرے گا، تو اس کے مقابلے میں کوئی ایسا عارض آ جائے گا، جو اس حد بندی میں زیادتی، یا کمی کا باعث بنے، ایسی صورت میں کوئی فرق نہ ہو سکے گا، نیز آوازوں کے بلند ہونے، اور آوازوں کے پست ہونے کے اختلاف سے بھی اس حد بندی میں اختلاف وفرق واقع ہوسکتا ہے (یعنی ممکن ہے کہ ایک ہی مقام سے ایک شخص کچھ اونچی آواز سے سلام کرے، جس کی آواز قبر تک پہنچے، اور دوسرا شخص اسی مقام سے کچھ آہستہ آواز سے سلام کرے، جس کی آواز قبر تک نہ پہنچ سکے) اور دوسری طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر، سلام کرنے والے کے لیے یہ بات سنت ہے کہ وہ اپنی آواز کو پست کرے، اور مسجدِ نبوی میں آواز کو بلند کرنا ممنوع ہے، خواہ صلاۃ وسلام کی آواز ہو، یا دوسری آواز ہو۔

بخلاف اس شخص کے، جو حجرہ میں سلام کرنے والا ہو، کیونکہ حجرہ کے اندر سے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنے والے اور مسجد سے سلام کرنے والے کے درمیان، فرق بالکل ظاہر ہے، پھر مسجدِ نبوی میں داخل ہونے والے کے لیے ایک سنت یہ ہے کہ وہ اپنی آواز کو پست رکھے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کرنے والا، اگر آواز کو بلند کرے گا، تو مسجد میں آواز کو بلند کر کے وہ بے ادبی کا مرتکب ہوگا، اور اگر وہ آواز کو بلند نہیں کرے گا، تو اس کی آواز، حجرہ کے اندر نہیں پہنچ پائے گی۔

اور یہ اس سلام کے برخلاف ''سلام'' ہے، جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم فرمایا ہے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے، تو اللہ اس پر سلام بھیجتا ہے، جیسا کہ وہ شخص جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے، تو اس پر اللہ، رحمت نازل فرماتا ہے، کیونکہ یہ درود وسلام تو ہر جگہ مشروع ہے، اور قبر (یا حجرہ) کے ساتھ مختص نہیں۔

اور خلاصہ یہ کہ یہ ایسا مقام ہے کہ جس میں بہر صورت، علماء کے درمیان، قدیم اختلاف پایا جاتا ہے (غایۃ الأمانی)

معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر سلام کے بلا واسطہ، یا بالواسطہ سننے، اور قریب وبعید کی حد بندی کے مسئلہ میں علماء کا قدیم سے اختلاف ہے۔

لہٰذا کسی ایک عبارت، یا ایک سلسلہ کی عبارات سے اس کو اجماعی ومتفق علیہ مسئلہ سمجھ لینا، غلط فہمی کا باعث ہے۔

بہت سے ایسے مسائل ہیں، جن کے متعلق اجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے، لیکن قابلِ حجت اجماع ان کے متعلق باسند طریقہ پر ثابت نہیں ہوتا۔

اسی طرح اس سماع کی کسی خاص کیفیت سے اختلاف کو ''حیاتِ انبیائے کرام'' کے خلاف سمجھ لینا بھی درست نہیں۔

محمود شکری آلوسی کا تیسرا حوالہ

علامہ محمود شکری آلوسی مذکورہ تالیف میں ہی آگے چل کر علامہ ابنِ تیمیہ کی تائید کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ:

فهذه الأحاديث المعروفة عند أهل العلم التي جائت من وجوه حسان يصدق بعضها بعضا، وهي متفقة على أن من صلى عليه وسلم من أمته فإن ذلک يبلغه ويعرض عليه، وليس في شيء منها أنه يسمع صوت المصلي عليه والمسلم بنفسه، إنما فيها أن ذلک يعرض عليه ويبلغه صلى الله عليه

وسلم تسليما.

ومعلوم أنه أراد بذلك الصلاة والسلام الذى أمر الله به، سواء صلى عليه وسلم فى مسجده أو مدينته أو مكان آخر، فعلم أن ما أمر الله به من ذلك فإنه يبلغه.

وأما من سلم عليه عند قبره فإنه يرد عليه، وذلك كالسلام على سائر المؤمنين، ليس هو من خصائصه، ولا هو السلام المأمور به الذى يسلم الله على صاحبه عشرا كما يصلى على من صلى عليه عشرا، فإن هذا هو الذى أمر الله به فى القرآن، وهو لا يختص بمكان دون مكان وقد تقدم حديث أبى هريرة أنه يرد السلام على من سلم عليه، والمراد عند قبره، لكن النزاع فى معنى كونه عند القبر هل المراد فى بيته كما يراد مثل ذلك فى سائر ما أخبر به من سماع الموتى إنما هو لمن كان عند قبورهم قريبا منها، أو يراد به من كان فى الحجرة كما قاله طائفة من السلف والخلف؟ وهل يستحب ذلك عند الحجرة لمن قدم من سفر أو لمن أراده من أهل المدينة أو لا يستحب بحال؟ وليس الاعتماد فى سماعه ما يبلغه من صلاة أمته وسلامهم إلا على هذه الأحاديث الثابتة.

فأما ذاك الحديث وإن كان معناه صحيحا فإسناده لا يحتج به، وإنما يثبت معناه بأحاديث أخر، فإنه لا يعرف إلا من حديث محمد بن مروان السدى الصغير، عن الأعمش، كما ظنه البيهقى، وما ظنه فى هذا هو متفق عليه عند أهل المعرفة، وهو عندهم موضوع على الأعمش.

قال عباس الدورى؛ عن يحيى بن معين: محمد بن مروان ليس بثقة.

وقال البخارى: سكتوا عنه لا يكتب حديثه البتة.

وقال الجوزجانى: ذاهب الحديث.

وقال النسائى: متروك الحديث.

وقال صالح جزرة: كان يضع الحديث.

وقال أبو حاتم الرازى والأزدى: متروك الحديث.

وقال الدارقطنى: ضعيف.

وقال ابن حبان: لا يحل كتب حديثه إلا اعتبارا، ولا الاحتجاج به بحال.

وقال ابن عدى: عامة ما يرويه غير محفوظ، والضعف على رواياته بين.

فهذا الكلام على ما ذكره من الحديث مع أنا قد بينا صحة معناه بأحاديث أخر.

وهو لو كان صحيحا فإنما فيه أنه يبلغ صلاة من صلى نائيا، ليس فيه أنه يسمع ذلك كما قد وجدته منقولا عن هذا المعترض فإن هذا لم يقله أحد من أهل العلم ولا يعرف فى شىء من الحديث، إنما يقوله بعض الجهال، يقولون إنه يوم الجمعة وليلة الجمعة يسمع بأذنيه صلاة من صلى عليه

فالقول بأنه يسمع ذلك من نفس المصلي باطل.
وإنما في الأحاديث المعروفة أنه يبلغ ذلك ويعرض عليه، وكذلك تبلغه الملائكة.
وقول القائل: إنه يسمع الصلاة من بعيد؛ ممتنع فإنه إن أراد وصول صوت المصلي إليه فهذه مكابرة، وإن أراد أنه بحيث يسمع أصوات الخلائق من البعد فليس هذا إلا لله رب العالمين الذي يسمع أصوات العباد كلهم (غاية الأماني في الرد على النبهاني، ج ا، ص ۲۵۹ الیٰ ۲۶۱،اجوبة لشيخ الاسلام على بعض اعتراض الاخنائی)

ترجمہ: پس یہ احادیث اہلِ علم کے نزدیک معروف ومشہور ہیں، جومختلف حسن سندوں سے وارد ہوئی ہیں، اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں، اور وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے جوشخص بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجے، تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے، اور آپ پر اس کو پیش کردیا جاتا ہے، لیکن ان میں سے کسی حدیث میں بھی یہ بات مذکورنہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے اور آپ پر سلام پڑھنے والے کی آواز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس سنتے ہوں، بلکہ ان احادیث میں صرف اس بات کا ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کو پیش کیا جاتا ہے، اور پہنچایا جاتا ہے۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ اس سے مراد وہ صلاۃ وسلام ہے، جس کا اللہ نے حکم فرمایا ہے، خواہ وہ صلاۃ وسلام آپ کی مسجد میں ہو، یا مدینہ منورہ میں ہو، یا کسی دوسری جگہ ہو (اور خواہ نماز میں ہو، یا غیر نماز میں) جس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جس عمل کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، وہ عمل بہرحال نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے۔

اور جہاں تک اس شخص کے سلام کا تعلق ہے، جو آپ کی قبر کے قریب کرے، تو اس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جواب بھی دیتے ہیں، اور یہ قبر کے قریب کیے جانے والا سلام، اُس سلام کی طرح ہے، جو تمام مومنوں کو کیا جاتا ہے، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے نہیں، اور نہ ہی یہ وہ سلام ہے، جس کا حکم دیا گیا ہے کہ اس

کے پڑھنے والے پر اللہ تعالیٰ دس مرتبہ سلامتی نازل فرماتا ہے، جیسا کہ اللہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے والے پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے، کیونکہ اس صلاۃ وسلام کا تو اللہ نے قرآن مجید میں حکم فرمایا ہے، اور یہ صلاۃ وسلام کسی مکان کے ساتھ مختص نہیں، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو شخص سلام کرتا ہے، تو آپ اس کا جواب دیتے ہیں'' جس سے قبر کے قریب کیے جانے والا سلام مراد ہے، لیکن اس کے قبر کے قریب ہونے کے معنیٰ میں نزاع واختلاف ہے کہ کیا اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیت وحجرہ ہے، جیسا کہ اسی کے مثل اُن تمام چیزوں میں مراد لیا جایا کرتا ہے، جن میں سماعِ موتیٰ کی خبر دی گئی ہے کہ وہ اس شخص کے لیے ہے، جو قبر کے قریب ہو، یا اس سے مراد وہ شخص ہے، جو حجرے میں ہو، جیسا کہ سلف اور خلف کی ایک جماعت کا قول ہے، اور کیا یہ حجرے کے قریب اس شخص کے لیے مستحب ہے، جو سفر سے آیا ہو؟ یا اس کے لیے بھی ہے، جو قبر پر آنے کا ارادہ کرے، خواہ وہ مدینہ منورہ کا ہی شخص ہو، یا یہ سلام کسی حال میں بھی مستحب نہیں؟ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی امت کے پہنچنے والے صلاۃ وسلام کے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع کرنے کے متعلق اعتماد، صرف ان ہی ثابت احادیث پر کیا جاسکتا ہے۔

جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے (جس میں قبر کے قریب والے سلام کو سننے کا ذکر ہے) تو اگرچہ اس کے معنیٰ صحیح ہیں، لیکن اس کی سند قابلِ حجت نہیں، اور اس کے معنیٰ دوسری احادیث سے ثابت ہیں (جن سے سماعِ موتیٰ کے مسئلہ پر استدلال کیا جاتا ہے) کیونکہ یہ (مذکورہ) حدیث ''محمد بن مروان سُدی صغیر'' کی ''اعمش'' سے مروی سند سے ہی معروف ہے، جیسا کہ بیہقی نے گمان کیا ہے، اور اہلِ معرفت کے نزدیک اس سلسلہ میں امام بیہقی کا گمان متفق علیہ ہے، لیکن یہ

حدیث اہلِ معرفت کے نزدیک ''اُعمش'' کے نام پر گھڑی گئی ہے۔

عباس دوری نے یحییٰ بن معین کے حوالہ سے فرمایا کہ محمد بن مروان ثقہ نہیں ہے۔

اور بخاری نے فرمایا کہ محدثین نے اس شخص سے سکوت اختیار کیا ہے، اس کی حدیث کو ہرگز نہیں لکھا جائے گا۔

اور جوزجانی نے اس شخص کو ''ذَاهِبُ الْحَدِيْث'' قرار دیا۔

اورنسائی نے ''مَتْرُوْكُ الْحَدِيْث'' قرار دیا۔

اور صالح جزرہ نے فرمایا کہ یہ شخص حدیث کو گھڑا کرتا تھا۔

اور ابوحاتم رازی اور ازدی نے اس کو ''مَتْرُوْكُ الْحَدِيْث'' قرار دیا۔

اور دار قطنی نے ضعیف کہا۔

اور ابنِ حبان نے فرمایا کہ اس شخص کی حدیث کو لکھنا حلال نہیں، سوائے اعتبار کے، اور اس شخص سے کسی حال میں دلیل پکڑنا حلال نہیں۔

اور ابنِ عدی نے فرمایا کہ اس شخص کی عام روایات غیر محفوظ ہیں، اور اس کی روایات میں ضعف بالکل واضح ہے۔

پس مذکورہ حدیث کے متعلق تو یہ کلام ہے، اور ہم اس کے معنیٰ کی صحت دوسری احادیث کے ذریعہ بیان کر چکے ہیں (جن سے قبر کے قریب کیے ہوئے سلام کا سننا معلوم ہوتا ہے، اگرچہ قرب و بعد کے مفہوم و مصداق میں مختلف اقوال کیوں نہ ہوں)

اور اگر اس حدیث کو صحیح بھی مان لیا جائے، تو اس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ سلم پر دور سے درود پڑھتا ہے، تو اس کا درود نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا جاتا ہے، اس میں اس بات کی تصریح نہیں کہ دور سے پڑھے ہوئے درود کو نبی صلی اللہ علیہ سلم خود سنتے ہیں، جیسا کہ اس معترض کی طرف سے

نقل کیا گیا ہے، کیونکہ یہ بات اہلِ علم میں سے کسی نے بھی نہیں کہی، اور نہ ہی کسی حدیث میں یہ بات معروف ہے، بلکہ یہ بات تو بعض جہلاء نے کہی ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ جمعہ کی رات میں اور جمعہ کے دن میں جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کانوں سے اس کو سنتے ہیں، پس یہ بات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دور سے درود پڑھنے والے کے درود کو براہِ راست خود سنتے ہیں، باطل ہے، بلکہ مشہور احادیث میں یہ بات ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھے گئے درود کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا جاتا ہے، اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا جاتا ہے، اور اسی طریقہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام بھی فرشتے پہنچاتے ہیں، اور کہنے والے کا یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دور سے پڑھے گئے درود کو سنتے ہیں، یہ ناممکن ہے، کیونکہ اگر اس کی مراد یہ ہے کہ دور سے درود پڑھنے والے کی آواز، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتی ہے، تو یہ ضد اور ہٹ دھرمی ہے، اور اگر یہ مراد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کی آوازوں کو دور سے سنتے ہیں، تو یہ صفت اللہ ربُّ العالمین کے ساتھ خاص ہے، جو اپنی تمام مخلوق کی آواز کو (ہر مقام سے) سنتا ہے (اللہ کے علاوہ کسی اور کو یہ قدرت حاصل نہیں) (غایۃ الأمانی)

علامہ ابنِ تیمیہ کے حوالہ سے اس قسم کی عبارت پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔

شیخی زادہ کا حوالہ

عبدالرحمٰن بن محمد شیخی زادہ (المتوفیٰ: 1078ھ) اپنی فقہ حنفی سے متعلق تالیف "مجمع الانھر" میں فرماتے ہیں کہ:

فيتوجه إلى القبر الشريف فيقف عند رأسه مستقبل القبلة ويدنو منه قدر ثلاثة أذرع، أو أربعة ولا يدنو منه أكثر من ذلك ولا يضع يده على جدار التربة الشريفة فهو أهيب وأعظم للحرمة ويقف كما يقف في الصلاة ويقول السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته (مجمع الانهر،

ج ا ص ۳۱۳، مسائل منثورة فی کتاب الحج)

ترجمہ: پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی طرف متوجہ ہو، پھر آپ کے سر مبارک کے قریب قبلہ رُو ہو کر کھڑا ہو، پھر آپ کی قبر کے تین ہاتھ، یا چار ہاتھ کے بقدر قریب ہو جائے، اور اس سے زیادہ قریب نہ ہو، اور اپنے ہاتھ کو قبر شریف کی منڈیر پر نہ رکھے، کیونکہ وہ حرمت کے اعتبار سے زیادہ ھیبت اور زیادہ عظیم ہے، اور اس طرح کھڑا ہو جائے، جس طرح نماز میں کھڑا ہوتا ہے، اور یہ کہے کہ ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ أَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ'' (مجمع الانہر)

مذکورہ عبارت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے تین، یا چار ذراع کے فاصلے پر کھڑے ہو کر بصورتِ خطاب سلام کرنے کا ذکر ہے۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ موجودہ زمانے میں قبرِ نبوی کے اتنے قریب عامی شخص کا پہنچنا مشکل ہے۔

اگر کوئی کہے کہ پوری مسجدِ نبوی، درحقیقت قبرِ نبوی کے قریب ہونے کا حکم رکھتی ہے، تو اس کو جواب میں کہا جائے گا کہ وہ دوسرا قول ہے۔

علامہ زرقانی کا حوالہ

ابوعبداللہ زرقانی مالکی (المتوفیٰ:1122ھ) ''المواهبُ اللدنية'' کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

ویکثر من الصلاة والسلام علی رسول الله -صلى الله عليه وسلم -بحضرته الشريفة؛ حيث يسمعه ويرد عليه "بأن يقف بمكان قريب منه ويرفع صوته إلى حد لو كان حيا مخاطبا له لسمعه عادة (شرح الزرقانی علی المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، ج١٢، ص٢٠٢، المقصد العاشر، الفصل الثانی :فی زيارة قبره الشريف ومسجده المنيف)

ترجمہ: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کی، آپ کے حضور شریف میں کثرت کرے، اس طرح سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سنیں، اور اس کا جواب

دیں، جس کا طریقہ یہ ہے کہ ایسی جگہ قبر کے قریب کھڑا ہو، اور اپنی آواز کو اتنا بلند کرے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہوتے، اور آپ کو خطاب کیا جاتا، تو اس جگہ سے اور اتنی آواز سے عادتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سن لیتے (شرح الزرقانی)

علامہ زرقانی کا دوسرا حوالہ

ابوعبداللہ زرقانی مالکی مزید فرماتے ہیں کہ:

والظاهر أن المراد بالعندية قرب القبر؛ بحيث يصدق عليه عرفا أنه عنده، وبالبعد ما عداه، وإن كان بالمسجد.

قال السخاوى :إذا كان المصلى عند قبره سمعه بلا واسطة ,سواء كان ليلة الجمعة أو غيرها، وما يقوله بعض الخطباء ونحوهم أنه يسمع بأذنيه فى هذا اليوم من يصلى عليه ,فهو مع حمله على القرب لا مفهوم له (شرح الزرقانى على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، ج۱۲، ص۲۰۳، المقصد العاشر،الفصل الثانى :فى زيارة قبره الشريف ومسجده المنيف)

ترجمہ: اور ظاہر یہ ہے کہ قریب ہونے سے مراد، قبر کے اس طرح قریب ہونا ہے کہ اس پر عرف کے اعتبار سے یہ بات صادق آجائے کہ وہ شخص، قبر کے قریب ہے، اور اس کے علاوہ کو دور ہونے سے تعبیر کیا جائے گا، اگر چہ وہ مسجدِ نبوی میں کیوں نہ ہو۔

سخاوی نے فرمایا کہ جب درود پڑھنے والا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے قریب ہو، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بلاواسطہ سماعت فرماتے ہیں، خواہ وہ جمعہ کی رات میں ہو، یا کسی اور وقت میں، اور بعض خطباء وغیرہ جو یہ کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اوپر پڑھے جانے والے درود کو، اپنے کانوں سے سنتے ہیں، تو اس کو قرب پر محمول کرنے کے باوجود اس کا مفہوم بھی درست نہیں (شرح الزرقانی)

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ زرقانی، پوری مسجدِ نبوی کو قبرِ نبوی کے قریب کا حکم نہیں دیتے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مسجدِ نبوی، اتنی وسیع ہے کہ اس میں کسی جگہ سے کوئی ادب کے ساتھ سلام

پڑھے، تو اس کی آواز کا قبرِ نبوی تک پہنچنا عادتاً ممکن نہیں ہوتا۔

سلیمان بن محمد بجیرمی شافعی کا حوالہ

سلیمان بن محمد بجیرمی شافعی (المتوفیٰ: 1221ھ) فرماتے ہیں کہ:

أنه إنما يسمع صلاة القريب منه قربا عاديا بأن كان فى الحجرة الشريفة بحيث لو كان حيا لسمع ذلك، وأما غيره فيبلغه الملك مطلقا أى سواء كان فى يوم الجمعة أم لا أخلص فى محبته أم لا (حاشية البجيرمى على الخطيب، ج۲ص ۲۱۱، وص ۲۱۲، كتاب الصلاة، فصل فى صلاة الجمعة)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم، بس اتنے قریب کے درود کو سن لیتے ہیں، جو عادتاً قرب سمجھا جاتا ہو، اس طرح کہ وہ حجرہ شریفہ میں ہو، اس طور پر کہ اگر آپ حیات ہوتے، تو اس کو سن لیتے، اور اس کے علاوہ دوسرے لوگوں کے درود کو فرشتہ آپ تک پہنچاتا ہے مطلقاً، خواہ جمعہ کا دن ہو، یا کوئی اور دن ہو، آپ کی خالص محبت کے ساتھ ہو، یا نہ ہو (حاشیۃ البجیرمی)

اور بھی کئی حضرات نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے قریب کے سلام کے سننے اور دور کے سلام کو فرشتوں کے ذریعے پہنچائے جانے کا ذکر کیا ہے۔

اور موجودہ دور میں چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے اردگرد ایک سے زیادہ دیواریں حائل ہیں، اس وجہ سے عامۃُ الناس کا قبرِ نبوی کے اتنا قریب جا کر سلام کرنا ممکن نہیں، جس کا متعدد فقہائے کرام نے ذکر کیا ہے، اس لیے بہت سے حضرات کا یہی قول ہے کہ حجرہ سے باہر پڑھنے والے کے سلام کو بھی فرشتوں کے واسطے سے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا جاتا ہے۔ [1]

---

[1] والجمع بين الأحاديث أن نقول :إن التسليم نوعان:

۱ ـ تسليم مسموع :وهو تسليم التحية الذى يُلقى على الرسول -صلى الله عليه وسلم -عند قبره، وهذا أشار إليه ابن عبد الهادى فى كتابه المنكى، وهذا التسليم يسمعه الرسول ويكافىء عليه بالرد عند القبر لا من وراء الحجرة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ بعض حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قریب اور دور سے پڑھے گئے ''سلام'' کو بہرحال فرشتے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں، کیونکہ معتبر احادیث کی رُو سے اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مقرر فرمایا ہے، اور قریب سے پڑھے گئے ''سلام'' کو فرشتوں کے واسطے کے بغیر سننے کی کسی معتبر سند پر مشتمل حدیث میں متعین طور پر تصریح نہیں آئی، قطع نظر ''سماعِ موتیٰ'' کے مسئلہ سے۔

علامہ مبارک پوری کا حوالہ

اہلِ حدیث سلسلہ کے عالمِ دین علامہ عبید اللہ مبارکپوری (المتوفیٰ:1414ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:

وقال الزرقاني :والظاهر أن المراد بالعندية قرب القبر بحيث يصدق عليه عرفا أنه عنده، وبالبعد ما عداه وإن كان بالمسجد-انتهى .
ولما سدت حجرة عائشة التي هي مدفن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -، وبنيت على القبر حيطان مرتفعة مستديرة حوله، ثم بني عليه جدران من ركني القبر الشماليين، تعذر الوصول إلى قرب القبر، فالزائرون اليوم إنما يسلمون من مسافة لو سلم على حي من تلك المسافة لما سمعه فكيف يسمعه النبي -صلى الله عليه وسلم -ويرده عليه ولو سلم حياته -صلى الله عليه وسلم -في القبر؟
فإن قيل :إن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -بعد الممات يمكن أن يزداد قوة سمعه فيسمع من تلك المسافة .
فيقال :أي دليل على هذا من كتاب وسنة .ومجرد الإمكان العقلي لا يغني

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

۲ ۔تسليم معروض :وهو كل تسليم ليس عند قبره.
أما الصلاة فلا تنقسم، ولكن لو صلى وسلم عند قبره فإن الصلاة تكون مثل السلام.
جزاء التسليم :هذا على حسب التسليم، فإن كان التسليم مسموعًا فيكافئه الرسول -صلى الله عليه وسلم -بالرد، وأما التسليم المبلغ المعروض فجزاؤه من الله من صلى على واحدة صلى الله عليه بها عشرا(المعتصر شرح كتاب التوحيد، للشيخ علي بن خضير الخضير، ص ۱ ۹، باب ما جاء في حماية المصطفى – صلى الله عليه وسلم، هل النبي – صلى الله عليه وسلم – حيٌّ في قبره؟، الناشر: دارالجبهة للتوزيع والنشر)

عن شيء ، علا أنه هل لذلك تحديد أم لا؟ على الثاني يستوى المسلم من بعيد والمسلم عند القبر، وهذا باطل عند من يقول بقربة الزيارة، فإنهم فضلوا السلام عند القبر على السلام من بعيد كالسبكي، وابن حجر المكي .وعلى الأول فلا بد من بيانه بدليل شرعي وأنى له ذلك؟ (مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٣، ص ٢٦٤، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم وفضلها)

ترجمہ: اور زرقانی نے فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ قریب ہونے سے مراد، قبر کے اس طرح قریب ہونا ہے کہ اس پرعرف کے اعتبار سے یہ بات صادق آ جائے کہ وہ شخص، قبر کے قریب ہے، اور اس کے علاوہ کو دور ہونے سے تعبیر کیا جائے گا، اگر چہ وہ مسجدِ نبوی میں کیوں نہ ہو، زرقانی کی بات ختم ہوئی۔

اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ بند کر دیا گیا، جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن ہے، اور قبر کے گرد، دو اونچی دیواریں بنادی گئیں، جنہوں نے قبر کو چاروں طرف سے گھیر لیا، پھر قبر کی شمالی جانب سے بھی دو دیواریں بنادی گئیں، تو قبر تک پہنچنا مشکل ہو گیا، پس آج کل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کرنے والے، اتنے فاصلے سے سلام کرتے ہیں کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ ہونے کی حالت میں اتنے فاصلے سے سلام کیا جاتا، تو عادتاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو نہ سنتے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کس طرح سنیں گے، اور اس کے سلام کا جواب کیسے دیں گے، اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں زندہ تسلیم کیا جائے؟

اور اگر کہا جائے کہ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے بعد آپ کی قوتِ سماعت زیادہ ہوگئی ہو، جس کی وجہ سے آپ اتنی دور سے سن لیتے ہوں۔

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اس کی کتابُ اللہ، اور سنتِ رسول اللہ سے کیا دلیل ہے، اور اس غیبی مسئلہ میں صرف امکانِ عقلی سے کچھ ثابت نہیں ہوگا۔ [1]

[1] یعنی اگر کتاب وسنت سے معتبر دلیل ہو، تو اس کو قبول وتسلیم کیے بغیر چارہ نہ ہوگا، لیکن ایسی کوئی صریح ومعتبر دلیل موجود نہیں، اور قیاس کو اس غیبی وتوقیفی مسئلہ میں دخل نہیں۔ محمد رضوان۔

پھر سوال یہ ہوگا کہ کیا اس فاصلہ کی کوئی حد بندی بھی ہوگی، یا نہیں؟ اگر کوئی حد بندی نہ ہو، تو دور سے سلام کرنے والا، اور قبر کے قریب سلام کرنے والا، دونوں برابر ہوں گے، اور جو قریب سے زیارت کا قائل ہے، اس کے نزدیک یہ قول باطل ہوگا، کیونکہ ان حضرات نے قبر کے قریب سلام کو، قبر سے دور، سلام پر فضیلت دی ہے، جیسا کہ سبکی اور ابنِ حجر مکی وغیرہ نے۔

اور اگر کوئی حد بندی بیان کی جائے، تو اس کے لیے شرعی دلیل سے بیان کرنا ضروری ہوگا، اور شرعی دلیل کہاں سے آئے گی؟ (مرعاۃ المفاتیح)

علامہ مبارک پوری کے ساتھ خواہ کسی کو دیگر کتنے ہی مسائل سے اختلاف کیوں نہ ہو، لیکن انہوں نے مذکورہ عبارت میں جو بات بیان کی، اس کی طرف عدل وانصاف کے اصول پسندوں، اور محقق اصحابِ علم حضرات کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

علامہ مبارک پوری کا دوسرا حوالہ

علامہ عبیداللہ مبارکپوری اس سلسلے میں مزید تحریر فرماتے ہیں کہ:

(من صلى على عند قبرى) أى فى بيتى قريبا من قبرى، هذا هو الظاهر لكنه غير ممكن اليوم، لكون بيت عائشة الذى هو مدفن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قد سد، وبنيت على القبر حيطان مرتفعة مستديرة حوله .لا يمكن لأجلها الدخول فى الحجرة، والوصول إلى قرب القبر .وقيل: المراد فى حجرتى مطلقا، وهذا أيضا غير مقدور .وقيل :المراد أعم من ذلك، أى ولو كان المصلى فى المسجد خارج الحجرة، ولا يخفى ما فيه من الخدشات، وقد تقدمت الإشارة إليها فى كلام الحافظ المقدسى، والعلامة السهسوانى.

(سمعته) أى سمعا حقيقيا بلا واسطة .(ومن صلى على نائيا) أى بعيدا عن قبرى من نأى فلانا وعن فلان ينأى نأيا :بعد عنه .(أبلغته) بضم الهمزة على بناء المفعول من الإبلاغ، وفى بعض النسخ بلغته أى بصيغة المجهول مشددا من التبليغ .قال المناوى :أى أخبرت به على لسان بعض الملائكة؛ لأن لروحه تعلقا بمقره الشريف، وحرام على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء ، فحاله كحال النائم-انتهى .

والضمير المنصوب راجع إلى مصدر "صلى "كقوله تعالى :(اعدلوا هو أقرب للتقوى)
والحديث يدل على الفرق بين صلاة الحاضر عند قبره، وصلاة الغائب عنه، فيسمع صلاة المصلى عند قبره بنفسه، ويبلغ صلاة من صلى نائيا عنه.
وقد استدل به على أن للصلاة عند قبره مزية وفضيلة على الصلاة من بعيد عنه.
واحتج بذلك على استحباب زيارة قبره -صلى الله عليه وسلم ،وعلى ندب السفر لمجرد قصد الزيارة.
لكن الحديث ضعيف جدا لا يجوز الاحتجاج به أصلا لما عرفت ولما ستعرف .
ولأن لفظ هذا الحديث مختلف، فاللفظ المذكور يدل على إثبات السماع عند القبر.
وقد روى عن أبى هريرة نفسه ما يدل على عدم السماع عند القبر، فقد روى البيهقى فى شعب الإيمان :أخبرنا أبوعبد الله الحافظ :حدثنا أبوعبد الله الصفار إملاء حدثنا محمد بن موسى البصرى :حدثنا عبد الملك بن قريب :حدثنا محمد بن مروان -وهو يتيم لبنى السدى -عن الأعمش، عن أبى صالح، عن أبى هريرة، قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-
"ما من عبد يسلم على عند قبرى إلا وكل الله به ملكا يبلغنى وكفى أمر آخرته ودنياه، وكنت له شهيدا وشفيعا يوم القيامة ."
وقال أبوالحسين بن سمعون :حدثنا عثمان بن أحمد بن يزيد :حدثنا محمد ابن موسى :حدثنا عبد الملك بن قريب الأصمعى :حدثنى محمد بن مروان السدى، عن الأعمش، عن أبى صالح، عن أبى هريرة، قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-من صلى على عند قبرى وكل الله به ملكا يبلغنى، وكفى أمر دنياه وآخرته، وكنت له يوم القيامة شهيدا أو شفيعا"
وليس أحد من اللفظين أى اللفظ الدال على السماع عند القبر، واللفظ الآخر الدال على عدم السماع عند القبر أولى وأرجح من الآخر، فإن مدار الروايتين كلتيهما على محمد بن مروان السدى، وهو متروك الحديث، متهم بالكذب، فتساقطت الروايتان جميعاً .
ولأن حديث أبى هريرة هذا قد عارضه أحاديث كثيرة حسنة، مروية فى السنن، والمسانيد، والمعاجم، كحديث أبى هريرة عند أبى داود، وحديث الحسين بن على بن أبى طالب، وحديث على بن أبى طالب عند الضياء المقدسى ونحو ذلك، فإنها متفقة على أن من صلى عليه من أمته فإن ذلك يبلغه ويعرض عليه، سواء كان المصلى حاضرا عند قبره قريباً منه،

أو غـائبـاً بـعيداً، وليس في شيء منها أنه يسمع صوت المصلي عليه بنفسه، إنـمـا فيهـا أنـه يعرض عليه ويبلغه من غير فرق بين القريب والبعيد (مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، لعبيد الله بن محمد عبد السلام المباركفوري، ج۳ ص ۲۸۶،و۲۸۷، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم وفضلها)

ترجمہ: اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''جس نے مجھ پر میری قبر کے قریب درود پڑھا'' یعنی میرے بیت میں، میری قبر کے قریب درود پڑھا، ان الفاظ سے یہی (بیت، یا حجرہ میں صلاۃ وسلام) ظاہر ہوتا ہے، لیکن موجودہ دور میں اس پر عمل ممکن نہیں، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر ہی دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن ہے، جو بند کیا جاچکا ہے، اور قبر کے اردگرد بلند وبالا دیواریں تعمیر کی جاچکی ہیں، جو قبر کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، جن کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں داخل ہونا، اور قبر کے قریب پہنچنا ممکن نہیں رہا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''قَبْرِی'' سے مراد ''حُجْرَتِی'' ہے مطلقاً، لیکن اس حجرے میں جانا بھی عوام کی قدرت سے باہر ہے، اور کہا گیا ہے کہ اس سے زیادہ عموم مراد ہے، یعنی اگر درود پڑھنے والا، حجرے سے باہر مسجدِ نبوی میں ہو، وہ بھی اس میں داخل ہے، لیکن اس قول میں جو خدشات پائے جاتے ہیں، وہ مخفی نہیں، جن کی طرف حافظ مقدسی اور علامہ سہسوانی کے کلام میں اشارہ گزر چکا ہے (کہ دُور اور قریب سے آواز کا سننا، اللہ کے ساتھ خاص ہے، نیز مسجد میں اور مسجدِ نبوی میں اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آواز کا بلند کرنا ادب کے خلاف ہے، اور آہستہ آواز کا مسجدِ نبوی کے کسی بھی حصہ اور قبر سے دور رہ کر پہنچنا عادتاً ممکن نہیں، اور یہ مسئلہ توقیفی ہے، وغیرہ وغیرہ)

اور روایت کے یہ الفاظ کہ ''میں اس کو سنتا ہوں'' اس کا مطلب یہ ہے کہ بغیر واسطے کے حقیقی طور پر سنتا ہوں، اور روایت کے یہ الفاظ کہ ''جو شخص مجھ پر دور سے درود پڑھتا ہے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ میری قبر سے دُور رہ کر پڑھتا ہے ''نَـائِيًـا'' کے

الفاظ ''نَأٰی فُلَانًا وَعَنْ فُلَانٍ یُنَأیُ نَأْیًا'' سے ماخوذ ہیں، جس کے معنیٰ دور ہونے کے آتے ہیں، اور روایت کے یہ الفاظ کہ ''مجھے وہ درود پہنچایا جاتا ہے'' یہ مفعول کا صیغہ ہے، ہمزہ پر پیش ہے، جو ''اَلْاِبْلَاغ'' سے ماخوذ ہے، اور بعض نسخوں میں ''بُلِّغْتُہ'' کے الفاظ ہیں، مجہول کے صیغے اور تشدید کے ساتھ، جو ''اَلتَّبْلِیْغ'' سے ماخوذ ہے، مناوی نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے بعض فرشتوں کے ذریعے خبر دی جاتی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کا آپ کی قبر شریف سے تعلق ہے، اور زمین پر انبیاء کے جسم کو کھانا حرام ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت، سونے والے کی حالت کی طرح ہے، مناوی کا کلام ختم ہوا۔

اور منصوب ضمیر ''صَلّٰی'' کے مصدر کی طرف راجع ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول ''اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی'' میں۔

اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قبر پر حاضر شخص کے درود اور قبر سے غائب شخص کے درود میں فرق ہے، چنانچہ قبر کے قریب درود پڑھنے والے کے درود کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس سماعت فرماتے ہیں، اور دور سے درود پڑھنے والے کے درود کو آپ تک پہنچایا جاتا ہے۔

اور اسی روایت سے اس بات پر بھی استدلال کیا گیا ہے کہ قبر کے قریب پڑھے جانے والے درود کو دور سے پڑھے جانے والے درود پر فضیلت حاصل ہے۔

اور اس روایت سے قبرِ نبوی کی زیارت کے استحباب پر بھی دلیل پکڑی گئی ہے، اور محض زیارت کے ارادہ سے سفر کے مستحب ہونے کی دلیل بھی پکڑی گئی ہے۔ [1]

لیکن یہ حدیث (جس میں قبر کے قریب سے سماعت کا ذکر ہے) بہت زیادہ ضعیف ہے، جس سے کسی طرح دلیل پکڑنا جائز نہیں، جیسا کہ آپ (پیچھے علامہ

---

[1] تاہم قبرِ نبوی کی زیارت اور اس غرض کے لیے سفر کرنے کے استحباب کے مستدلات اس روایت پر موقوف نہیں، جیسا کہ ہم تفصیلاً دوسرے مقام پر ذکر کر چکے ہیں۔ محمد رضوان

ابنِ تیمیہ کے کلام سے) پہچان چکے، اور جیسا کہ عنقریب آپ پہچانیں گے۔
اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حدیث کے الفاظ مختلف ہیں، مذکورہ روایت کے الفاظ تو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قبر کے قریب سماع کو ثابت مانا جائے۔
لیکن ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی سند سے مروی ایک روایت کے الفاظ، قبر کے قریب سماع کی نفی پر دلالت کرتے ہیں، چنانچہ بیہقی نے "شُعَبُ الْإِيْمَان" میں روایت کیا ہے کہ ہم کو ابو عبداللہ حافظ نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو عبداللہ صفار نے املاء کراتے ہوئے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن موسیٰ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے عبدالملک بن قریب نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن مروان سدی نے بیان کیا، جو کہ بنی سدی کا یتیم ہے (اور یہ راوی پہلی روایت والا ہی ہے) اعمش کی سند سے، انہوں نے ابو صالح سے، انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو بندہ بھی میری قبر کے قریب سلام کرے گا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک فرشتے کو مقرر فرما دیا ہے، جو وہ سلام مجھ تک پہنچائے گا، اور وہ فرشتہ اس کی آخرت اور دنیا کے معاملے کی کفایت کرے گا، اور میں اس کے لیے قیامت کے دن گواہ، اور شفاعت کرنے والا ہوں گا"
اور ابوالحسین بن سمعون کہتے ہیں کہ ہم سے عثمان بن احمد بن یزید نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن موسیٰ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے عبدالملک بن قریب اصمعی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن مروان سدی (مذکورہ روایات کے راوی ہی) نے بیان کیا، اعمش سے، انہوں نے ابو صالح سے، انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص میری قبر پر درود پڑھے گا، تو اللہ نے اس کے لیے ایک فرشتے کو مقرر فرما دیا ہے، جو

وہ درود مجھ تک پہنچائے گا، اوراس کی دنیا وآخرت کے معاملے کی کفایت کرے گا، اور میں اس کے لیے قیامت کے دن گواہ اور شفاعت کرنے والا ہوں گا''

اور مذکورہ دونوں الفاظ میں سے کوئی لفظ بھی ایسا نہیں، جو قبر کے قریب سننے پر، دلالت کرتا ہو، اور دوسرا لفظ قبر کے قریب نہ سننے پر دلالت کرتا ہے، یہ دوسرے سے اولیٰ اور راجح ہے، کیونکہ دونوں روایتوں کا دارومدار''محمد بن مروان سدی'' پر ہے، جو کہ''مَتْرُوْکُ الْحَدِیْث، مُتَّھَمٌ بِالْکِذْب'' ہے، لہٰذا دونوں روایتیں ایک ساتھ نا قابلِ اعتبار ہو گئیں۔

اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے مقابلے میں، بہت سی حسن درجے کی احادیث ہیں، جو کہ سنن اور مسانید اور معاجم میں موجود ہیں، جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث، ابوداؤ د میں ہے، اور حسین بن علی بن ابی طالب کی حدیث ہے، اور علی بن ابی طالب کی حدیث بھی ضیاء مقدسی وغیرہ نے نقل کی ہے، یہ تمام احادیث اس بات پر متفق ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے جو شخص بھی درود پڑھتا ہے، تو وہ درود نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے، اور آپ پر پیش کر دیا جاتا ہے، خواہ درود پڑھنے والا، قبر کے پاس اور اس کے قریب حاضر ہو، یا قبر سے غائب اور دور ہو، اور ان میں سے کسی حدیث میں بھی اس بات کا ذکر نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اوپر درود پڑھنے والے کی آواز کو بنفسِ نفیس سنتے ہوں، ان روایات میں تو صرف اتنی بات مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ درود پیش کیا جاتا ہے، اور آپ تک پہنچتا ہے، جس میں قریب اور دور کے کسی فرق کا ذکر نہیں (مرعاۃ المفاتیح)

معلوم ہوا کہ''قبرِ نبوی کے قریب'' اور''بعید'' کے مفہوم میں بھی اختلاف ہے، اور قریب سے پڑھے گئے''سلام'' کے فرشتوں کے واسطہ سے پہنچنے، یا براہِ راست پہنچنے کی کیفیت میں

بھی اختلاف ہے، لیکن بہر حال نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا گیا ''سلام'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم، اس کا جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں، جس میں کسی کو اختلاف نہیں، اگر کسی کو اختلاف بھی ہے، تو وہ اس بارے میں ہے کہ وہ کونسا سلام ہے، جس کے جواب دینے کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ضرورت ہوتی ہے؟۔

اس حیثیت سے محض پہنچنے کی کیفیت، اور سلام کی نوعیت کا یہ اختلاف کوئی زیادہ بڑا اختلاف نہیں تھا، اور امت میں کئی اختلافات اس سے بڑے بڑے ہیں، جن کی وجہ سے ایک دوسرے پر لعن طعن نہیں کیا جاتا، نہ ہی ایک، دوسرے پر فوقیت ظاہر کی جاتی۔

اور نماز پڑھنے والا ہر مومن، دن رات میں کئی کئی مرتبہ اپنی نماز کے قعدہ میں ''درود وسلام'' پڑھتا ہے، خواہ وہ قبرِ نبوی کے قریب ''ریاضُ الجنة'' اور مسجدِ نبوی میں، یا مدینہ منورہ میں، یا مسجدِ حرام میں، یا دنیا کے کسی حصہ میں نماز پڑھ رہا ہو، اور اس نماز کے درود میں بھی ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِیُّ'' کے الفاظ میں خطاب کا صیغہ موجود ہے، اور نماز کے علاوہ بھی اس درود وسلام کو پڑھا جاتا ہے، لیکن اس ''درود وسلام'' کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک بالواسطہ، یا بلاواسطہ پہنچنے کی کیفیت، نہ کسی کے ذہن میں کھٹکتی، نہ اس کیفیت کو سمجھنے پر نماز پڑھنے کو موقوف رکھا جاتا، اور نہ ہی اس بحث میں پڑنے کی ضرورت سمجھی جاتی، چہ جائیکہ اس کیفیت میں اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کو برا بھلا کہا جائے، تو پھر نہ جانے کیوں ''قبرِ نبوی کے قریب'' اور ''بعید'' کے ''مخصوص سلام'' کا تصور قائم کر کے، اس کی کیفیت ونوعیت میں اختلاف کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے، اور اس کیفیت ونوعیت میں اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔

ہمارے خیال میں صرف اتنی بات میں اختلاف کی وجہ سے دھڑے بندی کرنا، الگ الگ مسالک کو وجود دینا، اور اس میں غلو کرنا اور ایک دوسرے کے خلاف محاذ کھڑا کرنا، درست طرزِ عمل نہیں، جس سے اجتناب کی ضرورت ہے۔

علامہ مبارک پوری کا تیسرا حوالہ

علامہ عبیداللہ مبارکپوری مذکورہ تالیف میں ہی ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

(قال) أی رسول الله -صلى الله عليه وسلم -(إن الله حرم على الأرض أجساد الأنبياء) أى منعها من أن تأكل أجسادهم، فإن الأنبياء أحياء فى قبورهم، لكن بحياة برزخية ليست نظير الحياة المعهودة، وهى أقوى وأكمل من حياة الشهداء (مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۴،ص ۴۳۴، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کو حرام کردیا ہے، یعنی زمین کو انبیاء کے اجسام کو کھانے سے منع فرمادیا ہے، کیونکہ انبیاء اپنی قبروں میں حیات ہوتے ہیں، لیکن ''برزخی حیات'' کے ساتھ حیات ہوتے ہیں، وہ حیات معہود (یعنی دنیا کی) حیات کی نظیر نہیں، اور وہ حیات، شہداء کی حیات سے زیادہ قوی ہے (مرعاۃ)

مذکورہ بالا موقف شرعی اصول وقواعد کے مطابق ہے، جس میں کوئی بات ایسی نہیں، جس سے قابلِ ذکر اختلاف کیا جائے۔

البتہ کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ مذکورہ عبارت میں انبیاء کی ''برزخی حیات'' کے ''حیاتِ دنیا'' کی نظیر ہونے کی نفی کی گئی ہے، جبکہ بعض دیگر حضرات نے اس برزخی حیات کو دنیا کی حیات کے مشابہ کہا ہے، اس لئے مذکورہ عبارت میں ان حضرات کے موقف سے اختلاف ہوا؟

لیکن ہم اس کے متعلق دوسرے مقام پر ذکر کرچکے ہیں کہ دیگر حضرات نے دنیا کی حیات سے تشبیہ محض اس جہت سے دی ہے کہ ان کے اجسام متغیر نہیں ہوتے، یعنی جس طرح دنیا میں اُن کو اجسام وابدان حاصل تھے، برزخ وقبر میں چلے جانے کے بعد، ان کے اجسام وابدان اسی حالت پر ہوتے ہیں، اس جہت سے تشبیہ دینا ہرگز مقصود نہیں کہ وہ اجسام، دنیا

کے بشری تقاضوں، اورلوازمات کے ساتھ متصف ہوتے ہیں۔

اورعلامہ عبیداللہ مبارکپوری صاحب کی مذکورہ بالاعبارت میں بھی زمین پر انبیاء کے اجسام کو حرام قراردئے جانے کا صاف ذکر ہے۔

اس لئے حقیقی تعارض نہ ہوا۔

البتہ اگرکوئی حیاتِ انبیاءکو بشری تقاضوں، اورلوازمات کے ساتھ مقدر مانتا ہو، تو وہ جانے۔

ہم اس کے قول کو خطاء پر مبنی سمجھتے ہیں۔

اورمحض کسی کا اہلِ حدیث مسلک سے وابستہ ہونا، اس کے کسی موقف سے اختلاف کو مستلزم نہیں، جس طرح کسی کا محض حنفی، دیوبندی مسلک سے وابستہ ہونا، اس کے ہرموقف سے اتفاق کو مستلزم نہیں۔

علامہ مبارک پوری کا چوتھا حوالہ

علامہ عبیداللہ مبارکپوری مذکورہ تالیف میں ہی اس سلسلے میں مزید تحریرفرماتے ہیں کہ:

وعندنا حياته هذه هي نوع حياة برزخية وليست نظير الحياة الدنيوية المعهودة، فإن روحه -صلى الله عليه وسلم -في مستقرها في عليين مع الرفيق الأعلى، ولها تعلق ببدنه الطيب قوى فوق تعلق روح الشهيد بجسده، فلا يثبت لها أحكام الحياة الدنيوية إلا ما وقع ذكره في الأحاديث الصحيحة (مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۴، ص ۴۴۰، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

ترجمہ: اور ہمارے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حیات ''برزخی حیات کی نوع'' ہے، جو دنیاوی معہود (مخصوص) حیات کی نظیر نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح، رفیقِ اعلیٰ کے ساتھ، علیین میں مستقر ہے اوراس کا آپ کے پاکیزہ بدن کے ساتھ قوی ترین تعلق ہے، جو شہید کی روح کے اس کے جسم کے تعلق سے زیادہ بلند ہے، لہٰذا اس حیات کے لئے، دنیاوی حیات کے احکام ثابت نہ ہوں گے، سوائے ان احکام کے، جن کا ذکر صحیح احادیث میں آیا ہے (مرعاۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ مبارکپوری صاحب بھی ''حیاتِ انبیاء'' کے قائل ہیں، اور وہ اس کو ''برزخی حیات کی جنس میں'' داخل مانتے ہیں، اور ہم یہ بات پہلے واضح کر چکے ہیں کہ دیگر حضرات بھی دراصل ''برزخی حیات'' کے منکر نہیں، البتہ وہ جسدِ اطہر کے سلامت ہونے، اور انبیاء کی حیات کے قوی ہونے کی وجہ سے اس کو بعض جہات سے دنیا کی حیات کے مثل ہونے سے تعبیر کرتے ہیں۔

اور ہمارے نزدیک اس کی حیثیت تعبیر کے اختلاف سے زیادہ نہیں، اور امرِ غیب کے مسئلہ میں اس طرح کی تعبیر کا اختلاف زیادہ معنیٰ نہیں رکھتا، تاہم امرِ غیب کے مسئلہ میں کیفیات کی تعیین وتمثیل، عوام کے لئے تشویش واضطراب کا باعث، اور عوام کے لیے قیاس مع الفارق کے قبیل سے ہوکر طرح طرح کے شکوک وشبہات کا باعث ہوا کرتی ہے، اس لئے زیادہ سلامتی وعافیت والا راستہ یہی ہے کہ معتبر نصوص کے مطابق عقیدہ رکھا جائے، اور جو بات سمجھ نہ آئے، اس کو اللہ کے حوالہ کردیا جائے، اور یہ کہا جائے کہ اللہ کے نزدیک جس طرح کی بھی یہ برزخی حیات ہے، ہم سمجھ آئے بغیر بھی اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور بس۔

افسوس کہ ہمارے یہاں ''منصوص حیات'' کے قائل کو بھی مخصوص غیر منصوص حیات کا قائل نہ ہونے کی وجہ سے حیات کا منکر قرار دیا جاتا ہے، اور ''حَفِظْتَ شَيْئًا وَغَابَتْ عَنْكَ أَشْيَاءُ '' کا مصداق بن کر کسی ایک عبارت کے ظاہر کو پکڑ کر دوسروں سے اختلاف کو ہوا دی جاتی ہے، اور بے شمار محققین کی عبارات وتصریحات کو محض تعصب کی وجہ سے نظر انداز کردیا جاتا ہے، اور محض اپنے مخصوص مسلک ومشرب سے وابستہ نہ ہونے کی بنیاد پر دوسرے کے موقف میں خواہ مخواہ کے کیڑے نکالے جاتے ہیں۔

اس طرزِ عمل نے ہمارے زمانے وعلاقہ میں امتِ مسلمہ کو مختلف فرقوں اور دھڑوں میں تقسیم کردیا ہے، ان فرقوں کے بہت سے مقتداؤں کا کام رات، دن عوام کو آپس میں لڑنا، لڑوانا رہ گیا ہے، اور اس کی وجہ سے امتِ مسلمہ کی کمر ٹوٹ کر رہ گئی ہے، اور سلفِ صالحین کے زمانے والا

اتحاد واتفاق پاش پاش ہو گیا ہے۔
اللہ اس امت کی حالت پر رحم فرمائے، اور اس کو فہمِ سلیم عطاء فرمائے۔ آمین۔
اب سعودی عرب کے چند چیدہ علماء کے بھی حوالہ جات ملاحظہ کر لیے جائیں، تا کہ وہاں کے علماء کا موقف بھی اس سلسلے میں معلوم ہو سکے۔

سعودی عرب کے شیخ محمد عثیمین کا حوالہ

سعودی عرب کے مشہور عالمِ دین اور حکومتِ سعودیہ کی ''هيئة كبار العلماء'' کے سابق رکن، شیخ محمد بن صالح بن محمد عثیمین (المتوفیٰ:1421ھ) فرماتے ہیں کہ:

فإن قال قائل :كيف لا نقول أموات وقد ماتوا؟
فالجواب: أن المراد هنا: لا تقولوا: أموات موتاً مطلقاً -دون الموت الذى هو مفارقة الروح للجسد؛ فهذا موجود؛ ولولا أن أرواحهم فارقت أجسادهم لما دفناهم، ولكانوا باقين يأكلون، ويشربون؛ ولكن الموت المطلق لم يقع منهم بدليل الإضراب الإبطالي في قوله تعالى :(بل أحياء) يعنى :بل هم أحياء ؛ فـ (أحياء) خبر لمبتدأ محذوف؛ وهي جمع حي ؛ والمراد :أحياء عند ربهم، كما فى أية آل عمران؛ وهى حياة برزخية لا نعلم كيفيتها؛ ولا تحتاج إلى أكل، وشرب، وهواء ، يقوم به الجسد؛ ولهذا قال تعالى :(ولكن لا تشعرون) أي لا تشعرون بحياتهم؛ لأنها حياة برزخية غيبية؛ ولولا أن الله عزّ وجلّ أخبرنا بها ما كنا نعلم بها.
الفوائد:
ومن فوائد الآية :إثبات حياة الشهداء ؛ لكنها حياة برزخية لا تماثل حياة الدنيا؛ بل هى أجلّ، وأعظم، ولا تعلم كيفيتها.
-ومنها :أن ثواب الله سبحانه وتعالى للعامل أجلُّ، وأعلى؛ وذلك؛ لأن الشهيد عرض نفسه للموت ابتغاء ثواب الله؛ فأثابه الله، حيث جعله حياً بعد موته حياة برزخية أكمل من حياة الدنيا؛ لقوله تعالى :(عند ربهم يرزقون)
-ومنها :إثبات الحياة البرزخية؛ لقوله تعالى :(بل أحياء) ؛ وقد ثبت عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه إذا دفن الإنسان رد الله عليه روحه، وجاءه ملكان يسألانه عن ربه، ودينه، ونبيه.

ـــ ومنها :إثبات نعيم القبر؛ لقوله تعالى :(بل إحياء).
ـــ ومنها :أن أحوال البرزخ، وعالم الغيب غير معلومة لنا، ولا نشعر بها إلا ما علمنا الله ورسوله (تفسير القرآن الكريم: الفاتحة والبقرة، ج۲، ص۱۷۶، وص۱۷۷، تحت رقم الآية۱۵۴)

ترجمہ: پھر اگر کوئی کہنے والا کہے کہ ہم کیسے نہ کہیں کہ وہ (شہداء) مردے ہیں، جبکہ وہ مر چکے ہیں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر مراد یہ ہے کہ تم ان کو مطلق موت کے اعتبار سے مردہ مت کہو، نہ کہ اس موت کے اعتبار سے، جو روح کے جسم سے مفارقت کا نام ہے، کیونکہ یہ موت تو موجود ہے (اس حیثیت سے ان کو مردہ کہنے کی ممانعت نہیں) اور اگر ان کی ارواح، ان کے اجسام سے جدا نہ ہوتیں، تو ہم ان (شہداء) کو دفن نہ کرتے، اور وہ کھاتے پیتے ہوکر باقی رہتے، البتہ ان کی موتِ مطلق واقع نہیں ہوئی، ابطالی قسم کی دلیل موجود ہونے کی وجہ سے، جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں موجود ہے کہ ''بَلْ أَحْيَاءٌ'' جس کا مطلب یہ ہے کہ بلکہ وہ زندہ ہیں، پس ''اِحْیَاءٌ'' مبتداءِ محذوف کی خبر ہے، اور یہ ''حَیٌّ'' کی جمع ہے، اور مراد یہ ہے کہ وہ اپنے رب کے پاس حیات ہیں، جیسا کہ آلِ عمران کی آیت میں ہے، اور یہ ''برزخی حیات'' ہے، جس کی کیفیت کو ہم نہیں جانتے، اور وہ برزخی حیات، کھانے پینے، اور ہواء کی محتاج نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے (دنیا میں) بدن قائم رہتا ہے، اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''وَلٰـكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ'' جس کا مطلب یہ ہے کہ تم کو ان کی حیات کا شعور نہیں، کیونکہ وہ ''برزخی غیبی حیات'' ہے، اور اگر اللہ ہمیں اس کی خبر نہ دیتا، تو ہم اس کو جان بھی نہیں سکتے تھے۔

فوائد:

مذکورہ آیت سے چند فوائد حاصل ہوئے، ایک تو شہداء کی حیات ثابت ہوئی، لیکن شہداء کی یہ حیات برزخی ہے، جو دنیوی حیات کے مثل نہیں، بلکہ اس سے

زیادہ اجل واعظم ہے، جس کی کیفیت کا علم نہیں۔

اور دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے، عمل کرنے والے کو جوثواب دیا جاتا ہے، وہ نہایت عظیم الشان ہوتا ہے، کیونکہ شہید نے اپنے آپ کوموت کے لیے، اللہ سے ثواب حاصل کرنے کے لیے پیش کردیا ہے، تو اللہ نے اس کو ایسا اجروثواب عطاء فرمایا کہ اس کے فوت ہونے کے بعد اس کو برزخی حیات، دنیا کی حیات سے زیادہ کامل طریقہ کی عطاء فرمائی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ''

اور تیسرا فائدہ برزخی حیات کا ثبوت ہے، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ ''بَلۡ اَحۡيَآءٌ'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب انسان کودفن کردیا جاتا ہے، تو اللہ اس کی روح کولوٹا دیتا ہے، اوراس کے پاس دوفرشتے آتے ہیں، جو اس سے اس کے رب، اوراس کے دین اوراس کے نبی کے متعلق سوال کرتے ہیں۔

اور چوتھا فائدہ قبر کی نعمتوں کا ثبوت ہے، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ ''بَلۡ اَحۡيَآءٌ''

اور پانچواں فائدہ یہ حاصل ہوا کہ برزخ اور عالمِ غیب کے احوال ہمیں معلوم نہیں، اور ہمیں ان کا شعور نہیں، سوائے ان باتوں کے، جن کا ہمیں اللہ اوراس کے رسول نے علم دے دیا ہے (تفسیر القرآن الکریم)

شیخ محمد عثیمین کا دوسرا حوالہ

شیخ محمد عثیمین ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ:

وما ذلک علی اللہ بعزیز، فالذی أنشأکم من التراب قادر علی أن یعید کم منه سبحانه وتعالی؛ حتی لو فنی الإنسان کله، مع أنه ورد فی الحدیث أنه "یفنی کله إلا عجب الذنب" فإنه منه یخلق الإنسان کالنواة بالشجرة،

فيستثنى من ذلك الأنبياء عليهم الصلاة والسلام؛ فإن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء، وهذا دليل على قدرة الله سبحانه وتعالى، وإلا فالأنبياء بشر؛ لأنهم خلقوا أصلا من تراب، لكن الآن من لحم وعظم وجلد كسائر بني آدم، ومع ذلك الأرض لا تأكل منهم شيئا أبدا، أما غير الأنبياء فإنها تأكلهم، لكن قد يحمي الله سبحانه وتعالى بدن بعض الناس لا تأكله الأرض؛ على نوع من الكرامة (تفسير القرآن الكريم، لمحمد بن صالح العثيمين، ص ۵۴، سورة السجدة، تحت رقم الآية ۱۰)

ترجمہ: اور نہیں ہے اللہ پر یہ کام کوئی مشکل، پس جس ذات نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، وہ سبحانہٗ و تعالیٰ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ تمہیں مٹی سے دوبارہ پیدا کردے، یہاں تک کہ اگر انسان کا جسم پوری طرح فنا ہو جائے، تب بھی وہ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے، اسی کے ساتھ حدیث میں یہ بات آئی ہے کہ انسان کا پورا جسم فنا ہو جاتا ہے، سوائے ریڑھ کی دم کی ہڈی کے، پس اسی ہڈی سے انسان کی تخلیق کی جاتی ہے، جس طریقہ سے گٹھلی سے درخت کی تخلیق کی جاتی ہے، البتہ اس سے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام مستثنیٰ ہیں، کیونکہ بلاشبہ اللہ نے زمین پر اس بات کو حرام کردیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے، اور یہ اللّٰہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی قدرت کی دلیل ہے، ورنہ انبیاء بھی بشر ہوتے ہیں، کیونکہ وہ اصل کے اعتبار سے مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں، لیکن وہ اب گوشت اور ہڈی اور جلد کے اعتبار سے تمام بنی آدم کی جنس کی طرح ہیں، اور اس کے باوجود (ان کا اللہ کی طرف سے اعزاز یہ ہے کہ) زمین کبھی بھی انبیاء کے جسم کے کسی حصہ کو نہیں کھاتی (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا سورہ ابراہیم میں) ارشاد ہے کہ ''قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ'' اور سورہ کہف اور سورہ فصلت میں ارشاد ہے کہ'' قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' جہاں تک نبیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کا تعلق ہے، تو ان کے جسم کو مٹی کھالیتی ہے، البتہ بعض اوقات اللّٰہ سبحانہٗ وتعالیٰ بعض لوگوں کے بدن کو محفوظ

فرما دیتا ہے، جس کو زمین نہیں کھاتی، وہ ایک طرح کی کرامت ہوتی ہے (عثیمین)

شیخ محمد عثیمین کا تیسرا حوالہ

شیخ محمد عثیمین ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ:

كيف يزور قبره – صلى الله عليه وسلم –؟ يقوم أمام قبره مستدبرا القبلة ووجهه إلى القبر فيقول: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، اللهم صلى على محمد وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم، اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد، وإن اقتصر على الأول وهو السلام كفى (مجموع فتاوى ورسائل فضيلة الشيخ محمد بن صالح العثيمين، ج ٢٢ ص ٤٠٠، رقم السؤال ٥٠٥، كتاب المناسك، باب الاحرام)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی کیسے زیارت کرے؟ تو آپ کی قبر کے سامنے، قبلہ کی طرف پشت کر کے، اور اپنا چہرہ قبر کی طرف کر کے کھڑا ہو جائے، اور یہ کہے کہ "اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ، اَللّٰهُمَّ بَارِکْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ، وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ، إِنَّکَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ" اور اگر پہلے الفاظ یعنی سلام پر اکتفاء کرے، تو بھی کافی ہے (مجموع فتاویٰ ورسائل)

شیخ محمد عثیمین کا چوتھا حوالہ

شیخ محمد عثیمین ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ:

أما زيارة قبر النبى صلى الله عليه وعلى آله وسلم وقبرى صاحبيه– رضى الله عنهما– فقد رخص بعض العلماء فى ذلك وقال: إن زيارة المرأة لقبرى الرسول صلى الله عليه وعلى اله وسلم وقبرى صاحبيه ليست زيارة، لأن مكان القبور الثلاثة محاط بثلاثة جدران، فهى لم تقف على القبر وبينها وبين القبور حائل، فهى وإن وقفت مثلا فى الروضة– كما يقول السائل–

فإنها لم تكن زائرة لقبر بينها وبينه الحجاب وثلاثة جدر ....
ثـم أليـس الـمقصود من الوقوف على القبر أن يصل سلامك إلى الرسول؟
الجواب: بـلـى، هـذا المقصود، ومع هذا نقول: أنـت لـو سلمت عليه في أقـصى الدنيا فإن سلامك سوف يبلغه "لأن الله وكل ملائكة سياحين في الأرض إذا سـلـم أحد على الرسول – صلى الله عليه وسلم – نقلوا السلام إلـى الـرسـول عليه الصلاة والسلام، فنحن الآن إذا قلنا: الـلـهم صل وسلم عـلى رسول الله .نـقـل سـلامنا إليه، في الصلاة تقول: السلام عليك أيها الـنبـي ورحـمة الله وبركاته، ينقل السلام إليه (مـجـموع فتاوى ورسائل فضيلة الشيخ مـحـمـد بـن صـالـح العثـيـمـيـن، ج٢٣ ص٦ ١ ٤، رقم السؤال ٧٥ ١٤، كتـاب المناسک، زيارة المسجد النبوى)

ترجمہ: جہاں تک (خواتین کے لیے) نبی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی قبر اور آپ کے صاحبین (حضرت ابوبکر وعمر) رضی اللہ عنہما کی قبر کی زیارت کا تعلق ہے، تو بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے، اور فرمایا کہ عورت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی قبر اور آپ کے صاحبین کی قبر کی زیارت، درحقیقت (موجودہ دور میں قبور کی) زیارت نہیں، کیونکہ تینوں قبروں کی جگہ کا تین دیواروں نے احاطہ کیا ہوا ہے، پس (موجودہ دور میں ان دیواروں سے باہر) عورت، قبر پر کھڑے ہونے والی نہیں ہوگی، جبکہ اس کے اور قبروں کے درمیان حائل موجود ہو، پس عورت اگر مثلاً ریـاضُ الـجنة میں کھڑی ہو، جیسا کہ سائل کا کہنا ہے، تو عورت اس قبر کی زیارت کرنے والی نہیں کہلائی گی کہ اس عورت کے، اور اس قبر کے درمیان حجاب اور تین دیواریں حائل ہوں۔......

پھر کیا قبر پر کھڑے ہونے سے مقصود یہ نہیں ہے کہ آپ کا سلام، رسول تک پہنچ جائے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک یہی مقصود ہے، لیکن اس کے باوجود ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر آپ دنیا کے کسی کونے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھیں، تو آپ کا سلام، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے، کیونکہ اللہ نے فرشتوں کو مقرر فرمایا ہے، جو زمین میں چلتے پھرتے ہیں، جب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر

سلام پڑھتا ہے، تو وہ سلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منتقل کر دیتے ہیں، پس ہم جب یہ کہیں گے کہ ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ'' تو ہمارا سلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک منتقل ہو جائے گا، اور جب ہم نماز میں یہ کہتے ہیں کہ ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ أَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ'' تو یہ سلام بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک منتقل ہو جاتا ہے (مجموع فتاویٰ ورسائل)

ہم سمجھتے ہیں کہ شیخ محمد عثیمین نے اس سلسلہ میں غیر متعلقہ اور غیر ضروری باتوں سے تعرض کیے بغیر سادہ انداز میں مسئلہ کو صاف کر دیا ہے، اور ایسے پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا، جو بلاوجہ اختلاف اور عوام الناس کے لیے افہام وتفہیم میں خلل اور تشویش کا باعث بنتے ہیں۔

سعودی عرب کے مفتی عبدُ العزیز بن باز کا حوالہ

سعودی عرب کے سابق مفتیِ اعظم شیخ عبدالعزیز بن باز (المتوفی: 1420ھ) اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ:

ينبغي أن يعلم أن الواجب على كل مؤمن ومؤمنة :التصديق بما أخبر اللّٰه به في كتابه، أو على لسان رسوله صلى الله عليه وسلم من جميع الأمور المتعلقة بالآخرة والحساب والجنة والنار، وفيما يتعلق بالموت والقبر وعذابه ونعيمه، وسائر أمور الغيب مما جاء في القرآن الكريم أو صحت به السنة المطهرة، فعلينا الإيمان والتسليم والتصديق بذلك؛ لأننا نعلم أن ربنا هو الصادق فيما يقوله سبحانه وفيما يخبر به جل وعلا، لقوله تعالى: (ومن أصدق من الله قيلا) وقوله سبحانه (ومن أصدق من الله حديثا)

ونعلم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أصدق الناس، وأنه لا ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى، فما ثبت عنه في الأحاديث الصحيحة، وجب التصديق به، وإن لم نعرف حقيقته.

فالواجب علينا أن نصدق بما جاء به من أمر الآخرة، وأمر الجنة والنار، ومن نعيم أهل الجنة، وعذاب أهل النار، وكون العبد في القبريعذب أو ينعم، وترد إليه روحه، كل هذا حق جاء ت به النصوص، فعلى العبد، أن يسلم بذلك، ويصدق بكل ما علمه من القرآن، أو صحت به السنة، أو أجمع عليه علماء الإسلام.

ثم إذا من الله على المؤمن والمؤمنة بمعرفة الحكمة فى ذلك والأسرار، فهذا خير إلى خير، ونور على نور، وعلم إلى علم، فليحمد الله وليشكره على ما أعطاه من العلم والبصيرة فى ذلك، التى من الله عليه بها حتى زاد علمه، وزادت طمأنينته.

أما ما يتعلق بالسؤال فى القبر، وحال الميت :فإن السؤال حق، والميت ترد إليه روحه، وقد صحت بذلك الأخبار عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وحياة الميت فى قبره غير حياته الدنيوية، بل هى حياة خاصة برزخية، ليست من جنس حياته فى الدنيا التى يحتاج فيها إلى الطعام والشراب ونحو ذلك، بل هى حياة خاصة يعقل معها السؤال والجواب، ثم ترجع روحه بعد ذلك إلى عليين، إن كان من أهل الإيمان، وإن كان من أهل النار إلى النار، لكنها تعاد إليه وقت السؤال والجواب.......وبذلك يعلم أن القبر؛ إما روضة من رياض الجنة، وإما حفرة من حفر النار.

والعذاب والنعيم للروح والجسد جميعا فى القبر، وهكذا فى الآخرة فى الجنة أو فى النار .أما من مات بالغرق أو بالحرق أو بأكل السباع : فإن روحه يأتيها نصيبها من العذاب والنعيم، ويأتى جسده من ذلك فى البر أو البحر، أو فى بطون السباع ما شاء الله من ذلك، لكن معظم النعيم والعذاب على الروح التى تبقى إما منعمة، وإما معذبة (مجموع فتاوى العلامة عبد العزيز بن باز ، ج۸، ص۳۳۸، الیٰ ص ۳۴۰، الحياة فى القبر)

ترجمہ: یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ مومن مرد اور عورت کے ذمہ ان باتوں کی تصدیق کرنا واجب ہے، جن کی اللہ نے اپنی کتاب میں خبر دے دی ہے، یا اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے خبر دے دی ہے، اس میں وہ تمام باتیں داخل ہیں، جن کا آخرت اور حساب و کتاب اور جنت اور جہنم سے تعلق ہے، اور جو باتیں موت اور قبر اور اس کے عذاب اور نعمت سے متعلق ہیں، وہ بھی اس میں داخل ہیں، اور ان تمام غیب کے امور کی تصدیق واجب ہے، جو قرآن کریم میں آئے ہیں، یا پاکیزہ سنت میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہیں، پس ہمارے اوپر ان سب پر ایمان لانا، اور ان کو قبول کرنا، اور ان کی تصدیق کرنا واجب ہے، کیونکہ ہم یہ بات جانتے ہیں کہ ہمارے رب کا پاکیزہ کلام، جس بات، اور جس چیز کے متعلق خبر دیتا ہے، وہ سچی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے کہ

''وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ''اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے کہ''وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا''۔

اور ہم یہ بات بھی جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں میں سب سے زیادہ سچے ہیں، اور آپ اپنی خواہش سے کوئی کلام نہیں کرتے، وہ اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی وحی ہی ہوتی ہے، پس صحیح احادیث میں جو کچھ ثابت ہے، اس کی تصدیق کرنا واجب ہے، اگرچہ ہمیں اس کی حقیقت معلوم نہ ہو۔

پس ہمارے ذمہ واجب ہے کہ ہم ان چیزوں کی تصدیق کریں، جو آخرت کے معاملے اور جنت اور جہنم کے معاملے اور اہلِ جنت کی نعمتوں اور اہلِ جہنم کے عذاب کے متعلق آئی ہیں، اور اسی طرح سے اس بات کی تصدیق کرنا بھی واجب ہے کہ بندے کو قبر میں عذاب، یا نعمت دی جاتی ہے، اور اس کی طرف اس کی روح کو لوٹایا جاتا ہے، یہ تمام باتیں برحق ہیں، جن کا قرآن وسنت میں ذکر آیا ہے، پس بندے پر ان باتوں کو تسلیم کرنا، اور قرآن سے معلوم شدہ ہر بات کی تصدیق کرنا، اور اسی طرح صحیح حدیث میں آئی ہوئی بات کی تصدیق کرنا، اور اسی طرح جس پر علمائے اسلام کا اجماع ہو، اس کی تصدیق کرنا، واجب ہے۔

پھر جب اللہ، مومن مرد اور عورت پر اس سلسلہ میں حکمت اور راز کی معرفت پیدا کر کے احسان فرمادے، تو یہ''خَيْرٌ اِلٰى خَيْر ''اور''نُوْرٌ عَلٰى نُوْر''اور''عِلْمٌ اِلٰـى عِلْـم ''ہے، جس پر اللہ کی حمد اور اس کا شکر اداء کرنا چاہیے کہ اللہ نے اس سلسلہ میں علم وبصیرت عطاء فرمادی، اور اس کے نتیجے میں اللہ نے علم کی زیادتی اور اطمینانِ قلب کی زیادتی کا احسان فرمادیا۔

جہاں تک قبر میں سوال اور میت کی حالت کا تعلق ہے، تو قبر کا سوال بھی حق ہے، اور میت کی طرف اس کی روح کا لوٹایا جانا بھی برحق ہے، اس سلسلہ میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث مروی ہیں، لیکن قبر میں میت کی زندگی، دنیاوی زندگی سے مختلف ہے، بلکہ وہ خاص برزخی حیات ہے، دنیا کی اس زندگی کی، جنس سے تعلق نہیں رکھتی، جس میں کھانے، پینے وغیرہ کی احتیاج ہوتی ہے، بلکہ وہ ایسی مخصوص حیات ہے، جس کے ساتھ سوال اور جواب کی سمجھ بوجھ حاصل ہوجاتی ہے، پھر اس کے بعد اس کی روح کو علیین کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے، جب کہ وہ اہلِ ایمان میں سے ہو، اور اگر وہ اہلِ جہنم میں سے ہو، تو جہنم کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے، لیکن بہر حال سوال اور جواب کے وقت اس کی روح کو واپس لوٹایا جاتا ہے، پھر اس سے دو فرشتے سوال کرتے ہیں............اور یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

اور قبر میں عذاب وراحت، روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے، اور اسی طرح سے آخرت میں بھی جنت، یا جہنم میں ہوتا ہے، اور جو شخص ڈوب کر، یا جل کر، یا درندے کے کھانے سے مرجائے، تو اس کی روح کو بھی عذاب اور نعمت کا حصہ پہنچتا ہے، اور اس کے جسم کو بھی پہنچتا ہے، خواہ خشکی میں ہو، یا پانی میں، یا درندوں کے پیٹ میں، جس طرح سے بھی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، تاہم نعمت اور عذاب کے بڑے حصے کا تعلق روح سے ہوتا ہے، جو یا تو انعام کو پاتی ہے، یا عذاب کو پاتی ہے

(مجموع فتاویٰ عبدالعزیز بن باز)

مطلب یہ ہے کہ فوت ہونے کے بعد حاصل ہونے والی نعمت وراحت، یا عذاب وتکلیف کا بڑا حصہ اور تعلق تو روح کو حاصل ہوتا ہے، لیکن بدن کو بھی اس کا احساس، اللہ کے حسبِ مشیت ہوتا ہے، اور بدن کے ساتھ روح کا تعلق قائم ہوتا ہے، خواہ انسانوں کو نظر نہ آئے، بس اجمالی طور پر اتنا سمجھ لینا کافی ہے، اور اس کی عالمِ شہادت میں قریبی نظیر نیند وخواب ہے۔

مفتی عبدُالعزیز بن باز کا دوسرا حوالہ

سعودی عرب کے مفتی عبدالعزیز بن باز اپنے فتاویٰ میں ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

الشهداء من شرفهم وفضل عملهم بين الله سبحانه أنهم أحياء عند ربهم يرزقون حياة خاصة، حياة برزخية وهم أموات، وقد حكم فيهم بأحكام الموتى، لكن أحياء ، لأن أرواحهم فى نعيم الجنة فى أجواف طير خضر تسرح فى الجنة حيث شاء ت ثم تأوى، إذ قال النبى صلى الله عليه وسلم: بأنها معلقة تحت العرش، كما أخبر به النبى عليه الصلاة والسلام فهو شرف لهم، وحث لهم على الجهاد فى سبيل الله، وهكذا أرواح المؤمنين عند الله، أى فى الجنة أحياء عند الله فى الجنة، لكنهم دون الشهداء ، جاء فى الحديث الصحيح :إن روح المؤمن طائر يعلق فى شجرة الجنة روح المؤمن يجعلهم الله طائرا يعلق فى شجر الجنة ويأكل من ثمارها، حتى يعيدها الله إلى جسده، وهذا فضل عظيم وهكذا أرواح الكفار حية تعذب فى البرزخ، وفى النار فى البرزخ مع الجسد، الأجساد فى الأرض وهى تعذب فى النار، والجسد والروح يوم القيامة يعذبان فى النار أيضا نسأل الله العافية.

فالمؤمنون ينعمون فى البرزخ وفى الجنة أرواحا وأجسادا، والكفار يعذبون فى البرزخ وفى النار أرواحا وأجسادا، وللروح نصيبها وللجسد نصيبه، ولو لم يقع به إلا القليل (فتاوى نور على الدرب، ج١٣، ص٤٦٨، ٤٦٩، كتاب الصلاة"القسم الثامن" باب أحكام الجنازة،بيان الفرق بين أرواح الشهداء وأرواح الصالحين فى الحياة البرزخية)

ترجمہ: شہداء کو جو شرف اور ان کے عمل کی وجہ سے جو فضیلت حاصل ہے، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، جن کو رزق دیا جاتا ہے، ان کی زندگی اور حیات مخصوص نوعیت کی ہے، جو برزخی حیات ہے، دراں حالیکہ وہ دنیا کے اعتبار سے مردہ ہیں، جن پر مُردوں کے احکام جاری ہوتے ہیں (کہ ان کی نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے، ان کی تدفین کی جاتی ہے، اور یہ احکام، مُردہ لوگوں کے ہیں) لیکن اس کے باوجود وہ شہداء، حیات ہوتے ہیں، کیونکہ ان کی ارواح جنت کی نعمتوں میں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں، وہ جنت میں جہاں چاہتی ہیں، گھومتی پھرتی ہیں، پھر واپس آجاتی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ وہ عرش کے نیچے معلق ہوتی ہیں، پس یہ شہداء کے لیے اعزاز واکرام ہے، جوان کو اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کا شوق دلاتا ہے، اور اسی طرح سے مومنوں کی روحیں، اللہ کے پاس، یعنی جنت میں زندہ ہوتی ہیں، لیکن صالح مومنوں کا درجہ شہداء سے کم ہوتا ہے، جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ مومن کی روح پرندے کی شکل میں جنت کے درختوں میں لٹکی ہوئی ہوتی ہے، مومن کی روح کو اللہ پرندے کی شکل عطاء فرما دیتا ہے، جو جنت کے درخت میں لٹکی ہوتی ہے، اس کے پھلوں کو کھاتی ہے، یہاں تک کہ اللہ اس کو اس کے جسم کی طرف نہ لوٹا دے، اور یہ عظیم فضل ہے۔

اور اسی طرح سے کفار کی ارواح بھی زندہ ہیں، جنہیں برزخ میں عذاب دیا جاتا ہے، اور جہنم اور برزخ میں جسم کے ساتھ عذاب دیا جاتا ہے، اجسام زمین میں ہوتے ہیں، لیکن ان کو جہنم میں عذاب دیا جاتا ہے، اور جسم اور روح کو قیامت کے دن بھی عذاب دیا جائے گا، ہم اللہ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

پس مومنوں کو برزخ اور جنت میں ارواح اور اجسام کے اعتبار سے نعمت عطاء فرمائی جاتی ہے، اور کفار کو برزخ اور جہنم میں ارواح اور اجسام کے اعتبار سے عذاب دیا جاتا ہے، روح کو اس کا حصہ ملتا ہے، اور جسم کو اس کا حصہ ملتا ہے، اگرچہ جسم پر تھوڑا عذاب ہو (اس سے اصل مقصود پر فرق نہیں پڑتا) (فتاوی نور علی الدرب)

پیچھے نصوص اور مختلف عبارات وحوالہ جات کی روشنی میں موت کی نیند سے، اور احوالِ برزخ وقبر کی احوالِ خواب سے مشابہت ومماثلت پر کلام گزر چکا ہے، جس کے ضمن میں یہ بھی واضح کیا جا چکا کہ جس طرح عام حالات میں خواب کے آثار جسم پر نظر نہیں آتے، لیکن روح کا اس وقت بھی جسم سے تعلق ہوتا ہے، اسی طرح موت کے بعد بھی عام حالات میں برزخ کے آثار جسم پر نظر نہیں آتے، اور روح کا جسم سے تعلق قائم ہوتا ہے۔

مفتی عبدُ العزیز بن باز کا تیسرا حوالہ

سعودی عرب کے مفتی عبدالعزیز بن باز، ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

المشروع للمسلم إذا زار مسجد الرسول صلى الله عليه وسلم أن يبدأ بالصلاة فى مسجده عليه الصلاة والسلام ، وإذا أمكن أن يكون ذلک فى الروضة الشريفة فهو أفضل .

ثم يتوجه إلى قبر النبى صلى الله عليه وسلم ويقف أمامه بأدب وخفض صوت ، ثم يسلم على رسول الله وعلى صاحبيه رضى الله عنهما .وقد أخرج أبو داود بسند جيد عن أبى هريرة رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :ما من أحد يسلم على إلا رد الله على روحى حتى أرد عليه السلام .

وقد احتج جماعة من أهل العلم بهذا الحديث على أنه صلى الله عليه وسلم يسمع سلام المسلمين عليه إذا ردت عليه روحه.

وقال آخرون من أهل العلم ليس هذا الحديث صريحا فى ذلک وليس فيه دلالة على أن ذلک خاص بمن سلم عليه عند قبره ، بل ظاهر الحديث يعم جميع المسلمين عامة .

وقد ثبت عنه عليه الصلاة والسلام أنه قال :إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة فأكثروا على من الصلاة فيه فإن صلاتكم معروضة على قالوا يا رسول الله كيف تعرض صلاتنا عليک وقد أرمت؟ قال إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء خرجه أبو داود والنسائى وابن ماجة بإسناد حسن .

وسبق قوله صلى الله عليه وسلم :إن لله ملائكة سياحين يبلغونى عن أمتى السلام.

فهذه الأحاديث وما جاء فى معناها تدل على أنه صلى الله عليه وسلم يبلغ صلاة المصلين عليه وسلامهم ، وليس فيها أنه يسمع ذلک فلا يجوز أن يقال إنه يسمع ذلک إلا بدليل صحيح صريح يعتمد عليه ، فإن هذه الأمور وأشباهها توقيفية ليس للرأى فيها مجال ، وقد قال الله سبحانه :فإن تنازعتم فى شىء فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ذلک خير وأحسن تأويلا .

وقد رددنا هذه المسألة إلى القرآن العظيم وإلى السنة الصحيحة فلم نجد ما يدل على سماعه صلى الله عليه وسلم صلاة المصلين وسلامهم ، وإنما فى السنة الدلالة على أنه يبلغ ذلک ، وفى بعضها التصريح بأن الملائكة هى التى تبلغه ذلک والله سبحانه أعلم .

أما كونه صلى الله عليه وسلم يرى المسلم عليه فهذا لا أصل له وليس في الآيات والأحاديث ما يدل عليه ، كما أنه عليه الصلاة والسلام لا يعلم أحوال أهل الدنيا ولا ما يحدث منهم .
لأن الميت قد انقطعت صلته بأهل الدنيا وعلمه بأحوالهم كما تقدمت الأدلة على ذلك ، وما يروى في هذا الباب من الحكايات والمرائي المنامية وما يذكره بعض أهل التصوف من حضوره صلى الله عليه وسلم بينهم واطلاعه على أحوالهم ، وهكذا ما يذكر بعض المحتفلين بمولده عليه الصلاة والسلام من حضوره بينهم ، فكل ذلك لا صحة له ولا يجوز الاعتماد عليه ،لأن الأدلة الشرعية محصورة في كلام الله سبحانه وكلام رسوله صلى الله عليه وسلم وإجماع أهل العلم المحقق .
أما الآراء والمنامات والحكايات والأقيسة فليس لها مجال في هذا الباب ولا يعتمد على شيء منها في إثبات شيء مما ذكرنا .والله ولي التوفيق وهو حسبنا ونعم الوكيل ، وصلى الله وسلم على نبينا محمد وآله وأتباعه بإحسان إلى يوم الدين (مجموع فتاوىٰ ومقالات ابن باز ، ج۲،ص۳۶۷،و۳۶۸،إجابة عن أسئلة متفرقة،حول كتابة التعاويذ بالآيات أمور أخرى تتعلق بالرسول صلى الله عليه وسلم،السؤال الخامس)

ترجمہ: مسلمان کے لیے شرعی طریقہ یہ ہے، جب وہ مسجدِ نبوی کی زیارت کرے تو وہ پہلے مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھے، اوراگر ریاضُ الجنۃ میں (نماز پڑھنا) ممکن ہو، تو یہ زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔
پھراس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی طرف متوجہ ہو، اور قبر کے سامنے ادب کے ساتھ کھڑا ہو، اور دھیمی آواز کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں صحابۂ کرام (حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) پر سلام کرے، ابوداؤ د نے عمدہ سند کے ساتھ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ''جو کوئی بھی مجھ پر سلام کرتا ہے، تو اللہ مجھ پر، میری روح کو لوٹا دیتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دے دیتا ہوں''
اوراس حدیث سے اہلِ علم کی ایک جماعت نے یہ دلیل پکڑی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مسلمانوں کے سلام کو سنتے ہیں، جب آپ کی روح کو آپ پر

لوٹایا جاتا ہے۔

اور دیگر اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ اس حدیث میں مذکورہ بات کی تصریح نہیں ہے، اور نہ ہی اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سلام کا جواب اُس شخص کے ساتھ خاص ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے قریب سلام کرے، بلکہ ظاہرِ حدیث تمام مسلمانوں کو عام طور پر شامل ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ثابت ہے کہ ''بے شک تمہارے سب دنوں میں جمعہ کا دن افضل ہے، پس تم اس دن کثرت سے مجھ پر درود پڑھا کرو، اس لئے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہمارا درود آپ پر کس طرح پیش کیا جائے گا، جبکہ آپ کا جسم مبارک (وفات کے بعد) بوسیدہ ہو چکا ہوگا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ نے زمین پر نبیوں کے اجسام کو کھانا حرام کر دیا ہے'' اس کو ابوداؤد اور نسائی اور ابنِ ماجہ نے عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی گزر چکی ہے کہ ''اللہ کے فرشتے، سیاحت کرتے پھرتے ہیں، جو میری امت کے سلام کو مجھ تک پہنچاتے ہیں''

پس یہ احادیث اور جو اس معنیٰ کی احادیث ہیں، وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ پر درود اور سلام پڑھنے والوں کا درود وسلام پہنچ جاتا ہے، لیکن ان احادیث میں اس بات کا ذکر نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو خود سنتے ہیں، اس لیے یہ بات کہنا درست نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم براہِ راست سلام کو سنتے ہیں، مگر ایسی دلیل کے ذریعے سے ہی یہ بات کہنا درست ہے، جو دلیل صحیح بھی ہو، اور صریح بھی ہو، جس پر اعتماد کیا جا سکے، کیونکہ یہ امور اور ان جیسے امور ''توقیفی''ہیں، جن میں رائے کو دخل نہیں، اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے

کہ ”اگر تم کسی چیز میں نزاع کرو، تو تم اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے، اور تاویل کے اعتبار سے نہایت عمدہ ہے“

اس بناء پر ہم نے اس مسئلے کو قرآنِ عظیم اور سنتِ صحیحہ کی طرف لوٹایا، تو ہمیں کوئی ایسی دلیل نہیں ملی، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنے والوں کی آواز کو (براہِ راست) سننے پر دلالت کرتی ہو، اور سنت میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ درود پہنچ جاتا ہے، اور بعض احادیث میں اس بات کی تصریح پائی جاتی ہے کہ فرشتے ہی آپ تک اس کو پہنچاتے ہیں، **واللّٰہ سبحانہٗ اعلم۔**

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو دیکھتے ہیں، جو آپ پر سلام پڑھتا ہے، تو اس کی کوئی اصل نہیں، اور آیات اور احادیث میں اس کی کوئی دلیل نہیں، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اہلِ دنیا کے احوال نہیں جانتے، اور نہ ان کے آئندہ آنے والے حالات کو جانتے۔

کیونکہ میت کا اہلِ دنیا سے تعلق اور ان کے احوال کا علم منقطع ہو جاتا ہے، جیسا کہ اس کے دلائل گزر چکے ہیں، اور اس سلسلے میں جو حکایات اور خواب روایت کیے جاتے ہیں، اور جو بعض اہلِ تصوف اپنے درمیان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ہونے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے احوال کی اطلاع کا ذکر کرتے ہیں، اور اسی طریقے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محافلِ میلاد منعقد کرنے والے بعض لوگ اپنے درمیان، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ہونے کا ذکر کرتے ہیں، تو یہ باتیں صحیح نہیں، اور ان پر اعتماد کرنا درست نہیں، کیونکہ دلائلِ شرعیہ، **اللّٰہ سبحانہٗ وتعالیٰ** کے کلام میں، اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں، اور محققین

اہلِ علم کے اجماع میں محصور ہیں۔

جہاں تک مختلف آراء اور خواب اور حکایات اور قیاسات کا تعلق ہے، تو اس (علمِ غیب سے متعلق) باب میں ان کی گنجائش نہیں، اور نہ ہی مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز کے ثابت کرنے میں ان میں سے کسی چیز پر اعتماد کیا جا سکتا" وَاللّٰہُ وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ وَھُوَ حَسْبُنَا وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ، وَصَلَّی اللّٰہُ وَسَلَّمَ عَلٰی نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَأَتْبَاعِہٖ بِإِحْسَانٍ إِلٰی یَوْمِ الدِّیْن" (مجموع فتاویٰ ومقالات)

شیخ موصوف نے جو تفصیل ذکر کی، اگر کسی کو اس سے اختلاف ہو، تو اس سے شیخ موصوف کے موقف پر فرق نہیں پڑتا، کیونکہ انہوں نے دلائل کی رُو سے جس قول کو راجح سمجھا، اس کو بیان کر دیا۔

اور شیخ موصوف نے جو موقف بیان کیا، اس موقف کے حامل کی اقتداء میں نماز پڑھنے کو ناجائز، یا مکروہ قرار دینا بھی، درست نہیں، ورنہ تو شیخ موصوف کے موقف کو اختیار کرنے والے حرمین شریفین کے ائمہ کی اقتداء میں نماز پڑھنا بھی ناجائز، یا مکروہ کہلائے گا، جبکہ وہاں کے ائمہ کی اقتداء میں دنیا کے مختلف اطراف واکناف کے ہزاروں، لاکھوں لوگ سال بھر ،اور بطور خاص ماہِ رمضان میں، اور حج کے موقع پر نمازیں اداء کرتے ہیں۔

"شیخ عبدُ المحسن العباد" سعودی عرب کا حوالہ

مدینہ منورہ کی مسجدِ نبوی کے مدرس "شیخ عبدُ المحسن العباد" فرماتے ہیں:

وفي الحديث أنهم قالوا :(وكيف تعرض صلاتنا عليک وقد أرمت؟ يقولون :بليت)، وكانوا يعلمون أن الأرض تأكل الأجساد، ولا يعلمون استثناء شيء من ذلک، والله عز وجل في كتابه العزيز يقول :قد علمنا ما تنقص الأرض منهم (ق) يعني :ما تأكل الأرض منها، وما يختلط بالتراب من أجسادهم، فأخبرهم النبي عليه الصلاة والسلام أن الأرض لا تأكل أجساد الأنبياء ، وأنهم باقون في قبورهم على الهيئة التي وضعوا عليها لا تأكلهم الأرض، بل أجسادهم باقية، وهم أحياء في قبورهم حياة برزخية

أكمل من حياة الشهداء التى قال الله عز وجل فيها :ولا تحسبن الَذين قتلوا فى سبيل الله أمواتا بل أحياء عند ربهم يرزقون (آل عمران)، فأخبر عن الشهداء بأنهم أحياء ، ورسل الله الكرام هم أكمل حياة من الشهداء .
والحياة البرزخية لا يختص بها الأنبياء ولا الشهداء ، بل هى ثابتة لكل من يموت، فكل من يموت فى نعيم أو عذاب، فيصل إلى جسده وروحه من النعيم أو العذاب ما يستحقه، وحتى لو أن الأرض أكلت لحوم البشر من غير الأنبياء فإن العذاب يصل إلى من يستحقه، والنعيم يصل إلى من يستحقه، ولا تلازم بين كون الأرض تأكله وبين كونه لا يصل إليه النعيم أو العذاب؛ لأن حياة البرزخ من أمور الغيب التى لا يعلمها إلا الله عز وجل، ولهذا لو فتح الناس القبور ما رأوا جنة ولا ناراً، والجنة أو النار موجودة، قال عليه الصلاة والسلام :(يفتح للمؤمن باباً إلى الجنة فيأتيه من روحها ونعيمها)، وذكر أنه يفتح للكافر باباً إلى النار فيأتيه من سمومها وحرها، ولو فتح الناس القبور ما وجدوا نعيماً ولا عذاباً، ولكن المؤمن يؤمن بالغيب وإن لم يشاهده ويعانيه، ويعتقد أن كل ما أخبر الله تعالى به حق، وكل ما أخبر به رسوله صلى الله عليه وسلم حق، والنبى عليه الصلاة والسلام قال فى الحديث الصحيح :(لولا ألا تدافنوا لدعوت الله أن يسمعكم من عذاب القبر ما أسمع)، فقد أطلع الله نبيه على ما يجرى فى القبور من العذاب، فكان يسمع مما يحصل فى القبور من العذاب، وغيره من الناس لا يسمعون، والله على كل شىء قدير، فقد حجب هذه الأصوات التى تكون فى القبور عن أن تصل إلى الجن والإنس، وشاء أن تصل إلى سمع نبيه محمد عليه الصلاة والسلام، بل الحيوانات والدواب تسمع ما يجرى فى القبور من العذاب؛ لأنها غير مكلفة، ولما كان الجن والإنس مكلفين أخفى الله تعالى عليهم ذلك؛ حتى يتميز من يؤمن بالغيب ومن لا يؤمن؛ لأنه لو كان الغيب علانية وشهادة ما تميز من يؤمن بالغيب ممن لا يؤمن به.
فهذا الحديث دليل على أن الأرض لا تأكل أجساد الأنبياء ، وأنهم أحياء فى قبورهم حياة برزخية تختلف عن حياة الدنيا، وتختلف عن الحياة الآخرة بعد البعث والنشور، فلا يقال :إن حياتهم فى قبورهم كحياتهم فى الدنيا، بل حياتهم فى البرزخ تختلف عن حياتهم فى الدنيا، وتختلف عن حياتهم بعد البعث والنشور، والمؤمن يصدق بكل ما جاء عن الله وعن رسوله صلى الله عليه وسلم، ويؤمن بكل ما أخبر به الله ورسوله صلى الله عليه وسلم .
أما الشهداء لم يأتى دليل على أن الله حرم على الأرض أن تأكل أجسادهم، لكن جاء أن بعض الشهداء نبش قبره بعد مدة لأمر اقتضى ذلك فوجدوه

كما كان، وهو عبد الله بن حرام والد جابر بن عبد الله رضى الله تعالى عنهما، فقد استشهد يوم أحد، ثم قرب السيل من قبره حتى كاد أن يجترفه، فنبش ونقلوه من مكانه حتى لا يجترفه، فوجدوه كما كان، لكن هذا لا يدل على أنه يبقى على هذه الهيئة إلى يوم البعث والنشور؛ لأن هذا مما لم تأت فيه سنة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم كما جاء فى حق الأنبياء ، فالأنبياء جاء فى حقهم هذا الحديث، والشهداء جاء ت فى حقهم تلك الآية.

والحياة البرزخية تكون للشهداء ولسائر الناس، لكن الشهداء يكونون أكمل؛ لأن الله نص عليه فى حق الشهداء ، وقد جاء فى الحديث :(إن أرواح الشهداء فى أجواف طير خضر تعلق من شجر الجنة)، وجاء فى حق المؤمنين عموماً حديث :(نسمة المؤمن طائر يعلق فى الجنة) يعنى :على شكل طائر يعلق فى الجنة، والحياة البرزخية ثابتة للجميع، ولكن نجزم بأن الأرض لا تأكل أحداً بعينه إلا الأنبياء ، أما غيرهم فما جاء دليل يدل على أن الأرض لا تأكل أجسادهم (شرح سنن أبى داود"دروس صوتية قام بتفريغها موقع الشبكة الإسلامية"رقم الدرس ۱۳۳، ص۵، شرح حديث : إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة)

ترجمہ: اور حدیث میں ہے کہ صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ ''ہمارا درود آپ پر کس طرح پیش کیا جائے گا، جبکہ آپ مٹی ہو چکے ہوں گے؟'' اور صحابۂ کرام یہ بات جانتے تھے کہ زمین، اجسام کو کھا جاتی ہے، اور اس سے کسی کے استثناء کا انہیں علم نہیں تھا، اور اللہ عز جل کا اپنی کتابِ عزیز (کی سورہ قٓ) میں ارشاد ہے کہ ''قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ '' جس کا مطلب یہ ہے کہ زمین جو جسم کو کھاتی ہے، اور جو اجسام زمین کے ساتھ خلط ملط ہو جاتے ہیں، ان کا ہمیں علم ہے، تو صحابۂ کرام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے خبردار کر دیا کہ زمین، انبیاء کے اجسام کو نہیں کھاتی، اور وہ اپنی قبروں میں اسی ھیئت پر باقی رہتے ہیں، جس ھیئت پر ان کو (قبر میں) رکھا جاتا ہے، ان کو زمین نہیں کھاتی، بلکہ ان کے اجسام باقی رہتے ہیں، اور وہ اپنی قبروں میں ''حیاتِ برزخی'' کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں، جو اُن شہداء کی حیات سے زیادہ کامل ہوتی ہے، جن کے متعلق اللہ عزوجل نے

سورہ آلِ عمران میں فرمایا کہ ''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ''تو اللہ عزوجل نے شہداء کے متعلق یہ خبر دے دی کہ وہ زندہ ہیں، اور اللہ کے مکرم رسول، شہداء کی حیات سے زیادہ کامل ہوتے ہیں۔

اور ''حیاتِ برزخی'' انبیاء اور شہداء کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ وہ ہر مرنے والے کے لیے ثابت ہے، پس ہر وہ شخص جو مر جائے، وہ نعمت، یا عذاب میں ہوتا ہے، جس نعمت، یا عذاب کا وہ مستحق ہوتا ہے، وہ اس کی روح اور جسم کو پہنچ جاتا ہے، یہاں تک کہ اگر زمین، انبیاء کے علاوہ دوسرے انسانوں کے گوشت پوست کو کھالے، تو بھی عذاب کے مستحق تک، عذاب، اور نعمت کے مستحق تک، نعمت پہنچ جاتی ہے، اور زمین کے جسم کو کھالینے، اور اس کو نعمت، یا عذاب نہ پہنچنے میں کوئی تلازم نہیں، کیونکہ ''برزخی حیات'' غیب کے امور میں سے ہے، جس کو اللہ عزوجل کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اور اسی وجہ سے اگر لوگ قبروں کو کھول کر دیکھیں، تو اس میں نہ تو جنت کو دیکھ پائیں گے، اور نہ جہنم کو دیکھ پائیں گے، حالانکہ جنت، یا جہنم کے آثار وہاں موجود ہوتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مومن کے لیے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، جس سے جنت کی خوشبو اور نعمت پہنچتی ہے'' اور فرمایا کہ ''کافر کے لیے جہنم کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، جس سے اس کی بدبو اور گرمی پہنچتی ہے'' اور اگر لوگ قبروں کو کھول کر دیکھیں، وہ اس میں نہ نعمت کو پائیں گے، اور نہ عذاب کو، لیکن مومن، غیب پر ایمان لاتا ہے، اگرچہ وہ اس غیب کا مشاہدہ اور معائنہ نہ کرے، اور مومن یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ ہر وہ چیز، جس کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی، وہ حق ہے، اور ہر وہ چیز جس کی اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی، وہ بھی حق ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا

صحیح حدیث میں ارشاد ہے کہ ''اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم دفن نہیں کرو گے، تو میں اللہ سے دعاء کرتا، تو وہ تمہیں اس عذابِ قبر کو سنا دیتا، جس کو میں سنتا ہوں'' پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان احوال پر مطلع فرما دیا، جو قبروں میں عذاب کی شکل میں جاری ہوتے ہے، جس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، قبروں میں ہونے والے عذاب کی بعض چیزوں کو سن لیا کرتے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے لوگ نہیں سنتے تھے، اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے، پس اللہ نے اُن آوازوں کا جو قبروں میں ہوتی ہیں، جن اور انسان تک پہنچنے سے پردہ فرما دیا ہے، اور اپنی مشیئت سے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت تک ان آوازوں کو پہنچا دیا، بلکہ جانور اور چوپائے بھی، قبروں میں جاری ہونے والے عذاب کو سنتے ہیں، کیونکہ وہ مکلّف نہیں، لیکن چونکہ جن اور انسان مکلّف ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن پر اس چیز کو مخفی رکھ دیا، تاکہ غیب پر ایمان لانے والے، اور غیب پر ایمان نہ لانے والے کے درمیان امتیاز ہو جائے، اس لیے کہ اگر غیب ظاہر ہو جاتا، اور کھل جاتا، تو غیب پر ایمان لانے والے، اور غیب پر ایمان نہ لانے والے کے درمیان امتیاز نہ ہو پاتا۔

پس یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ زمین، انبیاء کے اجسام کو نہیں کھاتی، اور وہ اپنی قبروں میں حیات ہیں، جو کہ ''برزخی حیات'' ہے، اور ''برزخی حیات'' دنیا کی حیات سے بھی مختلف ہوتی ہے، اور قیامت کے دن زندہ ہونے، اور اٹھائے جانے کے بعد کی آخرت والی حیات سے بھی مختلف ہوتی ہے، لہٰذا یہ نہیں کہا جائے گا کہ انبیائے کرام کی اُن کی قبروں میں حیات، دنیا کی حیات کی طرح ہے، بلکہ ان کی حیات، برزخ میں ہے، جو دنیا کی حیات سے مختلف ہے، اور قیامت کے بعد زندہ ہونے، اور اٹھائے جانے کی حیات سے بھی مختلف ہے، اور مومن ہر اس

چیز کی تصدیق کرتا ہے، جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آئی ہو، اور وہ ہر اس چیز پر ایمان رکھتا ہے، جس کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہو۔

جہاں تک شہداء کا تعلق ہے، تو ایسی کوئی دلیل نہیں آئی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر ان کے اجسام کے کھانے کو حرام کر دیا ہے، البتہ بعض شہداء کے متعلق اس طرح کے واقعات ہیں کہ ان کی قبر کو کسی ضرورت کے تقاضے کی وجہ سے، ایک مدت بعد کھولا گیا، تو اُن کو لوگوں نے ایسا ہی پایا، جیسے وہ تھے، جیسا کہ ''عبداللہ بن حرام'' جو کہ ''جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما'' کے والد تھے، اور وہ ''اُحد'' کے دن شہید ہو گئے تھے، پھر ان کی قبر کے قریب پانی آ گیا، جس سے قریب تھا کہ وہ اُن کو بہا کر لے جائے، جس کی وجہ سے اُن کی قبر کو کھولا گیا، اور لوگوں نے ان کو اُس جگہ سے، محفوظ جگہ منتقل کیا، تو لوگوں نے ان کو اسی حالت پر پایا، جس حالت پر دفن کیا گیا تھا، لیکن یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ قیامت کے دن تک اسی حالت پر باقی رہیں، کیونکہ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ایسی سنت وحدیث نہیں آئی، جس طرح کی انبیاء کے حق میں آئی ہے، اور انبیاء کے حق میں یہ حدیث آئی ہے، جو ذکر کی گئی، اور شہداء کے حق میں سورہ آلِ عمران کی مذکورہ آیت آئی ہے۔

اور ''حیاتِ برزخی'' شہداء کے لیے بھی ہوتی ہے، اور تمام لوگوں کے لیے بھی ہوتی ہے، لیکن (دوسرے لوگوں کے مقابلے میں) شہداء زیادہ کامل ہوتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کے حق میں زندہ ہونے کی تصریح فرمائی ہے، اور حدیث میں یہ بات آئی ہے کہ ''شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹوں میں ہوتی ہیں، جو جنت کے درختوں کے ساتھ لٹکی ہوئی ہوتی ہیں'' اور عام مومنوں کے بارے میں

یہ حدیث آئی ہے کہ ''مومن کی روح، پرندے میں ہوتی ہے، جو جنت میں معلق ہوتا ہے'' یعنی اس کی روح پرندے کی شکل میں جنت میں معلق ہوتی ہے، اور ''حیاتِ برزخی'' تمام لوگوں کے لیے ثابت ہے، لیکن ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ زمین متعین طور پر صرف انبیاء کے اجسام کو نہیں کھاتی، جہاں تک انبیاء کے علاوہ، دوسرے لوگوں کا تعلق ہے، تو کوئی دلیل ایسی نہیں آئی، جو اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ زمین ان کے اجسام کو نہیں کھاتی (شرح سنن أبی داؤد)

''شیخ عبدُ المحسن العباد'' کا دوسرا حوالہ

''شیخ عبدُ المحسن العباد'' ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

(ما من أحد يسلم علي إلا رد الله علي روحي حتى أرد عليه السلام) وهذا الحديث يدل على أن سلام المسلم على رسول الله صلى الله عليه وسلم يصل إليه، ولكن ليس فيه دليل على أنه يسمع سلام المسلم، وإنما فيه دليل على أن الله يرد عليه روحه حتى يرد السلام، والسلام إنما يصل إليه عن طريق الملائكة الذين يبلغون الرسول صلى الله عليه وسلم السلام من قريب ومن بعيد، كما في الحديث :(إن لله ملائكة سياحين يبلغونني عن أمتي السلام) ولهذا جاء عن علي بن الحسين رحمه الله :(أنه رأى رجلاً يأتي إلى فرجة عند قبر النبي صلى الله عليه وسلم فقال له :ألا أحدثك بحديث سمعته عن أبي عن جدي؟ إن النبي صلى الله عليه وسلم قال :لا تتخذوا قبري عيداً، وصلوا علي فإن صلاتكم تبلغني حيث كنتم) ثم قال: ما أنت ومن بالأندلس إلا سواء .

قوله :(تبلغني حيثما كنتم) يعني :بواسطة الملائكة.فالحديث ليس فيه نص على أن هذا خاص فيمن يسلم عليه عند قبره صلى الله عليه وسلم وأنه يسمعه، وإنما هو عام، والرسول صلى الله عليه وسلم يبلغه السلام بواسطة الملائكة سواء عن قرب أم بعد، سواء كان في مسجده وعند قبره أو في أي مكان من الأرض، وهذا يدخل فيه السلام والصلاة عليه صلى الله عليه وسلم(شرح سنن ابی داؤد للعباد"دروس صوتية قام بتفريغها موقع الشبكة الإسلامية" رقم الدرس ۲۳۴، ص ۲۰، كتاب المناسک، ما جاء في زيارة القبور، شرح حديث: ما من أحد يسلم علي إلا رد الله علي روحي حتى أرد عليه السلام)

ترجمہ: ''جو کوئی بھی مجھ پر سلام کرتا ہے، تو اللہ مجھ پر میری روح کو لوٹا دیتا ہے،

یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دے دیتا ہوں“ اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنے والے کا سلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پہنچ جاتا ہے، لیکن اس حدیث میں اس بات کی دلیل نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، سلام کرنے والے کے سلام کو خود سنتے ہوں، اس میں تو صرف اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ آپ پر، آپ کی روح کو سلام کا جواب دینے کے لیے لوٹا دیتا ہے، اور سلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک ان فرشتوں کے ذریعے سے پہنچتا ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کو پہنچاتے ہیں، خواہ قریب سے سلام کیا جائے، یا دور سے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ”اللہ کے فرشتے سیاحت کرتے ہیں، جو مجھ پر میری امت کے سلام کو پہنچاتے ہیں“ اور اسی وجہ سے علی بن حسین رحمہ اللہ کی یہ روایت آئی ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے قریب سوراخ کی طرف آتا تھا، تو انہوں نے اس شخص سے فرمایا کہ کیا میں تجھے ایک حدیث بیان نہ کردوں، جسے میں نے اپنے والد، اور انہوں نے اپنے دادا سے سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”تم میری قبر کو عید نہ بناؤ، اور تم میرے اوپر درود پڑھو، کیونکہ تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے، جہاں کہیں بھی تم ہو“ پھر فرمایا کہ تم اور وہ شخص جو اندلس میں ہے، دونوں برابر ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ”جہاں کہیں بھی تم ہو، وہ مجھ تک پہنچ جاتا ہے“ اس کا مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کے واسطے سے پہنچ جاتا ہے، پس حدیث میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ یہ اس شخص کے ساتھ خاص ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے قریب سلام کرتا ہے، اور نہ اس بات کا ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سنتے ہیں، بلکہ یہ حدیث عام ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو فرشتوں کے

واسطے سے سلام پہنچ جاتا ہے، خواہ قریب سے سلام کیا جائے، یا دور سے، اور خواہ مسجدِ نبوی میں سلام کیا جائے، یا آپ کی قبر کے قریب سلام کیا جائے، یا زمین کے کسی مقام سے بھی سلام کیا جائے، اوراس حکم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ اور سلام دونوں داخل ہیں (شرح سنن أبی داؤد)

’’شیخ عبدُ المحسن العباد‘‘ کا تیسرا حوالہ

’’شیخ عبدُ المحسن العباد‘‘ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

وأمور القبر هی من أمور البرزخ التی لا تُعلم كيفيتها، ولا يبحث عن كيفيتها، بل يجب أن يصدق بكل ما جاء عن النبی صلى الله عليه وسلم وإن لم نقف على الكنه والكيفية(شرح سنن ابی داؤد للعباد"دروس صوتية قام بتفريغها موقع الشبكة الإسلامية" رقم الدرس ٣٦٥، ص١٠ ،تغسيل الشهيد،شرح حديث:أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على حمزة وقد مثل به)

ترجمہ: اور قبر کے امور، دراصل برزخ کے امور ہیں، جن کی کیفیت کو نہیں جانا جاسکتا، اور نہ ان کی کیفیت کے متعلق بحث کی جاسکتی، بلکہ ہر اُس چیز کی تصدیق کرنا واجب ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اگرچہ ہم اس کی ’’کُنہ‘‘ اور کیفیت سے واقف نہ ہوں (شرح سنن أبی داؤد)

اس موقع پر ہم افسوس کے ساتھ یہ بات کہنے پر مجبور ہیں کہ آج کے دور میں ایک متشدد طبقہ کا حال یہ ہے کہ جو شخص اس مسئلہ میں نصوصِ معتبرہ پر زیادتی کر کے کھود کرید نہ کرے، یہ طبقہ اس کو تو غلط قرار دیتا ہے، اور جو شخص کنہ وکیفیت پر ایسے انداز میں بحث کرے، جس کی نصوصِ معتبرہ میں تصریح نہیں، اس کو اہمیت دی جاتی ہے، فَیَا لَلْعَجَبُ!

’’الموسوعةُ الفقهيةُ الكويتية‘‘ کا حوالہ

’’الموسوعةُ الفقهيةُ الكويتية‘‘ میں ہے:

المراد بالبرزخ هاهنا :الحاجز بين الدنيا والآخرة، قال العلماء :وله زمان

ومكان وحال، فزمانه من حين الموت إلى يوم القيامة، وحاله الأرواح، ومكانه من القبر إلى عليين لأرواح أهل السعادة، أما أهل الشقاوة فلا تفتح لأرواحهم أبواب السماء، بل هي في سجين مسجونة، وبلعنة الله مصفودة.

قال ابن القيم :إنه ينبغي أن يعلم أن عذاب القبر ونعيمه اسم لعذاب، البرزخ ونعيمه، وهو ما بين الدنيا والآخرة . قال تعالى :(ومن ورائهم برزخ إلى يوم يبعثون)

هذا وقد اختلف العلماء في السؤال في القبر، هل يقع على البدن أم على الروح أو عليهما معا، وذلك على أربعة أقوال:

الأول :لجمهور علماء أهل السنة، وهو أن الروح تعاد إلى الجسد أو بعضه، ولا يمنع من ذلك كون الميت قد تتفرق أجزاؤه، لأن الله قادر على أن يعيد الحياة إلى جزء من الجسد، ويقع عليه السؤال، كما هو قادر على أن يجمع أجزاءه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۹، ص ۲۵۸، مادة"موت"، الأحكام المتعلقة بالموت، عودة أرواح الموتى في الحياة البرزخية)

ترجمہ: یہاں پر برزخ سے مراد وہ آڑ ہے، جو دنیا اور آخرت کے درمیان میں اللہ نے قائم کردی ہے، علماء نے فرمایا کہ برزخ کا ایک تو زمانہ ہے، اور ایک مکان ہے، اور ایک حالت ہے، پس برزخ کا زمانہ موت سے لے کر قیامت تک کا ہے، اور اس کی (اصل) حالت ارواح ہیں، اور اس کا مکان قبر سے لے کر علیین تک ہے، جو اہلِ سعادت (یعنی نیک وصالح لوگوں) کی روحوں کے لیے ہے، جہاں تک اہلِ شقاوت (یعنی بدعمل وبددین لوگوں) کا تعلق ہے، تو ان کی روحوں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے، بلکہ وہ سجین میں محبوس ہوتی ہیں، اور اللہ کی لعنت سے مقید ہوتی ہیں۔

ابنِ قیم نے فرمایا کہ یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ قبر کا عذاب اور قبر کی نعمت، دراصل برزخ کے عذاب اور برزخ کی نعمت کا نام ہے، جو کہ دنیا اور آخرت کے مابین ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ''

اس کے علاوہ علماء کا قبر میں سوال کے متعلق یہ اختلاف ہے کہ وہ بدن پر واقع ہوتا ہے، یا روح پر واقع ہوتا ہے، یا دونوں پر واقع ہوتا ہے، اور اس سلسلے میں چار

اقوال پائے جاتے ہیں:

پہلا قول جمہور علمائے اہلُ السنۃ کا ہے کہ روح کو جسم، یا اس کے بعض حصے کی طرف لوٹایا جاتا ہے، اور میت کے اجزاء کا متفرق ہو جانا، اس کے لیے مانع نہیں، کیونکہ اللہ اس بات پر قادر ہے کہ حیات کو جسم کے کسی جزء کی طرف لوٹا دے، جس پر سوال واقع ہو، جیسا کہ اللہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ میت کے تمام اجزاء کو جمع فرما دے (الموسوعۃُ الفقھیۃ)

ہم جمہور اہلُ السنۃ کے قول کو ترجیح دیتے ہیں، جس کی رُو سے روح کو مکمل جسم، یا اس کے بعض، یا کسی ایک جزء کی طرف لوٹایا جاتا ہے، جن کا جسم سلامت رہتا ہے، جیسا کہ انبیائے کرام علیہم السلام، ان کے تو مکمل جسم کی طرف روح کو لوٹایا جاتا ہے، اور جن کے جسم سلامت نہیں رہتے، ان کے بعض، یا کسی ایک جزء کی طرف لوٹایا جاتا ہے، جیسا کہ ریڑھ کی ہڈی کی دُم کی طرف، اس طرح سے جسم کے کل، یا بعض اجزاء کی طرف روح کے لوٹائے جانے کے دونوں اقوال میں بھی درحقیقت کوئی ٹکراؤ نہیں، بعض کے کُل اجزاء کی طرف اور بعض کے بعض اجزاء کی طرف روح کو لوٹایا جاتا ہے۔

لیکن کُل، یا بعض اجزاء کی طرف روح کے لوٹائے جانے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ بدن کے اس ظاہری حصہ پر روح کی نقل وحرکت محسوس ہو اور دکھائی دے، جیسا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی وفات کے بعد اور تدفین سے پہلے ان کے ظاہری بدن میں حرکات دکھائی نہیں دیتیں، جس کی وجہ وہی ہے کہ یہ سب حالات برزخ اور آڑ میں پیش آتے ہیں، اور عالمِ برزخ و عالمِ غیب کو، عالمِ دنیا اور عالمِ شہادت کی کیفیات پر قیاس کرنا درست نہیں، اور سمجھنے والے کے لئے دنیا میں سوئے ہوئے شخص کے خواب کی حالت سے اس کو سمجھنا مشکل نہیں، جیسا کہ دوسرے مقامات پر بار بار بیان کر دیا گیا ہے۔

’’الموسوعةُ الفقهيةُ الكويتية‘‘ کا دوسرا حوالہ

’’الموسوعةُ الفقهيةُ الكويتية‘‘ میں ایک مقام پر ہے:

فإنه صلى الله عليه وسلم حي في قبره بعد موته، كما أن الشهداء أحياء بنص القرآن، وقد صح قوله صلى الله عليه وسلم : الأنبياء أحياء في قبورهم، وإنما قال :هم أحياء أي لأنهم كالشهداء بل أفضل، والشهداء أحياء عند ربهم، وفائدة التقييد بالعندية الإشارة إلى أن حياتهم ليست بظاهرة عندنا وهي كحياة الملائكة.

وفي صحيح مسلم في حديث الإسراء قال صلى الله عليه وسلم :مررت على موسى ليلة أسرى بي عند الكثيب الأحمر وهو قائم يصلي في قبره (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص۸۳،وص۸۴، مادة’’زيارة‘‘، زيارة النبي صلى الله عليه وسلم، دليل مشروعية الزيارة)

ترجمہ: پس بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے مرنے کے بعد، قبر میں حیات ہیں، جیسا کہ شہداء، نصِ قرآنی کی رُو سے حیات ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ ’’انبیاء اپنی قبروں میں حیات ہیں‘‘ اور جو یہ فرمایا کہ انبیاء حیات ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شہداء کی طرح (حیات) ہیں، بلکہ انبیاء افضل ہیں، اور شہداء کے بارے میں نصِ قرآنی میں ’’اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِم ‘‘ کی تصریح ہے، اور ’’عندية‘‘ کی قید کا فائدہ یہ ہے، تاکہ اس طرف اشارہ ہوجائے کہ ان کی حیات ہمارے سامنے ظاہر نہیں، جیسا کہ فرشتوں کی حیات ہمارے سامنے ظاہر نہیں۔

اور صحیح مسلم میں ’’حدیثِ اسراء‘‘ کے ضمن میں ہے کہ ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اسراء کی رات میں کثیبِ احمر‘‘ کے قریب موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، جو اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے (الموسوعةُ الفقهية)

افسوس کہ جب اللہ تعالیٰ نے ’’اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِم ‘‘ کی بھی قرآن مجید میں تصریح فرمادی تھی، اور ’’لَاتَشْعُرُوْن ‘‘ کی بھی تصریح فرمادی تھی، تو بعض لوگوں کا قیاس مع الفارق کر کے اور

''رَجْمًا بِالْغَيْبِ'' کا مصداق بن کر، اپنے شعور کو نصوصِ معتبرہ سے آگے بڑھانا، اور اس پر مختلف کیفیاتی بحث ومباحثے کرنا کیا معنیٰ رکھتا ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا حوالہ

ہمارے یہاں تعصب وتحزب کی بنا پر حیات النبی کے مسئلے کو دونوں طرف سے بلاوجہ معرکۂ بحث بنا کر اور اس کی کیفیات میں کھود کرید کر کے عام مسلمانوں میں تشویش پیدا کی جاتی ہے، اس سلسلے میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

> حیات النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مسئلے کو دونوں طرف سے بلاوجہ معرکۂ بحث بنا کر عام مسلمانوں میں تشویش پیدا کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ فریقین کو توفیق عطاء فرمائے کہ وقت کے اہم مسائل پر غور وفکر کریں، اس مسئلے میں صرف اتنا عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو برزخ میں خاص قسم کی حیات نصیب ہوتی ہے، جس کا اثر بدن تک پہنچتا ہے، کہ بدن بھی مٹی سے متاثر نہیں ہوتا، باقی اس کی حقیقت اور کیفیت کی بحث، نہ اللہ اور رسول نے اس کی تحقیق کرنے کا حکم دیا، نہ ہمارے ذمّہ ہے، نہ اس میں بحث کرنا کوئی دین کی خدمت ہے۔
>
> واللہ اعلم۔
>
> بندہ محمد شفیع عفی عنہ۔ دارالعلوم کراچی۔ ۱۳۸۲/۶/۸ھ۔ (فتوی نمبر ۱۳/۳۵)

(امداد المفتین جامع، جلد ۱، ص ۳۸۹، کتاب الایمان والعقائد، باب العقائد، فصل فیما یتعلق بحیاۃ الانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام، مطبوعہ: ادارۃ المعارف کراچی، طبع جدید: اگست 2018)

ہم مذکورہ مسئلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا معتدل اور جامع موقف کو ہی اختیار کرتے ہیں، اور اس سلسلہ میں فریقین کی افراط وتفریط کو پسند نہیں کرتے، اور اس مسئلہ پر مذکورہ عقیدہ رکھنے کے بعد اس کی کیفیت میں عوامی سطح پر بحث ومباحث کرنے

اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور مناظرہ بازی، بلکہ کفر کا بازار گرم کرنے کے بجائے، وقت کے اہم مسائل پر غور وفکر کو ترجیح دیتے ہیں، البتہ علمی اعتبار سے کسی مسئلہ کی تحقیق کی ضرورت ہو، تو اس کو سنجیدہ اور مہذب انداز میں افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال کے ساتھ واضح کرنے میں حرج نہیں، لیکن آج کل ایسا بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔

بعض مشائخِ دیوبند نے متعدد اُن مسائل کو بھی مُجتَھَدُ فِیُھَا قرار دیا ہے، اور ان میں اختلاف کی گنجائش بیان فرمائی ہے، جو رسالہ ''المھند علی المفند'' المعروف ''علمائے دیوبند کے عقائد'' میں مذکور ہیں، اور ان پر بہت سے مشائخِ دیوبند کی تصدیقات ثبت ہیں۔

چنانچہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں ایک مقام پر درجِ ذیل سوال و جواب مذکور ہے:

سوال: ''علمائے دیوبند کے عقائد'' کتاب پڑھنے کا موقع ملا، ایک جگہ سمجھ میں نہیں آئی ہے، امید ہے حضرت والا تشفی فرمائیں گے۔ وہ حصہ جہاں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر مدفون ہے، وہ عرش وکرسی اور کعبہ سے بھی افضل ہے، کیا یہ عقیدہ شرعاً صحیح ہے؟ کتاب ارسالِ خدمت ہے۔

جواب: گرامی نامہ مع رسالہ ''المھند'' موصول ہوا، ص:۶ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اَطہر کے بارے میں جو لکھا ہے، نہ تو وہ عقیدے کا جزء ہے، نہ اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

(مذکورہ بالا موقف کے حامل۔ ناقل) فقہاء کا استدلال قیاس کے ذریعہ ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جو قرب، بیت اللہ، عرش وکرسی کو حاصل ہے، وہ قربِ اتصال تو ہے نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم وجسمانیت سے پاک ہے، بلکہ قربِ معنوی اور حکمی ہے، اور یہ قرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوقات سے زیادہ حاصل ہے، انہیں مخلوقات میں سے بیت اللہ، عرش اور کرسی بھی ہے۔

بہر حال یہ ایک قیاسی حکم ہے، اگر کسی کا دل اس پر مطمئن نہیں، تو اس کا ماننا لازم نہیں۔

و اللہ اعلم

بندہ محمد شفیع عفی عنہ۔ دارالعلوم کراچی۔۲۹/۴/۱۳۸۶ھ۔(فتویٰ نمبر۹۹/ ۱۷)

(امداد المفتیین جامع، جلد ۱، ص ۳۸۲، کتاب الایمان والعقائد، باب العقائد، فصل فیما یتعلق بالرسول و اصحابہ، مطبوعہ: ادارۃ المعارف کراچی، طبع جدید: اگست 2018)

علامہ انور شاہ کشمیری کا حوالہ

مشائخِ دیوبند کی عظیم علمی شخصیت علامہ انور شاہ کشمیری (المتوفیٰ:1353ھ) ”صحیح البخاری“ کی شرح ”فیضُ الباری“ میں فرماتے ہیں کہ:

ففي سورة يس :(من بعثنا من مرقدنا) وهذا يدل على أنه لا إحساس في القبر وكلهم نائمون .وفي آية أخرى (النار يعرضون عليها غدوا وعشيا) فهذه تدل بخلافه، والوجه فيه عندي :أن حال البرزخ تختلف على حسب اختلاف عمل العاملين في حياتهم، فمنهم نائمون في قبورهم، ومنهم متلذذون فيه، وإنما عبرت الحياة البرزخية بالنوم لأنه لم يكن له لفظ في لغة العرب يؤدي مؤداه، ويصرح عن معناه وضعا، فاختير اللفظ الموضوع لنظيره تفهيما، فلا شيء أشبه بالحياة البرزخية من النوم .ولذا جاء في الحديث النوم أخ الموت فالنوم أشبه الأشياء بالموت، ولذا أدخل القرآن النوم والموت تحت لفظ واحد وهو التوفي، ثم فرق بينهما فدل على أن فيهما بعض اشتراك وبعض امتياز قال الله تعالى :(الله يتوفى الأنفس حين موتها والتي لم تمت في منامها فيمسك التي قضى عليها الموت ويرسل الأخرى)إلخ، والحاصل أن البرزخ اسم لانقطاع حياة هذا العالم وابتداء حياة أخرى وكذلك النوم فيه أيضا نوع انقطاع عن هذا العالم (فيض الباري على صحيح البخاري،ج ا ،ص ٢٦٨، كتاب العلم، باب من أجاب الفتيا بإشارة اليد والرأس، باب ما ذكر في ذهاب موسى – صلى الله عليه وسلم – في البحر إلى الخضر)

ترجمہ: پس سورہ یٰس میں ہے کہ ”مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا“ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قبر میں کوئی احساس نہیں ہوتا، اور مُردے سب سوئے ہوتے ہیں، اور دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ ”اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا“ (سورہ غافر) اور یہ آیت اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہے (جس

سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سوئے ہوئے نہیں ہوتے، بلکہ آگ پر پیش کیے جاتے ہیں) اور میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ برزخ کی حالت، زندگی میں عمل کرنے والے لوگوں کے عمل کے مختلف ہونے کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، پس بعض لوگ تو اپنی قبروں میں سوتے ہیں، اور بعض لوگ اپنی قبروں میں لذت حاصل کرتے ہیں (جبکہ بعض لوگوں کو ان کی زندگی کے اعمالِ بد کی وجہ سے مختلف طرح کے عذاب دیئے جاتے ہیں)

اور برزخی حیات کو جو نیند سے تعبیر کیا گیا ہے، تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ عربی لغت میں کوئی لفظ ایسا نہیں تھا، جو اس کی صحیح ترجمانی کر پاتا، اور اس کے قائم مقام معنیٰ کی تصریح کر پاتا، اس لئے اس کی نظیر کے لئے وضع کردہ لفظ کو افہام وتفہیم کے لئے اختیار کر لیا گیا، پس کوئی چیز بھی نیند کے مقابلہ میں حیاتِ برزخی کے زیادہ مشابہ نہیں، اور اسی وجہ سے حدیث میں نیند کو موت کی بہن سے تعبیر کیا گیا ہے، پس نیند، تمام اشیاء میں موت کے زیادہ مشابہ ہے، اور اسی وجہ سے قرآن مجید میں نینداور موت کو ایک ہی لفظ کے تحت داخل کیا گیا ہے، اور وہ لفظ ''وفات'' ہے، پھر ان دونوں کے درمیان فرق کر دیا گیا، جس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ان دونوں کے درمیان جزوی اشتراک اور جزوی امتیاز موجود ہے، اللہ تعالیٰ کا (سورہ زمر میں) ارشاد ہے کہ ''اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی'' اور خلاصہ یہ ہے کہ برزخ نام ہے، اس عالمِ دنیا سے حیات منقطع ہونے، اور دوسری حیات شروع ہونے کا، اور اسی طرح سے نیند میں بھی اس عالم سے ایک طرح کا انقطاع ہو جاتا ہے (فیض الباری)

اس سے معلوم ہوا کہ تمام انسانوں کے فوت ہونے کے بعد ''بشمول شہداء وانبیاء کے'' عالمِ برزخ اور قبر میں ہر انسان کے عمل اور درجہ ومرتبہ کے اعتبار سے حالات پیش آتے ہیں، اور

برزخ وقبر میں پیش آنے والے حالات کے سب سے زیادہ مشابہ اور قریبی نظیر ومثال سونے والے کی ہے، اور نیند اور موت کے درمیان، بعض چیزیں ایک دوسرے کے درمیان مشترک ہیں، اور بعض ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

چنانچہ نیند میں احوال، روح کو پیش آتے ہیں، اور روح کا اس وقت بھی جسم سے تعلق ہوتا ہے۔

اور سویا ہوا شخص، نہ تو پوری طرح مُردہ ہوتا، اور نہ ہی پوری طرح زندہ ہوتا ہے۔

برزخ وقبر کے حالات کی تعبیر کرتے وقت بھی، بعض حضرات کسی وقت کسی ایک جہت کو، اور بعض اوقات کسی دوسری جہت کو حسبِ موقع بیان کردیتے ہیں، اور دوسری جہت سے تعرض نہیں کرتے، جس کی وجہ سے ظاہر بین لوگ ان کی عبارات کے درمیان حقیقی تعارض سمجھ بیٹھتے ہیں، اور اختلاف دراختلاف ہوتے ہوتے، بات بہت دور نکل جاتی ہے۔

پس فوت شدہ شہداء وانبیاء وغیرہ کے متعلق بعض نصوص کے الفاظ سے ان کی برزخی زندگی کی نفی کرنا، درست نہیں۔

ان کی برزخی زندگی، دنیا کی زندگی سے کہیں اَعْلٰی، أَتَمُ وَ أَکْمَلُ ہے، اور ''چہ نسبت خاک را باعالمِ پاک'' والی بات ہے۔

علامہ کشمیری کا دوسرا حوالہ

علامہ انور شاہ کشمیری ''سننُ الترمذی'' کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

عذاب القبر ثبت متواترا، متواتر القدر المشترک، وقال به أهل السنة والجماعة قاطبة، ومنكر التواتر هذا لا ريب فى تبديعه، ومنكر التواتر بالقدر المشترک كافر إن كان التواتر بديهيا، وفاسق مبتدع إن كان نظريا، ونسب إلى المعتزلة أنهم ينكرون عذاب القبر، ويرد عليه أن المعتزلة المختار عدم إكفارهم، وإذا كانوا أنكروا عذاب القبر فكيف يكونوا أهل القبلة؟ أقول :يقال أولا :لعل التواتر نظرى، وثانيا :أنه لم ينكر أحد منهم إلا ضرار بن عمرو وبشر المريسى، وإنى فى هذا أيضا متردد ما لم ير عبارتهما.

ثم لأهل السنة قولان؛ قيل :إن العذاب للروح فقط، وقيل :للروح

والجسد والمشهور الثانی، اختاره أكثر شارحي الهداية وهو المختار، وإن صار البدن ذرة ذرة في الدنيا فإن الشعور لكل شيء عند جمهور الأمة(العرف الشذى شرح سنن الترمذى، ج٢، ص ٣٤٩، كتاب الجنائز، باب ما جاء في عذاب القبر)

ترجمہ: عذابِ قبر، تواتر کے ساتھ ثابت ہے، اور اس کا تواتر ''قدرِ مشترک'' والا ہے، جس کے تمام اہلُ السنۃ والجماعۃ قائل ہیں، اور اس تواتر کا انکار کرنے والے کے بدعتی ہونے میں شک نہیں، اور ''قدرِ مشترک'' کے ساتھ ثابت شدہ، تواتر کا منکِر، اس صورت میں کافر ہوتا ہے، جبکہ یہ تواتر ''بدیہی'' ہو، اور اگر قدرِ مشترک تواتر سے ثابت شدہ حکم ''نظری'' ہو، تو پھر وہ فاسق بدعتی ہے، اور معتزلہ کی طرف اس بات کی نسبت کی گئی ہے کہ وہ عذابِ قبر کے منکر ہیں، لیکن اس کی تردید، اس بات سے ہوتی ہے کہ معتزلہ فرقہ کے بارے میں، راجح قول یہ ہے کہ وہ کافر نہیں، اور جب وہ عذابِ قبر کے منکِر ہوں گے، تو پھر وہ اہلِ قبلہ کیسے ہوسکتے ہیں؟ میں اس کے جواب میں پہلی بات تو یہ کہتا ہوں کہ غالباً یہ (عذابِ قبر کا) تواتر ''نظری'' ہے (اور ''تواترِ نظری'' کا منکر کافر نہیں کہلاتا) اور دوسری بات میں یہ کہتا ہوں کہ معتزلہ میں سے، سوائے ''ضرار بن عمرو'' اور بشر مریسی'' کے، کسی نے عذابِ قبر کا انکار نہیں کیا، لیکن مجھے اس بارے میں تردد ہے، جب تک کہ ان دونوں حضرات کی عبارت کو نہ دیکھ لیا جائے۔

پھر اہلُ السنۃ کے دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ عذابِ قبر صرف ''روح'' کو ہوتا ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ ''روح'' اور ''جسم'' دونوں کو ہوتا ہے، اسی دوسرے قول کو ''الھــــدایۃ'' کے اکثر شارحین نے اختیار کیا ہے، اور یہی مختار و راجح قول ہے، اگرچہ بدن، دنیا میں ٹکڑے ٹکڑے اور ذرہ ذرہ ہو جائے (تب بھی عذابِ قبر، روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے) کیونکہ جمہور امت کے نزدیک، ہر چیز (اور جسم کے ہر جزء) کو شعور حاصل ہوتا ہے (العرفُ الشذی)

معتزلہ کے قول کے بارے میں، پیچھے دیگر حضرات کی عبارات کے ذیل میں وضاحت گزر چکی ہے، جس سے معلوم ہو چکا کہ تمام معتزلہ عذابِ قبر کے منکر نہیں۔

بہرحال مذکورہ عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ اہلُ السنۃ کے نزدیک عذابِ قبر، برحق ہے، اور بعض حضرات صرف روح پر عذاب کے قائل ہیں، لیکن اکثر وجمہور اہلُ السنۃ کے نزدیک روح کے ساتھ جسم کو بھی عذاب ہوتا ہے، پھر بعض اس کی تعبیر روح اور جسم کو عذاب ہونے، اور بعض روح پر اصل عذاب ہونے، اور جسم تک سرایت کرنے سے، اور بعض برزخ وقبر میں روح وجسم کی حیات سے تعبیر کر دیتے ہیں، اور بعض حضرات جسم کے کل اجزاء، اور دوسرے بعض حضرات بعض اجزاء سے روح کے تعلق کا قول کرتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ کوئی حقیقی ٹکراؤ نہیں، تعبیرات کا اختلاف ہے، اور روح کے ساتھ فی الجملہ جسم وبدن کو عذاب ہونے پر اکثر اور جمہور امت کا اتفاق ہے۔

علامہ کشمیری کا تیسرا حوالہ

علامہ انور شاہ کشمیری ”صحیحُ البخاری“ کی شرح ”فیضُ الباری“ میں فرماتے ہیں کہ:

قوله: (إلا الثقلين) والعذاب فيه من أشياء عالم آخر، كسعة القبر وتضييقه. فإنها كلها من عالم الغيب.

على أن أوزان الأشياء ومقاديرها ليست بأمر متعين، فإن الشيء الواحد يرى صغيرا وكبيرا باعتبار آلات النظر. وكذا يختلف وزن الشيء الواحد عند وزنه بخط الاستواء، ثم وزنه عند القطبين. وقد ذكر نيوتن أن الشيء الواحديختلف ثقلا وخفة بحسب تجاذب الأرض. فإذا وزنت شيئا على الأرض ثم وزنته في الهواء تجده أثقل.

فإذا علمت أن الشيء الواحد يمكن أن يكون صغيرا وكبيرا بحسب المرأى، وكذلك اختلف وزنه بحسب اختلاف المواضع. لم تبق للبصر حقيقة. فرب شيء تراه صغيرا يمكن أن يكون كبيرا في الواقع وبالعكس، فطاحت المقادير رأسا.

بقي حال الأصوات، فقد تسمع من بعد بعيد، وقد لا تسمع ممن هو في البيت. فأي بعد في رؤية الميت قبره القصير مبسوطا في ستين أو سبعين ذراعا مثل. فقد شاهدنا اختلاف المقادير لشيء واحد في هذا العالم فما البعد فيه عند

اختلاف العالمين .
على أنه يمكن أن يكون في الأرض شيء يقبض ويبسط، كالجسم التعليمي عند الفلاسفة، فيصير ممدودا عند الثواب، ومقبوضا عند العذاب .
وأيضا يمكن أن تترفع عنه الحجب إلى مسافة متعينة مع بقاء في نفسه، كما ترى في بعض الآلات الجديدة :يرى منها باطن الإنسان من فوق جلده.
ثم لا حاجة في إثبات عذاب القبر إلى ما قاله الصوفية : أن العذاب على البدن المثالي دون المادي .
وحينئذ لا بعد أن لم نشاهدا أحدا يعذب في قبره، فإن الأسهل أن يقال :إنه من عالم الغيب وإقامة الدلائل العقلية عليه جهل، ومن يطيق ذلك .وإنما يشتغل به من لا يعرف الفرق بين الخطابة والبرهان (فيض الباری علی صحیح البخاری، ج۳، ص ۵۴، کتاب الجنائز ،باب الميت يسمع خفق النعال)

ترجمہ: حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ ”انسان اور جنات کے علاوہ دوسری مخلوق، قبر کے عذاب کو سنتی ہے“

اور قبر میں عذاب، دوسرے عالَم کی چیزوں میں سے ہے، جیسا کہ قبر کا کشادہ ہونا، اور قبر کا تنگ ہونا، پس یہ سب چیزیں عالمِ غیب سے تعلق رکھتی ہیں۔ [1]

اس کے علاوہ دوسری بات یہ ہے کہ چیزوں کے اوزان اور ان کی مقادیر، امرِ متعین نہیں، کیونکہ ایک ہی چیز کو نظر کے آلات (دوربین، کیمروں اور ڈیجیٹل مشینوں وغیرہ) کے اعتبار سے، چھوٹا اور بڑا دیکھا جاسکتا ہے (جو بعض صورتوں میں بالکل نظر نہیں آتی، اور بعض صورتوں میں واضح اور جلی انداز میں نظر آتی ہے) اور اسی طرح سے ایک ہی چیز کا وزن مختلف ہوسکتا ہے، مثلاً ایک چیز کا خطِ استواء میں وزن کیا جائے، اور پھر قطبین کے علاقے میں وزن کیا جائے (یہ علاقوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے، مختلف ہوسکتا ہے) اور نیوٹن (نامی سائنسدان) نے یہ بات ذکر کی ہے کہ زمین کی کشش کے اعتبار سے ایک چیز کا وزن بھاری اور ہلکا ہوسکتا ہے، پس جب کسی چیز کا زمین پر وزن کیا جائے، پھر اس کا ہوا میں وزن

---

[1] لہٰذا ان کو عالمِ دنیا کے اعتبار سے قرار دینے کے درپے ہونا، اور پھر ان چیزوں کا مشاہدہ نہ ہونے کی صورت میں ان چیزوں کا انکار کرنا ”قیاس مع الفارق“ کے قبیل سے تعلق رکھتا ہے۔ محمد رضوان۔

کیا جائے، تو آپ اس کے وزن کو بھاری پائیں گے (اور اگر زمین کی کششِ ثقل والی فضاء سے اوپر کسی وزن والی چیز کو لے جایا جائے، تو زمین کی کششِ ثقل نہ ہونے کی وجہ سے، اس چیز کا وزن، نہایت کم ہو جاتا ہے، لہٰذا اگر بحکمِ الٰہی انسانوں کی ارواح کو اوپر لے جایا جاتا ہے، اور وہاں ان کی نقل وحرکت، دنیا کی نقل وحرکت سے مختلف ہو جاتی ہے، تو اس پر شبہ واعتراض درست نہیں)

پس جب آپ یہ بات جان چکے کہ دیکھے جانے والے ذرائع اور وسائل کے اعتبار سے، ایک ہی چیز کا چھوٹا اور بڑا ہونا ممکن ہے، اور اسی طریقے سے ایک چیز کا وزن، مقامات کے اعتبار سے مختلف ہو جاتا ہے، تو محض دیکھنے کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہ جاتی، پس بعض اوقات کوئی چیز چھوٹی نظر آتی ہے، جس کا واقع میں بڑا ہونا، ممکن ہے (جیسا کہ سورج، چاند اور دیگر سیارے، سطحِ زمین سے بہت چھوٹے نظر آتے ہیں، لیکن واقع میں وہ جسامت کے اعتبار سے بہت بڑے ہیں، بلکہ بہت سے سیارے زمین سے بھی بڑے ہیں) اور اس کے برعکس کسی چیز کا بڑا نظر آنا ممکن ہے، جبکہ وہ واقع میں چھوٹی ہوتی ہے (جیسا کہ خوردبین سے چھوٹے چھوٹے ذرات بھی بڑے نظر آتے ہیں) پس مقادیر، سرے سے ناقابلِ اعتبار ٹھہرنے کے قریب ہو گئے۔

البتہ آوازوں کا معاملہ باقی رہا، تو آواز بھی بعض اوقات بہت دور سے سنی جاتی ہے، اور بعض اوقات اس شخص کی آواز بھی نہیں سنی جاتی، جو گھر کے اندر ہی موجود ہوتا ہے۔

پس میت کا اپنی چھوٹی قبر کو مثلاً ساٹھ (60) یا ستر (70) ذراع تک، کشادہ دیکھ لینا کون سی بعید و ناممکن بات ہے۔

جبکہ ہم اس عالم میں ایک ہی چیز کے مقادیر میں اختلاف کا مشاہدہ کر چکے ہیں، تو دونوں عالم کے مختلف ہونے کی صورت میں، اس میں کون سی بعید و ناممکن بات

لازم آتی ہے۔ [1]

تیسری بات یہ ہے کہ زمین کے اندر ایسی چیز کا ہونا ممکن ہے کہ جس کی وجہ سے وہ تنگ ہوجائے، اور کشادہ ہوجائے، جیسا کہ فلاسفہ کے نزدیک ''جسمِ تعلیمی'' (Mathematical Body) کا معاملہ ہے، پس ثواب اور راحت کے وقت قبر لمبی وکشادہ ہوجاتی ہے، اور عذاب کے وقت تنگ ہوجاتی ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اس بات کا امکان پایا جاتا ہے کہ میت کے اپنی جگہ ہوتے ہوئے، اس سے ایک متعین فاصلے تک حجابات ہٹادیئے جاتے ہوں، جیسا کہ بعض جدید آلات (الٹراساؤنڈ اور اسکین وغیرہ) کے ذریعے، انسان کی کھال کے اوپر سے، اندر کے حصہ کو دیکھا (اور ملاحظہ کیا) جاسکتا ہے۔

پھر عذابِ قبر کو ثابت کرنے کے لیے صوفیاء کے اس قول کی حاجت نہیں کہ عذاب ''بدنِ مثالی'' پر ہوتا ہے، نہ کہ ''بدنِ مادی'' پر۔ [2]

---

[1] مطلب یہ ہوا کہ دنیا کے اعتبار سے جو چیزوں کے بڑا، اور چھوٹا ہونے کا معیار ہے، وہ یکساں نہیں، اس لیے ممکن ہے کہ ایک چیز ظاہر میں چھوٹی نظر آ رہی ہو، واقع میں بڑی ہو، اور ایک چیز ظاہر میں بڑی نظر آ رہی ہو، اور حقیقت میں چھوٹی ہو۔
پس اسی طرح اگر اللہ نے کسی کی قبر کو بڑا اور کشادہ کردیا ہو، اور وہ دنیا میں دیکھنے میں چھوٹی نظر آ رہی ہو، یا اللہ نے کسی کی قبر کو تنگ کردیا ہو، اور وہ دیکھنے میں کشادہ نظر آ رہی ہو، تو ہمارے دیکھنے پر فیصلہ نہ ہوگا، بلکہ اللہ کے حکم پر فیصلہ ہوگا۔
اسی طرح اگر ہمیں قبر کے سانپ، بچھو وغیرہ نظر نہ آ رہے ہوں، اور اللہ نے سانپ، بچھو وغیرہ کسی پر مسلط فرما رکھے ہوں، تو اللہ کی بات کا اعتبار ہوگا، کیونکہ اس کا فیصلہ حقیقت اور نفس الامر کے اعتبار سے ہوتا ہے، برخلاف ہمارے مشاہدات کے، کیونکہ ہمارے مشاہدات، بہت ناقص ہیں، آج کی سائنس بھی اس کا اعتراف کرچکی ہے۔ محمد رضوان۔

[2] یعنی بعض صوفیائے کرام، جو ظاہری اور عنصری جسم کے فناء ہوجانے، یا اس پر عذاب وغیرہ کے آثار نظر نہ آنے کی وجہ سے ''جسمِ مثالی'' کو مقدر مان کر اس جسم پر ان احوال کے جاری ہونے کا قول کرتے ہیں، تو گزشتہ توجیہات کے پیشِ نظر، صوفیائے کرام کی مذکورہ تاویل کی ضرورت نہیں، کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کسی دوسرے جسم، یا مثالی جسم کے ساتھ عذاب کا ذکر نہیں کیا گیا، اور نصوص میں میت کی طرف روح کا اعادہ کیے جانے اور اس کے جسم، یا جسم کے اجزاء کے ساتھ عذاب، یا راحت پہنچنے کا ذکر کیا گیا ہے، اور حقیقت سے مجاز کی طرف عدول کرنے کی کوئی معقول دلیل موجود نہیں، اس لیے جمہور اصحابِ علم نے بھی صوفیائے کرام کی مذکورہ تاویل کو اختیار نہیں کیا، اور اس قسم کی نصوص میں اعتبار، صوفیائے کرام کے بجائے، مفسرین، محدثین اور فقہائے کرام کے اقوال کا ہوا کرتا ہے، اس لیے علامہ کشمیری کی طرح ہمارا رجحان بھی مذکورہ صوفیائے کرام کی مندرجہ بالا تاویل کی طرف نہ ہوسکا۔ محمد رضوان۔

اور مذکورہ تفصیل کی صورت میں کوئی بُعد نہیں، اگر ہم نے کسی کو بھی قبر میں عذاب دیئے جانے کا مشاہدہ نہ کیا ہو، کیونکہ زیادہ سہل بات یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ وہ عالَمِ غیب کا معاملہ ہے، جس پر عقلی دلائل کو قائم کرنا ''جہل'' ہے، اس کی کون طاقت رکھتا ہے، اس میں تو صرف وہی شخص مشغول ہوتا ہے، جو خطابت و بیان اور دلیل و برہان میں فرق کو نہیں جانتا (فیض الباری)

علامہ انور شاہ کشمیری نے اپنے زمانہ کے اعتبار سے سائنسی طریقہ پر بھی ''عذابِ قبر'' کو واضح فرمادیا، لیکن افسوس کہ آج جبکہ سائنسی اعتبار سے کافی کچھ واضح ہو چکا، اور پہلے زمانہ میں جو چیزیں ''نظری'' سمجھی جاتی تھیں، آج وہی چیزیں ''بدیہی'' شکل اختیار کر چکی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سورہ فصلت میں مذکور اس قول ''سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ'' کا مصداق بن کر حق کا تبین ہو چکا ہے۔

اب بھی بعض مسلمان اسلام کی بنیادی تعلیمات کی افہام و تفہیم سے قاصر ہیں، یا تردُّد و تذبذب کا شکار ہیں، اور بعض نام نہاد علمائے زمانہ بھی ان چیزوں کا شکار ہیں۔

علامہ کشمیری و دیگر اہلِ علم کا حوالہ اور مسئلہ سماعِ موتیٰ

علامہ انور شاہ کشمیری ''صحیحُ البخاری'' کی شرح ''فیضُ الباری'' ہی میں ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

والوجه عندي : أن الأحوال في القبور مختلفة حسب اختلافهم في الدنيا، فكما أن عمل واحد لا يوازي عمل آخر في الحياة، فليس عليه اختلاف الأحوال بعد الوفاة، نعم من ترك الأعمال في الدنيا يتركها في القبور أيضا، فإنه قد تركها إذا كان أحق بها فلا حق له بعد ما لحق بالأموات وصار ترابا، وأما من أحيا ليله وصام نهاره فله أن يقر عينه بعبادة ربه في القبور أيضا، وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء، فواحد ينام كنومة العروس. حتى إذا نفخ في الصور يمسح عن عينيه ويقول :من بعثنا من مرقدنا هذا، والآخر تعرض عليه النار غدوا وعشيا والعياذ بالله .ومن ههنا انحلت عقدة التعارض بين الآيتين.......

ثم اعلم أن هناک عالمان:
الأول :ما هو مشهود بأعيننا، ومحسوس ببصرنا، ويسمى بعالم الشهادة.
والثانى :غائب عن حواسنا وقد علمناه بأخبار الشرع، ويسمى بعالم الغيب.
والشريعة قد تعتبر الحس أيضا واقعا ونوعا من نفس الأمر، فما عندنا وما نحس به ونشاهده لا يخلو عن كونه نحوا من الواقع ونفس الأمر أيضا، وحينئذ يمكن أن يعتبر الشارع أحكاما فى الحس كأنها فى الواقع وإن كان فى عالم الغيب بخلافها، ولا بدع فيه فإنه إذا بنى أحكاما على الحس باعتباره فهذا صحيح، كما أنه إذا بنى أحكاما على الغيب باعتباره فهذا أيضا صحيح، نعم إجراء أحكام الغيب على الحس، والحس على الغيب قد يوهم التردد.
إذا علمت هذا فاعلم أن القبور فى الحس معطلة قطعا، وحينئذ إجراء الكلام عليها كأنها خالية عن الأفعال إجراء على ما فى الواقع ونفس الأمر، وإن كانت فى نظر عالم الغيب غير معطلة، ومشغولة أصحابها فيما فوض إليهم من ربهم، وهذا كالعذاب يسمعه غير الثقلين فهى معطلة عنها فى الحس ومملوء ة بها فى عالم الغيب، وحينئذ تعطلها فى الحس لا ينافى عدمها فى عالم الغيب.......
ثم فى الحديث :النوم أخو الموت، ومعلوم أن النائم يرى أمورا، وتمضى عليه حالات تنفى عنها ببعض الاعتبارات وإن كانت ثابتة ببعضها فكذلک ههنا.
ومزيد الباب قوله تعالى :(إنک لا تسمع الموتى) وله جواب آخر وهو أن المنفى فى الآية هو الإسماع دون السماع، وتقريره أن الآية تنفى السماع الذى يترتب على الأسباب، فإن له أسبابا فى الدنيا، فإذا وجدت تلک الأسباب لزم ترتب السماع عليها وليس هكذا فى عالم البرزخ، لأن ذلک عالم آخر، ولا تستوى فيه تلک الأسباب، فالسماع فيه إنما يحصل متى شاء الرب جل وعلا ولمن شاء ، ولا يكفى لإسماعهم الأسباب التى عندنا فليس فى الآية نفيا له مطلقا، إنما فيها نفيه بالطريق الذى عندنا وقد قال تعالى (إن الله يسمع من يشاء وما أنت بمسمع من فى القبور) (فيض البارى على صحيح البخارى، ج ۲، ص ٦۴، كتاب الصلاة، باب كراهية الصلاة فى المقابر)

ترجمہ: اور میرے نزدیک یہ بات راجح ہے کہ قبروں کے احوال، لوگوں کے دنیا میں اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوا کرتے ہیں، پس جس طرح دنیا میں ایک شخص کا عمل دوسرے کے برابر نہیں ہوا کرتا، تو فوت ہونے کے بعد احوال کا اختلاف بھی

کوئی قابلِ اعتراض چیز نہیں، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ جو شخص دنیا میں نیک اعمال کو ترک کر دیتا ہے، تو اس کو قبر اور برزخ میں بھی اسی طرح ترک کر دیا جاتا ہے، کیونکہ اس نے ایسے اعمال کو ترک کر دیا، جن کا بہت بڑا حق تھا، لہٰذا اس کو مُردوں کے ساتھ لاحق اور مٹی ہو جانے کے بعد کوئی حق حاصل نہیں، لیکن جس شخص نے اپنی رات کو عبادت میں زندہ رکھا، اور دن کو روزہ رکھا، تو اس کے لیے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ قبروں میں بھی اپنے رب کی عبادت سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرے، اور یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جس کو چاہتا ہے، عطاء فرماتا ہے، پس کوئی شخص تو دلہن کی طرح کی نیند سوتا ہے، یہاں تک کہ جب صور پھونکا جائے گا، تو وہ اپنی آنکھوں کو ملے گا، اور یہ کہے گا کہ ہماری اس آرام گاہ سے ہمیں کس نے اٹھا دیا، اور دوسرا شخص وہ ہے، جس پر صبح وشام آگ کو پیش کیا جاتا ہے، اللہ حفاظت فرمائے۔

یہاں سے دونوں قسم کی آیات (بلکہ دونوں قسم کی احادیث) میں تعارض وٹکراؤ کی گرہیں کھل جاتی ہیں (جن میں سے بعض میں قیامت کے دن آرام گاہ سے اٹھنے کا، اور بعض میں مختلف طرح کے عذاب کا ذکر ہے)۔......

پھر یہ بات جان لینی چاہیے کہ عالَم دو طرح کے ہیں:

ایک وہ جو ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے، اور اپنی آنکھوں سے محسوس ہوتا ہے، جس کو ''عالمِ شہادت'' کہا جاتا ہے۔

اور دوسرا وہ عالم ہے، جو ہمارے حواس سے غائب ہے، اور اس کو ہم شریعت کی طرف سے خبر دینے کی وجہ سے جانتے ہیں، جس کو ''عالمِ غیب'' کہا جاتا ہے۔

اور شریعت اُس حِس کا بھی اعتبار کرتی ہے، جو واقع کے مطابق اور ایک طرح سے نفس الامر کے مطابق ہو، پس جو چیزیں ہمارے سامنے ہیں، اور جن کو ہم محسوس کرتے ہیں، اور جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں، تو وہ واقع اور نفس الامر کے مطابق

جیسا ہونے سے خالی نہیں، اور ایسی صورت میں ممکن ہے کہ شارع علیہ السلام حِس میں اس طرح سے احکام کا اعتبار کریں، گویا کہ وہ واقع کے مطابق ہوں، اگر چہ عالم الغیب میں معاملہ اس کے برخلاف ہو، اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ جب احکام کو حِس کے اعتبار سے مبنی کر دیا گیا، تو یہ صحیح ہے، جیسا کہ جب شارع علیہ السلام احکام کو غیب کے اعتبار سے مبنی کر دیں، تو وہ بھی صحیح ہے، البتہ غیب کے احکام کو حِس کے مطابق جاری کرنا، اور حِس کے احکام کو غیب پر جاری کرنا، تردد کا باعث ہوتا ہے۔

جب آپ اس بات کو جان چکے، تو یہ بات جان لینی چاہیے کہ قبریں ''حِس'' کے اعتبار سے یقینی طور پر معطل ہوتی ہیں، اور ایسی صورت میں کلام کو اُن قبروں پر جاری کرنا، گویا کہ وہ افعال سے خالی ہیں، یہ درحقیقت واقع اور نفس الامر کے مطابق، کلام کو جاری کرنا ہے، اگر چہ عالمِ غیب کے اعتبار سے وہ قبریں معطل نہ ہوں، اور وہ قبر والے اُن چیزوں میں مشغول ہوں، جو اُن کے رب کی طرف سے، اُن کو پیش کی گئی ہیں، جیسا کہ عذابِ قبر کا معاملہ ہے کہ جس کو انسان اور جن کے علاوہ سب سنتے ہیں، تو وہ قبریں، انسان اور جن کے اعتبار سے ''حِس'' میں معطل ہوتی ہیں، اور عالمِ غیب میں (مختلف حالات سے) بھری ہوئی ہوتی ہیں، تو ایسی صورت میں قبروں کا ''حِس'' میں معطل ہونا، عالم الغیب میں معطل نہ ہونے کے خلاف نہیں کہلائے گا۔......

پھر حدیث میں ہے کہ نیند ''موت'' کی بہن ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ سونے والا بہت سی چیزوں کو دیکھتا ہے، اور اس پر ایسے حالات گزرتے ہیں کہ جن کی بعض جہات سے نفی ہوتی ہے، لیکن وہ بعض جہات سے ثابت ہوتے ہیں، پس اسی طریقے سے قبر کا معاملہ بھی ہے۔

اوراس سلسلے میں ایک بات اللہ تعالیٰ کے قول ''إِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی '' سے متعلق ہے، جس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت میں نفی ''اِسْمَاع ''یعنی ''سنانے'' کی ہے، نہ کہ ''سِمَاع ''یعنی ''سننے'' کی، جس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ آیت اس ''سِمَاع '' کی نفی کرتی ہے، جو اسباب پر مرتب ہوتا ہے، کیونکہ دنیا میں سننے کے چند اسباب ہوتے ہیں، پس جب وہ اسباب پائے جائیں، تو ان پر ''سننے'' کا مرتب ہونا لازم ہوتا ہے، لیکن عالمِ برزخ کا معاملہ اس طرح نہیں ہے، کیونکہ وہ دوسرا عالَم ہے، اور اس عالم میں وہ اسباب، دنیا کے اسباب کی طرح کے نہیں ہوتے (کیونکہ نہ تو مردہ کو اپنے دنیاوی اسباب، ہاتھ، پیر، منہ، کان وغیرہ کے استعمال پر خود سے قدرت واختیار ہوتا، نہ ہی سنانے والے کا اختیار ہوتا، اور نہ عالمِ برزخ میں مردہ کے ساتھ دنیاوی اسباب کے اعتبار سے قرب واتصال حاصل ہوتا، کیونکہ دونوں کے عالَم مختلف ہیں) پس اُس عالمِ برزخ میں جو سماع ہوگا، وہ صرف اس صورت میں حاصل ہوگا، جب رب تعالیٰ چاہے، اور جس مردہ کے لیے رب تعالیٰ چاہے، اور مُردوں کو سنانے کے لیے، وہ اسباب کافی نہیں ہوں گے، جو ہمارے پاس ہیں، لہٰذا اس آیت میں ''سِمَاع '' کی مطلق نفی نہیں پائی جاتی، بلکہ صرف اس طریقے سے سنانے کی نفی پائی جاتی ہے، جو ہمارے پاس ہوتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ''بے شک، اللہ سنا دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے، اور تم نہیں سنا سکتے، ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں'' (فیضُ الباری)

''سِمَاعِ مَوْتٰی '' کے مسئلہ میں اہلِ علم حضرات کا اختلاف ہے، بعض اس کے ثبوت اور بعض نفی کے قائل ہیں، جس کی وجہ سے فی الجملہ یہ مسئلہ اجتہادی نوعیت کا ہے، جب تک اس اختلاف کو اپنی جگہ رکھا جائے، اور اس کی وجہ سے شریعت کے اہم مقاصد کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

لہٰذا اس اختلاف کو اپنے درجے پر رکھنا چاہیے، اور اسے حق و باطل اور باہمی جنگ وجدل، اور ایک دوسرے کی تضلیل و تفسیق کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے، جس کی زد میں بڑے بڑے اصحابِ علم اور سلف، بلکہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی آ جائیں۔

یہی وجہ ہے کہ بعض جلیل القدر مشائخِ دیوبند عدمِ سماعِ موتٰی کو ترجیح دیتے ہیں، اور بعض فی الجملہ سماعِ موتٰی کو ترجیح دیتے ہیں، جبکہ بعض ''ترجیح'' کے بجائے ''جمع و تطبیق'' کے قائل ہیں۔

مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ:

فالظاهر إنكار السماع وهو الأصح عندنا والكلام في ذلك طويل ليس هذا موضعه (الكوكب الدري على جامع الترمذي، لرشيد أحمد الكنكوهي، ج۲، ص۱۹۸، أبواب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر)

ترجمہ: پس راجح ''سماعِ موتیٰ'' کا انکار ہے، اور ہمارے نزدیک یہی قول زیادہ صحیح ہے، اور اس بارے میں تفصیلی کلام ہے، جس کا یہ موقع محل نہیں (الکوکب الدری)

اور ''فتاویٰ دار العلوم دیوبند'' میں ایک سوال کے جواب میں ہے کہ:

ان بزرگوں سے یہ نہ کہے کہ تم دعاء کرو، سماعِ موتٰی خود مختلف فیہ مسئلہ ہے، حنفیہ سماعِ موتٰی کا انکار کرتے ہیں، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہی مذہب ہے۔ اور آیاتِ قرآنیہ اس پر دال ہیں۔

لہٰذا اس طرح ان (فوت شدہ بزرگوں) سے خطاب کر کے نہ کہے کہ تم دعاء کرو، بلکہ خود اللہ تعالیٰ سے ان (فوت شدہ بزرگوں) کے لئے (اللہ سے) دعائے مغفرت اور رفعِ درجات کی دعاء کرے (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، جلد۵، ص۲۹۸، کتاب الجنائز، اولیاء کے مزارات پر حاضر ہو کر دعا کی درخواست جائز ہے، یا نہیں، مطبوعہ: دارالاشاعت کراچی، طباعت: ستمبر 2002ء)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے ''ملفوظات'' میں ایک مقام پر ہے:

بعض لوگوں نے سماعِ موتیٰ پر اس سے استدلال کیا ہے کہ قبرستان میں جاکر سلام کرنا وارد ہے، تو میت اگر نہ سنتا، تو سلام سے کیا حاصل تھا؟

دوسرے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ ایک امرِ تعبدی ہے، جس سے مقصود، میت کا اکرام، اور اس کے لیے دعاء ہے، اور یہ نفع، سننے پر موقوف نہیں، اگر کسی کو سلام کیا جائے، اور وہ نہ سنے، تب بھی نفع ہے، اس لیے کہ دعاء ہے، اور دعاء کا نفع، سننے پر موقوف نہیں (الافاضات الیومیۃ، جلد ۵، مشمولہ: ملفوظاتِ حکیم الامت، ج۵ص۲۱۳، ۲۶ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ، ملفوظ نمبر ۲۱۱، مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان)

مولانا اشرف علی تھانوی کے ''امدادُ الفتاویٰ'' میں ایک سوال اور جواب درجِ ذیل طریقہ پر ہے:

سوال:......اہلِ قبور سنتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب:......دونوں طرف اکابر اور دلائل ہیں، ایسے اختلافی امر کا فیصلہ کون کرسکتا ہے، اور (یہ مسئلہ) ضروریاتِ علمی و عملی میں سے بھی نہیں کہ ایک جانب کی ترجیح میں تدقیق کی جاوے، پھر اس میں بھی معتقدینِ سماعِ موتیٰ (یعنی سماعِ موتیٰ کا عقیدہ رکھنے والوں) کے عقائد مختلف ہیں (بعض عقائد ناجائز اور فاسد ہیں) اگر (سوال میں) کسی اعتقادِ خاص کی تعیین ہوتی، تو کسی قدر جواب ممکن تھا (امداد الفتاوی، ج۵، ص۳۸۴، کتاب العقائد والکلام، سماعِ موتیٰ، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی، طبع جدید، جولائی 2010ء)

اور ''امدادُ الفتاویٰ'' میں ہی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے ''سماعِ موتیٰ'' کے ثبوت پر ایک رسالہ کے متعلق اپنی رائے میں یہ تحریر کیا کہ:

رسالہ مجملاً دیکھا، چونکہ اس ناکارہ کی رائے میں اس کی اشاعت میں کوئی دینی نفع نہیں معلوم ہوا، بلکہ احتمال قریب مضارِ کثیرہ کا ہے؛ لہٰذا اس کی ہر قسم کی خدمت سے معافی کا طالب ہوکر خدمت میں واپس بھیجتا ہوں۔

ونیز اس عدمِ سماع کو معتزلہ کا مذہب قرار دینا بھی میرے نزدیک صحیح نہیں ہے، وہ عدمِ سماع اور ہے (جو معتزلہ کا مذہب قرار دیا جاتا ہے)

اور نیز سماعِ موتیٰ کو ''مسئلہ اجماعیہ'' کہنا بھی صحیح نہیں؟ یقیناً صحابہ اس مسئلہ میں مختلف تھے۔

ونیز روایاتِ ادراک واُنسِ میت (یعنی میت کے اِدراک اور میت سے اُنس کی روایات) سے اس متنازع فیہ (یعنی ''سماعِ موتیٰ'' کے اختلافی مسئلہ) پر استدلال کرنا بھی میرے نزدیک صحیح نہیں (کیونکہ میت کا وہ اِدراک واُنس، متنازع فیہ سماع کو مستلزم نہیں، ممکن ہے کہ اللہ اس مبحوث فیہ سماع کے بغیر مخصوص ادراک عطاء فرمادے، جس سے مقصود میت کو عذاب، یا راحت پہنچانا ہو) اسی طرح وُجُودِ اَرْوَاحُ فِی الْقُبُوْر وَ اِدْرَاکِ اَلَم وسُرُوْر سے اس مدعا (یعنی ''سماعِ موتیٰ'' کے مسئلہ) کو کوئی مس (اور تعلق) نہیں (کیونکہ وہ سب عالمِ برزخ کے مقاصد کے لئے ہوتا ہے)

اور تقریرِ تطبیق کی مثبتینِ سماع کی طرف ایک اچھی توجیہ ہے، لیکن اس سے اختلاف کے وجود کا انکار کرنا صحیح نہیں۔

البتہ جانبِ ثانی (یعنی منکرینِ سماع کے قول) میں بھی مسئلہ کلامِ میت سے، عدمِ سماع کو امام (ابوحنیفہ) کا مذہب ٹھہرانا، یہ بھی صحیح نہیں (کیونکہ امام ابوحنیفہ سے عدمِ سماعِ موتیٰ کی تصریح منقول نہیں، البتہ بعض حنفیہ کے بعض فقہی مسائل سے مسئلہ ہٰذا پر استدلال کیا گیا ہے)

یہ (سماعِ موتیٰ کا) مسئلہ نہ عقائدِ ضروریہ سے ہے (کہ اس کے متعلق سوال و مؤاخذہ ہو) نہ کسی عملِ دین کا موقوف علیہ ہے (کہ اس پر کوئی عمل موقوف ہو) نہ مجتہد کی نص کا اس میں تتبع (وجستجو) ضروری ہے، نہ کسی ایک جانب کا جزم

(ویقین) ضروری ہے، اس میں اشتغال مالا یعنی کا اہتمام ہے (یعنی سماعِ موتی کے مسئلہ میں الجھنا، فضول چیز کا اہتمام کرنا ہے)............اگر کسی وجہ سے اس کا لکھنا ہی تھا، تو کم از کم اس کے ساتھ ساتھ جو مفاسد اس (سماعِ موتٰی کے ثبوت) میں محتمل تھے، ان کا انسداد (وسدِ باب) بھی تو ضروری تھا، مثلاً یہ لکھنا تھا کہ مقصود اس سے مذہبِ راجح عندنا (یعنی ہمارے نزدیک راجح قول) کی ترجیح ہے، اس سے کوئی اس اختلافی مسئلہ کو اجماعی نہ سمجھ جاوے کہ تعدّی حدود ہے، اور مثلاً یہ لکھنا تھا کہ اس سے کوئی اولیاء اللہ کے نداء واستغاثہ کو جائز نہ سمجھ جاوے، اُن کو حاضر وناظر نہ جان لے، اُن سے مرادیں نہ مانگنے لگے، اس سے آگے نہ بڑھے کہ ان کی قبر پر کھڑا ہو کر کسی امر میں دعاء کرنے کو کہہ دے، ان کی نذر (ومنت بھی) نہ مانے (امداد الفتاوٰی، ج ۵، ص ۴۴۴ و ۴۴۵، کتاب العقائد والکلام، تنقید رسالہ ثبوت سماع موتی مصفہ مولوی کرامت اللہ خاں، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی، طبع جدید، جولائی 2010ء)

معلوم ہوا کہ سماعِ موتٰی کا مسئلہ اختلافی ہے، اور اس کے ثبوت کے قول کو ترجیح دینے کی صورت میں بھی ایسی شرائط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ جو شرک وبدعت کا ذریعہ بنتی ہیں۔

اس کے بعد عرض ہے کہ اس میں شک نہیں کہ جس طرح مردہ اپنے دوسرے دنیوی ظاہری حواس اور ان کے استعمال پر اس عالمِ دنیا کے لحاظ سے عادتاً اپنا ارادہ، اختیار وقدرت نہیں رکھتا، جیسا کہ چلنا، پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا، لیٹنا، بولنا، رونا، ہنسنا، پکڑنا وغیرہ، جس کا سب کو مشاہدہ ہوتا ہے، اسی طرح وہ دنیا کی باتوں کو سننے پر بھی عادتاً اپنا ارادہ، اختیار وقدرت نہیں رکھتا، محققین نے عربی زبان میں استعمال ہونے والے الفاظ ''سِمَاع'' اور ''اِسْتِمَاع'' میں یہ فرق کیا ہے کہ ''اِسْتِمَاع'' قصد وارادہ سے سننے کو کہتے ہیں، کیونکہ اس کی طرف سننے والا اپنے کان متوجہ کرتا ہے، جبکہ ''سِمَاع'' کے لئے قصد وارادہ ضروری نہیں، وہ بعض اوقات قصد وارادہ سے، اور بعض اوقات قصد وارادہ کے بغیر ہوتا ہے۔

اسی طرح ''اِسْتِمَاع'' میں سننے والا قصد وارادہ کی بناء پر سنی ہوئی بات سے استفادہ کرتا ہے، جبکہ ''سِمَاع، یاسمع'' (یعنی سننے، یا سن لینے) میں ایسا ضروری نہیں۔ [1]

اور یہ بات ظاہر ہے کہ مردہ کو اپنے حواس پر عادتاً اختیار وقدرت نہیں ہوتی، اس لئے وہ عادتاً ''اِسْتِمَاع'' نہیں کرتا، اس لئے سنانے والے کو بھی مردہ کو کوئی بات سنا دینے کا اختیار نہیں ہوتا، اور سنانے کو عربی زبان میں ''اِسْمَاع'' کہا جاتا ہے۔

نیز قبر سے باہر کے شخص کو عادتاً منوں مٹی تلے دَبے ہوئے میت کے جسم اور ڈھانچہ تک اپنی آواز کا پہنچانا، یعنی ''اِسْمَاع'' مشکل ہے۔

جہاں تک مردہ کے ''سِمَاع'' کا تعلق ہے، تو ظاہر ہے کہ وہ اس کے اپنے قصد وارادہ کے بغیر ہی ممکن ہے، اب جس مردہ کے حق میں جس بات کے سننے، بلکہ سمجھنے کی، اللہ قادرِ مطلق اور مختارِ کل کی طرف سے مشیت ہوجاتی ہے، وہ اس مشیتِ ایزدی کی بناء پر دور اور قریب کی بات کو مشیتِ ایزدی کے مطابق سن لیتا، یا سمجھ لیتا ہے، ورنہ قریب کی بات کو بھی نہیں سن پاتا، چہ جائے کہ دور کی بات کو سنے۔

اور جن نصوص میں سننے کا ذکر ہے، وہ اسی طرح کا سننا ہے، اور جن میں نفی ہے، وہ مشیتِ ایزدی کے بغیر اپنے قصد وارادہ، اور اختیار سے سننے، یعنی ''اِسْتِمَاع'' کی نفی پر محمول ہیں۔

اس طرح دونوں قسم کی نصوص اور اقوال میں تطبیق، اور نزاع کا خاتمہ ممکن ہے۔

---

[1] الفرق بين الاستماع والسماع : قال الفيومى :يقال "استمع "لما كان بقصد، لانه لا يكون إلا بالاصغاء -وهو الميل .-و "سمع "يكون بقصد، وبدونه.انتهى.

قلت :ويؤيده قوله تعالى " :وإذا قرء القرآن فاستمعوا له.

إشارة إلى قصدهم إلى ذلک، وميلهم إلى السماع الخالى عن القصد.

الفرق بين الاستماع والسمع :أن الاستماع هو استفادة المسموع بالاصغاء إليه ليفهم ولهذا لا يقال إن الله يستمع، وأما السماع فيكون اسما للمسموع يقال لما سمعته من الحديث هو سماعى ويقال للغناء سماع، ويكون بمعنى السمع تقول سمعت سماعا كما تقول سمعت سمعا،

والتسمع طلب السمع مثل التعلم طلب العلم(معجم الفروق اللغوية،لأبى هلال العسكرى المتوفى: نحو 395هـ،ص ۴۹،۵۰)

علامہ انور شاہ کشمیری کی مندرجہ بالاعبارت میں بھی اسی ''جمع وتطبیق'' کے موقف کو ترجیح دی گئی ہے۔
اور بعض دیگر محققین نے بھی اسی موقف کو ترجیح دی ہے۔
چنانچہ علامہ ابنِ بطال ''صحیح بخاری'' کی شرح میں فرماتے ہیں:

قال الطبری :والصواب من القول فی ذلک أن کلا الروایتین عن النبی فی ذلک صحیح لعدالة نقلتها، والواجب الإیمان بها، والإقرار بأن الله یسمع من یشاء من خلقه بعد موتهم، ما شاء من کلام خلقه، ویفهم ما یشاء منهم ما یشاء ، وینعم من أحب منهم، ویعذب فی قبره الکافر، ومن استحق العذاب کیف أراد، علی ما صحت به الأخبار عن النبی، (صلی الله علیه وسلم) . ولیس فی قوله :(إن الله یسمع من یشاء وما أنت بمسمع من فی القبور)حجة فی دفع ما صحت به الآثار من قوله لأصحابه فی أهل القلیب : (ما أنتم بأسمع منهم) ، ولا فی إنکار من أنکر ما ثبت من قوله :(إنه لیسمع قرع نعالهم) إذا کان قوله :(وما أنت بمسمع من فی القبور) و(إنک لا تسمع الموتی)محتملا من التأویل وجها سوی ما تأوله من زعم أن المیت لا یسمع کلام الأحیاء ، وذلک أن یکون معناه :فإنک لا تسمع الموتی بطاقتک وقدرتک، إذ کان خالق السمع غیرک، ولکن الله هو الذی یسمعهم (شرح صحیح البخاری لابن بطال، ج۳،ص ۳۶۱،کتاب الصلاة، باب ما جاء فی عذاب القبر)

ترجمہ: طبری نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں درست قول یہ ہے کہ ''سماعِ موتی'' کے مسئلہ کے بارے میں دونوں قسم کی روایات صحیح ہیں، کیونکہ معتبر راویوں نے ان روایات کو نقل کیا ہے، ان پر ایمان لانا اور اس بات کا اقرار کرنا واجب ہے کہ اللہ اپنی مخلوق میں سے فوت ہونے کے بعد جس فوت شدہ مخلوق کو چاہے، اور اپنی مخلوق کے جس کلام کو چاہے، سنا دیتا ہے، اور ان میں سے جس کو جو کلام چاہے، سمجھا دیتا ہے، اور جس مخلوق سے محبت فرمائے، اس پر جو چاہے انعام فرما دیتا ہے، اور کافر کو اور جو بھی عذاب کا مستحق ہو، اس کی قبر میں جس طرح کا چاہتا ہے، عذاب دیتا ہے، جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث مروی ہیں، اور سورہ فاطر کی آیت میں اللہ تعالیٰ کے قول ''إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاءُ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ '' میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے صحابہ کرام کو اہلِ

بدر کے مقتولین کے متعلق صحیح احادیث ''مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ مِنْهُمْ'' کورَد کرنے کی دلیل نہیں پائی جاتی، اور نہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو یہ بات ثابت ہے کہ ''إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ'' کے رَد کرنے کی دلیل پائی جاتی، کیونکہ سورہ فاطر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول ''وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ'' اور اللہ تعالیٰ کے سورہ نمل میں اس قول ''إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى'' میں، اُس تاویل کے علاوہ دوسری تاویل کا بھی احتمال ہے، جو تاویل ان حضرات نے کی ہے، جو اس بات کے قائل ہیں کہ میت زندوں کے کلام کو نہیں سنتی، اور وہ دوسری تاویل یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ مراد لیا جائے کہ تم مُردوں کو اپنی طاقت اور قدرت سے نہیں سنا سکتے، کیونکہ خالقِ سمع، تمہارے علاوہ ہے، اور اللہ ہی ان کو سناتا ہے (ابنِ بطال)

اور علامہ بدرُالدین عینی ''صحیح بخاری'' کی شرح میں فرماتے ہیں:

وقال ابن التين :لا معارضة بين حديث ابن عمر والآية، لأن الموتى لا يسمعون، لا شك، لكن إذا أراد الله إسماع ما ليس من شأنه السماع لم يمتنع، كقوله تعالى :(إنا عرضنا الأمانة ...) الآية .وقوله :(فقال لها وللأرض ائتيا طوعا) الآية وإن النار اشتكت إلى ربها، ويكون معنى قوله : (إنك لا تسمع الموتى) مثل قوله :(إنك لا تهدى من أحببت) (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج٨، ص ٢٠٢، كتاب الجنائز، باب ما جاء فى عذاب القبر)

ترجمہ: اور ابنِ تین نے فرمایا کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث اور آیت میں کوئی ٹکراؤ نہیں، کیونکہ اس میں شک نہیں کہ مُردے نہیں سنتے، لیکن جب اللہ کسی ایسی مخلوق کو سنانا چاہے، جس کی شان سننا نہیں ہے، تو اس میں کوئی امتناع نہیں پایا جاتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا سورہ احزاب میں ارشاد ہے کہ ''إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ'' آخر آیت تک (اس آیت میں آسمانوں اور زمین پر اللہ کی طرف سے امانت کو پیش کرنے، اور ان کی طرف سے اس کو قبول کرنے سے انکار کا ذکر ہے) اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا سورہ فصلت میں

ارشاد ہے کہ ''فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعاً '' آخر آیت تک (اس آیت میں اللہ کے آسمان اور زمین کو خطاب کرنے کا ذکر ہے) اور اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے سورہ نمل میں اس ارشاد ''إِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی '' کا مطلب اللہ تعالیٰ کے سورہ قصص میں اس ارشاد کی طرح ہوگا کہ ''إِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ أَحْبَبْتَ '' (یعنی آپ جس کو چاہیں، اس کو ہدایت نہیں دے سکتے، اور اللہ جس کو چاہے، اس کو ہدایت عطاء فرما دیتا ہے، پس اسی طرح آپ جس مُردہ کو چاہیں، اس کو نہیں سنا سکتے، لیکن اللہ جس کو چاہے، سنا دیتا ہے) (عمدۃ القاری)

اور علامہ ابنِ حجر ''صحیح بخاری'' کی شرح میں فرماتے ہیں:

والجمع بين الذى أنكرته وأثبته غيرها ممكن لأن قوله تعالى انک لا تسمع الموتى لا ينافي قوله صلى الله عليه وسلم إنهم الآن يسمعون لأن الإسماع هو إبلاغ الصوت من المسمع فى أذن السامع فالله تعالى هو الذى أسمعهم بأن أبلغهم صوت نبيه صلى الله عليه وسلم بذلک (فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج۷،ص ۳۰۴، كتاب المغازى، باب دعاء النبى صلى الله عليه وسلم على كفار قريش)

ترجمہ: اور جس نے ''سماعِ موتٰی '' کا انکار کیا، اور جس نے ''سماعِ موتٰی '' کا قول کیا، ان کے درمیان جمع و تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ''إِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی '' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول ''إِنَّهُمُ الْآنَ يَسْمَعُوْنَ '' کے خلاف نہیں، کیونکہ ''اِسماع'' دراصل سنانے والے کی طرف سے آواز کو، سننے والے کے کان میں پہنچانے کو کہا جاتا ہے، پس اللہ تعالیٰ نے ہی اُن (بدر کے مقتولین) کو سنایا تھا، اس طور پر کہ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس آواز کو اُن تک پہنچا دیا تھا (فتح الباری)

اور حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مُردوں کے سلسلہ میں تین چیزیں ہیں:

اِسْتِمَاعُ، اِسْمَاعُ، سِمَاعُ

اول یعنی ''استماع'' مُردوں کا کان لگانا، اور باختیارِ خود کسی بات کو سننا، یہ منفی ہے۔

ثانی یعنی ''اِسمَاع'' سنا دینا، اور باختیارِ خود مُردوں کے کانوں تک کسی بات کا پہنچا دینا، یہ بھی منفی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے ''إِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی'' اور ''وَمَا أَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ''

رہا ''سِمَاع'' یعنی مُردوں کے کانوں تک کسی بات کا پہنچنا، اور ان کا اس کو سن لینا، یہ حق تعالیٰ کی مشیّت پر موقوف ہے (ملفوظات فقیہ الامت، جلد اول، ص۲۷، ناشر: دار الہدیٰ: اردو بازار، کراچی، تاریخِ اشاعت: ستمبر ۲۰۰۵ء)

مذکورہ عبارات سے ہمارے پہلے بیان کردہ جمع وتطبیق کے موقف کی تائید ہوتی ہے، لیکن یہ ایک وجہ ترجیح ہے، ورنہ دوسروں کو اپنی وجہ ترجیح کا حق بھی حاصل ہے، جن سے نہ ہمارا جھگڑا ہے، نہ کوئی تنازعہ ہے، اور نہ ہی فضول بحث ومباحثہ کی ضرورت ہے، بہت سے دیگر مسائل کی ترجیحات میں بھی علماء وفقہاء کے مابین اختلاف رُونما ہوا، اور بعض نے بین بین کا راستہ جمع وتطبیق کی صورت میں نکالا، لیکن تحاسد وتباغض اور لڑائی جھگڑے کی نوبت نہ آئی، بلکہ جمع وتطبیق کا قول، تحاسد وتباغض وغیرہ کے خاتمہ اور اتحاد واتفاق کا ذریعہ بنا۔

پس قبر وبرزخ کی حیات، انبیاء وشہداء کی حیات، اور ان کے سماع، اور عام مُردوں کے سماع وعدمِ سماع، اور ان چیزوں کی کیفیات کے اختلاف میں غلو وتشدد، درست طریقہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ افراط وتفریط سے محفوظ رکھے، اور اعتدال کی توفیق بخشے۔ آمین۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

(تیسرا باب)

مسائلِ علمیہ وعملیہ میں اختلاف کا درجہ

آج کل بعض حضرات مذکورہ ''حیات وممات'' اور ''سماعِ موتیٰ'' وغیرہ کے مسائل میں مخصوص نظریات وافکار اپنا کر، ان کو اعتقادی اور اصولی مسائل کا عنوان دیتے ہیں، اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان مسائل کا تعلق، فروعی مسائل سے نہیں، بلکہ اصولی مسائل سے ہے، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس طرح کے اعتقادی مسائل ''محلِ اجتہاد'' نہیں ہوتے، لہٰذا ان میں کسی کا اجتہاد کرنا جائز نہیں، اور کسی کا اختلاف کرنا بھی معتبر نہیں، اور کسی کے اختلاف کرنے سے یہ مسائل ''مجتهد فيها مسائل'' کے زمرہ میں نہیں آتے، اور پھر اس کے بعد یہ حضرات اپنے مخصوص موقف ونظریہ سے اختلاف کرنے والے پر ''تَضْلِيل، تَفْسِيق وَتَبْدِيع'' کا حکم لگانے سے گریز ونزول نہیں کرتے، بلکہ بعض اوقات اختلاف کے کچھ زیادہ محسوس ہونے کی صورت میں دوسروں پر ''تَكْفِير'' کا حکم لگانے سے بھی باز نہیں آتے، اور چند متاخرین کی عبارات وحوالہ جات کو سامنے رکھ کر بعض مسائل کو ''اجماعِ قطعی'' کا درجہ دے بیٹھتے ہیں۔

جبکہ ان لوگوں کا مذکورہ موقف اور طرزِ عمل جمہور صحابہ وتابعین اور ائمۂ مسلمین کے موقف سے مطابقت نہیں رکھتا، اور ان کو بعض متاخرین کی اُن عبارات سے تسامح وغلط فہمی پیدا ہوئی، جن پر اس سلسلے میں جمہور صحابہ وتابعین اور ائمۂ مسلمین کا موقف مشتبہ رہا، اور غیر جمہور کے بعض اقوال کو انہوں نے درست سمجھ کر اختیار کر لیا۔

واقعہ یہ ہے کہ صحابہ وتابعین، اور ائمۂ مسلمین کے مابین جس طرح بعض عملی وفقہی مسائل میں اختلاف رونما ہوا، اسی طرح بعض علمی واعتقادی اور اصولی مسائل میں بھی اختلاف رونما ہوا،

اور ان حضرات نے ان علمی واعتقادی مسائل میں اختلاف کرنے والوں پر حتی الامکان نہ تو کفر کا حکم لگایا، نہ فسق کا حکم لگایا، نہ ہی عاصی وآثم ہونے کا حکم لگایا، جس طرح عملی وفقہی مسائل میں اختلاف کرنے والوں پر بھی اس طرح کا حکم نہیں لگایا، باوجودیکہ وہ متعدد مسائل میں اپنے قول کو''صواب''اور دوسرے کے قول کو''خطاء''پر مبنی بھی سمجھتے تھے۔

اور اس کی وجہ یہی تھی کہ ان کا باہمی اختلاف، اللہ اور اس کے رسول کی اتباع، اور کامل اتباع کی جستجو اور جدوجہد کے لیے تھا، اور ان کا یہ نظریہ تھا کہ ہمارا مخالف بھی عنداللہ''ماجور''ہے۔

لیکن بعد میں مختلف اسباب کی وجہ سے باہمی حسد وتباغض اور تعصب وتحزّب کی فضاء پیدا ہوگئی، اور بعد کے ادوار میں یہ فضائیں اور ہوائیں تیز ہوتی چلی گئیں، اور نوبت یہاں تک آن پہنچی کہ اصل مسئلہ میں اختلاف تو درکنار، ذرا ذرا سی کیفیات ونوعیات اور تمثیلات وتشبیہات میں فرق واختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کی تضلیل وتفسیق کی جاتی ہے، یہاں تک کہ دوسرے کی اقتداء میں نماز کو بھی ناجائز ٹھہرایا جاتا ہے، جبکہ واقعہ یہ ہے کہ سلفِ صالحین اور ائمہ متقدمین ومتبوعین کا یہ طریقہ ہرگز نہ تھا۔

چنانچہ وہ حضرات اس طرح کے مسائل میں دلائل کے ذریعہ دوسروں سے اختلاف بھی کرتے تھے، بعض اوقات دلائل کی قوت کو دیکھتے ہوئے، دوسرے کا تخطئہ بھی فرمادیتے تھے، لیکن ''تکفیر، تضیل، تفسیق و تبدیع'' کا حکم لگانے سے بہت زیادہ احتیاط کیا کرتے تھے۔

اور اس مبارک طریقے کا اثر تھا کہ پہلے زمانوں میں پائے جانے والے اکثر وبیشتر غیر اہلُ السنۃ والجماعۃ فرقے، یا واضح خطاء پر مشتمل اقوال ایک ایک کر کے ختم اور فناء ہوتے چلے گئے۔

برخلاف آج کل کے جہلاء کے، جن کا امتِ مسلمہ پر غلبہ ہوگیا ہے، اور وہ علمی کمزوری کی وجہ سے دلائلِ شرعیہ سے تو عاری ہوتے ہیں، اس لیے اس طرف متوجہ نہیں ہوتے، اور اس کے

بجائے ''تکفیر و تفسیق وغیرہ'' کی مہم میں مشغول ہوجاتے ہیں۔

جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے مابین عداوت، منافرت، اور تحاسد وتباغض پیدا ہوتا ہے، اور اہلِ باطل وخطاء کار فرقوں اور لوگوں کی قوت کمزور ہونے کے بجائے، مزید بڑھتی اور ترقی کرتی جاتی ہے، جو آپس کی باہمی لڑائی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں چند عبارات وحوالہ جات ذکر کیے جاتے ہیں۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ، اپنی معرکۃ الآراء تالیف ''منهاجُ السنة'' میں فرماتے ہیں کہ:

أما مسائل العقائد فكثير من الناس كفر المخطئين فيها.
وهـذا الـقول لا يعرف عن أحد من الصحابة والتابعين لهم بإحسان، ولا عن أحـد مـن أئـمة المسلمين، وإنما هو فى الأصل من أقوال أهل البدع، الذين يبتـدعـون بـدعة ويـكـفـرون من خالفهم، كالخوارج والمعتزلة والجهمية، ووقـع ذلك فـى كثيـر من أتباع الأئمة، كبعض أصحاب مالك والشافعي وأحمد وغيرهم.
وقـد يسلكون فى التكفير ذلك ;فـمـنـهـم من يكفر أهل البدع مطلقا، ثم يـجعل كل من خرج عما هو عليه من أهل البدع .وهذا بعينه قول الخوارج والمعتزلة الجهمية .وهذا القول أيضا يوجد فـى طائفة من أصحاب الأئمة الأربـعة، ولـيـس هو قول الأئمة الأربعة ولا غيرهم ، ولـيـس فيهم من كفر كـل مبتـدع، بـل الـمنقولات الصريحة عنهم تناقض ذلك، ولكن قد ينقل عن أحدهم أنـه كـفر من قال بعض الأقوال، ويكون مقصوده أن هذا القول كـفـر ليـحذر، ولا يلزم إذا كان القول كفرا أن يكفر كل من قاله مع الجهل والتأويل ;فـإن ثبـوت الـكـفر فى حق الشخص المعين، كثبوت الوعيد فى الآخرة فى حقه، وذلك له شروط وموانع، كما بسطناه فى موضعه.
وإذا لـم يـكـونـوا فـى نـفـس الأمـر كـفارا لم يكونوا منافقين، فيكونون من الـمؤمنين، فيستغفر لهم ويترحم عليهم .وإذا قال المؤمن : (ربنا اغفر لنا ولإخـواننا الذين سبقونا بالإيمان) (سورة الحشر) يقصد كل من سبقه من قرون الأمة بالإيمان، وإن كان قد أخطأ فى تأويل تأوله فخالف السنة، أو أذنب ذنبا، فإنه من إخوانه الذين سبقوه بالإيمان، فيدخل فى العموم، وإن كـان مـن الثـنتين والسبعين فرقة، فإنه ما من فرقة إلا وفيها خلق كثير ليسوا كـفـارا، بـل مـؤمنين فيهم ضلال وذنب يستحقون به الوعيد، كما يستحقه

عصاة المؤمنين(منهاج السنة النبوية فى نقض كلام الشيعة القدرية،لا بن تيمية، ج۵،ص ۲۳۹ الى ۲۴۱، الفصل العاشر،فصل الله أمر بالاستغفار لأصحاب محمد فسبهم الرافضة)

ترجمہ: جہاں تک عقائد کے مسائل کا تعلق ہے، تو بہت سے لوگ، عقائد کے مسائل میں خطاء کار مجتہدین کو کافر قرار دیتے ہیں، لیکن یہ قول نہ تو صحابۂ کرام سے معروف ہے، اور نہ ہی ان کی نیک عمل میں اتباع کرنے والے تابعین سے معروف ہے، اور نہ ہی ائمۂ مسلمین میں سے کسی سے معروف ہے، بلکہ یہ بنیادی طور پر ان اہلِ بدعت کے اقوال میں سے ہے، جو بدعت کو ایجاد کرتے ہیں، اور پھر وہ اپنی مخالفت کرنے والوں کو کافر قرار دیتے ہیں، جیسا کہ خوارج اور معتزلہ اور جہمیہ، اور یہی بات، ائمہ کرام کے بہت سے متبعین کی طرف سے کی گئی ہے، جیسا کہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد وغیرہ کے بعض اصحاب کی طرف سے، جو اس سلسلہ میں تکفیر کے قائل ہیں، پس ان میں سے بعض تو مطلقاً اہلِ بدعت کی تکفیر کے قائل ہیں، پھر ان اہلِ بدعت میں سے، جو اس باعثِ کفر بدعت سے خارج ہو جائے، اس کو اہلِ بدعت میں شمار کرتے ہیں، اور یہ بعینہٖ خوارج اور معتزلۂ جہمیہ کا قول ہے، جو کہ ائمہ اربعہ کے اصحاب کی ایک جماعت میں بھی پایا جاتا ہے، لیکن یہ نہ تو ائمہ اربعہ کا قول ہے، اور نہ ان کے علاوہ دیگر ائمہ کا قول ہے، کیونکہ ان میں سے کسی نے ہر بدعتی کو کافر قرار نہیں دیا، بلکہ ان ائمہ کرام کی تصریحات اس کے برخلاف منقول ہیں، لیکن بعض اوقات ان کی طرف سے بعض اس طرح کے اقوال کو نقل کیا جاتا ہے، جن کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ یہ قول کفر ہے، تاکہ اس سے بچا جائے، اور کسی قول کے کفر ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ جس نے جہالت اور تاویل کے ساتھ یہ قول کیا ہو، تو اس کو کافر قرار دیا جائے، کیونکہ کسی متعین شخص کے حق میں کفر کا ثبوت ایسا ہی ہے، جیسا کہ اس کے حق میں

آخرت کی وعید کو ثابت کیا جائے، جس کے لیے کچھ شرائط اور موانع ہیں، جن کی ہم نے اپنے مقام پر تفصیل ذکر کر دی ہے۔

اور جب یہ اہلِ بدعت، حقیقت میں کافر نہیں ہیں، تو یہ منافق بھی نہیں ہوں گے، بلکہ مومنین میں شمار ہوں گے، جن کے لیے استغفار بھی کیا جائے گا، اور ان کے لیے رحم کی دعاء بھی کی جائے گی، اور جب مومن یہ دعاء کرتا ہے کہ:

”رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ “

تو وہ ہر زمانہ میں گزرے ہوئے مومن امتی کا ارادہ کرتا ہے، اگرچہ اس مومن نے کسی تاویل میں خطاء کی ہو، اور سنت کی مخالفت کی ہو، یا کوئی گناہ کیا ہو، کیونکہ وہ سب لوگ اس کے ان بھائیوں میں شامل ہوتے ہیں، جو ایمان کے ساتھ گزر چکے ہیں، اس لیے وہ اس عموم میں داخل ہوتے ہیں، اگرچہ وہ (غیر ناجی) بہتّر 72 فرقوں سے تعلق رکھتے ہوں، اس لیے کہ ان فرقوں میں سے کوئی بھی فرقہ ایسا نہیں ہے، جس میں خلقِ کثیر نہ ہو، اور وہ کفار نہیں ہیں، بلکہ مومن ہیں، جن میں گمراہ لوگ بھی ہیں، اور گناہ گار بھی ہیں، جو اسی طرح کی وعید کے مستحق ہیں، جس طرح کی وعید کے دوسرے عام گناہ گار مومنین مستحق ہوتے ہیں (منهاجُ السنة)

معلوم ہوا کہ محض مسائلِ علمیہ واعتقادیہ میں اختلاف کرنے کی وجہ سے تکفیر کا حکم لگا دینا، درست نہیں، اور اہلِ بدعت کا اہلِ سنت سے بنیادی اختلاف، اعتقادی ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا دوسرا حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں ایک مقام پر سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ:

أن علماء المسلمين المتكلمين فى الدنيا باجتهادهم لا يجوز تكفير أحدهم بمجرد خطأ أخطأه فى كلامه، وهذا كلام حسن تجب موافقته عليه؛ فإن تسليط الجهال على تكفير علماء المسلمين من أعظم المنكرات؛ وإنما أصل هذا من الخوارج والروافض الذين يكفرون أئمة

المسلمين؛ لما يعتقدون أنهم أخطئوا فيه من الدين.
وقد اتفق أهل السنة والجماعة على أن علماء المسلمين لا يجوز تكفيرهم بمجرد الخطأ المحض؛ بل كل أحد يؤخذ من قوله ويترك إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم وليس كل من يترك بعض كلامه لخطأ أخطأه يكفر ولا يفسق؛ بل ولا يأثم؛ فإن الله تعالى قال فى دعاء المؤمنين :(ربنا لا تؤاخذنا إن نسينا أو أخطأنا) وفى الصحيح عن النبى صلى الله عليه وسلم (أن الله تعالى قال قد فعلت) (مجموع الفتاویٰ لابن تيمية، ج۳۵، ص ۱۰۰، کتاب قتال أهل البغى إلى نهاية الإقرار، باب حكم المرتد، المتنازعون فى عصمة الانبياء لايكفرون)

ترجمہ: بے شک علمائے مسلمین متکلمین میں سے کسی کی دنیا میں اس کے کلام میں پائے جانے والی اجتہادی خطاء کی وجہ سے تکفیر کرنا جائز نہیں، اور یہ عمدہ کلام ہے، جس کی موافقت کرنا واجب ہے، کیونکہ جاہلوں کا علمائے مسلمین کی تکفیر کے درپے ہونا، عظیم منکرات میں سے ہے، جس کی بنیاد اُن خوارج اور روافض سے چلی ہے، جو ائمۂ مسلمین کی اس عقیدے کی وجہ سے تکفیر کرتے ہیں کہ انہوں نے دین میں خطاء کا ارتکاب کیا ہے۔

لیکن اہلُ السنۃ والجماعۃ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ علمائے مسلمین کی خطائے محض کی بناء پر تکفیر کرنا جائز نہیں، بلکہ ان میں سے ہر ایک کا قول لیا بھی جاسکتا ہے، اور ترک بھی کیا جاسکتا ہے، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، اور جس کے کلام کو خطاء کی وجہ سے ترک کیا جائے، ضروری نہیں کہ اس کی تکفیر وتفسیق کی جائے، بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ اس کو گناہ گار قرار دیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی دعاء میں یہ فرمایا ہے کہ" رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا "اور صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس دعاء کو قبول فرمالیا (مجموعُ الفتاویٰ)

علمائے مسلمین متکلمین سے مراد، وہ حضرات ہیں، جنہوں نے علمی واعتقادی، یا اصولی مسائل پر کلام کیا، جس سے معلوم ہوا کہ بعض علمی واعتقادی، یا اصولی مسائل بھی محلِ اجتہاد ہو سکتے

ہیں، اور بعض علمی واعتقادی، یا اصولی مسائل میں دوسرے کو ''مخطی'' قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن اس سے اس کا ''فاسق ومبتدع'' ہونا لازم نہیں آتا، چہ جائیکہ اس کی ''تکفیر'' کی جائے۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا تیسرا حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ اپنے فتاویٰ میں ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

ولا ريب أن الخطأ فى دقيق العلم مغفور للأمة وإن كان ذلك فى المسائل العلمية، ولولا ذلك لهلك أكثر فضلاء الأمة .وإذا كان الله يغفر لمن جهل تحريم الخمر لكونه نشأ بأرض جهل؛ مع كونه لم يطلب العلم فالفاضل المجتهد فى طلب العلم بحسب ما أدركه فى زمانه ومكانه إذا كان مقصوده متابعة الرسول بحسب إمكانه هو أحق بأن يتقبل الله حسناته ويثيبه على اجتهاداته ولا يؤاخذه بما أخطأ تحقيقا لقوله (ربنا لا تؤاخذنا إن نسينا أو أخطأنا) (مجموعُ الفتاویٰ لابنِ تیمیة، ج٢٠ ص١٦٥، ١٦٦، كتاب أصول الفقه، الجزء الثانى: التمذهب، الخطأ فى دقيق العلم مغفور للأمة)

ترجمہ: اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ دقیق علم کے متعلق، امت کی خطاء معاف کی گئی ہے، اگرچہ وہ خطاء مسائلِ علمیہ (واعتقادیہ) میں ہو، اور اگر اس بات کو تسلیم نہ کیا جائے، تو اکثر فضلائے امت (کفر وفسق کے حکم کی زد میں آکر) ہلاک ہوجائیں گے، اور جب اللہ نے اس شخص کو معاف قرار دے دیا ہے، جو شراب کی حرمت سے جاہل ہو، بوجہ اس کے کہ وہ جہالت والی زمین میں پیدا ہوا ہو، باوجودیکہ اس نے علم کو طلب بھی نہیں کیا، پس جو فاضل مجتہد ہے، علم کی طلب اپنے زمانے اور مقام میں حسبِ ادراک کرتا ہے، اور اس کا مقصود حسبِ امکان، رسول کی اتباع کرنا ہی ہے، تو وہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اللہ اس کی حسنات کو قبول فرمائے، اور اس کے اجتہاد پر ثواب عطاء فرمائے، اور اس کی خطاء پر مؤاخذہ نہ فرمائے، تاکہ اللہ تعالیٰ کے (سورہ بقرہ میں مذکور) اس ارشاد کا تحقق ہوسکے کہ ''رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا'' (مجموعُ الفتاویٰ)

اس سے معلوم ہوا کہ فی الجملۃ مسائلِ علمیہ واعتقادیہ میں بھی اجتہادی اختلاف کا تحقق ہوسکتا ہے، اوران مسائل میں بھی اجتہادی خطاء پر ایک اجر کے مستحق ہونے کا امکان ہوتا ہے، لہٰذا مسائلِ علمیہ واعتقادیہ کو علی الاطلاق غیر مجتہد فیہا، قرار دے کر، مجتہد مخطی پر تکفیر، وتضلیل اور تفسیق وغیرہ کا حکم لگانا، چہ جائیکہ ابھی تک اس کا مخطی ہونا بھی متحقق نہ ہو، چہ معنیٰ دارد؟

علامہ ابنِ تیمیہ کا چوتھا حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ اپنے فتاویٰ میں ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ:

وأما غير هؤلاء فيقول : هذا قول السلف وأئمة الفتوى كأبي حنيفة والشافعي؛ والثوري وداود بن علي؛ وغيرهم لا يؤثمون مجتهدا مخطئا في المسائل الأصولية ولا في الفروعية كما ذكر ذلك عنهم ابن حزم وغيره؛ ولهذا كان أبو حنيفة والشافعي وغيرهما يقبلون شهادة أهل الأهواء إلا الخطابية ويصححون الصلاة خلفهم .والكافر لا تقبل شهادته على المسلمين ولا يصلى خلفه .

وقالوا :هذا هو القول المعروف عن الصحابة والتابعين لهم بإحسان وأئمة الدين :أنهم لا يكفرون ولا يفسقون ولا يؤثمون أحدا من المجتهدين المخطئين لا في مسألة عملية ولا علمية ، قالوا :والفرق بين مسائل الفروع والأصول إنما هو من أقوال أهل البدع من أهل الكلام والمعتزلة والجهمية ومن سلك سبيلهم وانتقل هذا القول إلى أقوام تكلموا بذلك في أصول الفقه ولم يعرفوا حقيقة هذا القول ولا غوره .

قالوا :والفرق بين ذلك في مسائل الأصول والفروع كما أنها محدثة في الإسلام لم يدل عليها كتاب ولا سنة ولا إجماع بل ولا قالها أحد من السلف والأئمة فهي باطلة عقلا ؛ فإن المفرقين بين ما جعلوه مسائل أصول ومسائل فروع لم يفرقوا بينهما بفرق صحيح يميز بين النوعين بل ذكروا ثلاثة فروق أو أربعة كلها باطلة .

فمنهم من قال :مسائل الأصول هي العلمية الاعتقادية التي يطلب فيها العلم والاعتقاد فقط ؛ ومسائل الفروع هي العملية التي يطلب فيها العمل .

قالوا :وهذا فرق باطل ؛فان المسائل العملية فيها ما يكفر جاحده مثل : وجوب الصلوات الخمس والزكاة وصوم شهر رمضان؛ وتحريم الزنا والربا والظلم والفواحش .

وفی المسائل العلمية ما لا يأثم المتنازعون فيه كتنازع الصحابة :هل رأى محمد ربه؟ وكتنازعهم فی بعض النصوص :هل قاله النبی صلى الله عليه وسلم أم لا؟ وما أراد بمعناه؟ وكتنازعهم فی بعض الكلمات :هل هی من القرآن أم لا؟ وكتنازعهم فی بعض معانی القرآن والسنة :هل أراد الله ورسوله كذا وكذا؟ وكتنازع الناس فی دقيق الكلام كمسألة الجوهر الفرد وتماثل الأجسام؛ وبقاء الأعراض ونحو ذلک فليس فی هذا تكفير ولا تفسيق.

قالوا : والمسائل العملية فيها عمل وعلم فإذا كان الخطأ مغفورا فيها فالتی فيها علم بلا عمل أولى أن يكون الخطأ فيها مغفورا (مجموعُ الفتاویٰ لابنِ تیمیة، ج ۱۹ ص ۲۰۷، ۲۰۸ ،کتاب اصول الفقه، الجزء الأول: الاتباع، قاعدة فی تصويب المجتهدين وتخطئتهم وتأثيمهم)

ترجمہ: اور مذکورہ لوگوں کے علاوہ کا کہنا ہے کہ سلف اور ائمہ ٔ فتویٰ، جیسا کہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، ثوری، داؤد بن علی وغیرہ کا قول یہ ہے کہ وہ مجتہدِ مخطی کو گناہ گار قرار نہیں دیتے، نہ تو مسائلِ اصولیہ میں اور نہ مسائلِ فروعیہ میں، جیسا کہ ان مذکورہ حضرات کے قول کا ابنِ حزم وغیرہ نے ذکر کیا ہے، اور اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی وغیرہ اھلِ اھواء کی گواہی کو قبول کرتے ہیں، سوائے خطابیہ فرقہ کے، اور ان اھلِ اھواء کی اقتداء میں نماز کو صحیح قرار دیتے ہیں، جبکہ کافر کی نہ تو مسلمان کے خلاف گواہی قبول کی جاسکتی، اور نہ ہی اس کی اقتداء میں نماز پڑھی جاسکتی۔

ان حضرات (سلف اور ائمہ ٔ فتویٰ، جیسا کہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، ثوری، داؤد بن علی وغیرہ) کا کہنا یہ ہے کہ یہی (یعنی مجتہدِ مخطی کا مسائلِ اصولیہ اور فروعیہ میں گناہ گار نہ ہونے کا) قول صحابہ اور اُن کی نیکیوں میں اتباع کرنے والے تابعین اور ائمہ ٔ دین کا معروف ومشہور ہے، جو خطاء کار مجتہدین میں سے کسی کی نہ تو تکفیر کرتے، اور نہ تفسیق کرتے، اور نہ گناہ گار قرار دیتے، نہ تو مسائلِ عملیہ (و فقہیہ) میں، اور نہ مسائلِ علمیہ (واعتقادیہ) میں، ان حضرات کا کہنا ہے کہ فروعی

اور اصولی مسائل کے مابین فرق، اہلِ کلام میں سے اہلِ بدعت کا، اور معتزلہ اور جہمیہ اور اُن حضرات کا ہے، جو اِن کے راستے پر چلے ہیں، پھر یہ قول کچھ اُن حضرات کی طرف منتقل ہوگیا، جو اِس سلسلے میں اصولِ فقہ کے متعلق کلام کرتے ہیں، لیکن وہ اس قول کی حقیقت اور اس کی گہرائی سے واقف نہیں ہوسکے۔

ائمۂ سلف کے قول کے مطابق مسائلِ اصول اور فروع کے درمیان مذکورہ فرق کرنا (کہ مسائلِ اصول، میں خطاء کار مجتہد کی تکفیر، یا تفسیق کرنا، اور مسائلِ فرعیہ میں خطاء کار مجتہد کو ماجور سمجھنا) جس طرح اسلام میں محدَث فعل ہے، اسی طرح اس پر کتاب وسنت اور اجماعِ امت کی دلیل بھی موجود نہیں، بلکہ سلف اور ائمہ میں سے کسی کا بھی یہ قول نہیں، لہٰذا یہ قول عقلاً بھی باطل ہے، کیونکہ جو حضرات مسائلِ اصول اور مسائلِ فروع کے درمیان مذکورہ فرق کرنے والے ہیں، وہ ان دونوں قسم کے مسائل کے درمیان کوئی ایسا صحیح فرق واضح نہیں کرسکے، جو دونوں قسموں کے درمیان تمیز پیدا کردے، بلکہ اِن لوگوں نے تین، یا چار فرق ذکر کیے ہیں، جو سب کے سب باطل ہیں۔

پس بعض نے تو یہ کہا کہ مسائلِ اصول وہ ہیں، جو علمی، اعتقادی نوعیت کے ہوتے ہیں، جن میں صرف علم اور اعتقاد کا مطالبہ کیا جاتا ہے، اور مسائلِ فروع وہ عملی مسائل ہیں، جن میں عمل کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔

لیکن دوسرے حضرات کے قول کے مطابق یہ فرق باطل ہے، کیونکہ بعض مسائلِ عملیہ کے منکِر کو کافر قرار دیا جاتا ہے، جیسا کہ پانچ نمازوں کی فرضیت اور زکاۃ کی فرضیت، اور رمضان کے مہینے کے روزوں کی فرضیت، اور زنا، اور سود، اور ظلم، اور فواحش کے منکِر کو کافر قرار دیا جاتا ہے۔

اور بعض مسائلِ علمیہ (واعتقادیہ) میں اختلاف کرنے والوں کو، گناہ گار قرار نہیں

دیا جاتا، جیسا کہ صحابۂ کرام کا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے رب کو دیکھنے میں اختلاف ہوا، اور جیسا کہ ان حضرات کا بعض نصوص میں اختلاف ہوا کہ کیا یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی بھی ہے، یا نہیں، اور اس (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فلاں حدیث اور) بات کے کیا معنیٰ مراد ہیں، اور جیسا کہ صحابۂ کرام کا بعض کلمات کے متعلق اختلاف ہوا کہ کیا وہ قرآن کا حصہ ہیں، یا نہیں، اور جیسا کہ قرآن وسنت کے بعض معانی میں ان حضرات کا اختلاف ہوا کہ کیا اللہ اور اس کے رسول کی فلاں مراد ہے، یا فلاں مراد ہے؟ اور جیسا کہ لوگوں کا علمِ کلام کے دقیق مسائل میں اختلاف ہوا، مثلاً جوہر، فرد اور تماثلِ اجسام اور بقاءِ اعراض وغیرہ کے متعلق، پس اس طرح کے علمی واعتقادی مسائل میں، دوسرے کی نہ تکفیر کی جاتی، اور نہ تفسیق کی جاتی۔

ان حضراتِ گرامی (یعنی صحابہ وتابعین اور ائمۂ دین کے متبعین) کا یہ بھی کہنا ہے کہ مسائلِ عملیہ میں عمل اور علم دونوں ہوتے ہیں، پس جب ان میں بھی خطاء معاف کی گئی ہے، تو جن مسائل میں عمل کے بغیر صرف علم (واعتقاد) ہوتا ہے، اُن میں بدرجۂ اولیٰ خطاء معاف ہونی چاہیے (مجموع الفتاویٰ)

مذکورہ عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ جمہور فقہاء کے نزدیک **فی الجملة** مسائلِ اعتقادیہ میں بھی مسائلِ عملیہ وفقہیہ کی طرح اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے، جس میں اختلاف کرنے والے خطاء کار کی تکفیر وتفسیق نہیں کی جائے گی، چہ جائیکہ جن مسائلِ اعتقادیہ میں ابھی تک دوسرے کا خطاء کار ہونا ثابت بھی نہ ہوا ہو، ان میں دوسرے کی تکفیر وتفسیق کی جائے؟

علامہ ابنِ تیمیہ کا پانچواں حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ اپنے فتاویٰ میں ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ:

فمن كان من المؤمنين مجتهدا فى طلب الحق وأخطأ فإن الله يغفر له خطأه

كائنا ما كان سواء كان فى المسائل النظرية(أى الاعتقادية) أو العملية.
هـذا الـذى عـليـه أصـحـاب الـنبـى صلى الله عليه وسلم .وجـمـاهير أئمة الإسـلام ومـا قسـمـوا الـمسـائل إلى مسائل أصول يكفر بإنكارها ومسائل فروع لا يكفر بإنكارها .
فـأمـا التـفـريـق بين نوع وتسميته مسائل الأصول وبين نوع آخر وتسميته مسـائـل الـفـروع فهذا الفرق ليس له أصل لا عن الصحابة ولا عن التابعين لهـم بـإحسـان ولا أئـمة الإسـلام وإنما هو مأخوذ عن المعتزلة وأمثالهم من أهـل البدع وعنهم تلقاه من ذكره من الفقهاء فى كتبهم وهو تفريق متناقض فإنه يقال لمن فرق بين النوعين: ما حد مسائل الأصول التى يكفر المخطء فيهـا؟ وما الفاصل بينها وبين مسائل الفروع؟ فإن قال: مسائل الأصول هى مسـائل الاعتقاد ومسائل الفروع هى مسائل العمل .قيل له: فتنازع الناس فى محمد صلى الله عليه وسلم هل رأى ربه أم لا؟ وفى أن عثمان أفضل من عـلى أم على أفضل؟ وفى كثير من معانى القرآن وتصحيح بعض الأحاديث هـى مـن المسائل الاعتقادية العلمية ولا كفر فيها بالاتفاق ووجوب الصلاة والـزكـاة والـصيـام والـحـج وتحريم الفواحش والخمر هى مسائل عملية والمنكر لها يكفر بالاتفاق .
وإن قال الأصول: هـى الـمسائل القطعية قيل لا: كثيـر مـن مسائل العمل قـطـعية وكثيـر من مسائل العلم ليست قطعية وكون المسألة قطعية أو ظنية هـو مـن الأمور الإضافية وقد تكون المسألة عند رجل قطعية لظهور الدليل الـقـاطـع له كمن سمع النص من الرسول صلى الله عليه وسلم وتيقن مراده منه .وعـنـد رجل لا تكون ظنية فضلا عن أن تكون قطعية لعدم بلوغ النص إيـاه أو لـعـدم ثبـوتـه عـنـده أو لـعدم تمكنه من العلم بدلالته .وقـد ثبت فى الـصـحـاح عـن الـنبى صلى الله عليه وسلم حديث الذى قال لأهله:"إذا أنا مـت فـأحـرقـونـى ثـم اسـحقونى ثم ذرونى فى اليم فوالله لئن قدر الله على ليـعذبنى الله عذابا ما عذبه أحدا من العالمين .فأمر الله البر برد ما أخذ منه والبحر برد ما أخذ منه وقال: ما حملک على ما صنعت؟ قال خشيتک يا رب فغفر الله له"
فهـذا شک فى قدرة الله .وفـى الـمـعاد بل ظن أنه لا يعود وأنه لا يقدر الله عـليـه إذا فـعـل ذلک وغفر الله له .وهـذه الـمسـائل مبسوطة فى غير هذا الموضع (مـجـمـوعُ الـفتـاوىٰ لابنِ تيمية، ج٢٣ ص ٣٤٦ ، وص٣٤٧، كتاب الفقه، الصلاة، باب الامامة، فصل فى الصلاة خلف أهل الاهواء والبدع واهل الفجور)

ترجمہ: پس مومنین میں سے جو شخص، حق کی طلب میں اجتہاد کرنے والا ہو، اور وہ خطاء میں مبتلا ہو جائے، تو اللہ اس کی خطاء معاف فرمادے گا، جس طرح کی بھی

خطاء ہو، خواہ نظری واعتقادی مسائل میں ہو، یا عملی مسائل میں ہو۔

اسی قول پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام اور جمہور ائمۂ اسلام ہیں، جنہوں نے مسائل کی تقسیم اس طرح نہیں کی کہ مسائلِ اصول کے انکار کی وجہ سے تکفیر کی جائے، اور مسائلِ فروع کے انکار کی وجہ سے تکفیر نہ کی جائے۔

پس اس تقسیم اور اس کے نام کے درمیان مسائلِ اصول اور دوسرے نوع کے مسائل کے درمیان اس طرح سے تفریق کرنا، اور اس کی بناء پر دوسرے نوع کے مسائل کو ''مسائلِ فروع'' کا نام دینا، اس فرق کی کوئی اصل نہ صحابہ سے ملتی، اور نہ ان کی نیکیوں میں اتباع کرنے والے تابعین سے ملتی، اور نہ ائمۂ اسلام سے ملتی، یہ مذکورہ تفریق وغیرہ تو معتزلہ اور ان کے مثل بعض اہلِ بدعت سے ماخوذ ہے، جن سے بعد کے بعض فقہاء نے لے کر اپنی کتب میں ذکر کردیا، جبکہ یہ تفریق باہم متناقض بھی ہے، کیونکہ جو مذکورہ دونوں قسموں میں فرق کا قائل ہے، اس سے کہا جائے گا کہ اُن مسائلِ اصول کی حد کیا ہے، جن میں مخطئ کو کافر قرار دیا جائے گا؟ اور مسائلِ اصول اور مسائلِ فروع کے درمیان حدِ فاصل کون سی چیز ہے؟ اگر وہ جواب میں کہے کہ ''مسائلِ اصول'' دراصل ''مسائلِ اعتقاد'' ہیں، اور ''مسائلِ فروع'' دراصل ''مسائلِ عمل'' ہیں، تو اس کو جواب میں کہا جائے گا کہ لوگوں کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے رب کو دیکھنے نہ دیکھنے میں اختلاف ہوا، اور حضرت عثمان کے، حضرت علی سے افضل، یا حضرت علی کے، حضرت عثمان سے افضل ہونے میں اختلاف ہوا، اور بہت سے قرآن کے ایسے معانی اور بعض اُن احادیث کی تصحیح میں اختلاف ہوا، جو کہ مسائلِ اعتقادیہ علمیہ سے تعلق رکھتی ہیں، اور اُن میں بالاتفاق کفر کا حکم نہیں لگایا گیا، اور نماز، اور زکاۃ، اور روزے، اور حج کی فرضیت، اور فواحش اور شراب کی حرمت ''مسائلِ عملیہ'' سے تعلق رکھتی ہے،

جن کا منکر بالاتفاق کافر ہے (پھر مذکورہ فرق کہاں گیا، اور یہ تناقض کیوں پیدا ہوا)

اور اگر وہ (یعنی مذکورہ دونوں قسموں کے درمیان مبحوث فیہ فرق کرنے والا) جواب میں کہے کہ ''اصول'' سے مراد ''مسائلِ قطعیہ'' ہیں، تو اس کو جواب میں کہا جائے گا کہ ایسی بات نہیں! کیونکہ بہت سے ''مسائلِ عملیہ'' قطعی ہیں، اور بہت سے ''مسائلِ علمیہ'' قطعی نہیں ہیں (جب دونوں قسم کے درمیان قطعی و غیر قطعی ہونے کی حدِ فاصل نہیں، بلکہ بعض مسائلِ اصول اور مسائلِ علمیہ واعتقادیہ، ظنی، اور بعض مسائلِ عملیہ وفقہیہ قطعی ہیں، تو پھر اس تقسیم پر تکفیر وتفسیق کا مدار رکھنا کیسے درست ہوا؟) علاوہ ازیں کسی مسئلہ کا قطعی، یا ظنی ہونا ہی خود امورِ اضافیہ میں سے ہے، بعض اوقات ایک مسئلہ، کسی شخص کے نزدیک قطعی ہوتا ہے، کیونکہ اس کے نزدیک دلیل واضح اور قطعی ہوتی ہے، جیسا کہ وہ شخص، جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست کسی بات کو سن لیا، اور اس کی مراد پر بھی یقین کرلیا (تو وہ بات اس کے نزدیک قطعی ہوگئی، خواہ اس کا تعلق علمی مسئلہ سے ہو، یا عملی مسئلہ سے ہو) اور دوسرے شخص کے نزدیک وہ بات ظنی بھی نہیں ہوتی، چہ جائیکہ قطعی ہو، کیونکہ اس کو وہ نص نہیں پہنچتی، یا اس کے نزدیک اس نص کا ثبوت نہیں ہوتا، یا وہ اپنے علم کی روشنی میں اس کی دلالت اور مراد پر قادر نہیں ہوتا (یعنی اس کے نزدیک وہ نص، یا تو قطعی الثبوت نہیں ہوتی، یا قطعی الدلالۃ نہیں ہوتی، بلکہ دونوں، یا کسی ایک جہت سے ظنی، یا اس سے بھی کم درجہ کی ہوتی ہے) چنانچہ صحاح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص کے متعلق یہ حدیث ثابت ہے ''جس نے اپنے گھر والوں سے کہا تھا کہ جب میں فوت ہوجاؤں، تو تم مجھے جلادینا، پھر مجھے راکھ اور ذرہ ذرہ کرکے سمندر میں بہادینا، کیونکہ اللہ کی قسم! اگر اللہ مجھ پر قادر ہوگیا، تو اللہ

(میرے سخت عاصی ہونے کی وجہ سے) مجھے ایسا عذاب دے گا کہ ایسا عذاب عالمین میں سے کسی کو بھی نہیں دیا، پھر اللہ نے خشکی کو اُن ذرات کے لوٹانے کا حکم فرمایا، جو اس میں پائے جاتے تھے، اور سمندر کو ان ذرات کے لوٹانے کا حکم فرمایا، جو اُس میں پائے جاتے تھے (اور اس کو جمع فرمادیا) اور پھر اللہ نے اس شخص کو فرمایا کہ تجھے اس طرزِ عمل پر کس چیز نے ابھارا تھا؟ اس نے کہا کہ اے میرے رب! آپ کے خوف نے، پس اللہ نے اس شخص کی مغفرت فرمادی''

حالانکہ اس واقعہ میں اللہ کی قدرت اور قیامت میں شک کرنا پایا جاتا ہے، بلکہ اس شخص نے یہ گمان کیا تھا کہ اس کو دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا، اور اللہ اس پر قادر نہیں ہو سکے گا، اس نے اس عقیدے کے ساتھ یہ عمل کیا (اور اس کا تعلق، مسائلِ اعتقادیہ میں سے ہے، لیکن اس شخص کے علم کے مطابق یہ مسئلہ ظنی، یا اس سے بھی کم درجہ کا تھا، دوسروں کی طرح قطعی نہ تھا) اور اللہ نے اس کی مغفرت فرمادی (جس سے معلوم ہوا کہ بعض مسائلِ اعتقادیہ، ایک شخص کے حق میں قطعی اور دوسرے کے حق میں غیر قطعی ہو سکتے ہیں) اور یہ مسائل دوسرے مقام پر تفصیل سے ذکر کردیئے گئے ہیں (مجموع الفتاویٰ)

مذکورہ عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ کسی کے محض مسائلِ اعتقادیہ میں اختلاف کرنے کی وجہ سے اس پر تکفیر وتفسیق کا حکم لگانا، درست نہیں، جب تک کہ اس متعین شخص کے حق میں تکفیر وتفسیق کے لوازمات ومتعلقات اور موانعات ومدافعات کو نہ دیکھ لیا جائے۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا چھٹا حوالہ

اور علامہ ابنِ تیمیہ کے فتاویٰ میں ہی ایک مقام پر ہے کہ:

فصل: والخطأ المغفور فی الاجتهاد هو فی نوعی المسائل الخبرية والعلمية كما قد بسط فی غير موضع كمن اعتقد ثبوت شیء لدلالة آية أو حديث وكان لذلک ما يعارضه ويبين المراد ولم يعرفه مثل من اعتقد أن الذبيح

إسحاق لحديث اعتقد ثبوته أو اعتقد أن الله لا يرى؛ لقوله :(لا تدركه الأبصار) ولقوله :(وما كان لبشر أن يكلمه الله إلا وحيا أو من وراء حجاب) كما احتجت عائشة بهاتين الآيتين على انتفاء الرؤية فى حق النبى صلى الله عليه وسلم وإنما يدلان بطريق العموم.
وكما نقل عن بعض التابعين أن الله لا يرى وفسروا قوله :(وجوه يومئذ ناضرة. إلى ربها ناظرة) بأنها تنتظر ثواب ربها كما نقل عن مجاهد وأبى صالح .أو من اعتقد أن الميت لا يعذب ببكاء الحي؛ لاعتقاده أن قوله : (ولا تزر وازرة وزر أخرى) يدل على ذلك؛ وأن ذلك يقدم على رواية الراوى لأن السمع يغلط كما اعتقد ذلك طائفة من السلف والخلف .أو اعتقد أن الميت لا يسمع خطاب الحي؛ لاعتقاده أن قوله :(فإنك لا تسمع الموتى) يدل على ذلك .أو اعتقد أن الله لا يعجب كما اعتقد ذلك شريح؛ لاعتقاده أن العجب إنما يكون من جهل السبب والله منزه عن الجهل .أو اعتقد أن عليا أفضل الصحابة؛ لاعتقاده صحة حديث الطير؛ وأن (النبى صلى الله عليه وسلم قال :اللهم ائتنى بأحب الخلق إليك؛ يأكل معى من هذا الطائر).
أو اعتقد أن من جس للعدو وأعلمهم بغزو النبى صلى الله عليه وسلم فهو منافق :كما اعتقد ذلك عمر فى حاطب وقال :دعنى أضرب عنق هذا المنافق .أو اعتقد أن من غضب لبعض المنافقين غضبة فهو منافق؛ كما اعتقد ذلك أسيد بن حضير فى سعد بن عبادة وقال :إنك منافق تجادل عن المنافقين .أو اعتقد أن بعض الكلمات أو الآيات أنها ليست من القرآن؛ لأن ذلك لم يثبت عنده بالنقل الثابت كما نقل عن غير واحد من السلف أنهم أنكروا ألفاظا من القرآن كإنكار بعضهم :(وقضى ربك) وقال :إنما هى ووصى ربك .وإنكار بعضهم قوله :(وإذ أخذ الله ميثاق النبيين) وقال :إنما هو ميثاق بنى إسرائيل وكذلك هى فى قراء ة عبد الله .وإنكار بعضهم (أفلم ييأس الذين آمنوا) إنما هى أولم يتبين الذين آمنوا .
وكما أنكر عمر على هشام بن الحكم لما رآه يقرأ سورة الفرقان على غير ما قرأها .وكما أنكر طائفة من السلف على بعض القراء بحروف لم يعرفوها حتى جمعهم عثمان على المصحف الإمام .وكما أنكر طائفة من السلف والخلف أن الله يريد المعاصى؛ لاعتقادهم أن معناه أن الله يحب ذلك ويرضاه ويأمر به .وأنكر طائفة من السلف والخلف أن الله يريد المعاصى؛ لكونهم ظنوا أن الإرادة لا تكون إلا بمعنى المشيئة لخلقها وقد علموا أن الله خالق كل شيء ؛ وأنه ما شاء كان وما لم يشأ لم يكن والقرآن قد جاء بلفظ الإرادة بهذا المعنى وبهذا المعنى لكن كل طائفة عرفت أحد

المعنيين وأنكرت الآخر .وكالذى قال لأهله :إذا أنا مت فأحرقونى :ثم ذرونى فى اليم فوالله لئن قدر الله علي ليعذبنى عذابا لا يعذبه أحدا من العالمين .وكما قد ذكره طائفة من السلف فى قوله :(أيحسب أن لن يقدر عليه أحد) وفي قول الحواريين :(هل يستطيع ربك أن ينزل علينا مائدة من السماء) وكالصحابة الذين سألوا النبى صلى الله عليه وسلم هل نرى ربنا يوم القيامة؟ فلم يكونوا يعلمون أنهم يرونه؛ وكثير من الناس لا يعلم ذلك؛ إما لأنه لم تبلغه الأحاديث وإما لأنه ظن أنه كذب وغلط (مجموع الفتاوى،لا بن تيمية،ج۲۰،ص۳۳،الٰی ص ۳۶، كتاب أصول الفقه،الجزء الثانى: التمذهب، فصل: والخطأ المغفور فى الاجتهاد)

ترجمہ: فصل: اوراجتہاد میں خطاء، معاف کردی گئی ہے، خواہ وہ مسائلِ خبریہ اور علمیہ کی دونوں انواع میں ہو، جیسا کہ ایک سے زیادہ مقام پر تفصیل ذکر کردی گئی ہے، مثلاً کوئی شخص کسی آیت، یا حدیث کی دلالت کی وجہ سے کسی چیز کے ثبوت کا اعتقادرکھے، لیکن اس کے مقابلہ میں کسی آیت، یا حدیث کی دلالت موجود ہو، جو مراد کو بیان کردے، لیکن پہلے شخص کو اس (مقابل دلیل) کی معرفت حاصل نہ ہو، مثلاً جو شخص یہ اعتقادرکھے کہ ''ذبیح'' اسحاق ہیں، اوراس کا اعتقاد اس حدیث کی وجہ سے ہو، جو اس کے نزدیک ثابت ہے۔

یا جو شخص یہ اعتقادرکھے کہ اللہ کو دیکھا نہیں جاسکتا، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ ''لا تدركه الأبصار'' اوراللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ ''وما كان لبشر أن يكلمه الله إلا وحيا أو من وراء حجاب'' جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں آیتوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں رؤیت کی نفی کی دلیل پکڑی، اور یہ دونوں آیتیں عموم کے طریقہ پر دلالت کرتی ہیں۔

اور جیسا کہ بعض تابعین سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں جاسکتا، اورانہوں نے اللہ تعالیٰ کے قول ''وجوه يومئذ ناضرة. إلى ربها ناظرة'' کی تفسیر اس کے ساتھ کی ہے کہ آنکھیں اپنے رب کے ثواب کو دیکھیں گی، جیسا کہ مجاہد

اور ابو صالح سے منقول ہے۔
یا جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ میت کو زندہ کے رونے کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جاتا، اور اس کا یہ اعتقاد اللہ تعالیٰ کے قول ''ولا تزر وازرة وزر أخرى '' کی اس پر دلالت کی وجہ سے ہو، یا اس وجہ سے ہو کہ اس آیت کو راوی کی روایت پر مقدم رکھا جائے گا، کیونکہ (راوی کو) سننے میں غلطی واقع ہو سکتی ہے، جیسا کہ سلف اور خلف کی ایک جماعت کا اعتقاد ہے۔
یا کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ میت، زندہ کے خطاب کو نہیں سنتی، اور اس کا یہ اعتقاد اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے ہو کہ ''فإنک لا تسمع الموتٰی ''جو میت کے عدمِ سماع پر دلالت کرتی ہے۔
یا کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ خوش نہیں ہوتا، جیسا کہ شریح کا یہ عقیدہ منقول ہے، اور اس شخص کا یہ عقیدہ اس بناء پر ہو کہ خوش ہونا، سبب سے ناواقفیت کی وجہ سے ہوتا ہے، اور اللہ، ناواقفیت سے پاک ہے۔
یا کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت علی دوسرے صحابہ سے افضل ہیں، اور اس کا عقیدہ حدیثِ طیر کی صحت کی وجہ سے ہو کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ مجھے اپنی تمام مخلوق میں سے، سب سے زیادہ محبوب کو عطاء کر دیجیے، جو میرے ساتھ اس پرندے سے کھائے۔ [1]

---

[1] حدثنا سفيان بن وكيع قال :حدثنا عبيد الله بن موسى، عن عيسى بن عمر، عن السدى، عن أنس بن مالک، قال :كان عند النبى صلى الله عليه وسلم طير فقال :اللهم ائتنى بأحب خلقک إليک يأكل معى هذا الطير فجاء على فأكل معه .هذا حديث غريب لا نعرفه من حديث السدى إلا من هذا الوجه .وقد روى هذا الحديث من غير وجه عن أنس، وعيسى بن عمر هو كوفى، والسدى اسمه :إسماعيل بن عبد الرحمن قد أدرک أنس بن مالک ورأى الحسين بن على (سنن الترمذى، رقم الحديث ٣٧٢١، أبواب المناقب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب مناقب على بن أبى طالب رضى الله عنه)

یا کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ جس نے دشمنوں کے لیے جاسوسی کی، یا دشمنوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوہ کی خبر دی، تو وہ منافق ہے، جیسا کہ حضرت عمر نے ''حاطب'' کے متعلق یہ اعتقاد کیا، اور فرمایا کہ مجھے چھوڑ دیجیے، میں اس منافق کی گردن اڑا دوں (جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے)

یا کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ جو شخص بعض منافقوں کے لیے (یعنی ان کی طرف سے) غصہ کرے، تو وہ منافق ہے، جیسا کہ سعد بن عبادہ کے متعلق اُسید بن حضیر نے یہ اعتقاد کیا، اور فرمایا کہ تم منافق ہو، منافقین کی طرف سے جدال کرتے ہو۔ (جیسا کہ صحیح بخاری میں ہی ہے)

یا کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ بعض کلمات، یا آیات قرآن نہیں ہیں، کیونکہ اس کے نزدیک یہ بات مضبوط طریقہ پر ثابت نہیں ہو پائی تھی، جیسا کہ ایک سے زیادہ سلف کے متعلق یہ بات منقول ہے کہ انہوں نے قرآن کے بعض الفاظ کا انکار کیا، جیسا کہ بعض نے ''وقضىٰ ربک'' کا انکار کیا، اور کہا کہ اصل الفاظ یہ ہیں کہ ''ووصىٰ ربک'' [1]

اور بعض نے اللہ تعالیٰ کے قول ''وإذ أخذ الله ميثاق النبيين'' کا انکار کیا،

---

[1] تاہم مذکورہ روایت کی سند پر کلام ہے۔

قال أحمد بن منيع :حدثنا حسين بن محمد، ثنا الفرات بن السائب عن ميمون بن مهران، عن ابن عباس رضى الله عنهما قال :أنزل الله عز وجل هذا الحرف على لسان نبيكم -صلى الله عليه وسلم " :-ووصى ربك ألا تعبدوا إلا إياه) فلصقت إحدى الواوين بالأخرى .فقرأ لنا :(وقضى ربك ألا تعبدوا إلا إياه) ولو نزلت على القضاء ما أشرك به أحد .فكان ميمون يقول :إن على تفسيره لنورا .قال الله تبارك وتعالى : (شرع لكم من الدين ما وصى به نوحا)

درجته: الأثر بهذا الإسناد شديد الضعف لحال الفرات بن السائب فإنه متروك .وقد تساهل البوصيرى رحمه الله فى إتحاف المهرة (2/ق 160ب)، حيث قال :رواه ابن منع بسند ضعيف، لضعف فرات بن السائب .اهـ.(حاشية المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية،ج١٥،ص١٨، كتاب التفسير، سورة الإسراء)

اور یہ کہا کہ یہ تو بنی اسرائیل کا میثاق ہے، اور اسی طریقہ سے عبداللہ بن مسعود کی قرائت ہے۔ [1]

اور بعض نے "أفلم ییأس الذین آمنوا " کا انکار کیا، اور کہا کہ اصل الفاظ یہ ہیں کہ "أولم یتبین الذین آمنوا " [2]

اور جیسا کہ حضرت عمر نے ہشام بن حکم پر نکیر کی، جب انہوں نے اپنی قرائت کے برخلاف، ان کو سورہ فرقان کی قرائت کرتے ہوئے دیکھا۔ [3]

اور جیسا کہ سلف کی ایک جماعت نے بعض قراء پر ایسے حروف کی وجہ سے نکیر کی،

---

[1] وإذ أخذ الله ميثاق النبيين أراد ان الله أخذ الميثاق من كل نبى ان يؤمن بمن بعده ويأمر أمته ان يتبعوه وهذا معنى قول ابن عباس وقال على بن ابى طالب لم يبعث الله نبيا آدم ومن بعده الا أخذ عليه العهد فى امر محمد صلى الله عليه وسلم وأخذ العهد على قومه لتؤمنن به ولئن بعث وهم احياء لينصرنه -وقيل معناه أخذ الله ميثاق اهل الكتاب ففى الكلام اما حذف مضاف تقديره أخذ الله ميثاق أولاد النبيين وهم بنو إسرائيل اهل الكتاب واما سماهم نبيين تهكما لانهم كانوا يقولون نحن اولى بالنبوة من محمد لانا اهل الكتاب والنبيون كانوا منا -واما اضافة الميثاق الى النبيين اضافة الى الفاعل والمعنى إذ أخذ الله الميثاق الذى وثقه النبيون على أممهم ويؤيده قراء ة ابن مسعود وابى بن كعب وإذ أخذ الله ميثاق الذين أوتوا الكتب والصحيح هو المعنى الاول المنطوق من القراءة المتواترة فاخذ الله الميثاق من موسى ان يؤمن بعيسى ويأمر قومه ان يؤمنوا به ومن عيسى ان يؤمن بمحمد صلى الله عليه وسلم ويأمر قومه ان يؤمنوا به (التفسير المظهرى،القسم الاول من الجزء الثانى، ص ۸۰، سورة آلِ عمران، تحت رقم الآية ۸۱)

[2] وقال غير واحد من السلف فى قوله أفلم ييأس الذين آمنوا :أفلم يعلم الذين آمنوا، وقرأ آخرون :أفلم يتبين الذين آمنوا أن لو يشاء الله لهدى الناس جميعا(تفسير ابنِ كثير، ج۴،ص۳۹۷،سورة الرعد، تحت رقم الآية ۳۱)

[3] عن عبد الرحمن بن عبد القارى، أنه قال :سمعت عمر بن الخطاب رضى الله عنه، يقول :سمعت هشام بن حكيم بن حزام، يقرأ سورة الفرقان على غير ما أقرؤها، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم أقرأنيها، وكدت أن أعجل عليه، ثم أمهلته حتى انصرف، ثم لببته بردائه، فجئت به رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقلت :إنى سمعت هذا يقرأ على غير ما أقرأتنيها، فقال لى :أرسله، ثم قال له :اقرأ، فقرأ، قال :هكذا أنزلت، ثم قال لى :اقرأ، فقرأت، فقال :هكذا أنزلت إن القرآن أنزل على سبعة أحرف، فاقرء وا منه ما تيسر (صحيح البخارى، رقم الحديث ۲۴۱۹، كتاب الخصومات، باب كلام الخصوم بعضهم فى بعض)

جن کی ان کو معرفت حاصل نہیں تھی، یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحفِ امام پر، اُن سب کو جمع فرما دیا۔

اور جیسا کہ سلف اور خلف کی ایک جماعت نے اللہ کے معاصی کا ارادہ کرنے کا انکار کیا، اس عقیدہ کی وجہ سے کہ اس کا مطلب تو (نعوذ باللہ) یہ ہوگا کہ اللہ معاصی کو پسند کرتا ہے، اور اس سے راضی ہوتا ہے، اور اس کا حکم دیتا ہے۔

اور سلف اور خلف کی ایک جماعت نے اللہ کے معاصی کا ارادہ کرنے کا اس لیے انکار کیا کہ ان کا گمان یہ تھا کہ ارادہ مشیت کے معنیٰ کے بغیر نہیں ہوسکتا، اور ارادہ کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے، اور وہ یہ بات جانتے تھے کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے، اللہ نے جو کچھ چاہا، وہ موجود تھا، اور جو نہیں چاہا، وہ موجود نہیں تھا، اور قرآن میں ارادہ کے الفاظ اس معنیٰ میں بھی آئے ہیں، اور اُس معنیٰ میں بھی آئے ہیں، لیکن ہر جماعت نے دونوں میں سے ایک معنیٰ کو پہچان لیا، اور دوسرے معنیٰ کو نہیں پہچانا۔

جیسا کہ وہ شخص جس نے اپنے گھر والوں کو کہا کہ جب میں فوت ہو جاؤں، تو تم مجھے جلا دینا، پھر مجھے دریا میں ذرہ ذرہ کر کے بہا دینا، کیونکہ اللہ کی قسم اگر اللہ مجھ پر قادر ہو گیا، تو وہ مجھے ایسا عذاب دے گا کہ عالمین والوں میں سے کسی کو ایسا عذاب نہیں دے گا۔

اور جیسا کہ سلف کی ایک جماعت نے اللہ تعالیٰ کے قول ”أیحسب أن لن یقدر علیه أحد “ اور حواریین کے قول ”هل یستطیع ربک أن ینزل علینا مائدة من السماء “ کے ذیل میں اس طرح کی بات ذکر کی ہے۔

اور جیسا کہ وہ صحابۂ کرام، جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا ہم اپنے رب کو قیامت کے دن دیکھ پائیں گے؟ اور اکثر لوگ اس کو جانتے نہیں تھے، یا تو اس وجہ سے ان کو احادیث نہیں پہنچی تھیں، یا اس وجہ سے کہ ان کا گمان یہ

تھا کہ یہ بات جھوٹی اور غلط ہے (مجموع الفتاوی)

اس سے معلوم ہوا کہ مسائلِ اعتقادیہ میں اختلاف کرنے والے سب لوگوں کا حکم یکساں نہیں۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا ساتواں حوالہ

اور علامہ ابنِ تیمیہ کے فتاویٰ میں ایک مقام پر ہے کہ:

وسئل :عمن يقلد بعض العلماء فى مسائل الاجتهاد: فهل ينكر عليه أم يهجر؟ وكذلك من يعمل بأحد القولين؟

فأجاب: الحمد لله، مسائل الاجتهاد من عمل فيها بقول بعض العلماء لم ينكر عليه ولم يهجر ومن عمل بأحد القولين لم ينكر عليه وإذا كان فى المسألة قولان: فإن كان الإنسان يظهر له رجحان أحد القولين عمل به وإلا قلد بعض العلماء الذين يعتمد عليهم فى بيان أرجح القولين والله أعلم

(مجموع الفتاوی، ج٢٠، ص٢٠٧، كتاب أصول الفقه، الجزء الثانى: التمذهب)

ترجمہ: اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا، جو مسائلِ اجتہاد میں بعض علماء کی تقلید کرے کہ کیا اس پر نکیر کی جائے گی، یا اس سے قطع تعلقی کی جائے گی، اور اسی طرح سے جو شخص مسائلِ اجتہادیہ میں، دو قولوں میں سے کسی ایک قول پر عمل کرے؟

تو علامہ ابنِ تیمیہ نے جواب دیا کہ **الحمدللہ**! مسائلِ اجتہادیہ میں جو شخص، بعض علماء کے قول پر عمل کرے، تو اس پر نہ تو نکیر کی جائے گی، اور نہ اس سے ترکِ تعلق کیا جائے گا، اور جو شخص دو قولوں میں سے کسی ایک قول پر عمل کرے، تو اس پر بھی نکیر نہیں کی جائے گی، اور جب کسی مسئلے میں دو قول ہوں، تو اگر انسان کو اُن دو قولوں میں سے کسی ایک قول کا رجحان ظاہر ہو جائے، تو وہ اس پر عمل کرے گا، ورنہ (یعنی جب رجحان ظاہر نہ ہو تو) اُن بعض علماء کی تقلید کرلے گا، جن کے دو قولوں میں سے راجح قول پر اعتماد کیا جاتا ہے، **واللہ اعلم** (مجموعُ الفتاویٰ)

مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مسائلِ اجتہادیہ میں سے کسی مجتہد کے قول پر عمل کرنے والا نکیر کا مستحق نہیں، جب تک نکیر کی کوئی دوسری وجہ نہ پائی جائے۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا آٹھواں حوالہ

اور علامہ ابنِ تیمیہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ:

اتفق العلماء على أنه إذا عرف الحق لا يجوز له تقليد أحد في خلافه وإنما تنازعوا في جواز التقليد للقادر على الاستدلال.

وإن كان عاجزا عن إظهار الحق الذي يعلمه؛ فهذا يكون كمن عرف أن دين الإسلام حق وهو بين النصارى فإذا فعل ما يقدر عليه من الحق؛ لا يؤاخذ بما عجز عنه ....

وأما إن كان المتبع للمجتهد عاجزا عن معرفة الحق على التفصيل وقد فعل ما يقدر عليه مثله من الاجتهاد في التقليد؛ فهذا لا يؤاخذ إن أخطأ كما في القبلة.

وأما إن قلد شخصا دون نظيره بمجرد هواه ونصره بيده ولسانه من غير علم أن معه الحق؛ فهذا من أهل الجاهلية .وإن كان متبوعه مصيبا؛ لم يكن عمله صالحا . وإن كان متبوعه مخطئا؛ كان آثما .كمن قال في القرآن برأيه؛ فإن أصاب فقد أخطأ وإن أخطأ فليتبوأ مقعده من النار (مجموع الفتاوى، ج۷، ص ۷۲، كتاب الإيمان،تنازع العلماء في جواز التقليد للقادر على الاستدلال)

ترجمہ: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب کوئی شخص، حق کو پہچان لے، تو اسے اس حق کے برخلاف کسی کی تقلید کرنا جائز نہیں، البتہ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ جو شخص استدلال کی قدرت رکھتا ہے، اس کو تقلید کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ (ایک قول کے مطابق تقلید جائز نہیں، اور ایک قول کے مطابق جائز ہے، اور ایک قول کے مطابق، اگر اجتہاد کا وقت ہو، تو تقلید جائز نہیں، ورنہ جائز ہے)

اور اگر وہ اس حق کے اظہار سے عاجز ہو، جس کو وہ جانتا ہے، تو یہ شخص، اس شخص کی طرح ہو جائے گا، جس نے دینِ اسلام کے حق ہونے کو پہچان لیا، لیکن وہ نصاریٰ کے درمیان ہے، تو اگر وہ حق کے اتنے حصے کو اختیار کر لے، جس پر قادر ہے، تو اس کا اس حصے پر مؤاخذہ نہیں ہوگا، جس سے وہ عاجز ہو............

اوراگرکسی مجتہد کی اتباع کرنے والا، تفصیلی طریقے پر حق کی معرفت سے عاجز ہو، اور جتنے حصے پر وہ اجتہاد کے اوپر قادر ہو، اس کو وہ کر چکا ہو، تو عاجز ہونے والے حصہ کی تقلید میں خطاء کے ارتکاب پر مؤاخذہ نہیں ہوگا، جیسا کہ قبلہ کے مسئلے میں۔ اوراگر وہ اپنی معرفت سے کمزور کی تقلید محض اپنی ہوائے نفس کی بنیاد پر، اوراپنے ہاتھ اور زبان سے، اس بات کا علم حاصل کیے بغیر کہ اس کے ساتھ حق ہے، اس کی نصرت کرے گا، تو وہ اہلِ جاہلیت میں سے ہوگا، اگرچہ وہ شخص جس کی یہ اتباع کررہا ہے، وہ مصیب کیوں نہ ہو، اس مقلد کا یہ طرزِ عمل ''عملِ صالح'' نہ کہلائے گا، اور وہ شخص جس کی یہ اتباع کررہا ہے، خطاء کار ہو، تو ایسی صورت میں اس کا مقلد گناہ گار ہوگا، جیسا کہ وہ شخص جو قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کوئی بات کرے، پھر وہ درست بات کردے، تب بھی خطاء کار شمار ہوتا ہے، اوراگر خطاء کا ارتکاب کرے، تواسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے (مجموع الفتاویٰ)

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر تقلید کرنے والے شخص کے علم میں یہ بات آجائے کہ وہ جس کی تقلید کررہا ہے، اس کا موقف اس مسئلہ میں خطاء پر مبنی ہے، لیکن وہ محض ھوائے نفس، یا تعصب وتحزب وغیرہ کی بنیاد پر پھر بھی اس خطاء کار کے قول کو صواب قرار دے، اوراس قول پر جما اور ڈٹا رہے، جیسا کہ آج کل جامد مقلدین کا اپنے اپنے سلسلے کے بزرگوں کے موقف کے متعلق اسی طرح کا طرزِ عمل ہے کہ ہر شخص اپنے مسلک ومشرب کے بڑوں کے اقوال کو محض تعصب کی بنیاد پر ترجیح دیتا ہے، جبکہ اس کے علم میں ان بڑوں کے قول کا خطاء پر مبنی ہونا بھی آجاتا ہے، یہ طرزِ عمل سخت گناہ ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا نواں حوالہ

نیز علامہ ابنِ تیمیہ اپنے فتاویٰ میں ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ:

كسائر الأمور المعلومة بالاضطرار عند أهل العلم بسنة رسول الله صلى

الله عليه وسلم وإن كان غيرهم يشك فيها أو ينفيها : كالأحاديث المتواترة عندهم في شفاعته وحوضه وخروج أهل الكبائر من النار والأحاديث المتواترة عندهم : في الصفات والقدر والعلو والرؤية وغير ذلك من الأصول التي اتفق عليها أهل العلم بسنته كما تواترت عندهم عنه؛ وإن كان غيرهم لا يعلم ذلك .

كما تواتر عند الخاصة -من أهل العلم عنه -الحكم بالشفعة وتحليف المدعى عليه ورجم الزاني المحصن واعتبار النصاب في السرقة وأمثال ذلك من الأحكام التي ينازعهم فيها بعض أهل البدع.

ولهذا كان أئمة الإسلام متفقين على تبديع من خالف في مثل هذه الأصول. بخلاف من نازع في مسائل الاجتهاد التي لم تبلغ هذا المبلغ في تواتر السنن عنه : كالتنازع بينهم في الحكم بشاهد ويمين وفي القسامة والقرعة وغير ذلك من الأمور التي لم تبلغ هذا المبلغ (مجموعُ الفتاویٰ لابنِ تیمیة، ج۴ص ۴۲۵ ، کتاب مفصل الاعتقاد، سئل: عن قول الشيخ "أبى محمد عبد الله بن أبى زيد "فى آخر عقيدته الخ)

ترجمہ: جیسا کہ وہ تمام امور، جو اہلِ علم کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ذریعہ سے اضطراری (یعنی غیر اختیاری) طور پر معلوم ہیں، اگرچہ سنتِ رسول اللہ کا علم نہ رکھنے والے ان میں شک کرتے، یا ان کی نفی کرتے ہیں، جیسا کہ اہلِ علم کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت، اور آپ کی حوضِ کوثر، اور اہلِ کبائر کے جہنم سے خروج کی احادیثِ متواترہ، اور جیسا کہ اہلِ علم کے نزدیک صفات، اور تقدیر، اور علو، اور رؤیتِ باری تعالیٰ وغیرہ کی احادیثِ متواترہ، ان اصولوں سے تعلق رکھتی ہیں، جن پر اہلِ علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی وجہ سے متفق ہوگئے، جیسا کہ ان کے نزدیک یہ احادیث متواتر ہوگئیں، اگرچہ غیر اہلِ علم ان سے لاعلم رہے۔

جیسا کہ خواص اہلِ علم کے نزدیک شفعہ کا حکم، اور مدعیٰ علیہ کے حلف کا حکم، اور زانی محصن کے رجم کا حکم، اور چوری کے نصاب کا اعتبار، اور ان کے مثل وہ احکام کہ ان میں بعض اہلِ بدعت کا ہی اختلاف ہے۔

اور اسی وجہ سے ائمہ اسلام، ان اصولوں کے مثل جیسی چیزوں کی مخالفت کرنے

والے کے بدعتی ہونے پر متفق ہیں۔

بخلاف اس شخص کے جو ان مسائلِ اجتہادیہ میں اختلاف کرے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے متواتر ہونے میں اس درجہ تک نہیں پہنچے، جیسا کہ ائمہ اسلام کے درمیان ایک گواہ اور قسم کے ذریعہ سے فیصلہ کرنے کا مسئلہ، اور قسامت اور قرعہ وغیرہ کا مسئلہ ان امور سے تعلق رکھتے ہیں، جو اس درجہ تک نہیں پہنچے (لہٰذا ان میں اختلاف بدعت کے قبیل سے نہیں) (مجموع الفتاویٰ)

علامہ ابنِ تیمیہ کا دسواں حوالہ

اسی سلسلہ میں علامہ ابنِ تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں ایک اور مقام پر فرمایا کہ:

المسائل الخبرية العلمية قد تكون واجبة الاعتقاد وقد تجب فى حال دون حال وعلى قوم دون قوم؛ وقد تكون مستحبة غير واجبة وقد تستحب لطائفة أو فى حال كالأعمال سواء .

وقد تكون معرفتها مضرة لبعض الناس فلا يجوز تعريفه بها كما قال على - رضى الله عنه :-حدثوا الناس بما يعرفون ودعوا ما ينكرون؛ أتحبون أن يكذب الله ورسوله "وقال ابن مسعود رضى الله عنه "ما من رجل يحدث قوما حديثا لا تبلغه عقولهم إلا كان فتنة لبعضهم ."وكذلك قال ابن عباس -رضى الله عنه -لمن سأله عن قوله تعالى :(الله الذى خلق سبع سماوات) . الآية فقال :ما يؤمنك أنى لو أخبرتك بتفسيرها لكفرت؟ وكفرك تكذيبك بها .وقال لمن سأله عن قوله تعالى (تعرج الملائكة والروح إليه فى يوم كان مقداره خمسين ألف سنة) هو يوم أخبر الله به؛ الله أعلم به .ومثل هذا كثير عن السلف .

فإذا كان العلم "بهذه المسائل "قد يكون نافعا وقد يكون ضارا لبعض الناس تبين لك أن القول قد ينكر فى حال دون حال ومع شخص دون شخص؛ وإن العالم قد يقول القولين الصوابين كل قول مع قوم؛ لأن ذلك هو الذى ينفعهم؛ مع أن القولين صحيحان لا منافاة بينهما.

لكن قد يكون قولهما جميعا فيه ضرر على الطائفتين؛ فلا يجمعهما إلا لمن لا يضره الجمع.

وإذا كانت قد تكون قطعية .وقد تكون اجتهادية :سوغ اجتهاديتها ما سوغ فى المسائل العملية، وكثير من تفسير القرآن أو أكثره من هذا الباب؛ فإن

الاختلاف فی کثیر من التفسیر هو من باب المسائل العلمية الخبرية لا من باب العملية؛ لكن قد تقع الأهواء فی المسائل الكبار كما قد تقع فی مسائل العمل .وقد ينكر أحد القائلين على القائل الآخر قوله إنكارا يجعله كافرا أو مبتدعا فاسقا يستحق الهجر وإن لم يستحق ذلک وهو أيضا اجتهاد.

وقد يكون ذلک التغليظ صحيحا فی بعض الأشخاص أو بعض الأحوال لظهور السنة التی يكفر من خالفها؛ ولما فی القول الآخر من المفسدة الذی يبدع قائله؛ فهذه أمور ينبغی أن يعرفها العاقل؛ فإن القول الصدق إذا قيل :فإن صفته الثبوتية اللازمة أن يكون مطابقا للمخبر .أما كونه عند المستمع معلوما أو مظنونا أو مجهولا أو قطعيا أو ظنيا أو يجب قبوله أو يحرم أو يكفر جاحده أو لا يكفر؛ فهذه أحكام عملية تختلف باختلاف الأشخاص والأحوال.

فإذا رأيت إماما قد غلظ على قائل مقالته أو كفره فيها فلا يعتبر هذا حكما عاما فی كل من قالها إلا إذا حصل فيه الشرط الذی يستحق به التغليظ عليه والتكفير له؛ فإن من جحد شيئا من الشرائع الظاهرة وكان حديث العهد بالإسلام أو ناشئا ببلد جهل لا يكفر حتى تبلغه الحجة النبوية .وكذلک العكس إذا رأيت المقالة المخطئة قد صدرت من إمام قديم فاغتفرت؛ لعدم بلوغ الحجة له؛ فلا يغتفر لمن بلغته الحجة ما اغتفر للأول فلهذا يبدع من بلغته أحاديث عذاب القبر ونحوها إذا أنكر ذلک ولا تبدع عائشة ونحوها ممن لم يعرف بأن الموتى يسمعون فی قبورهم.

فهذا أصل عظيم فتدبره فإنه نافع .وهو أن ينظر فی "شيئين فی المقالة" هل هی حق؟ أم باطل؟ أم تقبل التقسيم فتكون حقا باعتبار. باطلا باعتبار؟ وهو كثير وغالب؟ .ثم النظر الثانی فی حكمه إثباتا أو نفيا أو تفصيلا واختلاف أحوال الناس فيه فمن سلک هذا المسلک أصاب الحق قولا وعملا وعرف إبطال القول وإحقاقه وحمده فهذا هذا والله يهدينا ويرشدنا إنه ولی ذلک والقادر عليه (مجموع الفتاوی، ج٦، ص ٥٩،الیٰ ص ٦١، كتاب مفصل الاعتقاد،جمهور الفقهاء والصوفية يرون العمل اهم من التنازع فی الاقوال)

ترجمہ: مسائلِ خبریہ علمیہ کا اعتقاد کبھی واجب ہوتا ہے، اور کبھی ایک حال میں اور ایک قوم پر واجب ہوتا ہے اور دوسرے حال میں اور دوسری قوم پر واجب نہیں ہوتا ، اور بعض اوقات واجب نہیں ہوتا، بلکہ مستحب ہوتا ہے، اور بعض اوقات ایک جماعت کے حق میں، یا ایک حالت میں مستحب ہوتا ہے، مسائلِ علمیہ واعتقادیہ کا

حکم اعمال کی طرح برابر سرابر ہے (یعنی جس طرح کوئی عمل ایک شخص کے حق میں، یا ایک حالت میں واجب اور دوسرے شخص کے حق میں، یا دوسری حالت میں غیر واجب ہوتا ہے، اسی طرح اعتقادی مسئلہ کی بھی تقسیم ہے)

اور بعض اوقات کسی مسئلۂ علمیہ واعتقادیہ کی معرفت بعض لوگوں کے لیے مضر ہوتی ہے، جن کو اس مسئلہ کی معرفت جائز نہیں ہوتی، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم، لوگوں سے اُن چیزوں کے متعلق کلام کرو، جن کو وہ جانتے ہوں، اور اُن چیزوں کو چھوڑ دو، جن سے وہ اجنبی ہوں، کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے؟ اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص بھی کسی قوم کو ایسی بات بیان کرتا ہے کہ اُس تک اُن لوگوں کی عقل کی رسائی نہیں ہوتی، تو وہ بعض لوگوں کے لیے فتنہ کا باعث ہو جاتی ہے، اور اسی طرح سے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے قول ''**اللّٰہ الذی خلق سبع سماوات** '' کے متعلق سوال کرنے والے کو فرمایا تھا کہ تجھ پر اس بات کا اطمینان نہیں کہ اگر میں اس آیت کی تفسیر کی تجھ کو خبر دے دوں، تو تُو کفر نہ کر بیٹھے، اور تیرا کفر اس آیت کی تکذیب کرنا ہو، اور جس شخص نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے، اللہ تعالیٰ کے قول ''**تعرج الملائکۃ والروح إلیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین ألف سنۃ** '' کے متعلق سوال کیا، تو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے اس کو جواب میں فرمایا کہ یہ ایسا دن ہے کہ جس کی اللہ نے خبر دی ہے، اور اللہ ہی اس کو زیادہ جانتا ہے (لہٰذا اس کی مزید کھود کرید مت کرو) اور سلف سے اس طرح کی باتیں کثرت سے مروی ہیں۔

پس جب ان مسائل کا علم بعض اوقات نافع ہوتا ہے، اور بعض لوگوں کے ضرر کا باعث ہوتا ہے، تو آپ کے سامنے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ایک قول ایک حالت میں

منکر ہوتا ہے، دوسری حالت میں منکر نہیں ہوتا، اور ایک شخص کے حق میں منکر ہوتا ہے، دوسرے شخص کے حق میں منکر نہیں ہوتا، اور ایک ہی عالم کے دونوں قول ''صــــواب'' ہوتے ہیں، کیونکہ ہر قول ایک قوم کے ساتھ ہوتا ہے، کیونکہ وہی قول ان کے لیے نفع کا باعث ہوتا ہے، باوجودیکہ دونوں قول صحیح ہوتے ہیں، ان کے درمیان حقیقت میں منافاۃ نہیں ہوتی۔

لیکن بعض اوقات اکٹھے دونوں قول، دونوں جماعتوں کے لیے ضرر کا باعث ہوتے ہیں، اس لیے، جس کے لیے ان دونوں قولوں کو جمع کرنا ضرر کا باعث ہوتا ہے، اس کے لیے وہ ان دونوں قولوں کو جمع نہیں کرتا۔

اور بعض مسائل قطعی ہوتے ہیں، اور بعض اجتہادی ہوتے ہیں، جن میں اجتہاد کی اسی طرح گنجائش ہوتی ہے، جس طرح مسائلِ عملیہ وفقہیہ میں اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے، اور قرآن کی تفسیر میں بہت ساری تفسیریں، بلکہ اس باب سے بھی زیادہ تفسیریں ایسی ہیں، جن میں کثرت سے اختلاف واقع ہوا ہے، اور اُن کا تعلق مسائلِ علمیہ خبریہ (یعنی اعتقادیہ) سے ہے، عملی وفقہی باب سے اُن کا تعلق نہیں (جس سے معلوم ہوا کہ مسائلِ علمیہ واعتقادیہ میں بھی اختلاف واجتہاد ہوتا ہے، اور ان میں بھی عملی وفقہی مسائل کی طرح، راجح ومرجوح اور مصیب ومخطی ہونے کا سلسلہ جاری ہوتا ہے) البتہ بعض اوقات بڑے بڑے مسائل میں ''اھــــویٰ'' (یعنی ھواء پرستی) کا وقوع ہوجاتا ہے، جیسا کہ مسائلِ عمل (وفقہ) میں اس کا وقوع ہوجاتا ہے (پس جس طرح عملی وفقہی مسائل میں ہواء پرستی کا حکم جدا ہے، اور اس بنیاد پر اختلاف کرنے والا مبتدع وغیرہ ہوسکتا ہے، اسی طرح علمی واعتقادی مسائل میں بھی ہوسکتا ہے۔ سواءً بسواءٍ) اور بعض اوقات قائلین میں سے کوئی دوسرے قائل پر نکیر بھی کردیتا ہے، اور اس کی نکیر اس کو کافر، یا مبتدع فاسق بنانے

کے قبیل سے ہوتی ہے، جس کی بناء پر اس قول کا قائل ترکِ تعلق کا مستحق ہوتا ہے، اگرچہ وہ حقیقت میں اس کا مستحق نہیں ہوتا، یہ بھی اجتہاد کے قبیل سے ہے (یعنی اس طرح کے اقوال بھی اجتہادی ہیں، جن میں اختلاف کی گنجائش ہے)

اور بعض اوقات یہ سخت حکم، بعض اشخاص کے حق میں، یا بعض احوال میں صحیح ہوتا ہے، کیونکہ اس کی مخالفت کرنے والے کی تکفیر اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اس کے سامنے سنت ظاہر ہو چکی ہوتی ہے، اور یہ وجہ بھی ہوتی ہے کہ دوسرے قول میں ایسا مفسدہ پایا جاتا ہے، جس کا قائل، بدعتی شمار ہوتا ہے۔

پس عاقل شخص کو ان امور کی معرفت ضرور ہے، کیونکہ سچے قول کو جب کہا جائے، تو اس کی ثبوتی لازم صفت یہ ہے کہ وہ خبر دینے والے کے مطابق ہو، لیکن سننے والے کے نزدیک اُس کا معلوم، یا مظنون، یا مجہول، یا قطعی، یا ظنی ہونا، یا اس کے قبول ہونے کا واجب، یا حرام ہونا، یا اس کے منکر کا کافر ہونا، نہ ہونا، تو یہ عملی احکام ہیں، جو اشخاص اور احوال کے مختلف ہونے سے مختلف ہوجایا کرتے ہیں۔

پس جب آپ کسی امام کو دیکھیں کہ جس نے کسی قول کے قائل پر سخت حکم لگایا ہے، یا اس قول کے متعلق کفر کا حکم لگایا ہے، تو یہ حکم ہر اس شخص کے حق میں عام نہیں ہوگا، جو بھی اس کا قول کرے، مگر اسی صورت میں، جب کہ وہ شرط پائی جائے کہ جس کی وجہ سے وہ اس سخت حکم کا، یا تکفیر کا مستحق شمار ہوتا ہے، پس جس شخص نے ظاہرِ شریعت کی کسی چیز کا انکار کیا، لیکن وہ اسلام میں نو وارد ہے، یا جہالت والے علاقہ میں پلا بڑھا ہے، اس کی اس وقت تک تکفیر نہیں کی جائے گی، جب تک کہ اس کو حجتِ نبویہ نہ پہنچ جائے، اور اسی طریقہ سے اس کے برعکس جب آپ خطاء والے قول کو کسی قدیم امام سے صادر ہوتا ہوا دیکھیں، تو آپ ان کو معذور سمجھیں، کیونکہ ان کو حجت نہیں پہنچی، پس جس کو حجت پہنچ گئی، وہ پہلے کی طرح معذور شمار نہیں ہوگا،

اوراسی وجہ سے جس کو عذابِ قبر اوران جیسی چیزوں کی احادیث پہنچ گئیں، تو جب وہ ان کا انکار کرے گا، تو وہ مبتدع شمار ہوگا، اور حضرت عائشہ اوران کے مثل وہ حضرات جو اس بات کو نہیں پہچانتے کہ مُردے اپنی قبروں میں سنتے ہیں، ان کو مبتدع قرار نہیں دیا جائے گا۔

پس یہ بہت بڑا اصول ہے، جس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے، کیونکہ یہ نافع ہے، اور وہ یہ ہے کہ کسی بھی قول میں دو چیزوں پر نظر کی جائے گی، ایک تو اس میں کہ کیا وہ قول حق ہے، یا باطل ہے؟ یا تقسیم کو قبول کرتا ہے کہ ایک اعتبار سے حق ہو، اور دوسرے اعتبار سے باطل ہو؟ اور یہی کثیر اور غالب ہے؟

پھر دوسرے اس کے حکم میں اثبات، یا نفی، یا تفصیل اور لوگوں کے اس بارے احوال کے مختلف ہونے میں نظر کی جائے گی، پس جو شخص اس راستہ پر چلے گا، تو وہ قولاً وعملاً حق کو پالے گا، اور قول کے باطل ہونے، اور اس کے حق پر مبنی ہونے، اور اس کے اچھا ہونے کو پہچان لے گا، پس اس کو یاد کر لینا چاہیے، اور اللہ ہمیں رشد و ہدایت عطا فرمائے، وہی اس کا مالک ہے، اور وہی اس پر قادر ہے (مجموع الفتاویٰ)

علامہ ابنِ تیمیہ کی مذکورہ عبارت سے مسائلِ اعتقادیہ وعملیہ میں اختلاف کی تمام صورتوں کا جامع حکم معلوم ہوگیا۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا گیارہواں حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ نے کسی کی تکفیر وتفسیق کرنے، اور کسی پر عاصی ہونے کا حکم لگانے میں اپنی عادت وذوق کا بھی ذکر کیا ہے، جو کہ سلف کے مطابق ہے۔

چنانچہ اپنے فتاویٰ میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

أنى من أعظم الناس نهيا عن أن ينسب معين إلى تكفير وتفسيق ومعصية، إلا إذا علم أنه قد قامت عليه الحجة الرسالية التى من خالفها كان كافرا تارة وفاسقا أخرى وعاصيا أخرى.

وإنى أقرر أن الله قد غفر لهذه الأمة خطأها :وذلك يعم الخطأ فى المسائل الخبرية القولية والمسائل العملية .وما زال السلف يتنازعون فى كثير من هذه المسائل ولم يشهد أحد منهم على أحد لا بكفر ولا بفسق ولا معصية .

كما أنكر شريح قراء ة من قرأ (بل عجبت ويسخرون) وقال :إن الله لا يعجب، فبلغ ذلك إبراهيم النخعى،فقال إنما شريح شاعر يعجبه علمه،كان عبد الله أعلم منه وكان يقرأ (بل عجبت)

وكما نازعت عائشة وغيرها من الصحابة فى رؤية محمد ربه وقالت :من زعم أن محمدا رأى ربه فقد أعظم على الله الفرية. ومع هذا لا نقول لابن عباس ونحوه من المنازعين لها :إنه مفتر على اللّٰه.

وكما نازعت فى سماع الميت كلام الحى. وفى تعذيب الميت ببكاء أهله وغير ذلك.

وقد آل الشر بين السلف إلى الاقتتال ، مع اتفاق أهل السنة على أن الطائفتين جميعا مؤمنتان، وأن الاقتتال لا يمنع العدالة الثابتة لهم، لأن المقاتل وإن كان باغيا فهو متأول والتأويل يمنع الفسوق.

وكنت أبين لهم أن ما نقل لهم عن السلف والأئمة من إطلاق القول بتكفير من يقول كذا وكذا فهو أيضا حق، لكن يجب التفريق بين الإطلاق والتعيين.

وهذه أول مسألة تنازعت فيها الأمة من مسائل الأصول الكبار وهى مسألة "الوعيد"فإن نصوص القرآن فى الوعيد مطلقة .كقوله (إن الذين يأكلون أموال اليتامى ظلما) الآية وكذلك سائر ما ورد:من فعل كذا فله كذا.فإن هذه مطلقة عامة.وهى بمنزلة قول من قال من السلف من قال كذا: فهو كذا.

ثم الشخص المعين يلتغى حكم الوعيد فيه :بتوبة أو حسنات ماحية أو مصائب مكفرة أو شفاعة مقبولة.

والتكفير هو من الوعيد فإنه وإن كان القول تكذيبا لما قاله الرسول، لكن قد يكون الرجل حديث عهد بإسلام أو نشأ ببادية بعيدة .ومثل هذا لا يكفر بجحد ما يجحده حتى تقوم عليه الحجة.

وقد يكون الرجل لا يسمع تلك النصوص أو سمعها ولم تثبت عنده أو عارضها عنده معارض آخر أوجب تأويلها، وإن كان مخطئا.

وكنت دائما أذكر الحديث الذى فى الصحيحين فى الرجل الذى قال: (إذا أنا مت فأحرقونى ثم اسحقونى، ثم ذرونى فى اليم فوالله لئن قدر الله على ليعذبنى عذابا ما عذبه أحدا من العالمين، ففعلوا به ذلك فقال الله له:ما حملك على ما فعلت قال خشيتك: فغفر له)

فهذا رجل شك في قدرة الله وفي إعادته إذا ذرى، بل اعتقد أنه لا يعاد، وهذا كفر باتفاق المسلمين، لكن كان جاهلا لا يعلم ذلك وكان مؤمنا يخاف الله أن يعاقبه فغفر له بذلك.

والمتأول من أهل الاجتهاد الحريص على متابعة الرسول أولى بالمغفرة من مثل هذا (مجموع الفتاوى، ج۳،ص ۲۲۹،الیٰ ص ۲۳۱،کتاب مجمل اعتقاد السلف، النهى عن تكفير او تفسيق المعين الذى لم تقم عليه الحجة)

ترجمہ: بے شک میں دوسرے لوگوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ اس بات سے منع کرتا ہوں کہ کسی معین شخص کی طرف تکفیراور تفسیق اور معصیت کی نسبت کی جائے ،مگر اسی صورت میں جبکہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس پر رسالیت کی وہ حجت قائم ہو چکی ہے، جس کی اس نے مخالفت کی ہے، اور اس کی وجہ سے بعض اوقات انسان کافر شمار ہوتا ہے، اور بعض اوقات فاسق شمار ہوتا ہے۔

اور میں اس بات کو ثابت کرتا ہوں کہ بے شک اللہ نے اس امت کی خطاء کو معاف فرما دیا ہے، اور یہ خطاء عام ہے، مسائلِ خبریہ قولیہ کی خطاء کو بھی شامل ہے، اور مسائلِ عملیہ کی خطاء کو بھی شامل ہے، اور سلف کا برابر ان مسائل میں تنازعہ و اختلاف رہا، اور سلف میں سے کسی نے کسی پر نہ تو کفر کی شہادت دی، اور نہ فسق کی شہادت دی، اور نہ معصیت کی شہادت دی۔

جیسا کہ شریح نے اس شخص کی قرائت کا انکار کیا جو ''**بل عجبت ويسخرون**'' پڑھتا ہو، اور یہ کہا کہ اللہ خوش نہیں ہوتا، پھر یہ بات ابراہیم نخعی کو پہنچی، جنہوں نے جواب میں فرمایا کہ بس شریح تو شاعر ہے، جس کو اس کا علم ہی خوش کرتا ہے، اور عبداللہ بن مسعود ان سے زیادہ بڑے عالم تھے، اور وہ ''**بل عجبت**'' کی قرائت کیا کرتے تھے (اس سے زیادہ شریح پر کوئی حکم نہیں لگایا)

اور جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے علاوہ دیگر صحابہؓ کرام نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رؤیتِ باری تعالیٰ کے مسئلہ میں نزاع کیا، اور فرمایا کہ جس شخص کا یہ گمان ہو کہ محمد نے اپنے رب کو دیکھا ہے، تو اس نے اللہ پر بڑا جھوٹ باندھا۔

لیکن اس کے باوجود ہم ابنِ عباس وغیرہ کو جو حضرت عائشہ وغیرہ سے اختلاف کرنے والے ہیں، یہ نہیں کہیں گے کہ وہ اللہ پر جھوٹ باندھنے والے ہیں۔

اور جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے میت کے زندہ شخص کے کلام کو سننے میں نزاع واختلاف کیا، اور میت کے گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب دیے جانے کے مسئلہ میں اور اس کے علاوہ دوسرے مسائل میں نزاع واختلاف کیا۔

اور سلف کے درمیان شر کی نوبت قتال تک پہنچ گئی، باوجودیکہ اہلُ السنۃ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قتال کرنے والی سلف کی دونوں جماعتیں مومن ہیں، اور قتال اُن کے لیے ثابت شدہ عدالت کے لیے مانع نہیں، اور اگر کوئی جماعت باغی ہو، تو وہ متأول ہے، اور تاویل، فسق کے لیے مانع ہے۔

اور میں لوگوں کے لیے یہ بات بیان کرتا رہتا ہوں کہ سلف اور ائمہ سے جو اِس طرح اور اُس طرح کے قول پر تکفیر کے قول کا اطلاق کیا گیا ہے، تو وہ بھی حق ہے، لیکن اطلاق اور تعیین کے درمیان فرق کرنا واجب ہے۔

اور یہ بڑے اصولی مسائل میں سے سب سے پہلا مسئلہ ہے، جس میں امت کے درمیان نزاع واختلاف پیدا ہوا، اور وہ مسئلہ ''وعیــــد'' کا ہے، کیونکہ قرآن کی نصوص ''وعید'' کے متعلق ''مطلق'' وارد ہوئی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''إن الـذيـن يـأكـلـون أموال اليتامى ظلما'' اور اسی طریقہ سے وہ تمام نصوص جو اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں کہ جس نے اس سلسلہ میں ایسا کیا، تو اس کے لیے ایسی وعید ہے، تو یہ وعید بھی مطلق اور عام ہے، اور یہ وعید سلف کے اس قول کے درجہ میں ہے کہ جو شخص ایسا کہے، تو وہ ایسا ہے (یعنی جس طرح نصوص کی وعید ''مطلق'' ہے، لیکن متعین شخص کے حق میں اس وعید کا اطلاق ضروری نہیں، اسی طرح سلف سے مروی اس طرح کی کفر، یا فسق کی وعید کا بھی معاملہ ہے)

پھر متعین شخص کے حق میں وعید کا حکم لغو ہو جاتا ہے، یا تو توبہ کی وجہ سے، یا ایسی نیکیوں کی وجہ سے جو ایسی وعید کو مٹانے والی ہوتی ہیں، یا گناہوں کا کفارہ کرنے والے مصائب کی وجہ سے، یا قبول کی جانے والی شفاعت کی وجہ سے (یا کسی تاویل کی وجہ سے، جیسا کہ آگے آتا ہے)

اور تکفیر بھی ''وعید'' کے قبیل سے تعلق رکھتا ہے، کیونکہ اس میں رسول کے فرمان کی تکذیب کا قول پایا جاتا ہے، لیکن ایک شخص اسلام میں نو وارد ہوتا ہے، یا دور دراز جنگل کے علاقہ میں پلا بڑھا ہوتا ہے، اور اس طرح کے شخص کی کسی چیز کا انکار کرنے کی وجہ سے تکفیر نہیں کی جاتی، جب تک کہ اس پر حجت قائم نہ ہو جائے، اور بعض اوقات ایک شخص نے ان نصوص کو سنا نہیں ہوتا، یا اس نے ان نصوص کو سنا ہوا تو ہوتا ہے، لیکن اس کے نزدیک یہ نصوص ثابت نہیں ہوتیں، یا ان نصوص کے مقابلے میں کوئی دوسرا ایسا عارض ہوتا ہے، جس کی تاویل واجب ہوتی ہے، اگرچہ وہ خطاء کار (یعنی ''مصیب'' کی بجائے ''مخطی'' یا ''عاصی'') کیوں نہ ہو۔

اور میں ہمیشہ ''صحیحین'' میں مذکور اس حدیث کا ذکر کرتا رہتا ہوں، جو اس شخص کے بارے میں وارد ہوئی ہے، جس نے اپنے گھر والوں سے یہ کہا تھا کہ جب میں فوت ہو جاؤں، تو تم مجھے جلا دینا، پھر میری راکھ بنا کر دریا برد کر دینا، پس اللہ کی قسم! اگر اللہ مجھ پر قادر ہو گیا، تو وہ مجھے ضرور بالضرور ایسا عذاب دے گا کہ جو عذاب، عالمین میں سے کسی کو بھی نہیں دیا، پھر اُن لوگوں نے اس کے ساتھ یہی طرزِ عمل اختیار کیا، جس کے بعد اللہ نے اس کو فرمایا کہ تجھے اس طرزِ عمل پر کس چیز نے ابھارا تھا؟ اس نے جواب میں کہا کہ آپ کی خشیت نے، پس اللہ نے اس کی مغفرت فرما دی۔

پس اس شخص نے اللہ کی قدرت میں اور ذرہ ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کیے

جانے میں شک کیا، بلکہ اُس نے یہ عقیدہ اختیار کیا کہ اس کو دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا، حالانکہ یہ باتفاقِ مسلمین کفر ہے، لیکن وہ جاہل شخص تھا، جس کو اس کا علم نہیں تھا، اور وہ حقیقت میں مومن تھا، جو اللہ کی سزا سے ڈرتا تھا، پس اللہ نے اس وجہ سے اُس کی مغفرت فرمادی۔

اور اہلِ اجتہاد میں سے تاویل کرنے والا شخص اس مذکورہ شخص کے مقابلہ میں مغفرت کا زیادہ مستحق ہے، کیونکہ وہ رسول کی اتباع میں حریص ہوتا ہے (مجموع الفتاویٰ)

مذکورہ اور اس جیسی عبارات کو سامنے رکھ کر، جب بنظرِ انصاف جائزہ لیا جائے گا، تو معلوم ہوگا کہ معروف ومروج طریقہ کے مطابق ''حیات وممات'' اور ''سماعِ اموات'' کے زیرِ بحث مسائل اس قبیل سے تعلق نہیں رکھتے کہ ان میں ایک دوسرے کی طرف تضلیل، وتفسیق، اور تبدیع کی نسبت کی جائے۔

''تاریخِ دارالعلوم دیوبند'' اور قاری محمد طیب صاحب کا حوالہ

سابق مہتمم دارُالعلوم دیوبند، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب ''تاریخ دارالعلوم دیوبند'' نامی مفصل ومدلل کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

تمام ائمہ کے فقہی مراتب بحیثیتِ مجموعی اس (دیوبندی) مسلک میں آجاتے ہیں، زیادہ سے زیادہ راجح ومرجوح، یا افضل ومفضول، یا اصل وفرع، یا عزیمت ورخصت کا فرق نکل سکتا ہے، البتہ کہیں کہیں جائز وناجائز کا بھی فرق پیدا ہوتا ہے، مگر قلیل، سواس سے فقہ حنفی کی جامعیت اور دوسرے فقہوں کے برحق ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا، خواہ دونصوص باہم متعارض ہوں، یا ایک ہی نص کے دو پہلو فقہی طور پر متعارض ہوں، اس لیے اجتہادی فروعات میں اختلاف تو ہوجاتا ہے، مگر خلاف ونزاع کی کوئی شکل پیدا نہیں ہوسکتی کہ کسی فقہی مسلک سے اعراض،

یا گریز کی تہمت آئے، اس لیے ائمہ اجتہاد کی حقانیت وعظمت بھی ان کی شان کے مناسب قائم رہتی ہے، اوران کے فقہی مسلک کی صداقت وعظمت اور تعظیم وتوقیر میں بھی فرق نہیں آتا، پھر یہ اختلاف بھی حق وباطل کا نہیں ہوتا کہ باعثِ کش مکش ہو، بلکہ محض (اجتہادی وظنی) خطاً وصواب کا ہوتا ہے، جن میں سے کوئی بھی پہلو اجر سے خالی نہیں، اور ظاہر ہے کہ جب سارے فقہوں اور فقیہوں کے اجتہادات اس طرح ایک مرکز پر جمع ہوکر درجہ بدرجہ اپنے اپنے مقام ومرتبہ کے مناسب قائم رہتے ہیں، تو نہ صرف یہ کہ نزاع وجدال کے رخنے مسدود ہو جاتے ہیں، بلکہ قدرِ مشترک کے طور پر ایک **مـابـہ الاتحـاد** بھی پیدا ہو جاتا ہے، جس کے تحت یہ سارے فقہ اور فقہی مراتب نہ صرف معتبر ہی ٹھہرتے ہیں، بلکہ ایک مرکز پر سمٹ آتے ہیں، جو اس (دیوبندی) مسلک کی جامعیت کی کھلی دلیل ہے۔

رہے فِرَقِ حقہٗ اسلامیہ جو اصول ومبانی میں متحد رہ کر فروعی عقائد کے معانی میں بتقصائے قواعدِ شرعیہ کچھ مختلف ہیں، تو ظاہر ہے کہ اس کا منشا بھی اجتہادی نظر وفکر ہی ہے، جس سے بتفاوتِ اجتہاد، متفاوت نظریات قائم ہوکر عقیدے کی صورت اختیار کرلیں، اور وہ فرقہ سمجھے جانے لگیں، دراں حالیکہ وہ فرقہ نہیں ہوتے، جبکہ تمام اصول اور مبانیِ اسلام میں متحد ہیں، لیکن حضرت شاہ (ولی اللہ) صاحب رحمہ اللہ کا مسلک، جبکہ جامع نص واجتہاد ہے، تو ان فروعی عقائد کا بھی کوئی اجتہادی پہلو جب تک کہ شریعت کے بنیادی اصول اور اساسی قواعد وضوابط سے متصادم نہ ہو، نا قابلِ قبول نہیں رہتا'' بجز اس کے کہ اس پہلو کو مسئلہ کا بنیادی مقام دینے کے بجائے اُسے ضمنی، فرعی مقام پر رکھ دیا جائے'' ترک نہیں کیا جاتا، اس طرح سے کوئی بھی حقانی فرقہ اور اس کا کوئی بھی اعتقادی مسئلہ، جبکہ تھوڑی سی توجیہ کے بعد اس مسلک سے باہر نکلنے نہیں پاتا، صرف مقصدی اور غیر مقصدی

درجہ کا فرق باقی رہ جاتا ہے، تو اسے بھی کلیۃً متروک کر دینے کی صورت پیدا نہیں ہوتی، جبکہ وہ کسی نص کے محتملات، یا کسی شرعی اصول کی فرعیات کے دائرہ میں ہے، اس لیے اس جامع مسلک میں یہ اسلامی فرقے بھی اصل فرقۂ حقہ سے کلیۃً جدا نہیں ہوتے، بلکہ اس سے قریب تر ہو جاتے ہیں، صرف فرقِ باطلہ ہی باہر رہ جاتے ہیں، جو حق کے دائرہ میں داخل ہی ہونا نہیں چاہتے (تاریخ دارالعلوم دیوبند، ص۲۹و۳۰، مقدمہ، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات لاہور، کراچی)

اس عبارت کے پیشِ نظر مبحوث فیہا مسائل میں جو حضرات اصول ومبانی میں متحد رہ کر فروعی عقائد کے معانی میں بتقضائے قواعدِ شرعیہ، اور بتفاوتِ اجتہاد کچھ مختلف ہیں، اس کا منشاء اجتہادی نظر وفکر ہے۔

پس اس قسم کی عبارات وحوالہ جات کی روشنی میں ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ ''برزخ وقبر کی حیات'' اور ''راحت وعذاب'' کے وجود، اور فی الجملہ روح، وجسم کے تعلق کے ثبوت اور انبیائے کرام کے اجسام کو متغیر ہونے سے محفوظ رہنے کو تسلیم کرنے، اور سماعِ موتی، بشمول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع کا انکار کرنے، یا کسی خاص مقام سے انکار کرنے، یا صرف کیفیت ونوعیت میں اختلاف کرنے، اور اس کی تقلید کرنے والے پر تکفیر وتفسیق اور تبدیع وغیرہ کا حکم لگانے سے اجتناب کرنا چاہیے، اور اس قسم کے مسائل میں دلائل کی رو سے مخطی محسوس ہونے والے کو عنداللہ معذور، بلکہ ماجور سمجھنا چاہیے۔

اور دلائل کی رو سے، جس کے ساتھ حق وصواب معلوم ہو، اس کی محض اپنا ہم مسلک وہم مشرب نہ ہونے کی وجہ سے تعصب کی بنیاد پر مخالفت کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

خلاصۂ کلام

گزشتہ اوراق میں جو تفصیل ذکر کی گئی، اس کا خلاصہ یہ نکلا کہ انسان کے دنیا سے فوت ہونے کے بعد قیامت قائم ہونے سے پہلے کا زمانہ ''برزخ'' یا ''عالمِ برزخ'' کہلاتا ہے، جہاں ہر انسان فوت ہونے کے بعد پہنچتا ہے، اور قبر اس گڑھے کو کہا جاتا ہے، جس میں انسان کو دفن کیا جاتا ہے۔

اور بعض اوقات قبر بول کر برزخ کو مراد لیا جایا کرتا ہے، جس سے مرنے کے بعد کا زمانہ، یا ہر وہ مقام مراد ہوتا ہے، جہاں بھی میت کی روح اور اس کا جسم، یا جسم کا کوئی جزء وحصہ موجود ہو، خواہ قبر کا گڑھا ہو، یا درندہ کا پیٹ ہو، یا سمندر و دریا وغیرہ کی تہ ہو، یا کوئی اور جگہ ہو۔

اور قبر بول کر برزخ مراد لینے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم قبر میں دفن کرنے کی ہی ہے، نیز انسان کے فوت ہونے کے بعد اس کے جسم کے اجزاء، مٹی ہی میں شامل ہو کر قبر کا حکم حاصل کر لیتے ہیں۔

اور مرنے کے بعد سے لے کر قیامت قائم ہونے تک جو زمانہ روح پر گزرتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس روح کے ساتھ اچھے، یا بُرے اعمال کے اعتبار سے راحت، یا تکلیف کا معاملہ پیش آتا ہے، اور جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک اس راحت، یا تکلیف کے احوال زیادہ تر اور غالب طور پر روح کے ساتھ پیش آتے ہیں، جس کا جنت، یا جہنم سے بھی رشتہ و کنکشن قائم ہوتا ہے، اور جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک عالمِ برزخ میں انسان کی روح کا اس کے جسم و بدن کے ساتھ بھی اللہ کی حسبِ مشیت وحسبِ حکمت کسی کا قوی درجہ میں، اور کسی کا کمزور درجہ میں تعلق اور کنکشن قائم ہوتا ہے، خواہ وہ تعلق بدن کے مکمل حصہ کے ساتھ قائم ہو، جبکہ وہ سلامت ہو، یا اس کے منتشر و متفرق اجزاء کے ساتھ ہو، یا بعض اجزاء کے ساتھ ہو، اس سے اصل مقصود پر فرق نہیں پڑتا، اور یہ ''برزخی حیات'' یا ''برزخی زندگی''

کہلاتی ہے، اور فوت ہونے کے بعد انسان کا جسم وبدن، یا اس کے اجزاء، خاص طور پر ریڑھ کی ہڈی کبھی ختم نہیں ہوتی، جو انسان کے جسم وبدن اور روح کے لیے ہارڈ ڈسک کی حیثیت رکھتی ہے، وہ جہاں بھی ہو، اس کے ساتھ اس کی روح کا تعلق وکنکشن قائم ہوتا ہے، اور روح ایک طرح سے جسم، یا بدن کے مقابلے میں سافٹ ویئر کی حیثیت رکھتی ہے، اور روح کے ساتھ برزخ میں، خواہ وہ علیین کا معاملہ ہو، یا سجین کا، بہت سے واقعات وحالات پیش آتے ہیں، خواہ وہ انسانوں کو اپنی آنکھوں سے نظر نہ آئیں، اور کانوں سے سنائی نہ دیں، جیسا کہ سونے والے کو خواب میں نظر آنے والے اچھے، برے حالات دوسروں پر ظاہر نہیں ہوتے اور ''قبر کا حال مُردہ جانے'' والی بات ہوتی ہے، اور اگر کسی کو پوری بات سمجھ نہ آسکے، تو یہ عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص کی روح کو اس کے حسبِ عمل راحت، یا تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس کا اس کے جسم اور بدن کو بھی اپنی اپنی نوعیت کے اعتبار سے احساس وادراک ہوتا ہے، جس کی پوری حقیقت سے مُردہ ہی واقف ہوتا ہے۔

اور اگر کسی کو پھر بھی کوئی ابہام پیدا ہو، تو اسے اپنے فوت ہونے کا انتظار کرنا چاہیے، جس کے بعد اس کے سامنے سارا ابہام دُور ہو کر پوری حقیقت روزِ روشن کی طرح کھل کر سامنے آجائے گی۔

اور انبیائے کرام علیہم السلام پر بھی دنیا کے اعتبار سے موت واقع ہوا کرتی ہے، اسی وجہ سے ان کو غسل دیا جاتا ہے، کفن پہنایا جاتا ہے، دفن کیا جاتا ہے، اور وہ بھی وفات کے بعد عالمِ برزخ میں پہنچتے ہیں، کیونکہ عالمِ برزخ، دراصل دنیا کی وفات سے لے کر قیامت قائم ہونے کے درمیانی زمانہ کا نام ہے، اس لیے انبیائے کرام کی دنیاوی موت اور وفات کا انکار کرنا، درست نہیں، اور انبیائے کرام علیہم السلام کی وفات کو ''موت'' سے تعبیر کرنے کو بے ادبی وگستاخی تصور کرنا بھی کم علمی پر مبنی ہے۔

اور فوت ہونے والے کے ساتھ پیش آنے والی راحت، یا تکلیف کا اصل تعلق تو روح کے

ساتھ ہوتا ہے، جیسا کہ بیان ہوا، اور برزخ میں انسان کے جسم وبدن کے ساتھ بھی روح کا کسی نہ کسی نوعیت کا رشتہ قائم ہوتا ہے، اور برزخ میں سب سے قوی اور اعلیٰ درجہ کی حیات انبیائے کرام کو حاصل ہوتی ہے، اس لیے ان کی ارواح کا ان کے ابدانِ مبارکہ کے ساتھ قوی تعلق قائم ہوتا ہے، اور ان کی ارواح بلند وبالا مقامات پر فائز ہونے کے باوجود، اجسامِ مبارکہ کے ساتھ بھی اس طرح وابستہ ہوتی ہیں کہ ان کے اجسام تروتازہ اور پاک وصاف ہوتے ہیں، جو نہ گلتے سڑتے، نہ مٹی ہوتے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بندوں کی طرف سے پیش کیے جانے والے سلام کا جواب بھی عنایت فرماتے ہیں، اور سلام ان تک پہنچانے کے لیے اللہ نے فرشتوں کو مامور ومقرر فرما دیا ہے، اور اگر اللہ کی حکمت ومشیت کا تقاضا ہو، تو اللہ زندہ کے کسی کلام کو، مُردہ کو بالواسطہ، یا بلاواسطہ سنا سکتا ہے، خواہ کلام کرنے والا میت سے قریب ہو، یا دور ہو، انسان کو خود سے قدرت حاصل نہیں کہ وہ جس مردے کو چاہے، دور، یا قریب سے اپنا جو بھی کلام سنائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی امتیوں کا سلام پہنچانے کے لیے اللہ نے فرشتوں کو مقرر فرما رکھا ہے، اس لیے اُن کو بھی یہ سلام حکمِ الٰہی کے ذریعے سے ہی پہنچتا ہے، ورنہ عالمِ شہادت وعالمِ دنیا سے عالمِ غیب وعالمِ برزخ میں آواز پہنچانے کی خود سے کسی کو یہ قدرت ہرگز حاصل نہ تھی۔

ان چیزوں کا معتبر نصوص میں ذکر آیا ہے، لیکن چونکہ ان چیزوں کا تعلق غیبی امور سے ہے، جن کے بارے میں مومن کو قرآن وسنت پر ایمان لانے کا حکم ہے، اس لیے قرآن وسنت کی معتبر نصوص پر ایمان رکھنا کافی ہے، جس طرح سے بھی وہ نصوص کسی اجمال، یا تفصیل کے ساتھ آئی ہیں۔

اور بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے اتنے قریب رہ کر سلام کرنے والے کو براہِ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سماعت فرماتے ہیں کہ اگر آپ کی حیاتِ دنیوی میں کوئی اتنے قریب سے سلام کرتا، تو آپ عادتاً سماعت فرما لیتے، اور اس سے زیادہ فاصلہ پر رہ

کر سلام کرنے والے کے سلام کو فرشتے، آپ تک پہنچاتے ہیں، اور آج کل چونکہ قبرِ نبوی کے احاطہ میں کئی دیواریں، حدِ فاصل ہیں، اس لیے ان کے باہر سے سلام کرنے والے کے سلام کو براہِ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سماعت نہیں فرماتے، البتہ فرشتوں کے واسطے سے یہ سلام آپ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

جبکہ بعض علماء مسجدِ نبوی کے کسی بھی حصہ سے پڑھے گئے سلام کے براہِ راست سماعت فرمانے کے قائل ہیں۔

اور علماء کا ایک طبقہ وہ بھی ہے، جو دور اور قریب کی تقسیم وتفریق کیے بغیر، بہر حال فرشتوں کے واسطے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک سلام پہنچنے کا قائل ہے۔

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر بہر حال نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک امتیوں کا سلام پہنچنے پر سب ہی کا اتفاق ہوا۔

اور بعد کے درجہ کا مذکورہ اختلاف فروعی واجتہادی نوعیت کا ہوا، جس میں ایک فریق کا دوسرے فریق کو گمراہ وبدعتی وغیرہ قرار دینا درست نہیں۔

اور اس طرح کے غیبی وبرزخی امور کی تعبیرات اور عنوانات وتوجیہات اور تشبیہات وتمثیلات میں اصحابِ علم کا اختلاف، حقیقی اختلاف نہیں کہلایا کرتا، جب تک نصوص کے دائرے میں رہا جائے، جیسا کہ بعض حضرات نے انبیائے کرام کے اجسام سلامت ہونے کی بناء پر ان کی برزخی حیات کو دنیا کی سی حیات سے تشبیہ دے دی ہے، بعض نے اس کو حقیقی حیات کہہ دیا ہے، بعض نے برزخی حیات کہہ دیا ہے، بعض نے اس حیات کو کسی جہت سے دنیا کی حیات کے مقابلہ میں ضعیف وکمزور اور مجازی حیات اور بعض نے اس حیات کو کسی دوسری جہت سے دنیا کی حیات کے مقابلہ میں اعلیٰ وافضل ہونے سے تعبیر کر دیا ہے، یہ سب دراصل برزخی حیات ہی کی مختلف تعبیرات ہیں، اور ایک ہی معنون کے مختلف عنوانات ہیں، ''برزخی حیات'' کا ان میں سے کوئی بھی منکر نہیں، جس طرح دنیاوی طبعی موت واقع ہونے کا کوئی بھی منکر نہیں، جبکہ

بعض الفاظ کی حیثیت مترادفات سے زیادہ نہیں، لہٰذا ان تعبیرات وعنوانات اور تشبیہات و تمثیلات وغیرہ میں حقیقی اور واقعی ٹکراؤ سمجھنا، اوران کی وجہ سے ایک دوسرے کوگمراہ وبدعتی قرار دینا، اوران امور پرایک دوسرے سے مناظرہ ومجادلہ کرنا، کم علمی، یاتعصب پرمبنی طریقہ ہے۔
یہی وجہ ہے کہ مبحوث فیہ موجودہ اختلاف سے پہلے بھی اہل السنۃ والجماعۃ کے مختلف اصحابِ علم اور محققین نے ان تعبیرات وعنوانات کواختیار فرمایا، لیکن انہوں نے نہ توایک دوسرے کوگمراہ قرار دیا، نہ ایک دوسرے پرطعن وتشنیع کی، نہ ہی اس اختلاف کوحقیقی، یا واقعی نوعیت کا اختلاف سمجھا۔
افسوس کہ آج اُن غیبی امور سے متعلق قرآن وسنت کی معتبر نصوص کونظرانداز کرکے، زبان و قلم کا زوران امور کی کیفیات اوران کی تشبیہات وقیاسات، یامختلف واقعات وحکایات اور مکاشفات یاخوابوں وغیرہ پرصرف کیا جاتا ہے، اوراس سلسلے میں بعض کم علم، یامتعصب قسم کے اسٹیجی حضرات کی سطحی اور قیاس مع الفارق والی بے سروپا باتوں کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے، جس کے نتیجہ میں ایک دوسرے کے خلاف زبانِ طعن دراز ہوجاتی ہے، اوراس مقصد کے لیے اپنے قیمتی اوقات واموال، اورصلاحیتوں کوخرچ کیا جاتا ہے، اورایک دوسرے کے مقابلے میں اپنی اپنی افواج تیارکرنے، ان میں اضافہ کرنے، اوران کوایک دوسرے کے خلاف بحث ومباحثہ اورایک دوسرے کی تحقیر وتذلیل کے لیے مسلح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان پھوٹ پیدا ہوتی ہے، اوران کی اجتماعیت اور وحدانیت کونقصان پہنچتا، اوردشمنانِ اسلام کوتقویت حاصل ہوتی ہے۔
قرآن وسنت کی معتبر نصوص اورصحابۂ کرام، مفسرین ومحدثینِ عظام اورمجتہدین وفقہائے کرام اورسلفِ صالحین نے جن چیزوں کی کیفیات ونوعیات کی تعیین اورکھودکرید نہیں کی، بلکہ ان امور سے تعرض ہی نہیں کیا، ایسی صورت میں اگران امور میں اپنی صلاحیتوں کے کھپادینے کو ''بدعتِ شرعیہ ومحدثہ'' سے تعبیر کیا جائے، توبے جانہ ہوگا۔

جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نینداور خواب کی شکل میں عالمِ برزخ وقبر کے حالات کو سمجھنے کی ایک ایسی نظیر ومثال پیدا اور بیان فرمادی گئی ہے، جس سے عادتاً ہر انسان کو روزانہ سابقہ پڑتا ہے، خواہ مومن ہو، یا کافر ہو، سنّی ہو، یا غیر سنّی ہو۔

اور آج جبکہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی دنیا نے اس قدر ترقی حاصل کرلی ہے کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے، انسان ایک چھوٹی سی ڈیوائس اور موبائل سیٹ کے ذریعہ دور دراز کی باتوں کو دیکھ اور سن لیتا ہے، اور ایک پروگرام کا مختلف مقامات ومواضع سے تعلق وکنکشن قائم ہوجاتا ہے، سیٹلائٹ اور اس سے منسلک مختلف پروگراموں کا رات دن مشاہدہ کیا جاتا ہے، جن کے ذریعے زمین اور فضاء وخلاء کے تعلق اور کنکشن کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

اس قسم کی سائنسی تحقیقات وترکیبات کو تو شکوک وشبہات کا اظہار کیے بغیر قبول کیا جاتا ہے، اور بحث ومباحثہ کا بازار گرم نہیں کیا جاتا، لیکن جب سب سے بڑے مخبرِ صادق، اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ایک مستقل عالم ''برزخ وقبر'' کے متعلق، قرآن مجید اور معتبر احادیث میں بیان کردہ امور، اور روح کے جسم کے ساتھ تعلق کا معاملہ آتا ہے، تو طرح طرح کے شکوک وشبہات کا اظہار، اور بحث ومباحثہ کا بازار گرم کیا جاتا ہے، اور ایک دوسرے کو گمراہ وبدعتی وغیرہ نہ جانے کیا کچھ قرار دیا جاتا ہے۔

یہ طرزِ عمل آج کی دنیا میں مسلمانوں کے لیے نہ صرف یہ کہ لمحۂ فکریہ ہے، بلکہ ان کی سائنسی دنیا میں جگ ہنسائی کا بھی ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ افراط وتفریط سے محفوظ فرما کر اعتدال کو اختیار کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

محمد رضوان خان

20 / ربیع الاول / 1443ہجری۔ بمطابق 27 / اکتوبر / 2021ء بروز بدھ

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی و تحقیقی سلسلہ

ضعیف وموضوع

حدیث کا حکم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی و غیر مستند احادیث کی نسبت کرنے
اور ہر سنی ہوئی بات کو بیان ونقل کرنے پر واردشدہ وعیدوں کا ذکر
عقائدواحکامِ شریعت کے ثبوت میں صحیح وحسن، اور ضعیف احادیث کا حکم
شدید ضعیف، اور موضوع احادیث کو بیان کرنے کی شرط
فضائل کے باب میں ضعیف احادیث کو بیان کرنے کی شرائط کی تحقیق
اسرائیلی روایات کو بیان ونقل کرنے، اوران کی تصدیق وتکذیب کا حکم
موجودہ زمانہ میں ضعیف احادیث کے متعلق پائی جانے والی افراط وتفریط پر کلام

مصنّف

مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران چاہ سلطان راولپنڈی

www.idaraghufran.org

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین
472	**تمہید** (از مؤلف)
476	(باب نمبر 1) **احادیث کو روایت و بیان کرنے کی فضیلت ونزاکت**
477	(فصل نمبر 1) **حدیث کو محفوظ کر کے اسی طرح پہنچا دینے کی فضیلت**
//	سورہ نجم کا حوالہ
479	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث
480	عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث
481	زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث
482	انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث
//	جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث
483	ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

ہمارے زمانہ اور بطورِ خاص ہمارے بلاد ودِیار میں احادیثِ نبوی کی اسنادی تحقیق پر کام، اور اس کی ضرورت واہمیت کے احساس میں بہت زیادہ کمی پائی جاتی ہے۔

ہمارے یہاں تفسیر، فقہ، تصوف اور ترغیب وترہیب وغیرہ کے عنوان سے مختلف اوقات میں یکے بعد دیگرے جو کام ہوتا رہا، اس میں بہت بڑا مواد غیر معتبر احادیث کی صورت میں موجود ہے، جن کی اسناد کی تحقیق کے بغیر ان کو نقل وبیان کرنے میں تساہل سے کام لیا گیا۔

اور گذشتہ کچھ زمانوں میں ہمارے علاقوں میں جو علمی ومذہبی جہت سے کام ہوا، اور دینی تعلیم وتعلُّم کے عنوان سے جو ادارے قائم ہوئے، ان میں بھی علمِ حدیث پر اس پہلو سے کما حقہ وہ کام نہ ہوسکا، جس کی ضرورت تھی، البتہ فقہی وفروعی اعتبار سے اپنے اپنے مسلک کی دوسرے مسالک پر ترجیح وفوقیت کو ثابت کرنے کے لئے ایک درجہ میں کام ہوا، لیکن اس میں بھی اعتدال کے اصولوں کو ملحوظ رکھنے میں کوتاہی برتی جاتی رہی، مثلاً جب جب اپنے مسلک کے فروعی مسئلہ کو راجح، اور دوسرے کو مرجوح قرار دینے کی ضرورت پیش آئی، تو اس کی خاطر کمزور حدیث کو مضبوط، اور مضبوط حدیث کو کمزور ثابت کرنے کی بھی جدوجہد کی گئی۔

پھر پہلے فارسی، اور پھر اردو زبان میں جو دینی عنوان سے کتابیں تحریر وتصنیف کی جاتی رہیں، اور بزرگوں کے مواعظ وملفوظات ترتیب دیے جاتے رہے، ان میں بھی احادیث کی اسنادی حیثیت کو ملحوظ رکھنے کا اہتمام بہت کم رہا۔

اور بہت سی کتابوں میں اسرائیلی روایات کو بلا کھٹک درج کرنے کا معمول رہا۔

اس طرزِ عمل کے نتیجہ میں بہت سی ضعیف، اور شدید ضعیف، یہاں تک کہ موضوع احادیث، اور اسرائیلی روایات بھی معاشرہ میں عام ہوتی چلی گئیں۔

اوراب اس طرح کی بہت سی ایسی احادیث، اوراسرائیلی روایات کو برسرِ محراب وممبر بیان کیا جاتا ہے، اوران میں بیان کردہ مضامین کے مطابق لوگوں کواپنے عقائد وافکار ڈھالنے کی تلقین کی جاتی ہے کہ جواحادیث یاتو ضعیف سند کی حامل ہیں، جن کا عقائد کے باب میں اعتبار ہی نہیں ہوتا، یاوہ اس قدر شدید ضعیف سند کی حامل، بلکہ موضوع ومن گھڑت ہیں کہ جن کا فضائلِ اعمال میں بھی اعتبار نہیں کیا جاتا، یا اسرائیلی روایات ہیں، جن کی تصدیق نہیں کی جاسکتی، بلکہ بعض کی تردید ضروری ہے۔

ہمارے یہاں اردو زبان میں انبیائے کرام صلی اللہ علیہم وسلم کی سیرت پر جو بعض کتب تصنیف کی گئیں، ان میں بھی معتبر اسناد پر مشتمل احادیثِ نبوی کوملحوظ رکھنے، بلکہ ان کی تحقیق کرنے کی زحمت گوارانہیں کی گئی، صحابہ واولیاء اور بزرگانِ دین کی سیرت، اوران سے متعلق واقعات وحالات کی سند کی تحقیق تو اس کے بھی بعد کی چیز ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے یہاں ''تبلیغی نصاب'' اور''فضائلِ اعمال'' وغیرہ کے نام سے تبلیغی جماعت میں بعض کتب ورسائل رائج ہیں، اوران کی جگہ جگہ مساجد وغیر مساجد میں تعلیم ہوتی ہے، اوران کتب ورسائل میں تحریر شدہ احادیث وروایات، اور واقعات وحکایات کوممبر ومحراب اور بڑے بڑے اجتماعات میں بکثرت بیان کیا جاتا ہے۔

دراں حالیکہ ان کتب ورسائل میں بہت سی احادیث وروایات موضوع ، یا شدید ضعیف ہیں، جن کا فضائل میں بھی اعتبار نہیں کیا جاتا، اور بہت سی احادیث وروایات ایسی ہیں، جو ضعیف ہیں، لیکن ایک توان احادیث کے ضعیف ہونے سے اکثر لوگ واقف نہیں، دوسرے ضعیف احادیث جن شرائط کے ساتھ فضائل میں قابلِ عمل ہوسکتی ہیں، ان شرائط کا بھی نہ تو علم ہے، اور نہ ہی ان کے مطابق عمل ہے، اسی وجہ سے اس طرح کی بہت سی احادیث پر لوگوں کے عقائد اتنے پختہ ہوچکے ہیں کہ ان کوضعیف ماننے کے لئے بھی وہ لوگ آمادہ نہیں۔

اوراس کے مقابلہ میں ایک طبقہ وہ ہے، جو مذکورہ کتب ورسائل کوسرے سے ہی ناقابلِ اعتبار

ٹھہرانے کی کوشش کرتا ہے، دراں حالیکہ ان کتب ورسائل میں بہت سی احادیث صحیح اور حسن درجہ کی بھی ہیں۔

اور یہ معاملہ صرف مذکورہ کتب ورسائل تک محدود نہیں، بہت سی دوسری مطبوعہ کتب ورسائل میں بھی یہی، یا اس سے ملتی جلتی حالت ہے۔

غرضیکہ ہمارے یہاں مختلف جہات سے ضعیف احادیث کے متعلق بہت زیادہ افراط وتفریط پائی جارہی ہے۔

ایک طبقہ وہ ہے، جس نے ''فضائل سے متعلق اعمال'' کے بارے میں ضعیف احادیث کے قبول ہونے کا دعویٰ کرکے، اس کے پردہ میں شدید ضعیف اور موضوع ہر قسم کی احادیث وروایات کو چلانا اور کھپانا شروع کردیا ہے، جس کے نتیجہ میں بہت سی شدید ضعیف اور موضوع احادیث نہ صرف یہ کہ ہمارے معاشرہ میں پھیل چکی ہیں، بلکہ اب ان کے مطابق لوگوں کے عقائد بھی فاسد ہوکر اتنے پختہ اور مضبوط ہوچکے ہیں کہ ان احادیث کو نا قابلِ اعتبار، بلکہ ضعیف قرار دینے پر بھی بعض لوگ لڑنے، مرنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں، اور جس شخص کی طرف سے مضبوط دلائل وحوالہ جات کے ساتھ، اس طرح کی حدیث کی سند پر جرح کی جائے، تو اس کے خلاف تحریک چلانے پر بھی لوگوں کو ابھارا جاتا ہے، اور اس کے خلاف تحریر وتقریر کے ذریعہ الزام تراشیوں کا سلسلہ بھی شروع کیا جاتا ہے۔

جبکہ ایک طبقہ وہ ہے، جو اس مذکورہ طبقہ کی حد تک تو نہیں پہنچا، لیکن اس نے ضعیف حدیث کو فضائل کے بارے میں قبول کرنے کے دعوے کو بنیاد بنا کر اس بارے میں مسلکِ معتدل کی طرف سے بیان کردہ شرائط وقیود کو اس طرح سے نظر انداز وپامال کردیا کہ اس کو اس بات کا علم بھی نہیں کہ ضعیف احادیث کن ابواب میں اور کن شرائط کے ساتھ قابلِ عمل ہوسکتی ہیں، اور ظاہر ہے کہ جب علم نہیں ہوگا، تو عمل کیونکر ہوگا۔

اور ان مذکورہ طبقات کے مقابلہ میں ایک طبقہ وہ ہے، جو ضعیف احادیث کو فضائلِ اعمال کے

باب میں بھی قابلِ عمل نہیں سمجھتا، اس طبقہ کا کہنا ہے کہ ہمارے لئے ضعیف احادیث سے اوپر درجہ کی صحیح اور حسن درجہ کی احادیث کافی وافی ہیں، جن میں شریعتِ مطہرہ کے اصل احکام اور ترغیب وترہیب کی سب چیزیں موجود ہیں، جن کی موجودگی میں ہمیں ضعیف احادیث کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں، اوران پر ہمارے دین کا کوئی ضروری مسئلہ موقوف نہیں۔

بعض محدثین وعلماء کا یہ موقف بھی رہا ہے، اگرچہ اکثر وجمہور کا موقف اس کے برخلاف ضعیف احادیث کے فضائل کے باب میں بعض شرائط کے ساتھ قابلِ عمل ہونے کا ہے، لیکن مذکورہ موقف کو گمراہی اور ضلالت پر مبنی، یا اہلُ السنۃ والجماعۃ سے خارج قرار دینا، یا اس موقف کواجماع کے خلاف سمجھنا بھی مبنی برانصاف نہیں۔

اگرکسی کو جمہور کے موقف سے اتفاق نہ ہو، اور وہ نیک نیتی کے ساتھ اسی مذکورہ موقف کوراجح سمجھ کر اس کے مطابق عمل کیا کرے، تو اس کی وجہ سے وہ گناہ گار نہیں ہوگا، لیکن اس کو یہ حق نہیں کہ وہ جمہور کے قول کو گمراہی اور ضلالت پر مبنی قرار دے، البتہ اگرکوئی جمہور کے موقف کے مطابق شرائط پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کے طرزِ عمل پر نکیر کرے، تو یہ الگ مسئلہ ہے، اوراس کو جمہور کے خلاف سمجھنا درست نہیں۔

ان حالات میں ضرورت محسوس ہوئی کہ اس موضوع پر کچھ تفصیل وتحقیق کے ساتھ کام کردیا جائے، اورافراط وتفریط پر روشنی ڈال دی جائے۔

اسی مقصد کے لئے ''ضعیف وموضوع حدیث پر عمل کا حکم'' کے عنوان سے ایک مضمون ترتیب دیا ہے، جس کو آنے والے صفحات میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال کواختیار کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

محمد رضوان۔ یکم/ جمادی الاولیٰ/1445ھ-16 /نومبر/2023ء، بروز جمعرات

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(باب نمبر 1)

احادیث کو روایت و بیان کرنے کی فضیلت ونزاکت

اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی آخرالزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سی ایسی خصوصیات وبرکات، اور فضائل وخصائل سے نوازا ہے، جو دوسرے نبیوں کو عطاء نہیں کئے گئے، جن میں یہ فضیلت وخصوصیت بھی ہے کہ آپ کو قیامت تک کے لئے تمام جن وانس کے لئے نبی بنایا ہے، اور آپ کے ذریعہ بھیجی ہوئی شریعت کو قیامت تک کے لئے شریعت مقرر کیا ہے، اور آپ کی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی ہر بات کو ''حجت'' قرار دے دیا ہے، اور ایسے الفاظ وکلمات کی صفت سے آپ کو متصف کیا گیا ہے کہ جو اپنی جامعیت، کاملیت اور قابلیت وفاتحیت وغیرہ میں معجزانہ حیثیت رکھتے ہیں، اور ان سے تاقیامت نت نئے علوم ومعارف کا استنباط ہوتا رہے گا، اس لئے ضروری ہوا کہ ان الفاظ وکلمات کی بھی حفاظت کی جائے، اور ان کی تعلیم وتبلیغ کا اہتمام کیا جائے، اور جو باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معتبر طریقہ پر ثابت نہیں، یا جھوٹے لوگوں نے گھڑی ہیں، ان کی حقیقت سے بھی آگاہی حاصل کی جائے، تاکہ غیر نبی کی بات کو نبی کی بات سمجھ کر شریعت کے کسی حکم میں تحریف لازم نہ آئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے کوئی جھوٹی حدیث بیان کرنا سخت وبال کی بات ہے۔

اس وجہ سے احادیث کے بیان کرنے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے، اور اسی وجہ سے صحابۂ کرام ومحدثینِ عظام نے احادیث کی سندیں محفوظ کرنے کا بہت اہتمام کیا ہے، اور احادیث کی سند میں آنے والے راویوں کی خوب اچھی طرح تحقیق اور چھان بین سے کام لیا ہے۔

آگے ان امور پر الگ الگ فصلوں کے ذیل میں کلام کیا جاتا ہے۔

(فصل نمبر1)

حدیث کو محفوظ کر کے اسی طرح پہنچا دینے کی فضیلت

(1)......پہلی بات تو یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلنے والے الفاظ کے وحی کے درجہ میں ہونے کی قرآن مجید میں گواہی دی ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے جامع کلمات کی خصوصیت عطاء کی گئی تھی، جو آپ کی خصوصیت ہے، جس میں کوئی دوسرا بندہ شریک نہیں، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کی حفاظت کی بڑی اہمیت وفضیلت ہے، اسی لئے احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو انہی الفاظ کے ساتھ یاد کر کے آگے پہنچانے کی عظیم فضیلت ہے۔

سورہ نجم کا حوالہ

سورہ نجم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى. مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى. وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (سورة النجم، رقم الآيات ١ الىٰ ٤)

ترجمہ: قسم ہے ستارے کی جب وہ ڈوبنے لگے۔ تمہارا رفیق (وساتھی) نہ گمراہ ہوا ہے اور نہ بہکا ہے۔ اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتا ہے۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے (سورہ نجم)

احادیث سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنْتُ أَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ أَسْمَعُهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيْدُ حِفْظَهُ، فَنَهَتْنِيْ قُرَيْشٌ، فَقَالُوْا: إِنَّكَ تَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تَسْمَعُهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا، فَأَمْسَكْتُ عَنِ الْكِتَابِ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: اُكْتُبْ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا خَرَجَ مِنِّيْ إِلَّا حَقٌّ (مسند احمد، رقم الحديث ٦٥١٠) [1]

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو چیزیں سن لیتا، اسے لکھ لیتا تھا، تاکہ یاد کرسکوں، مجھے قریش کے لوگوں نے اس سے منع کیا اور کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ بھی سنتے ہو سب لکھ لیتے ہو، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک انسان ہیں، بعض اوقات غصہ میں بات کرتے ہیں اور بعض اوقات خوشی میں، ان لوگوں کے کہنے کے بعد میں نے لکھنا چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ذکر کردی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لکھ لیا کرو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میری زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا (مسند احمد)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: إِنِّيْ لَا أَقُوْلُ إِلَّا حَقًّا، قَالَ بَعْضُ أَصْحَابِهٖ: فَإِنَّكَ تُدَاعِبُنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، فَقَالَ: إِنِّيْ لَا أَقُوْلُ إِلَّا حَقًّا (مسند احمد، رقم الحديث ٨٤٨١) [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤط: إسناده قوى من أجل محمد (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو ہمیشہ حق بات ہی کہتا ہوں، کسی صحابی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ تو ہمارے ساتھ مذاق بھی کرتے ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (مذاق میں بھی) میں ہمیشہ حق بات ہی کہتا ہوں (مسند احمد)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الْكَلِمِ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۶۹۹۸، کتاب التعبیر)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے فتح کرنے والے کلمات عطاء کئے گئے ہیں (بخاری)

اور صحیح بخاری کی ہی ایک روایت میں ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ: بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَبَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيْتُ بِمَفَاتِيْحِ خَزَائِنِ الْأَرْضِ فَوُضِعَتْ فِيْ يَدِيْ قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: وَبَلَغَنِيْ أَنَّ جَوَامِعَ الْكَلِمِ: أَنَّ اللّٰهَ يَجْمَعُ الْأُمُوْرَ الْكَثِيْرَةَ الَّتِيْ كَانَتْ تُكْتَبُ فِي الْكُتُبِ قَبْلَهُ، فِي الْأَمْرِ الْوَاحِدِ، وَالْأَمْرَيْنِ، أَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۷۰۱۳، کتاب التعبیر، باب المفاتیح فی الید)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے جامع کلمات کے ساتھ بھیجا گیا ہے، اور میری رعب کے ذریعہ نصرت کی گئی ہے، اور میں سویا ہوا تھا، تو مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطاء کی گئیں، جن کو میرے

ہاتھ میں رکھا گیا۔

ابوعبداللہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ''جوامعِ کلم'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے بہت سارے امور جو پہلی کتابوں میں لکھے ہوئے تھے، انہیں ایک، یا دو، یا ان جیسے امور (یعنی کلموں وجملوں) میں جمع کر دیا (بخاری)

اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ (صحيح مسلم، رقم الحديث ۵۲۳ "۵" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب جعلت لى الأرض مسجدا وطهورا)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دوسرے نبیوں پر چھ چیزوں میں فضیلت عطاء کی گئی ہے، مجھے جامع کلمات عطاء کئے گئے ہیں، اور میری رُعب (اور دبدبہ) سے نصرت کی گئی ہے، اور میرے لئے مالِ غنیمت کو حلال کر دیا گیا ہے، اور میرے لئے زمین کو پاکی کا ذریعہ اور مسجد (یعنی نماز پڑھنے کی جگہ) کر دیا گیا ہے، اور مجھے پوری مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہے، اور میرے ذریعہ سے نبیوں (کی آمد) کا خاتمہ کر دیا گیا ہے (مسلم)

اس سے ملتے جلتے مضمون کی دوسری احادیث وروایات بھی ہیں، جن سب کو نقل کرنے کا یہ موقع نہیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَیْئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ (سنن الترمذی، رقم الحدیث ۲۶۵۷، ابواب العلم ، باب ما جاء فی الحث علی تبلیغ السماع) [1]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ اللہ اس شخص کو شاد وآباد رکھے (یعنی اسے تروتازہ، اورخوش رکھے) جس نے ہم سے کچھ سنا، پھر اس کو اسی طرح (دوسروں تک) پہنچا دیا، جس طرح سنا تھا، پس بہت سے وہ لوگ جنہیں (ہماری بات) پہنچے گی، وہ سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے (اور سمجھنے والے) ہوں گے (ترمذی)

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِیْثًا فَحَفِظَهُ حَتّٰی یُبَلِّغَهُ غَیْرَهُ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰی مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَیْسَ بِفَقِیْهٍ (ترمذی، رقم الحدیث ۲۶۵۶، ابواب العلم، باب ما جاء فی الحث علی تبلیغ السماع) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ اُس شخص کو شاد وآباد (تروتازہ) رکھے، جس نے ہم سے کسی حدیث کو سُنا، پھر اسے محفوظ (اور یاد) کرلیا، یہاں تک کہ اُسے کسی دوسرے تک پہنچا دیا، پس بہت سے فقہ کے حامل ایسے ہیں کہ جن کی طرف وہ پہنچاتے ہیں، وہ اُن سے زیادہ سمجھنے والے

---

[1] قال الترمذی: هذا حدیث حسن صحیح، وقد رواه عبد الملک بن عمیر عن عبد الرحمن بن عبد الله.

[2] قال الترمذی: وفی الباب عن عبد الله بن مسعود، ومعاذ بن جبل، وجبیر بن مطعم، وأبی الدرداء، وأنس. حدیث زید بن ثابت حدیث حسن.

ہوتے ہیں، اور بہت سے فقہ کے حامل خود فقیہ نہیں ہوتے (ترمذی)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِىْ فَوَعَاهَا، ثُمَّ بَلَّغَهَا عَنِّىْ فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرِ فَقِيْهٍ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ (سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ٢٣٦، ابواب السنة، باب من بلغ علما) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اُس بندہ کو شاد وآباد (خوش وخرم اور تروتازہ) رکھے، جس نے میرے کسی قول کو سُنا، پھر اسے برابر محفوظ (و یاد) رکھا، پھر اُس کو میرے سے دوسرے تک پہنچادیا، پس بہت سے فقہ کے حامل ایسے ہیں کہ وہ فقیہ نہیں ہوتے، اور بہت سے فقہ کے حامل ایسے شخص تک پہنچاتے ہیں، جو اِن سے بڑھ کر فقیہ ہوتا ہے (ابنِ ماجہ)

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْخَيْفِ مِنْ مِنًى، فَقَالَ: نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِىْ، فَوَعَاهَا، ثُمَّ أَدَّاهَا إِلٰى مَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَا فِقْهَ لَهُ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ (مسند احمد، رقم الحديث ١٦٧٣٨) [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية سنن ابنِ ماجه)

[2] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح لغيره (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں مسجدِ خیف میں کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اللہ اس شخص کو تر وتازہ (خوش وخرم) رکھے، جس نے میری بات کو سنا، پھر اس کو برابر محفوظ (اور یاد) رکھا، پھر اس کو اسی حال میں ایسے شخص تک پہنچادیا، جس نے اس کو نہیں سنا، کیونکہ بہت سے فقہ (یعنی دین) کی بات سننے والے، خود سمجھنے والے نہیں ہوتے اور بہت سے فقہ کی بات ایسے شخص تک پہنچادیتے ہیں، جو اس (پہنچانے والے) سے زیادہ فقیہ اور سمجھدار ہوتا ہے (مسند احمد)

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرءً ا سَمِعَ مِنَّا حَدِيْثًا، فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ (سنن الدارمی، رقم الحديث ٢٣٦، المقدمة، باب الاقتداء بالعلماء) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا کہ اللہ اس شخص کو شاد وآباد (اور خوش وخرم) رکھے، جو میری بات کو سنے، پھر اس کو اسی طرح سے پہنچادے، جس طرح اس نے سنا تھا، پس بہت سے تبلیغ کئے جانے والے، سننے والے سے زیادہ محفوظ کرنے والے ہوتے ہیں (سنن دارمی)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ: نَضَّرَ اللّٰهُ

---

[1] قال حسين سليم أسد الداراني:
إسناده ضعيف غير أن الحديث صحيح (حاشية سنن الدارمی)

اِمْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَوَعَاهَا، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيْهٍ (کشف الأستار عن زوائد البزار، رقم الحديث ١٤١، كتاب العلم، باب فضل العالم والمتعلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ اللہ اس شخص کو شادوآباد (اورخوش وخرم) رکھے، جو میری بات کو سنے، پھر اس کو برابر محفوظ (اور یاد) رکھے (پھر اس کو دوسرے شخص تک پہنچادیا) پس بہت سے فقہ کے حامل، غیر فقیہ ہوتے ہیں (بزار)

اس طرح کی حدیث اور بھی بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سندوں سے مروی ہے، جن کی بعض سندوں پر کلام ہے، لیکن مجموعی طور پر یہ حدیث صحیح ہے۔ [2]

ابوموسیٰ غافقی رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوموسیٰ غافقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

آخِرُ مَا عَهِدَ إِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ قَالَ: عَلَيْكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ، وَسَتَرْجِعُوْنَ إِلٰى قَوْمٍ يُّحِبُّوْنَ الْحَدِيْثَ عَنِّي۔ أَوْ كَلِمَةٌ تُشْبِهُهَا۔ فَمَنْ حَفِظَ شَيْئًا فَلْيُحَدِّثْ بِهٖ، وَمَنْ قَالَ عَلَيَّ مَا لَمْ

---

[1] قال الهيثمي: رواه البزار، ورجاله موثقون، إلا أن يكون شيخ سليمان بن سيف، سعيد بن بزيغ؛ فإني لم أر أحدا ذكره. وإن كان سعيد بن الربيع فهو من رجال الصحيح؛ فإنه روى عنهما. والله أعلم (مجمع الزوائد، ج ١، ص ١٣٧، تحت رقم الحديث ٥٨٢، باب فی سماع الحديث وتبليغه)

[2] ورد من حديث ابن مسعود ومن حديث زيد بن ثابت ومن حديث جبير بن مطعم ومن حديث أنس ومن حديث جابر بن عبد الله ومن حديث أبي هريرة ومن حديث عمير بن قتادة ومن حديث معاذ بن جبل ومن حديث النعمان بن بشير ومن حديث بشير بن سعد والد النعمان ومن حديث سعد بن أبي وقاص ومن حديث أبي قرصافة جندرة بن خيشنة الليثي ومن حديث ابن عباس ومن حديث أبي سعيد ومن حديث ابن عمر ومن حديث أبي الدرداء ومن حديث ربيعة بن عثمان التيمي ومن حديث شيبة بن عثمان بن طلحة ومن حديث عائشة (أنيس الساری تخريج احاديث فتح الباری، ج٨، ص ٥٥٢٨، تحت رقم الحديث ٣٨٦٩، حرف النون)

أَقُولُ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۳۸۵، ج ا ص ۱۹۶، کتاب العلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے جو آخری عہد لیا، وہ یہ تھا کہ تم کتابُ اللہ کو لازم پکڑنا، اور عنقریب تم ایسی قوم کی طرف لوٹو گے، جو میری حدیث سے محبت کرے گی، یا اس طرح کا کوئی جملہ فرمایا، پس جس نے کوئی حدیث یاد کی ہو، تو اسے چاہئے کہ وہ اس کو بیان کردے، اور جس نے میرے متعلق وہ بات کہی، جو میں نے نہیں کہی، تو اسے چاہئے کہ وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالے (حاکم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی بات کو اسی طرح دوسروں تک پہنچانے، اور جن کی طرف اس کو پہنچایا جائے، ان کے فقیہ، یا زیادہ فقیہ ہونے کی وجہ اس لئے بیان فرمائی کہ بعض اوقات پہلا شخص اس حدیث کے اندر پائی جانے والی دین اور فقہ کی بات کو بالکل بھی، یا زیادہ نہیں سمجھتا، اس لئے وہ اس کو معمولی چیز سمجھ کر نظر انداز نہ کرے، یا الفاظ کو تبدیل نہ کرے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ الفاظ تبدیل کرنے سے اس کی دین وفقہ کی گہری اور اہم بات رہ جائے، یا اس میں تبدیلی واقع ہوجائے، اور اس کو پتہ بھی نہ چلے، اور آگے والا شخص اس سے دین وفقہ کی اہم اور بہت سی باتوں کو معلوم کرلے، جس کی فضیلت کا دوسری احادیث میں ذکر ہے، اور ان سب کی فضیلت کی طرف بعض احادیث میں اشارہ بھی ہے۔

---

[1] قال الحاكم:

رواة هذا الحديث عن آخرهم يحتج بهم، فأما أبو موسى مالك بن عبادة الغافقي فإنه صحابي سكن مصر، وهذا الحديث من جملة ما خرجناه عن الصحابي إذا صح إليه الطريق، على أن وداعة الجهني قد روى أيضا عن مالك بن عبادة الغافقي، وهذا الحديث قد جمع لفظتين غريبتين: إحداهما قوله: سترجعون إلى قوم يحبون الحديث عني والأخرى: فمن حفظ شيئا فليحدث به وقد ذهب جماعة من أئمة الإسلام إلى أن ليس للمحدث أن يحدث بما لا يحفظه، ولم يخرجاه.

وقال الذهبي في التلخيص: رواته محتج بهم وأبو موسى مالك بن عبادة صحابي.

معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ، وَالْفِقْهُ بِالتَّفَقُّهِ، وَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ، وَإِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (المعجم الكبير للطبرانی، ج۱۹ ص۳۹۵، رقم الحدیث ۹۲۹) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اے لوگو! علم تو بس سیکھنے سے آتا ہے، اور فقہ، تفقہ (یعنی سمجھنے کی کوشش) کرنے سے آتا ہے، اور جس کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ فرماتا ہے، تو اس کو دین میں فقہ وسمجھ عطا فرمادیتا ہے، اور اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے بس علماء ہی خشیت رکھتے ہیں (طبرانی)

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَثَلُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْهُدَى وَالْعِلْمِ، كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيْرِ أَصَابَ أَرْضًا، فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ، قَبِلَتِ الْمَاءَ، فَأَنْبَتَتِ الْكَلَأَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيْرَ، وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ،

---

[1] قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الكبير، وفيه رجل لم يسم، وعتبة بن أبی حكيم وثقه أبو حاتم، وأبو زرعة، وابن حبان، وضعفه جماعة (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۳۷، باب العلم بالتعلم)

وقال الالبانی: قلت: وفی "التقريب " :"وهو صدوق يخطیء كثيرا ."وقال المناوی: " رواه ابن أبی عاصم أيضا قال ابن حجر فی "المختصر :"إسناده حسن لأن فيه مبهما اعتضد بمجيئه من وجه آخر ."(سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۳۴۲)

أَمْسَكَتِ الْمَاءَ، فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ، فَشَرِبُوْا وَسَقَوْا وَزَرَعُوْا، وَأَصَابَتْ مِنْهَا طَائِفَةً أُخْرٰى، إِنَّمَا هِيَ قِيْعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ كَلَأً، فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ، وَنَفَعَهٗ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ، وَمَثَلُ مَنْ لَّمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَأْسًا، وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللّٰهِ الَّذِيْ أُرْسِلْتُ بِهٖ (صحیح البخاری،رقم الحدیث ۷۹، کتاب العلم، باب فضل من علم وعلم)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو علم اور ہدایت اللہ تعالیٰ نے مجھے عطاء فرما کر مبعوث فرمایا ہے، اس کی مثال اس کثیر بارش کی طرح ہے، جو زمین پر برسے۔

پھر کچھ زمین تو صاف ستھری ہوتی ہے، جو پانی کو پی لیتی ہے، پھر وہ بہت سا گھاس اور سبزہ اگاتی ہے۔

اور کچھ زمین سخت ہوتی ہے، جو پانی کو روک لیتی ہے، پھر اللہ اس پانی سے لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے، وہ اس کو پیتے اور پلاتے ہیں اور کھیتی کو سیراب کرتے ہیں۔

اور کچھ بارش زمین کے ایسے حصہ کو پہنچتی ہے، جو بالکل چٹیل میدان ہوتی ہے، نہ وہ پانی روکتی ہے اور نہ سبزہ اُگاتی ہے۔

پس یہی مثال اس شخص کی ہے، جو اللہ کے دین میں فقیہ ہو جائے، اور جو اللہ نے مجھے دے کر بھیجا ہے، اس سے وہ فائدہ اٹھائے، اور اس کا (خود بھی) علم حاصل کرے، اور اس کی دوسرے کو بھی تعلیم دے۔

اور مثال اس شخص کی ہے، جو اس کی طرف سر تک نہیں اٹھاتا اور اللہ کی اس ہدایت کو، جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں، قبول نہیں کرتا (بخاری)

حافظ ابنِ حجر عسقلانی کا حوالہ

حافظ ابنِ حجر عسقلانی (المتوفیٰ: 852ھ) صحیح بخاری کی شرح میں مندرجہ بالا حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فمنهم العالم العامل المعلم فهو بمنزلة الأرض الطيبة شربت فانتفعت فى نفسها وأنبتت فنفعت غيرها.

ومنهم الجامع للعلم المستغرق لزمانه فيه غير أنه لم يعمل بنوافله أو لم يتفقه فيما جمع لكنه أداه لغيره فهو بمنزلة الأرض التى يستقر فيها الماء فينتفع الناس به وهو المشار إليه بقوله نضر الله امرأ سمع مقالتى فأداها كما سمعها.

ومنهم من يسمع العلم فلا يحفظه ولا يعمل به ولا ينقله لغيره فهو بمنزلة الأرض السبخة أو الملساء التى لا تقبل الماء، أو تفسده على غيرها (فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج ١، ص١٧٧، كتاب العلم، باب فضل من علم وعلم)

ترجمہ: پس لوگوں میں ''عمل کرنے والے عالم ومعلّم'' بھی ہوں گے، جو اس پاکیزہ زمین کے مثل ہیں، جو پانی کو پی لیتی ہے، اور خود بھی نفع اٹھاتی ہے، اور نباتات بھی اگاتی ہے، جس سے دوسرے بھی نفع اٹھاتے ہیں۔

اور لوگوں میں ''علم کو جمع کرنے والے'' بھی ہوں گے، جو اپنے زمانہ کے غوطہ خور (بحر العلوم) ہوں گے، لیکن وہ اس کے نوافل (ومستحبات) کے عامل نہیں ہوں گے، یا وہ اپنے پاس جمع شدہ علم کا تفقہ نہیں رکھیں گے، لیکن وہ اس علم کو دوسروں تک پہنچائیں گے، پس یہ لوگ اس زمین کے مثل ہوں گے، جس میں پانی ٹھہر جائے، پھر اس سے لوگ نفع اٹھائیں، اور اس حدیث میں کہ ''تر وتازہ رکھے اللہ اس شخص کو جو میرے قول کو سنے، پھر اس کو اسی طرح پہنچادے، جس طرح سنا تھا'' ان ہی لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔

اور لوگوں میں ایسے بھی ہوں گے، جو علم کو سنیں گے، پھر نہ تو اس کو محفوظ کریں گے، اور نہ ہی اس پر عمل کریں گے، اور نہ دوسروں تک نقل کریں (اور پہنچائیں)

گے، پس وہ اس زمین کے مثل ہیں، جو چٹیل، یا صفاچٹ ہو، جو پانی کو قبول نہیں کرتی، یا دوسرے کی طرف فساد کو منتقل کرتی ہے (فتح الباری)

ابوالعباس قرطبی کا حوالہ

ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی (المتوفیٰ: 578ھ) فرماتے ہیں:

فأما نقل الحديث بالمعنى :فمن جوزه إنما جوزه من الفقيه العالم بمواقع الألفاظ .ومن أهل العلم من منع ذلك مطلقا (المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، ج٥، ص ٤٩، كتاب القسامة والقصاص والديات، باب تحريم الدماء والأموال والأعراض)

ترجمہ: پس رہا حدیث کو روایت بالمعنیٰ کرنا، تو جس نے اس کی اجازت دی، اس نے صرف اس فقیہ کو ہی اجازت دی ہے، جو اس کے الفاظ کے مواقع کا علم رکھنے والا ہو، جبکہ بعض اہلِ علم نے بہر حال اس سے منع کیا ہے (المفہم)

”المفاتيح فی شرح المصابيح“ کا حوالہ

حسین بن محمود شیرازی (المتوفیٰ: 727ھ) فرماتے ہیں:

نضر الله امرءا "في مبلغ الحديث؛ لأن تبليغ الحديث تجديد الدين وإظهاره وتزيينه، فدعا رسول الله -عليه السلام -بأن يعطيه نضرة وسرورا، وحسن الحال مجازاة له بتجديد الدين (المفاتيح في شرح المصابيح، ج ١، ص ٣٢٤، كتاب العلم)

ترجمہ: اللہ، تر و تازہ اور شاد و آباد رکھے، اس شخص کو“ یہ فضیلت حدیث کی تبلیغ کرنے والے کے بارے میں ہے، کیونکہ حدیث کی تبلیغ ”دین کی تجدید“ اور دین کا اظہار اور اس کی زیب و زینت ہے، پس رسول اللہ علیہ السلام نے یہ دعاء دی کہ اللہ اس کو تازگی اور سرور اور خوش گوار زندگی عطاء فرمائے، اور اس کو دین کی تجدید کی جزائے خیر عطاء فرمائے (مفاتیح)

شرفُ الدین طیبی کا حوالہ

شرف الدین بن حسین عبداللہ طیبی (المتوفیٰ: 743ھ) فرماتے ہیں:

النضرة الحسن والرونق، يتعدى ولا يتعدى، وروى بالتخفيف والتشديد، والمعنى خصه تعالى بالبهجة والسرور لما رزق بعلمه ومعرفته، من القدر والمنزلة بين الناس فى الدنيا ونعمة فى الآخرة، حتى يرى عليه رونق الرخاء ورفيف النعمة .وإنما خص حافظ سنته ومبلغها بهذا الدعاء ؛ لأنه سعى فى نضارة العلم وتجديد السنة، فجازاه فى دعائه له بما يناسب حاله فى المعاملة.

قوله :(ووعاها) : وعى يعى وعياً إذا حفظ كلاماً بقلبه، ودام على حفظه ولم ينسه(شرح الطيبى على مشكاة المصابيح، ج٢،ص ٦٨٣ ،كتاب العلم)

ترجمہ: ''نضــرة''حُسن اور رونق کو کہا جاتا ہے، یہ متعدی اور غیر متعدی دونوں طریقوں سے استعمال ہوتا ہے، اور یہ لفظ تخفیف وتشدید دونوں کے ساتھ مروی ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ اس کو رونق اور سرور کے ساتھ خاص فرمائے، یہ اس کے علم ومعرفت کا بدلہ ہے، یعنی دنیا میں لوگوں کے درمیان اس کی قدر ومنزلت، اور آخرت میں عظیم نعمت کا حصول، اس طور پر کہ اس پر آسائش کی رونق، اور نعمت کی فراوانی نظر آتی ہے، اور سنتِ رسول کے حافظ اور اس کے مبلغ کو اس دعاء کے ساتھ اس لئے مختص کیا گیا کہ اس نے علم کی رونق وتازگی، اور تجدیدِ سنت کی سعی کی، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعاء میں اس کے مناسبِ حال معاملہ فرمایا۔

اور حدیث میں جو''ووعاها''فرمایا، تو''وعـى،يعى وعيا''اس وقت بولا جاتا ہے، جب کسی کلام کو اپنے دل سے محفوظ کرے، اور اس کو یاد رکھنے کی پابندی کرے، اور اس کو بھولے نہیں (شرح طیبی)

اور علامہ طیبی مزید فرماتے ہیں:

لو وضع موضع (نضر الله) رحم الله، أو غفر الله له، وما شاكلهما، لفاتت

المنسبة، فإن من حفظ ما سمعه ووعاه وأداه كما سمع من غير تغيير كأنه جعل المعنى غضاً طرياً، ومن بدل وغير فقد جعله مبتذلاً ذاوياً (شرح الطيبى على مشكاة المصابيح، ج ٢، ص ٦٨٦، كتاب العلم)

ترجمہ: اگر ''نضر الله'' کی جگہ ''رحم الله'' یا ''غفر الله له'' یا اس کے مشابہ دوسری دعاء دی جاتی، تو مناسبت فوت ہو جاتی، کیونکہ جس نے اس کو محفوظ رکھا، جو اس نے سنا، اور اس کو برابر یاد رکھا، اور جس طرح سنا تھا، اسی طرح کسی تبدیلی کے بغیر پہنچا دیا، تو گویا کہ اس نے معنیٰ ومطلب کو تروتازہ اور ہرا بھرا رکھا، اور جس نے تبدیلی اور تغییر کر دی، تو اس نے اس کی ہیئت کو خراب، اور بوسیدہ وکمزور کر دیا (شرح طیبی)

علامہ قسطلانی کا حوالہ

شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی (المتوفی 923 ہجری) فرماتے ہیں:

والنضرة :الحسن والرونق، والمعنى خصه الله تعالى بالبهجة والسرور لأنه سعى فى نضارة العلم وتجديد السنة، فجازاه فى دعائه له بما يناسب حاله في المعاملة .وأيضا فإن من حفظ ما سمعه وأداه كما سمعه من غير تغيير، كأنه جعل المعنى غضا طريا، وخص الفقه بالذكر دون العلم إيذانا بأن الحامل غير عار عن العلم إذ الفقه علم بدقائق العلوم المستنبطة من الأقيسة .ولو قال غير عالم لزم جهله (ارشاد السارى لشرح صحيح البخارى، ج ١، ص ٤، مقدمة الشارح، الفصل الأول فى فضيلة أهل الحديث وشرفهم فى القديم والحديث)

ترجمہ: اور ''نضرة'' حُسن اور رونق کو کہا جاتا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ اس کو رونق اور سرور کے ساتھ خاص فرمائے، کیونکہ اس نے علم کی رونق اور تجدیدِ سنت کی سعی کی، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعاء میں اس کے مناسبِ حال معاملہ فرمایا۔

نیز جس نے اس حدیث کو محفوظ رکھا، جس کو اس نے سنا تھا، اور اسی طرح کسی تغییر کے بغیر پہنچا دیا، تو گویا کہ اس نے معنیٰ ومطلب کو تروتازہ اور ہرا بھرا رکھا، اور علم

کے بجائے، فقہ کا بطور خاص ذکر اس بات سے آگاہ کرنے کے لئے فرمایا کہ فقہ کا حامل علم سے خالی نہیں ہوتا، کیونکہ فقہ، قیاس کے ذریعہ مستنبط شدہ گہرے (اور باریک) علوم کا علم ہے، اور اگر غیر عالم کا لفظ بولا جاتا، تو پھر اس کا جاہل ہونا لازم آتا (ارشادالساری)

امام مناوی کا حوالہ

امام مناوی (المتوفیٰ: 1031ھ) فرماتے ہیں:

بین به ان راوی الحدیث لیس الفقه من شرطه انما شرطه الحفظ وعلی الفقیه التفهم والتدبر(التیسیر بشرح الجامع الصغیر، ج۲، ص ۴۶۰، حرف النون)

ترجمہ: اس حدیث نے یہ بات واضح کردی کہ حدیث کے راوی کے لئے فقیہ ہونا ضروری نہیں، اس کی شرط تو حفظ ہے اور فقیہ کے ذمہ سمجھنا اور تدبر کرنا ہے (تیسیر)

ابوالحسن عبیداللہ مبارک پوری کا حوالہ

ابوالحسن عبیداللہ مبارک پوری (المتوفیٰ: 1414ھ) فرماتے ہیں:

یفهم من الحدیث أن التبلیغ مطلوب، والمراد بحامل الفقه حافظ الأدلة التی یستنبط منها الفقه(مرعاة المفاتیح، ج۱، ص۳۲۷، کتاب العلم، الفصل الثانی)

ترجمہ: اس حدیث سے یہ بات سمجھ آگئی کہ حدیث کی تبلیغ مقصود ہے، اور فقہ کے حامل سے مراد، ان دلائل کو یاد کرنے والا ہے، جن سے فقہ کا استنباط کیا جاتا ہے (مرعاۃ)

اس فصل کا خلاصہ

اس فصل کا خلاصہ یہ نکلا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو اسی طرح یاد کر کے آگے پہنچا دینا بہت عظیم فضیلت والا عمل ہے، لہٰذا اس کے مطابق عمل کا اہتمام کرنا چاہیے، اور اپنی طرف

سے اس میں تبدیلی نہیں کرنی چاہیے، جس میں فضیلت کے بجائے گناہ لازم آنے کا خطرہ ہے۔

مگر افسوس کہ ہمارے معاشرہ میں اس چیز کا اہتمام بہت کم رہ گیا ہے، اول تو احادیث کے مبارک الفاظ وکلمات کو ہی نظر انداز کر دیا گیا ہے، جب کسی حدیث کو عربی زبان کے علاوہ اردو، یا کسی اور زبان میں کئی کئی کتابوں میں نقل در نقل ہوتے ہوئے سلسلہ چلتا ہے، تو ہر شخص مفہوم کو عوام کے لئے آسان بنانے کی غرض سے الفاظ میں اپنے انداز سے ترمیم کرتا ہے، جس کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ بابرکت احادیث کے الفاظ وکلمات کے انوارات وبرکات سے یقینی محرومی لازم آتی ہے، اسی کے ساتھ بسا اوقات مفہوم ومطالب بھی کچھ کے کچھ بن جاتے ہیں، اور بات بہت دُور نکل جاتی ہے۔

چنانچہ ہم نے اپنے زمانہ میں بعض مستند ومعتبر بزرگوں کی کتابوں میں ایسی احادیث بکثرت ملاحظہ کیں، جن کے اصل الفاظ سے نہ وہ مطلب ثابت ہوتا، جو بیان کیا گیا، اور نہ ہی کسی دوسری معتبر حدیث سے اس مطلب کی تائید ہوتی۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب تک اصل الفاظ، ترجمہ کے ساتھ موجود نہ ہوں، اس وقت تک ترجمہ کی صحت اور عدمِ صحت کا معلوم کرنا بھی مشکل ہے۔

ان حالات میں شدید ضرورت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ کے اصل الفاظ وکلمات کو ملحوظ رکھنے کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے، اور ان کی زیادہ سے زیادہ نشر واشاعت کی جائے، تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ دعاء کا مستحق ہوا جا سکے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

وَاللّٰهُ سُبۡحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَعۡلَمُ وَعِلۡمُهٗ اَتَمُّ وَاَحۡكَمُ.

(فصل نمبر 2)

صحابۂ کرام کا عدول ہونا، اور احادیث کی حفاظت کرنا

(2)...... دوسری بات یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جاں نثار تھے، اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت وتربیت، اور اس زمانہ کی خیر وبرکت کی بدولت صداقت وعدالت کی صفت کے ساتھ متصف تھے، جس کی وجہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنے سے پاک تھے، اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سنت کو محفوظ، اور یاد رکھنے، اور دوسروں تک پہنچانے کا پورا پورا اہتمام کیا کرتے تھے، جن کی لامتناہی قربانی اور جدوجہد کی بدولت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر سنت محفوظ رہی، اور ہم تک پہنچی۔

سورہ حشر کا حوالہ

سورہ حشر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ أُولٰٓئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ. وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (سورة الحشر، رقم الآيات ۸ و ۹)

ترجمہ: (وہ غنیمت میں حاصل شدہ مال) ان فقیر مہاجرین کے لیے ہے، جن کو

ان کے گھروں اور مالوں سے نکال دیا گیا، جو اللہ کے فضل اور اس کی رضا کو تلاش کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی نصرت کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں۔
اور (ان لوگوں کے لئے بھی ہے) جو اُن مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دارالہجرت (یعنی مدینہ) میں مقیم تھے، یہ محبت کرتے ہیں، ان لوگوں سے جو اُن کی طرف ہجرت کر کے آتے ہیں، اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی حاجت، ان چیزوں سے جو اِن کو عطاء کردی جائیں، اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ وہ اپنی جگہ خود فاقہ میں ہوں، اور جو شخص اپنے نفس کی تنگی سے بچا لیا گیا، پس وہی لوگ ہیں، فلاح پانے والے (سورہ حشر)

مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مہاجر اور انصار دونوں قسم کے صحابۂ کرام کی فضیلت بیان فرمائی ہے، جنہوں نے اپنے گھر بار اور مال ودولت کو چھوڑ کر اللہ کی رضا کے لئے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، اور جو پہلے سے مدینہ میں ایمان کی حالت میں مقیم تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے سچا اور کامیاب قرار دیا۔

جن صحابۂ کرام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خود احادیث کو سنا، ان کے درمیان کوئی واسطہ نہیں تھا، اس لئے وہاں سند کو دیکھنے کی ضرورت نہیں، ان کو معائنہ کا درجہ حاصل تھا، جو اعلیٰ یقین کا درجہ رکھتا ہے۔

البتہ جن لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خود حدیث کو نہیں سنا، ان کے لئے سند کی ضرورت ہے، جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

ابنِ عباس وانس رضی اللہ عنہما کی حدیث

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَیْسَ الْخَبَرُ کَالْمُعَایَنَةِ (مسند

احمد، رقم الحدیث ۱۸۴۲) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خبر، معائنہ کی طرح نہیں ہوتی (مسند احمد)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۶۹۴۳) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خبر، معائنہ کی طرح نہیں ہوتی (طبرانی)

اس طرح کی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [3]

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی اسی طرح کا مضمون مروی ہے۔ [4]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين(حاشية مسند احمد)
وقال الهيثمي: رواه أحمد والبزار والطبراني في الكبير والأوسط، ورجاله رجال الصحيح، وصححه ابن حبان (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۶۸۷، باب في الخبر والمعاينة)

[2] قال الهيثمي: رواه الطبراني في الأوسط، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۶۸۸، باب في الخبر والمعاينة)

[3] عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال :ليس الخبر كالمعاينة (تاريخ بغداد، ج۸، ص۲۸، تحت ترجمة "الحسين بن جعفر بن محمد بن حمدان بن المهلب، أبو عبد الله العنبري الفقيه الوراق الجرجاني"رقم الترجمة ۴۰۷۶،حرف الجيم من آباء الحسينين)

قال الألباني: صحيح (صحيح الجامع الصغير وزيادته، تحت رقم الحديث ۵۳۷۳، حرف اللام)

[4] أخبرنا محمد بن عمر، حدثني عبد الله بن محمد بن عمر عن أبيه عن علي مثل ذلك غير أنه قال :خرج علي فلقيه على رأسه قدرة مستعذبا لها من الماء ، فلما رآه على شهر السيف وعمد له فلما رآه القبطي طرح القربة ورقي في نخلة وتعرى فإذا هو مجبوب، فأغمد علي سيفه ثم رجع إلى النبي، صلى الله عليه وسلم، فأخبره الخبر فقال: رسول الله، صلى الله عليه وسلم :أصبت إن الشاهد يرى ما لا يرى الغائب (الطبقات الكبرىٰ لابن سعد، ج۸، ص ۱۷۲،۱۷۳ ،مارية أم إبراهيم ابن رسول الله صلى الله عليه وسلم)

قال الالباني:

صحيح (صحيح الجامع الصغير وزيادته، تحت رقم الحديث ۱۶۴۱، حرف الالف)

اس کا مطلب بھی وہی ہے کہ خبر کا درجہ، معائنہ ومشاہدہ کی طرح نہیں ہوتا۔ [1]

اور خبر کے معائنہ ومشاہدہ کی طرح نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ معائنہ ومشاہدہ کرنے سے یقینی علم کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، لہٰذا اس کا درجہ زیادہ ہے، اور دوسرے کے واسطہ سے سنی ہوئی خبر اور بات کا یہ درجہ نہیں ہوتا، بلکہ اس میں جھوٹ اور غلط بیانی کا بھی احتمال ہوتا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سُنی ہوئی بات کے آگے بیان کرنے کو جھوٹ سے تعبیر فرمایا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

اس لئے جن صحابۂ کرام نے براہِ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات سُنی، اُن کو معائنہ ومشاہدہ کی وجہ سے یقینی علم کا فائدہ حاصل ہوا، اور بعد میں آنے والے حضرات کے لئے احادیث خبر کا درجہ رکھتی ہیں، جن سے بہرصورت یقین کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا، اس لئے ان احادیث کی اسناد کی تحقیق کی ضرورت ہے۔ [2]

---

[1] (إن الشاهد) أى الحاضر (يرى) من الرأى فى الأمور المهمة لا من الرؤيا (ما لا يرى الغائب) أى الحاضر يعلم ما لا يعلمه الغائب إذ ليس الخبر كالمعاينة وهذا قاله لعلى كرم الله وجهه لما أرسله لقتل العلج الذى كان يتردد إلى مارية ليقتله فقال له على :يا رسول الله أمض كيف كان فقال له إن الشاهد إلخ فكشف له عن سوء ته فرآه خصيا مجبوبا فتركه.

(ابن سعد) فى الطبقات (عن على) أمير المؤمنين(فيض القدير شرح الجامع الصغير، ج ۲ ص ۳۴۷، تحت رقم الحديث ۲۰۱۴، حرف الهمزة)

[2] (ليس الخبر كالمعاينة) لما ذكر ثم استظهر على ذلك بقوله (ان الله أخبر موسى بما صنع قومه فى العجل فلم يلق الالواح فلما عاين ما صنعوا) من عبادته (ألقى الالواح فانكسرت) أفاد أنه ليس حال الانسان عند معاينة الشىء كحاله عند الخبر عنه فى السكون والحركة لان الانسان يسكن الى ما يرى أكثر من الخبر عنه (حم طس ك عن ابن عباس) واسناده صحيح (التيسير بشرح الجامع الصغير، ج۲، ص ۳۲۰، حرف اللام)

(ليس الخبر كالمعاينة) أى المشاهدة إذ هى تحصيل العلم القطعى وقد جعل الله لعباده أذانا واعية وأبصارا ناظرة ولم يجعل الخبر فى القوة كالنظر بالعيان وكما جعل فى الرأس سمعا وبصرا جعل فى القلب ذلك فما رآه الإنسان ببصره قوى علمه به وما أدركه ببصر قلبه كان أقوى عنده وقال الكلاباذى :الخبر خبران صادق لا يجوز عليه الخطأ وهو خبر الله ورسوله صلى الله عليه وسلم ومحتمل وهو ما عداه فإن حمل الخبر على الأول فمعناه ليس المعاينة كالخبر فى القوة أى الخبر أقوى وأكد وأبعد عن الشكوك إذا كان خبرا لصادق والمعاينة قد تخطىء فقد يرى الإنسان الشىء

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ابنِ مسعود و جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ يَجِيْءُ أَقْوَامٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِيْنَهٗ، وَيَمِيْنُهٗ شَهَادَتَهٗ (صحيح البخاری، رقم الحديث ۲۶۵۲، كتاب الشهادات، باب: لا يشهد على شهادة جور إذا أشهد)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بہتر وہ لوگ ہیں، جو میرے زمانہ میں ہیں، پھر وہ لوگ جو اِن کے بعد آئیں گے، پھر وہ لوگ جو اِن کے بعد آئیں گے، پھر ایسی قوم پیدا ہوگی، جو قسم سے پہلے گواہی دے گی اور گواہی سے پہلے قسم کھائے گی (بخاری)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَطَبَنَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

على خلاف ما هو عليه كما فى قصة موسى والسحرة وإن حمل على الثانى فمعناه ليس المعاينة كالخبر بل هى أقوى وأكد لأن المخبر لا يطمئن قلبه وتزول عنه الشكوك فى خبر من يجوز السهو عليه والغلط والحاصل أن الخبر إن كان خبرا لصادق فهو أقوى من المعاينة أو غيره فعكسه إلا أن ما ذكر فى الخبر الآتى عقبه على الأثر يشير إلى أن المراد هنا الثانى.

(طس عن أنس) بن مالك (خط عن أبى هريرة) رمز المصنف لحسنه وهو كما قال أو أعلى فقد قال الهيثمى :رجاله ثقات ورواه أيضا ابن منيع والعسكرى وعد من جوامع الكلم والحكم .وقال الزركشى :ظن أكثر الشراح أنه ليس بحديث وهو حديث حسن خرجه أحمد وابن حبان والحاكم من طرق ورواه الطبرانى وهو عنده بلفظ الكتاب وبلفظ ليس المعاينة كالخبر وقال فى موضع آخر: رواه أحمد والحاكم وابن حبان وإسناده صحيح فإن قيل :هو معلول بقول الكامل إن هشيما لم يسمعه من أبى بشر قلت :قال ابن حبان فى صحيحه :لم يتفرد به هشيم وله طرق ذكرتها فى المعتبر فى تخريج أحاديث المنهاج والمختصر(فيض القدير شرح الجامع الصغير، ج۵ص۳۵۷، تحت رقم الحديث ۷۵۷۴، حرف اللام)

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِينَا مِثْلَ مُقَامِيَ فِيْكُمْ فَقَالَ: اِحْفَظُوْنِيْ فِيْ أَصْحَابِيْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ يَفْشُوْ الْكَذِبُ حَتّٰى يَشْهَدَ الرَّجُلُ وَمَا يُسْتَشْهَدُ، وَيَحْلِفَ وَمَا يُسْتَحْلَفُ (سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۲۳۶۳، ابواب الاحكام، باب كراهة الشهادة لمن لم يستشهد) ؎1

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان اسی مقام پر کھڑے ہوئے تھے، جس مقام پر میں ہوں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم میرے صحابہ کے متعلق خیر کی وصیت حاصل کرلو، پھر ان سے متصل آنے والوں (یعنی تابعین) کے متعلق اور پھر ان سے متصل آنے والوں (یعنی تبعِ تابعین) کے متعلق، پھر جھوٹ پھیل جائے گا، یہاں تک کہ ایک آدمی گواہی طلب کئے بغیر گواہی دے گا، اور قسم لئے بغیر قسم کھائے گا (ابنِ ماجہ)

ابنِ عمر وعبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی حدیث

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَطَبَ بِالْجَابِيَةِ، فَقَالَ: قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامِيْ فِيْكُمْ، فَقَالَ: اِسْتَوْصُوْا بِأَصْحَابِيْ خَيْرًا، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ يَفْشُو الْكَذِبُ حَتّٰى إِنَّ الرَّجُلَ لَيَبْتَدِئُ بِالشَّهَادَةِ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا (مسند احمد، رقم الحديث ۱۱۴، سنن الترمذى، رقم الحديث ۲۱۶۵، باب ما جاء فى لزوم الجماعة) ؎2

؎1 قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية سنن ابنِ ماجه)

؎2 قال الترمذى: هذا حديث حسن صحيح، غريب من هذا الوجه، وقد رواه ابن المبارك، عن محمد بن سوقة، وقد روى هذا الحديث من غير وجه عن عمر عن النبى صلى الله عليه وسلم.
وقال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان اسی مقام پر کھڑے ہوئے تھے، جس مقام پر میں ہوں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم میرے صحابۂ کرام کے متعلق خیر کی وصیت حاصل کرلو، پھر ان سے متصل آنے والوں (یعنی تابعین) کے متعلق، اور پھر ان سے متصل آنے والوں (یعنی تبعِ تابعین) کے متعلق، پھر جھوٹ پھیل جائے گا، یہاں تک کہ ایک آدمی گواہی طلب کئے بغیر گواہی دے گا (مسند احمد، ترمذی)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَامَ بِالْجَابِيَةِ خَطِيبًا، فَقَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِيْنَا مَقَامِيْ فِيْكُمْ فَقَالَ: أَكْرِمُوْا أَصْحَابِيْ؛ فَإِنَّهُمْ خِيَارُكُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ يَظْهَرُ الْكَذِبُ حَتّٰى يَحْلِفَ الْإِنْسَانُ عَلَى الْيَمِيْنِ لَا يُسْأَلُهَا، وَيَشْهَدَ عَلَى الشَّهَادَةِ لَا يُسْأَلُهَا (مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ٢٠٧١٠ ـ جامع معمر بن راشد، باب لزوم الجماعة)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر ہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اس جگہ کھڑے ہوکر یہ بات فرمائی تھی کہ تم میرے صحابہ کا اکرام کرنا، کیونکہ بے شک وہ تم میں بہترین حضرات ہیں، پھر ان سے متصل آنے والے (یعنی تابعین) بہتر ہیں، اور پھر ان سے متصل آنے والے (یعنی تبعِ تابعین) بہتر ہیں، پھر اس کے بعد جھوٹ رواج پکڑ جائے گا، یہاں تک کہ انسان قسم لئے بغیر حلف اٹھائے گا اور گواہی دینے والا گواہی طلب کئے بغیر گواہی دے گا (عبدالرزاق)

مذکورہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ خصوصیت کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بہت مکرم ہیں، اوران کا زمانہ خیر والا زمانہ ہے، جس میں سچ اور خیر کا غلبہ ہے۔

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ سب سے خیر والا زمانہ ہے، جس میں صحابۂ کرام بھی موجود تھے۔

پھر تابعین اور تبعِ تابعین کا زمانہ خیر والا ہے، جس میں سچ اور خیر کا غلبہ ہے، اوراس کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا۔

اسی وجہ سے احادیث میں بعد کے زمانہ میں جھوٹی حدیثیں گھڑنے والوں کے پیدا ہونے کا ذکر ہے۔

اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم خاص طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے سے مکمل اجتناب کیا کرتے تھے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ يُحَدِّثُ حَدِيثًا لَوْ عَدَّهُ الْعَادُّ لَأَحْصَاهُ (صحيح البخارى، رقم الحديث٣٥٦٧، كتاب المناقب، باب صفة النبى صلى الله عليه وسلم، صحيح مسلم، رقم الحديث٢٤٩٣ "٧١")

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم (اس طرح ٹھہر ٹھہر کر) حدیث بیان کرتے تھے کہ اگر کوئی شمار کرنے والا (حروف) کو گننا چاہتا، تو گن لیتا (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ:

كَانَ كَلَامُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَامًا فَصْلًا يَفْهَمُهُ كُلُّ مَنْ سَمِعَهُ (سنن أبى داود، رقم الحديث ٤٨٣٩، كتاب الأدب، باب الهدى فى الكلام)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام جدا جدا ہوتا تھا (یعنی خوب ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرمایا کرتے) کہ ہر سننے والا آپ کی بات کو سمجھ لیتا تھا (تیز تیز نہیں بولتے تھے جیسا کہ بعض لوگوں کی اتنا تیز بولنے کی عادت ہوتی ہے کہ پتہ نہیں چلتا کیا کہہ رہا ہے) (ابوداؤد)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ:

مَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْرُدُ سَرْدَكُمْ هٰذَا، وَلٰكِنَّهُ كَانَ يَتَكَلَّمُ بِكَلَامٍ يُبَيِّنُهُ، فَصْلٌ، يَحْفَظُهُ مَنْ جَلَسَ إِلَيْهِ

(سنن الترمذی، رقم الحديث ٣٦٣٩،ابواب المناقب، باب فی كلام النبی صلی الله عليه وسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لوگوں کی طرح تیز تیز باتیں نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ آپ واضح طور پر بیان کرتے ہوئے جدا جدا کلام فرماتے تھے، کہ جو آپ کے پاس بیٹھا ہوتا تھا، وہ (آپ کی حدیث) یاد کر لیتا تھا (ترمذی)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَسْرُدُ الْحَدِيثَ سَرْدَكُمْ، كَانَ إِذَا جَلَسَ تَكَلَّمَ بِكَلِمَاتٍ يُبَيِّنُهُ، يَحْفَظُهُ مَنْ سَمِعَهُ (السنن الكبری للنسائی، ج٩ص١٥٨، رقم الحديث ١٠١٧٤، باب سرد الحديث)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرح جلدی جلدی بات نہیں کرتے تھے، جب آپ تشریف فرما ہوتے تھے، تو ایسے واضح کلمات کے ساتھ کلام کرتے تھے کہ اُس کو سننے والا یاد کر لیا کرتا تھا (سنن کبریٰ نسائی)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

---

[1] قال الترمذی:هذا حديث حسن صحيح، لا نعرفه إلا من حديث الزهری، وقد رواه يونس بن يزيد، عن الزهری.

مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَسْرُدُ الْحَدِيْثَ كَسَرْدِكُمْ، إِنَّمَا كَانَ حَدِيْثُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصْلًا، تَفْهَمُهُ الْقُلُوْبُ (مسند أبی یعلٰی، رقم الحدیث ۴۳۹۳، مسند عائشة) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرح جلدی جلدی بات نہیں کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو تو ٹھہر ٹھہر کر ہوتی تھی، جس کو دل سمجھ لیا کرتے تھے (ابویعلیٰ)

مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ٹھہر ٹھہر کر اور جدا جدا حروف وکلمات کے ساتھ ہوا کرتا تھا، جس کو سمجھنا، یاد کرنا، اور دلوں میں محفوظ رکھنا سب ممکن ہوا کرتا تھا۔ [2]

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

مَا كَانَ خُلُقٌ أَبْغَضَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْكَذِبِ، وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يَكْذِبُ عِنْدَهُ الْكِذْبَةَ، فَمَا تَزَالُ فِيْ نَفْسِهٖ حَتّٰى يَعْلَمَ اَنَّهٗ قَدْ أَحْدَثَ مِنْهَا تَوْبَةً (صحیح ابنِ حبان، رقم الحدیث ۵۷۳۶، کتاب الحظر والاباحة، باب الکذب) [3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹ سے زیادہ کوئی (بُری) عادت مبغوض

---

[1] قال حسین سلیم اسد الدرانی: إسناده صحیح (حاشیة مسند ابی یعلٰی)

[2] أخبرنا أبو محمد الجوزجانی، أنا أبو القاسم الخزاعی، أنا الهیثم بن کلیب، نا أبو عیسی، نا حمید بن مسعدة البصری، نا حمید بن الأسود، عن أسامة بن زید، عن عروة، عن عائشة، قالت: ما کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یسرد سردکم هذا، ولکنه کان یتکلم بکلام بین فصل یحفظه من جلس إلیه.هذا حدیث صحیح.

قولها: یسرد سردکم، أی: یتابعه، ومثله: فلان یسرد الصیام سردا، أی: یوالیه، ومنه قوله سبحانه وتعالی: (وقدر فی السرد) وهو متابعة حلق الدرع شیئا بعد شیء حتی یتناسق، معنی التقدیر فی السرد، أی: لا تجعل المسامیر دقاقا، فتفلق، ولا غلاظا فتفصم الحلق (شرح السنة للبغوی، ج۳ص ۲۵۶، تحت رقم الحدیث ۳۶۹۶، کتاب الفضائل، باب حیائه وقلة کلامه صلی الله علیه وسلم)

[3] قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحیح (حاشیة ابنِ حبان)

ونا پسندیدہ نہیں تھی، اور جو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی جھوٹ بولتا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس جھوٹ کا اثر اس وقت تک قائم رہتا تھا، جب تک کہ یہ معلوم نہیں ہو جاتا تھا کہ اس نے جھوٹ سے توبہ کر لی ہے (ابنِ حبان)

یہ مضمون تھوڑے بہت الفاظ کے فرق کے ساتھ اور روایات میں بھی آیا ہے۔ [1]

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنْتُ أَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ أَسْمَعُهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيْدُ حِفْظَهُ، فَنَهَتْنِيْ قُرَيْشٌ، فَقَالُوْا: إِنَّكَ تَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تَسْمَعُهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا، فَأَمْسَكْتُ عَنِ الْكِتَابِ،

---

[1] عن ابن أبي مليكة، أو غيره :أن عائشة، قالت :ما كان خلق أبغض إلى أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم من الكذب، ولقد "كان الرجل يكذب عند رسول الله صلى الله عليه وسلم الكذبة، فما يزال في نفسه عليه حتى يعلم أنه قد أحدث منها توبة" (مسند أحمد، رقم الحديث ٢٥١٨٣)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين(حاشية مسند احمد)

عن عائشة رضي الله عنها قالت :ما كان خلق أبغض إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم من الكذب وما اطلع على أحد من ذلك بشيء فخرج من قلبه حتى يعلم أنه قد أحدث توبة(مسند البزار، رقم الحديث ٢٠٣ ،مسند عائشة أم المؤمنين رضي الله عنها)

أخبرنا خالد بن خداش .أخبرنا حماد بن زيد عن أيوب عن إبراهيم بن ميسرة قال: قالت عائشة .رضي الله عنها :ما كان خلق أبغض إلى رسول الله -صلى الله عليه وسلم -من الكذب .وما اطلع منه على شيء عند أحد من أصحابه فيبخل له من نفسه حتى يعلم أن أحدث توبة(الطبقات الكبرىٰ لابنِ سعد، ج ا ص ٢٨٥، السيرة النبوية، ذكر حسن خلقه وعشرته صلى الله عليه وسلم)

فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟ فَقَالَ: اُكْتُبْ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا خَرَجَ مِنِّيْ إِلَّا حَقٌّ (مسند احمد، رقم الحديث ٦٥١٠، سنن ابی داؤد، رقم الحديث ٣٦٤٦)[1]

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو باتیں سن لیتا، اسے لکھ لیتا، تا کہ یاد کرسکوں، تو مجھے قریش کے لوگوں نے اس سے منع کیا اور کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ بھی سنتے ہو، سب لکھ لیتے ہو، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک انسان ہیں، بعض اوقات غصہ میں بات کرتے ہیں اور بعض اوقات خوشی میں، ان لوگوں کے کہنے کے بعد میں نے لکھنا چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ذکر کردی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لکھ لیا کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، میری زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا (مسند احمد، ابوداؤد)

اس طرح کا مضمون تھوڑے بہت الفاظ کے فرق کے ساتھ دوسری روایات میں بھی مروی ہے۔[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

مَا كَانَ أَحَدٌ أَعْلَمَ بِحَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنِّيْ، إِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، فَإِنَّهٗ كَانَ يَكْتُبُ بِيَدِهٖ، وَيَعِيْهِ بِقَلْبِهٖ، وَكُنْتُ أَعِيْهِ بِقَلْبِيْ، وَلَا أَكْتُبُ بِيَدِيْ، وَاسْتَأْذَنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

[2] عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده، قال: قلت: يا رسول الله، أكتب ما أسمع منك قال: " نعم "، قلت: في الرضا والسخط؟ قال: " نعم، فإنه لا ينبغي لي أن أقول في ذلك إلا حقا ." قال محمد بن يزيد في حديثه: يا رسول الله، إني أسمع منك أشياء، فأكتبها؟ قال: " نعم " (مسند احمد، رقم الحديث ٦٩٣٠)

قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية مسند احمد)

صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْكِتَابِ عَنْهُ، فَأَذِنَ لَهُ (مسند احمد، رقم الحديث ٩٢٣١، شرح معانی الآثار، رقم الحديث ٧١٢٧) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو میرے مقابلہ میں اور کوئی زیادہ جاننے والا نہیں ہے، سوائے عبداللہ بن عمرو کے، کیونکہ وہ اپنے ہاتھ سے (احادیث) لکھتے تھے، اور اپنے دل سے محفوظ کرتے تھے، اور میں اپنے دل میں محفوظ کرتا تھا، اور میں اپنے ہاتھ سے نہیں لکھتا تھا، اور عبداللہ بن عمرو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی احادیث لکھنے کی اجازت طلب کی تھی، تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دے دی تھی (مسند احمد، طحاوی)

اس طرح کی حدیث کو ابنِ حبان نے بھی روایت کیا ہے۔ [2]

عمرو بن قیس کندی سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: مِنْ اِقْتِرَابِ السَّاعَةِ أَنْ تُرْفَعَ الْأَشْرَارُ وَتُوْضَعَ الْأَخْيَارُ، وَيُفْتَحَ الْقَوْلُ وَيُخْزَنَ الْعَمَلُ، وَيُقْرَأَ بِالْقَوْمِ الْمُثَنَّاةُ لَيْسَ فِيْهِمْ أَحَدٌ يُنْكِرُهَا قِيْلَ: وَمَا الْمُثَنَّاةُ؟ قَالَ: مَا اكْتُتِبَتْ سِوَى كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (مستدرک للحاکم، رقم الحديث ٨٦٦٠، كتاب الفتن والملاحم، وأما حديث عقيل بن خالد)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے قریب ہونے کی

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: صحيح، وهذا إسناد حسن (حاشية مسند احمد)

[2] عن وهب بن منبه عن أخيه قال: سمعت أبا هريرة يقول: ما من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم أكثر حديثا منى إلا عبد الله بن عمرو فإنه كان يكتب وكنت لا أكتب (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ٧١٥٢، كتاب إخباره صلى الله عليه وسلم عن مناقب الصحابة رضى الله عنهم أجمعين، مناقب الصحابة رضى الله عنهم أجمعين)
قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية ابنِ حبان)

علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ بدترین لوگوں کو رفعت (وعزت) حاصل ہوگی، اور نیک واچھے لوگوں کو نیچا دکھایا جائے گا، اور باتیں خوش کُن (اور بڑی بڑی) ہوں گی، اور عمل، خراب وبدبودار ہوگا، اور مجمع میں مثناۃ کی قرائت کی جائے گی، جس پر ان لوگوں میں کوئی نکیر کرنے والا نہیں ہوگا، عرض کیا گیا کہ مثناۃ کیا ہے؟ تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل کی کتاب کے علاوہ لکھی ہوئی چیز (مستدرک حاکم)

امام حاکم نے اس حدیث کو ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے۔ [1]

اور قاسم بن سلام نے عمرو بن قیس سکونی سے اس حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے کہ:

سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، يَقُوْلُ: إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُّبْسَطَ الْقَوْلُ وَيُخْزَنَ الْفِعْلُ، وَإِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ تُرْفَعَ الْأَشْرَارُ وَتُوضَعَ الْأَخْيَارُ، وَإِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ تُقْرَأَ الْمُثَنَّاةُ عَلٰى رُءُوْسِ الْمَلَأِ لَا تُغَيَّرُ، قِيْلَ: وَمَا الْمُثَنَّاةُ؟ فَقَالَ: مَا اسْتُكْتِبَ مِنْ غَيْرِ كِتَابِ اللّٰهِ، قِيْلَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، وَكَيْفَ بِمَا جَاءَ مِنْ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: مَا أَخَذْتُمُوْهُ عَمَّنْ تَأْمَنُوْنَهُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَدِيْنِهٖ فَاعْقِلُوْهُ، وَعَلَيْكُمْ بِالْقُرْآنِ فَتَعَلَّمُوْهُ وَعَلِّمُوْهُ

---

[1] حدثنا على بن حمشاذ العدل، ثنا موسى بن الحسن بن عباد، ثنا أبو يوسف محمد بن كثير الصنعانى، ثنا الأوزاعى، عن عمرو بن قيس السكونى، قال :خرجت مع أبى فى الوفد إلى معاوية فسمعت رجلا يحدث الناس، يقول :إن من أشراط الساعة أن ترفع الأشرار وتوضع الأخيار، وأن يخزن الفعل والعمل ويظهر القول، وأن يقرأ بالمثناة فى القوم ليس فيهم من يغيرها أو ينكرها فقيل :وما المثناة؟ قال :ما اكتتبت سوى كتاب الله عز وجل قال :فحدثت بهذا الحديث قوما وفيهم إسماعيل بن عبيد الله، فقال :أنا معك فى ذلك المجلس تدرى من الرجل؟ قلت :لا، قال :عبد الله بن عمرو (المستدرك للحاكم، رقم الحديث ٨٦٦١، كتاب الفتن والملاحم)

قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسنادين جميعا، ولم يخرجاه.

وقال الذهبى فى التلخيص: صحيح.

أَبْنَائَكُمْ فَإِنَّكُمْ عَنْهُ تُسْأَلُوْنَ، وَبِهٖ تُجْزَوْنَ، وَكَفٰى بِهٖ وَاعِظًا لِمَنْ كَانَ يَعْقِلُ،قَالَ أَبُوْ عُبَيْدٍ:اَلْمُثَنَّاةُ أَرَاهُ يَعْنِيْ كُتُبَ أَهْلِ الْكِتَابَيْنِ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيْلِ (فضائل القرآن للقاسم بن سلام، ص ۷۱،كتاب فضل القرآن ومعالمه وأدبه،باب فضل الحض على القرآن والإيصاء به وإيثاره على ما سواه) [1]

ترجمہ: میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے سنا، آپ نے فرمایا کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ باتیں خوش کن اور بڑی بڑی ہوں گی، اور کام (وعمل) غم پیدا کرنے والا ہوگا، اور قیامت کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ بدترین لوگوں کو رفعت (وعزت) حاصل ہوگی، اور نیک واچھے لوگوں کو نیچا دکھایا جائے گا، اور قیامت کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ برسرِ جماعت مثناۃ کی قرائت کی جائے گی، جس پر کوئی نکیر نہیں کرے گا، عرض کیا گیا کہ مثناۃ کیا ہے؟ تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کتابُ اللہ کے علاوہ لکھی ہوئی چیز، عرض کیا گیا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث آجائے، اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جو حدیث تم اس شخص سے لو، کہ جس کی ذات اور دین پر تمہیں اطمینان ہے، تو تم اس کو مضبوطی سے پکڑلو (اور سمجھ لو) اور تم اپنے اوپر قرآن کو لازم کرلو، تم قرآن کو سیکھو، اور اپنی اولاد کو سکھاؤ، کیونکہ تم سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اور اس کے ذریعہ سے تمہیں بدلہ دیا جائے گا، اور سمجھنے (اور توبہ کرنے) والے کے لئے قرآن واعظ ہونے کے لئے کافی ہے۔

ابوعبید نے فرمایا کہ مثناۃ کے بارے میں میرا خیال یہ ہے کہ وہ اہلِ کتاب کی

---

[1] قال أبو سليمان جاسم بن سليمان حمد الفهيد الدوسري:
وإسناده حسن(الروض البسام بترتيب وتخريج فوائد تمام،ج۴،ص ۱۰۹،كتاب التفسير،باب :فضل تعلم القرآن وتعليمه)

کتابیں ہیں، یعنی تورات اور انجیل (فضائل قرآن، للقاسم بن سلام)

احادیثِ رسول کو لینے میں صحابۂ کرام کا طریقہ اسی احتیاط پر مبنی تھا، جیسا کہ آنے والی روایات سے معلوم ہوگا۔

علی رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

إِذَا حَدَّثْتُكُمْ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَأَنْ أَخِرَّ مِنَ السَّمَاءِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَكْذِبَ عَلَيْهِ (صحيح البخارى، رقم الحديث ٣٦١١، كتاب المناقب، باب علامات النبوة فى الإسلام)

ترجمہ: جب میں تمہارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کروں، تو مجھے آسمان سے گرنا زیادہ پسند ہے، بہ نسبت اس کے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھوں (بخاری)

اس قسم کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں جھوٹ سے بہت زیادہ اجتناب اور نفرت پائی جاتی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

إِذَا حَدَّثَنِيْ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِهٖ اِسْتَحْلَفْتُهُ فَإِذَا حَلَفَ لِيْ صَدَّقْتُهُ (سنن الترمذى، رقم الحديث ٤٠٦، ابواب الصلاة، باب ما جاء فى الصلاة عند التوبة؛ مسند احمد، رقم الحديث ٢) [1]

---

[1] قال الترمذى: وفى الباب عن ابن مسعود، وأبى الدرداء، وأنس، وأبى أمامة، ومعاذ، وواثلة، وأبى اليسر واسمه كعب بن عمرو، حديث على حديث حسن لا نعرفه إلا من هذا الوجه من حديث عثمان بن المغيرة، وروى عنه شعبة، وغير واحد، فرفعوه مثل حديث أبى عوانة، ورواه سفيان الثورى، ومسعر، فأوقفاه، ولم يرفعاه إلى النبى صلى الله عليه وسلم، وقد روى عن مسعر هذا الحديث مرفوعا أيضا.

وقال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی سے حدیث سنتا تو اُن سے قسم لیتا، اگر وہ قسم کھا لیتے، تو میں اُس (حدیث) کی تصدیق کرتا (ترمذی)

صحابۂ کرام جس طرح احادیث لینے میں احتیاط کرتے تھے، اسی طرح احادیث کی حفاظت اوران کو یاد کرنے کرانے کا بھی اہتمام کیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن بریدہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ: تَذَاكَرُوا الْحَدِيْثَ فَإِنَّكُمْ إِلَّا تَفْعَلُوْا يَنْدَرِسْ (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۳۲۴، کتاب العلم، فأما حدیث عبد الله بن نمیر، جامع بیان العلم وفضله، للقرطبی، رقم الحدیث ۶۸۷)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم حدیث کا مذاکرہ کیا کرو، پس اگر تم ایسا نہیں کروگے، تو حدیث یاد نہیں رہے گی (حاکم، قرطبی)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

قَالَ عَلِيٌّ تَذَاكَرُوْا هٰذَا الْحَدِيْثَ، وَتَزَاوَرُوْا، فَإِنَّكُمْ إِنْ لَا تَفْعَلُوْا، يَدْرُسْ (سنن الدارمی، رقم الحدیث ۶۵۰، المقدمة، باب مذاکرة العلم، مصنف ابن أبی شیبة، رقم الحدیث ۲۶۶۵۸) [1]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اس حدیث کا مذاکرہ کیا کرو، اور ایک دوسرے پر پیش کیا کرو، پس اگر تم ایسا نہیں کروگے، تو حدیث یاد نہیں رہے گی (دارمی، ابن ابی شیبہ)

عمر رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] قال حسین سلیم أسد الدارانی: إسناده صحیح (حاشیة سنن الدارمی)

كُنْتُ أَنَا وَجَارٌ لِّيْ مِنَ الْأَنْصَارِ فِيْ بَنِيْ أُمَيَّةَ بْنِ زَيْدٍ وَهِيَ مِنْ عَوَالِي الْمَدِيْنَةِ وَكُنَّا نَتَنَاوَبُ النُّزُوْلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَنْزِلُ يَوْمًا وَأَنْزِلُ يَوْمًا، فَإِذَا نَزَلْتُ جِئْتُهُ بِخَبَرِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ مِنَ الْوَحْيِ وَغَيْرِهٖ، وَإِذَا نَزَلَ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ (صحيح البخاري، رقم الحديث ٨٩، كتاب العلم، باب التناوب في العلم)

ترجمہ: میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی (ہم دونوں) بنی امیہ بن زید (کے محلّہ) میں رہتے تھے اور یہ (مقام) مدینہ کی بلندی پر تھا، اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس باری باری آتے تھے، ایک دن وہ آتا تھا اور ایک دن میں، جس دن میں آتا تھا، اس دن کی خبر، یعنی وحی وغیرہ (کے حالات) میں اس کو پہنچا دیتا، اور جس دن وہ آتا تھا، وہ بھی ایسا ہی کرتا تھا (صحیح بخاری)

براء بن عازب وابوبکرہ رضی اللہ عنہما کی روایت

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مَا كُلُّ الْحَدِيْثِ سَمِعْنَاهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُحَدِّثُنَا أَصْحَابُنَا عَنْهُ، كَانَتْ تَشْغَلُنَا عَنْهُ رَعِيَّةُ الْإِبِلِ (مسند احمد، رقم الحديث ١٨٤٩٣)[1]

ترجمہ: ساری حدیثیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے نہیں سنیں، ہمارے ساتھی بھی ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کرتے تھے، اونٹوں کے چرانے کی مشغولی کی وجہ سے، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نہیں سن پاتے تھے (مسند احمد)

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية مسند احمد)

اورحضرت براء بن عازب کی ایک روایت میں ہے کہ:

لَيْسَ كُلُّنَا سَمِعَ حَدِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَتْ لَنَا ضَيْعَةٌ وَأَشْغَالٌ، وَلٰكِنَّ النَّاسَ كَانُوْا لَا يَكْذِبُوْنَ يَوْمَئِذٍ، فَيُحَدِّثُ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ (مستدرک للحاکم،رقم الحديث ۴۳۸، کتاب العلم، فصل: فی توقير العالم) [1]

ترجمہ: ہم سے ہر ایک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری حدیثیں نہیں سنی تھیں، ہمارے اہل وعیال اور کاموں میں مشغولی ہوتی تھی، لیکن لوگ اُس وقت (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں جھوٹ نہیں بولتے تھے، پس حاضر غائب سے حدیث بیان کیا کرتا تھا (حاکم)

اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا کہ ''حاضر کو چاہیے کہ وہ غائب کو پہنچادے''

چنانچہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَوْمَ النَّحْرِ، فَقَالَ: لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَإِنَّهُ رُبَّ مُبَلَّغٍ يَبْلُغُهُ أَوْعٰى لَهُ مِنْ سَامِعٍ (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۲۳۳، ابواب السنة، باب من بلغ علما) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یومُ النحر (یعنی دس ذی الحجہ) کو خطبہ دیا، اور فرمایا کہ حاضر غائب تک پہنچادے، کیونکہ بہت سے لوگ جنہیں بات پہنچے گی، وہ سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے (اور سمجھنے والے) ہوں گے (ابن ماجہ)

---

[1] قال الحاكم:

هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه ومحمد بن سالم وابنه عبد الله محتج بهما، فأما صحيفة إبراهيم بن يوسف بن أبى إسحاق فقد أخرجها البخارى فى الجامع الصحيح.

وقال الذهبى فى التلخيص: على شرطهما

[2] قال شعيب الارنؤوط: اسناده صحيح (حاشية ابنِ ماجه)

اس طرح کا مضمون اور احادیث میں بھی آیا ہے۔ [1]

انس رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا، حَتّٰى تُفْهَمَ عَنْهُ، وَإِذَا أَتٰى عَلٰى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ، سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلَاثًا

(صحیح البخاری، رقم الحدیث۹۵، کتاب العلم، باب من أعاد الحدیث ثلاثا لیفهم عنه)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کلمہ کا تکلّم فرماتے تھے، تو اسے تین مرتبہ دوہراتے تھے، یہاں تک کہ اُسے سمجھ لیا جاتا تھا، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی قوم پر تشریف لاتے تھے، تو انہیں سلام کرتے تھے، اور تین مرتبہ سلام کرتے تھے

(بخاری)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا لِتُعْقَلَ عَنْهُ (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۷۷۱۶، کتاب الادب، وأما حدیث سالم بن عبید النخعی فی هذا الباب) [2]

---

[1] عن بهز بن حکیم، عن أبیه ،عن جده معاویة القشیری، قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:" ألا لیبلغ الشاهد الغائب "(سنن ابن ماجه، رقم الحدیث ۲۳۴)

قال شعیب الارنؤوط: صحیح لغیره، وهذا إسناد حسن(حاشیة ابنِ ماجه)

عن زهیر بن الأقمر قال: بینما الحسن بن علی یخطب بعدما قتل علی، إذ قام رجل من الأزد آدم طوال، فقال: لقد رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم واضعه فی حبوته، یقول: " من أحبنی فلیحبه، فلیبلغ الشاهد الغائب "ولولا عزمة رسول الله صلی الله علیه وسلم ما حدثتکم(مسند احمد، رقم الحدیث ۲۳۱۰۶)

قال شعیب الارنؤوط:إسناده صحیح(حاشیة مسند احمد)

[2] قال الحاکم:هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاه.

وقال الذهبی فی التلخیص: أخرجه البخاری سوی قوله لتعقل عنه.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کلمہ کا تکلم فرماتے تھے، تو اسے تین مرتبہ دوہراتے تھے، یہاں تک کہ اُسے سمجھ لیا جاتا تھا (حاکم)

اس طرح کی حدیث حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

اور حضرت ثمامہ بن انس رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ أَنَسًا كَانَ إِذَا تَكَلَّمَ تَكَلَّمَ ثَلَاثًا، وَيَذْكُرُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا تَكَلَّمَ تَكَلَّمَ ثَلَاثًا، وَكَانَ يَسْتَأْذِنُ ثَلَاثًا (مسند أحمد، رقم الحديث ١٣٣٠٨) [2]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ جب کلام فرماتے تھے، تو تین مرتبہ کلام فرماتے تھے، اور یہ بات ذکر کیا کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کلام فرماتے تھے، تو تین مرتبہ کلام فرماتے تھے، اور (گھر وغیرہ میں داخل ہوتے وقت) تین مرتبہ اجازت طلب کیا کرتے تھے (مسند احمد)

مذکورہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام صاف اور واضح ہوتا تھا، جس کے کلمات اور حروف کا شمار کرنا بھی ممکن ہوتا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بات کو تین مرتبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، تاکہ کسی کو سمجھنا مشکل نہ رہے، اور کسی قسم کی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ [3]

---

[1] عن أبي أمامة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا تكلم تكلم ثلاثا لكي يفهم عنه (المعجم الكبير،للطبراني، رقم الحديث ٨٠٩٥)

قال الهيثمي:رواه الطبراني في الكبير، وإسناده حسن(مجمع الزوائد، رقم الحديث ٥٤٤،باب في أدب العالم)

[2] قال شعيب الارنؤوط:إسناده حسن(حاشية مسند احمد)

[3] (سلم) عليهم (ثلاثا) أي ثلاث مرات ويشبه أن يكون ذلك عند الاستئذان لحديث إذا استأذن أحدكم ثلاثا ولم يؤذن له فليرجع، وعورض بأن تسليمة الاستئذان لا تثنى إذا حصل الإذن بالأولى، ولا تثلث إذا حصل بالثانية، نعم يحتمل أن يكون معناه أنه عليه الصلاة والسلام كان إذا أتى على قوم سلم عليهم تسليمة الاستئذان، وإذا دخل سلم تسليمة التحية، ثم إذا قام من المجلس سلم تسليمة الوداع وكل سنة .(وإذا تكلم) عليه الصلاة والسلام (بكلمة) أي بجملة مفيدة من باب إطلاق اسم البعض على الكل (أعادها ثلاثا) أي ثلاث مرات (ارشاد السارى لشرح صحيح البخارى للقسطلاني، ج ا ، ص ١٩٢ ، كتاب العلم، باب من أعاد الحديث ثلاثا ليفهم عنه)

حضرت حمید سے روایت ہے کہ:

أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَدَّثَ بِحَدِيْثٍ ،عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَجُلٌ:أَأَنْتَ سَمِعْتَهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَضِبَ غَضَبًا شَدِيْدًا، وَقَالَ:وَاللّٰهِ مَا كُلُّ مَا نُحَدِّثُكُمْ بِهٖ سَمِعْنَاهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلٰكِنْ كَانَ يُحَدِّثُ بَعْضُنَا بَعْضًا، وَلَا يَتَّهِمُ بَعْضُنَا بَعْضًا (مستدرک للحاکم،رقم الحديث ٦٤٥٨،كتاب معرفة الصحابة رضى الله عنهم،ذكر أنس بن مالک الأنصارى رضى الله عنه)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث بیان کی، تو ایک آدمی نے کہا کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، تو انس رضی اللہ عنہ سخت غصہ ہوئے، اور فرمایا کہ اللہ کی قسم! وہ تمام احادیث جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں، ہم نے براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنیں، لیکن ہم سے بعض، بعض سے احادیث بیان کرتے تھے، اور ہم میں سے کوئی دوسرے پر تہمت نہیں لگاتا تھا (حاکم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے پر تہمت نہ لگانی کی وجہ بھی دوسری روایت میں بیان کردی ہے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنَّا وَاللّٰهِ مَا كُنَّا نَكْذِبُ، وَلاَ نَدْرِيْ مَا الْكَذِبُ (مسند البزار، رقم الحديث ٧٢٨٨،مسند أبى حمزة أنس بن مالک) [1]

ترجمہ: بے شک اللہ کی قسم! ہم جھوٹ نہیں بولتے تھے، اور نہ ہی ہم یہ جانتے تھے

[1] قال الهيثمى:رواه البزار ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٨٠٧٧، باب تحريم الخمر)

کہ جھوٹ کیا ہوتا ہے (بزار)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی سند سے ہی مروی ہے کہ:

كُنَّا نَكُونُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَسْمَعُ مِنْهُ الْحَدِيثَ، فَإِذَا قُمْنَا تَذَاكَرْنَاهُ فِيمَا بَيْنَنَا حَتّٰى نَحْفَظَهُ (الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب البغدادی، ج ۱ ص ۲۳۶، رقم الحدیث ۴۶۴،مذاکرۃ الطلبۃ بالحدیث بعد حفظہ لیثبت)

ترجمہ: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے تھے، پھر ہم آپ سے حدیث سُنتے تھے، پھر جب ہم اُٹھ کر چلے آتے تھے، تو آپس میں اُس حدیث کا مذاکرہ کرتے تھے، یہاں تک کہ ہم اُس حدیث کو یاد کرلیا کرتے تھے (خطیب)

صحابۂ کرام کے اس طرزِ عمل کو ان کے شاگردوں نے بھی اپنایا تھا۔

لیث بن سعد سے روایت ہے کہ:

تَذَكَّرَ ابْنُ شِهَابٍ لَيْلَةً بَعْدَ الْعِشَاءِ حَدِيثًا وَهُوَ جَالِسٌ مُتَوَضِّئًا قَالَ: فَمَا زَالَ ذٰلِكَ مَجْلِسَهُ حَتّٰى أَصْبَحَ ،قَالَ مَرْوَانُ جَعَلَ يَتَذَاكَرُ الْحَدِيثَ (سنن الدارمی، رقم الحدیث ۶۴۰، المقدمۃ،باب مذاکرۃ العلم) [1]

ترجمہ: (انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد) ابنِ شہاب رات کو عشاء کے بعد باوضو بیٹھ کر حدیث کا مذاکرہ کرتے تھے، پھر برابر وہ مجلس جاری رہتی، یہاں تک کہ صبح ہوجاتی، مروان کہتے ہیں کہ وہ رات بھر حدیث کا مذاکرہ کرتے رہتے تھے (دارمی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ابنِ شہاب زہری کے بارے میں ہی مروی ہے کہ:

أَنَّهُ كَانَ يَسْمَعُ الْعِلْمَ مِنْ عُرْوَةَ وَغَيْرِهِ فَيَأْتِي إِلٰى جَارِيَةٍ لَهُ وَهِيَ نَائِمَةٌ فَيُوقِظُهَا فَيَقُولُ: اِسْمَعِي حَدَّثَنِي فُلَانٌ كَذَا وَفُلَانٌ كَذَا

[1] قال حسین سلیم اسد الدارانی: إسنادہ صحیح (حاشیۃ سنن الدارمی)

فَتَقُوْلُ: مَالِیْ وَمَا لِهٰذَا الْحَدِیْثِ؟ فَیَقُوْلُ: قَدْ عَلِمْتُ أَنَّکِ لَا تَنْتَفِعِیْنَ بِہٖ وَلٰکِنْ سَمِعْتُهُ الْآنَ فَأَرَدْتُ أَنْ أَسْتَذْکِرَهٗ (الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب البغدادی، ج۲ص۲۶۸، رقم الحدیث ۱۸۳۶، مذاکرة الحدیث مع عامة الناس)

ترجمہ: وہ حضرت عروہ وغیرہ سے علم کی سماعت کرتے تھے، پھر اپنی باندی کے پاس آتے تھے، جو کہ سوئی ہوئی ہوتی تھی، پھر اس کو جگاتے تھے، پھر فرماتے تھے کہ تم سنو، مجھ سے فلاں نے اس طریقہ سے اور فلاں نے اس طریقہ سے حدیث بیان کی ہے، وہ باندی کہتی تھی کہ مجھے اس حدیث کی کیا ضرورت ہے؟ تو حضرت ابنِ شہاب فرماتے کہ مجھے یہ بات معلوم ہے کہ آپ کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، لیکن میں نے ابھی فلاں سے یہ حدیث سُنی ہے، تو میں یہ چاہتا ہوں کہ اس کو یاد کروں (اس لیے تکرار و مذاکرہ کرتا ہوں) (خطیب)

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی روایت

امام حاکم نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ:

لَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، قُلْتُ لِرَجُلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ: هَلُمَّ فَلْنَسْأَلْ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّهُمُ الْیَوْمَ کَثِیْرٌ، فَقَالَ: وَاعَجَبًا لَکَ یَا ابْنَ عَبَّاسٍ، أَتَرَی النَّاسَ یَفْتَقِرُوْنَ إِلَیْکَ وَفِی النَّاسِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فِیْهِمْ، قَالَ: فَتَرَکْتُ ذَاکَ وَأَقْبَلْتُ أَسْأَلُ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، وَإِنْ کَانَ یَبْلُغُنِیْ الْحَدِیْثُ عَنِ الرَّجُلِ فَآتِیْ بَابَهٗ وَهُوَ قَائِلٌ فَأَتَوَسَّدُ رِدَائِیْ عَلٰی بَابِہٖ یَسْفِیْ الرِّیْحُ عَلَیَّ مِنَ

التُّرَابِ فَيَخْرُجُ فَيَرَانِيْ فَيَقُوْلُ: يَا ابْنَ عَمِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا جَاءَ بِكَ؟ هَلَّا أَرْسَلْتَ إِلَيَّ فَآتِيَكَ؟ فَأَقُوْلُ: لَا، أَنَا أَحَقُّ أَنْ آتِيَكَ، قَالَ: فَأَسْأَلُهُ عَنِ الْحَدِيْثِ، فَعَاشَ هٰذَا الرَّجُلُ الْأَنْصَارِيُّ حَتّٰى رَآنِيْ وَقَدِ اجْتَمَعَ النَّاسُ حَوْلِيْ يَسْأَلُوْنِيْ، فَيَقُوْلُ: هٰذَا الْفَتَى كَانَ أَعْقَلَ مِنِّيْ (مستدرک للحاکم، رقم الحدیث ۳۶۳، کتاب العلم) [1]

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا، تو میں نے ایک انصاری آدمی سے کہا کہ چلو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے سوال کریں، کیونکہ وہ آج بہت زیادہ ہیں، تو انہوں نے کہا کہ اے ابنِ عباس! تم پر تعجب ہے، کیا تم لوگوں کو سمجھتے ہو کہ وہ تمہارے محتاج ہیں، اور لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صحابی ہیں، تو میں نے ان صاحب کو چھوڑ دیا، اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام سے سوال کرنے کی طرف متوجہ ہوا، اگر مجھے کسی صحابی کے بارے میں کوئی حدیث پہنچتی، تو میں ان کے دروازے پر حاضر ہوتا، اور وہ آرام کررہے ہوتے، تو میں ان کے دروازے پر اپنی چادر کا تکیہ بنا کر لیٹ جاتا، ہوا سے میرے اوپر گرد وغبار چڑھ جاتا، پھر وہ صحابی باہر تشریف لاتے، اور مجھے دیکھتے، اور فرماتے کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے! آپ کس لئے تشریف لائے، آپ نے ہماری طرف پیغام کیوں نہیں بھیج دیا، تاکہ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاتے؟ تو میں کہتا کہ نہیں، میں آپ کے پاس حاضر ہونے کا زیادہ مستحق ہوں، پھر میں ان سے حدیث کے بارے میں سوال کرتا۔

پھر (ایک وقت آیا کہ) یہ انصاری شخص زندہ تھے، اور وہ مجھے دیکھتے تھے کہ میرے

---

[1] قال الحاکم: ”هذا حديث صحيح على شرط البخارى وهو أصل فى طلب الحديث وتوقير المحدث“

وقال الذهبى فى التلخيص: ”على شرط البخارى“

ارد گرد لوگ جمع ہوتے تھے، جو مجھ سے احادیث کے بارے میں سوال کرتے تھے، تو یہ انصاری کہتے تھے کہ یہ نوجوان مجھ سے زیادہ عقل مند ہے (حاکم)

ابنِ عبدالبر نے ابنِ شہاب زہری سے روایت کیا ہے کہ:

أَنَّ ابْـنَ عَبَّـاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ يَبْلُغُنِي الْحَدِيْثُ عَنِ الرَّجُلِ مِـنْ أَصْـحَـابِ الـنَّبِـيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَوْ أَشَاءُ أَنْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ حَتّٰى يَـجِـيْءَ فَيُحَدِّثَنِيْ فَعَلْتُ وَلٰكِنِّيْ كُنْتُ أَذْهَبُ إِلَيْهِ فَأَقِيْلُ عَلٰى بَـابِهٖ حَتّٰى يَخْرُجَ إِلَيَّ فَيُحَدِّثَنِيْ (جامع بيان العلم وفضله للقرطبی، ج ۱ ص ۳۹۳، رقم الحديث ۵۶۸، باب ذكر الرحلة فی طلب العلم)

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام میں سے کسی آدمی کی طرف سے حدیث پہنچتی تھی، تو اگر میں چاہتا، تو اس کی طرف پیغام بھیج کر اسے اپنے پاس بلالیا کرتا، یہاں تک کہ وہ مجھ سے وہ حدیث بیان کردیتا، لیکن میں خود اس صحابی کی طرف چل کر جاتا تھا، پھر میں اس کے دروازے پر ٹھہر جاتا تھا، یہاں تک کہ جب وہ صحابی باہر نکلتا، تو مجھ سے حدیث بیان کرتا (جامع بیان العلم)

اور حضرت طاوس سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ: إِنَّا كُنَّا نَحْفَظُ الْحَدِيْثَ، وَالْحَدِيْثُ يُحْفَظُ عَـنْ رَّسُـوْلِ الـلّٰـهِ صَـلَّـى الـلّٰـهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَّا إِذَا رَكِبْتُمُ الصَّعْبَ وَالذَّلُوْلَ، فَهَيْهَاتَ (سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۲۷، ابواب السنة، باب التوقی فی الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم) [1]

ترجمہ: میں نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہم

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية سنن ابنِ ماجه)

حدیث یاد کیا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد کی جاتی تھیں، لیکن جب تم ہر اچھی اور بری راہ پر چلنے لگو (اور تحقیق نہ کرو) تو پھر بات بہت دُور نکل جاتی ہے (ابنِ ماجہ)

اور حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ:

جَاءَ بُشَيْرٌ الْعَدَوِيُّ إِلٰى ابْنِ عَبَّاسٍ، فَجَعَلَ يُحَدِّثُ، وَيَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَعَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا يَأْذَنُ لِحَدِيْثِهِ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: يَا ابْنَ عَبَّاسٍ، مَالِيْ لَا أَرَاكَ تَسْمَعُ لِحَدِيْثِي، أُحَدِّثُكَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا تَسْمَعُ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنَّا كُنَّا مَرَّةً إِذَا سَمِعْنَا رَجُلًا يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ابْتَدَرَتْهُ أَبْصَارُنَا، وَأَصْغَيْنَا إِلَيْهِ بِآذَانِنَا، فَلَمَّا رَكِبَ النَّاسُ الصَّعْبَ، وَالذَّلُوْلَ، لَمْ نَأْخُذْ مِنَ النَّاسِ إِلَّا مَا نَعْرِفُ (صحيح مسلم، ج ١ ص ١٣، مقدمة، باب النهى عن الرواية عن الضعفاء والاحتياط فى تحملها)

ترجمہ: بشیر عدوی، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور احادیث بیان کرنا شروع کیں اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا، لیکن ابنِ عباس نے نہ اس کی احادیث غور سے سنیں اور نہ ہی اس کی طرف دیکھا، بشیر نے عرض کیا کہ اے ابنِ عباس! کیا بات ہے کہ میں آپ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کر رہا ہوں اور آپ سنتے ہی نہیں؟ تو حضرت ابنِ عباس نے فرمایا کہ ایک وہ وقت تھا کہ جب ہم کسی سے یہ سنتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو ہماری نگاہیں بے اختیار اس کی طرف لگ جاتیں اور غور سے اس کی حدیث اپنے کانوں سے سنتے،

لیکن جب سے لوگوں نے ضعیف اور ہر قسم کی روایات بیان کرنا شروع کر دیں، تو ہم صرف اسی حدیث کو لیتے ہیں، جس کو ہم صحیح سمجھتے ہیں (مسلم)

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ: تَذَاكَرُوْا هٰذَا الْحَدِيْثَ، لَا يَنْفَلِتْ مِنْكُمْ، فَإِنَّهُ لَيْسَ مِثْلَ الْقُرْآنِ مَجْمُوْعٌ مَحْفُوْظٌ، وَإِنَّكُمْ إِنْ لَمْ تَذَاكَرُوْا هٰذَا الْحَدِيْثَ يَنْفَلِتْ مِنْكُمْ، وَلَا يَقُوْلَنَّ أَحَدُكُمْ حَدَّثْتُ أَمْسِ فَلَا أُحَدِّثُ الْيَوْمَ، بَلْ حَدِّثْ أَمْسِ، وَلْتُحَدِّثِ الْيَوْمَ، وَلْتُحَدِّثْ غَدًا (سنن الدارمی، رقم الحديث ۶۲۴، المقدمة، باب مذاكرة العلم، المحدث الفاصل بين الراوی والواعی للرامهرمزی، رقم الحديث ۶۸۵، باب المذاكرة) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم ان احادیث کا مذاکرہ کیا کرو، اس طرح وہ تم سے فوت نہیں ہوں گی، کیونکہ احادیث قرآن کی طرح نہیں ہیں، جو کہ جمع شُدہ اور محفوظ ہے، اور بے شک تم اگر ان احادیث کا مذاکرہ نہیں کرو گے، تو یہ تم سے فوت ہو جائیں گی، اور تم میں سے کوئی ہرگز یہ بات نہ کہے کہ میں نے کل فلاں حدیث بیان کی تھی، تو میں آج اس حدیث کو بیان نہیں کرتا، بلکہ کل بھی بیان کرو، اور آج بھی بیان کرو، اور آئندہ کل بھی بیان کرو

(دارمی، المحدث الفاصل)

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: قَالَ كَانَ يَقُوْلُ: يَا سَعِيْدُ اُخْرُجْ بِنَا إِلَى النَّخْلِ وَيَقُوْلُ: يَا سَعِيدُ حَدِّثْ قُلْتُ: أُحَدِّثُ وَأَنْتَ شَاهِدٌ؟ قَالَ: إِنْ أَخْطَأْتَ

---

[1] قال حسين سليم اسد الدارانی: رجاله ثقات (حاشية سنن الدارمی)

فَتَحُثُ عَلَيْكَ (الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب البغدادی، ج۲ص۲۶۹، رقم الحدیث ۱۸۲۶ ،المذاکرة مع الأتباع والأصحاب)

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اے سعید! ہمارے ساتھ کھجور کے باغ کی طرف چلو، اور فرماتے تھے کہ اے سعید! آپ حدیث سنایئے، میں (یعنی سعید بن جبیر) کہتا تھا کہ میں حدیث سناؤں، حالانکہ آپ خود (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا) مشاہدہ کرنے والے ہیں؟ تو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے کہ اگر آپ سے غلطی ہوجائے گی، تو میں اس کی نشاندہی کروں گا (خطیب)

صحابۂ کرام کی اس سیرت کا اثر ان کے شاگردوں پر بھی تھا۔

حضرت مسلم بطین سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ أَبَا يَحْيَى الْأَعْرَجَ وَكَانَ عَالِمًا بِحَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِجْتَمَعَ هُوَ وَسَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ فِيْ مَسْجِدِ الْكُوْفَةِ فَتَذَاكَرَا حَدِيْثَ ابْنِ عَبَّاسٍ (الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب البغدادی، ج۲ص۲۷۳، رقم الحدیث ۱۸۳۱ ،المذاکرة مع الأقران والأتراب)

ترجمہ: میں نے ابو یحییٰ اعرج کی زیارت کی، جوکہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی احادیث کے عالم تھے، وہ اور سعید بن جبیر کوفہ کی مسجد میں جمع ہوتے، پھر حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی احادیث کا مذاکرہ کرتے (خطیب)

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت عمارہ بن سعد سے روایت ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت یہ وصیت فرمائی کہ:

لَا تَقْبَلُوْا الْحَدِيْثَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مِنْ ثِقَةٍ

(المعجم الكبير للطبرانی، ج۱۷ ص۲۶۸، رقم الحديث ۷۳۷) [1]

ترجمہ: تم رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو ثقہ (ومعتبر) آدمی سے ہی قبول کرنا (طبرانی)

اس طرح کا مضمون ایک مرفوع حدیث میں بھی مروی ہے، جس کی سند پر کلام ہے۔ [2]

ابوسعید، ابنِ عمر وابنِ مسعود رضی اللہ عنہم کی روایات

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

تَذَاكَرُوْا الْحَدِيْثَ، فَإِنَّ مُذَاكَرَةَ الْحَدِيْثِ تُهَيِّجُ الْحَدِيْثَ (مستدرک حاكم، رقم الحديث ۳۲۳، كتاب العلم، فأما حديث عبد الله بن نمير، سنن الدارمی، رقم الحديث ۶۱۷، مصنف ابن أبی شيبة، رقم الحديث ۲۶۶۵۷، باب تذاكر الحدِيث) [3]

---

[1] قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الكبير، وفی إسناده ابن لهيعة، ويحتمل فی هذا على ضعفه (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۹۹، باب أخذ الحديث من الثقات)

[2] أخبرناه القاضی أبو عمر القاسم بن جعفر الهاشمی، ثنا أبو بشر عيسى بن إبراهيم بن دستكوتا، ثنا القاسم بن نصر المخرمی، ثنا محمد بن بكار الهاشمی، ثنا جعفر بن سليمان، عن صالح وهو ابن حسان، عن محمد بن كعب القرظی، عن ابن عباس، عن النبی صلى الله عليه وسلم قال: لا تكتبوا العلم إلا ممن تجوز شهادته فإن صالح بن حسان تفرد بروايته، وهو ممن اجتمع نقاد الحديث على ترک الاحتجاج به، لسوء حفظه وقلة ضبطه، وكان يروی هذا الحديث عن محمد بن كعب، تارة متصلا وأخرى مرسلا، ويرفعه تارة ويوقفه أخرى، وأنا أسوق رواياته له على اختلافها عنه (الكفاية فی علم الرواية، للخطيب البغدادی، ج ۱، ص ۹۴، ۹۵، باب ذكر ما يستوی فيه المحدث والشاهد من الصفات، وما يفترقان فيه)

[3] قال الحاكم: وقد روی فی الحديث على مذاكرة الحديث عن علی بن أبی طالب، وعبد الله بن مسعود، بأحاديث صحيحة على شرط الشيخين.
وقال حسين سليم اسد الدارانی: إسناده صحيح (حاشية سنن الدارمی)

ترجمہ: تم حدیث کا مذاکرہ کیا کرو، کیونکہ حدیث کا مذاکرہ کرنا، حدیث کو پختہ یاد کرا دیتا ہے (حاکم، دارمی، ابن ابی شیبہ)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَرْوِيَ حَدِيثًا، فَلْيُرَدِّدْهُ ثَلَاثًا (سنن الدارمی، رقم الحديث ٦٣٣، المقدمة، باب مذاكرة العلم) [1]

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی حدیث روایت کرنے کا ارادہ کرے، تو اسے چاہئے کہ وہ اسے تین مرتبہ دوہرائے (دارمی)

حضرت علقمہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: تَذَاكَرُوا الْحَدِيثَ فَإِنَّ ذِكْرَ الْحَدِيثِ حَيَاتُهُ (مستدرك حاكم، رقم الحديث ٣٢٥، كتاب العلم، وأما حديث عبد الله بن مسعود)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم ان احادیث کا مذاکرہ کیا کرو، کیونکہ احادیث کا مذاکرہ کرنا، احادیث کو زندہ (و یاد رکھنا) ہے (حاکم)

اس طرح کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام، اور ان کے تلامذہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو یاد کرنے، اور ایک دوسرے تک پہنچانے، اور دوسروں سے سیکھنے، اور ان کی صحت وحفاظت کو ملحوظ رکھنے کا بڑا اہتمام کیا کرتے تھے۔

چند تابعین ومحدثین کی مرویات

بعض دیگر حضرات اور محدثین کے بارے میں بھی احادیث کی حفاظت اور ان کو یاد کرنے کے متعلق اسی قسم کے واقعات مروی ہیں، جن میں سے بعض کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت اعمش سے روایت ہے کہ:

---

[1] قال حسين سليم اسد الدارانی: إسناده صحيح (حاشية سنن الدارمی)

عَنْ إِسْمَاعِيلِ بْنِ رَجَاءٍ ، أَنَّهُ كَانَ يَأْتِي صِبْيَانَ الْكُتَّابِ فَيَعْرِضُ عَلَيْهِمْ حَدِيثَهُ كَيْ لَا يَنْسَى (مصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث ٢٦٦٦٠، كتاب الأدب، باب تذاكر الحديث، جامع بيان العلم وفضله،للقرطبي، رقم الحديث ٢١٧، باب آفة العلم وغائلته وإضاعته وكراهية وضعه عند من ليس بأهله)

ترجمہ: حضرت اسماعیل بن رجاء کاتبوں کے بچوں کے پاس آتے تھے، پھر اُن کے سامنے احادیث بیان کرتے تھے، تاکہ وہ (یعنی اسماعیل) احادیث کو بھول نہ جائیں (ابن ابی شیبہ، قرطبی)

حضرت سعید بن عبدالعزیز سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عَطَاءً الْخُرَاسَانِيَّ: كَانَ إِذَا لَمْ يَجِدْ أَحَدًا أَتَى الْمَسَاكِيْنَ فَحَدَّثَهُمْ يُرِيْدُ بِذٰلِكَ الْحِفْظَ (جامع بيان العلم وفضله،للقرطبي، رقم الحديث ٢١٣، باب آفة العلم وغائلته وإضاعته وكراهية وضعه عند من ليس بأهله)

ترجمہ: حضرت عطاء خراسانی جب کسی کو نہیں پاتے تھے، تو وہ مساکین کے پاس آتے تھے، پھر ان کے سامنے حدیث بیان کرتے تھے، تاکہ اس کے ذریعہ سے حدیث یاد رہے (قرطبی)

یزید بن ابی زیاد سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ لَيْلٰى ، قَالَ: إِحْيَاءُ الْحَدِيْثِ مُذَاكَرَتُهُ ، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ شَدَّادٍ: كَمْ مِنْ حَدِيْثٍ قَدْ أَحْيَيْتَهُ فِيْ صَدْرِيْ

(مصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث ٢٦٦٦٢، كتاب الأدب،باب تذاكر الحديث)

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے فرمایا کہ احادیث کو زندہ رکھنا، اُن کا مذاکرہ کرنا ہے، اُن سے عبداللہ بن شداد نے کہا کہ کتنی حدیثیں آپ نے (مذاکرہ کرنے کی وجہ سے) میرے سینہ میں زندہ (وتازہ) کردی ہیں (ابن ابی شیبہ)

اور ایک روایت میں ہے کہ:

اِلْتَقَى ابْنُ أَبِيْ لَيْلٰى وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ فَتَذَاكَرَا الْحَدِيْثَ فَسَمِعْتُ أَحَدَهُمَا يَقُوْلُ لِلْآخَرِ: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَرُبَّ حَدِيْثٍ أَحْيَيْتَهُ فِيْ صَدْرِيْ كَانَ قَدْ مَاتَ (الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب البغدادی، ج۲ص ۲۷۳، رقم الحدیث ۱۸۳۲، المذاکرۃ مع الأقران والأتراب)

ترجمہ: ابنِ ابی لیلیٰ اور عبداللہ بن شداد بن ھاد نے ملاقات کی، پھر احادیث کا مذاکرہ کیا، پھر میں نے اُن میں سے ایک کو سنا، جو دوسرے کو کہہ رہا تھا کہ اللہ تجھ پر رحم فرمائے، کئی حدیثیں آپ نے میرے سینہ میں زندہ کردیں، جو فوت ہوچکی تھیں (خطیب)

حضرت علی بن حسن بن شقیق سے روایت ہے کہ:

كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ فِي الْمَسْجِدِ فِيْ لَيْلَةٍ شِتْوِيَّةٍ بَارِدَةٍ فَقُمْنَا لِنَخْرُجَ ،فَلَمَّا كَانَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ ذَاكَرَنِيْ بِحَدِيْثٍ أَوْ ذَاكَرْتُهُ بِحَدِيْثٍ، فَمَا زَالَ يُذَاكِرُنِي وَأُذَاكِرُهُ حَتّٰى جَاءَ الْمُؤَذِّنُ فَأَذَّنَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ (الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب البغدادی، ج۲ص ۲۷۴، رقم الحدیث ۱۸۴۳،المذاکرۃ مع الشیوخ وذوی الأسنان)

ترجمہ: میں سردیوں کی ٹھنڈی رات میں حضرت عبداللہ بن مبارک کے ساتھ مسجد میں تھا، تو ہم باہر نکلنے کے لئے کھڑے ہوئے، پھر جب مسجد کے دروازے کے قریب پہنچے، تو انہوں نے مجھ سے حدیث کا مذاکرہ کیا، یا میں نے ان سے حدیث کا مذاکرہ کیا، پس وہ برابر مجھ سے حدیث کا مذاکرہ کرتے رہے، اور میں ان سے مذاکرہ کرتا رہا، یہاں تک کہ مؤذن آ گیا، جس نے فجر کی نماز کی اذان دی (احادیث کے مذاکرہ کا عمل، رات بھر جاری رہا) (خطیب)

حضرت ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَلْقَمَةَ، قَالَ: تَذَاكَرُوا الْحَدِيثَ، فَإِنَّ ذِكْرَهُ حَيَاتُهُ (سنن الدارمی، رقم الحديث ٦٢٧، المقدمة، باب مذاكرة العلم) [1]

ترجمہ: حضرت علقمہ نے فرمایا کہ تم احادیث کا مذاکرہ (وتکرار) کیا کرو، کیونکہ احادیث کا مذاکرہ کرنا، احادیث کو زندہ (ویاد رکھنا) ہے (دارمی)

حضرت عکرمہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

تَذَاكَرُوا الْحَدِيثَ، فَإِنَّ إِحْيَاءَهُ ذِكْرُهُ (مصنف ابن أبی شيبة، رقم الحديث ٢٦٦٥٩، كتاب الادب، باب تذاكر الحدِيثِ)

ترجمہ: تم احادیث کا مذاکرہ کیا کرو، کیونکہ احادیث کو زندہ (ویاد رکھنا) اُن کا مذاکرہ کرنا ہے (ابن ابی شیبہ)

حضرت یونس سے روایت ہے کہ:

كُنَّا نَأْتِي الْحَسَنَ فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِ، تَذَاكَرْنَا بَيْنَنَا (سنن الدارمی، رقم الحديث ٦٣٢، المقدمة، باب مذاكرة العلم) [2]

ترجمہ: ہم حضرت حسن کے پاس (احادیث سُننے کے لئے) آتے تھے، پھر جب ہم ان کے پاس سے نکلتے تھے، تو آپس میں (سُنی ہوئی احادیث کا) مذاکرہ کیا کرتے تھے (دارمی)

حضرت عیسیٰ بن مسیّب سے مروی ہے کہ:

سَمِعْتُ إِبْرَاهِيمَ يَقُولُ: إِذَا سَمِعْتَ حَدِيثًا فَحَدِّثْ بِهِ حِينَ تَسْمَعُهُ، وَلَوْ أَنْ تُحَدِّثَ بِهِ مَنْ لَا يَشْتَهِيهِ، فَإِنَّهُ يَكُونُ كَالْكِتَابِ فِي صَدْرِكَ

(مصنف ابن أبی شيبة، رقم الحديث ٢٦٦٦١، كتاب الأدب، باب تذاكر الحدِيثِ)

---

[1] قال حسين سليم اسد الدارانی: إسناده صحيح (حاشية سنن الدارمی)

[2] قال حسين سليم اسد الدارانی: إسناده صحيح (حاشية سنن الدارمی)

ترجمہ: میں نے حضرت ابراہیم نخعی سے سُنا، آپ نے فرمایا کہ تم جب کسی حدیث کوسُنو، تو سُنتے ہی اس کو بیان کردو، اگر چہ آپ وہ حدیث ایسے شخص کو بیان کرو، جو اس کی خواہش نہیں رکھتا، پس یہ آپ کے سینہ میں کتاب کی طرح محفوظ ہو جائے گی (ابن ابی شیبہ)

معلوم ہوا کہ احادیث کی حفاظت کا سخت اہتمام وانتظام کیا گیا ہے۔

پھر جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک حق بات یہ ہے کہ احادیث وروایات کی اسناد میں مذکور تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ''عادل وثقہ'' ہیں، اوران کا ''مجہول'' اور ''غیر معروف'' ہونا، احادیث وروایات کی سند میں کمزوری کا باعث نہیں، اِلَّا یہ کہ کسی شخصیت کا صحابی ہونا ہی ثابت نہ ہو، اس سلسلہ میں چند حوالہ جات وعبارات ملاحظہ فرمائیے۔

''فیضُ القدیر'' کا حوالہ

''فیضُ القدیر للمناوی'' میں ہے کہ:

ولا يقدح جهالة الصحابى لأن الصحب كلهم عدول (فيض القدير للمناوى، ج۵ص ۲۸۴، تحت رقم الحديث ۷۳۰۹، حرف اللام)

ترجمہ: اور صحابی کا ''مجہول'' ہونا (احادیث کی اسناد میں)، قدح (وجرح) کا باعث نہیں، کیونکہ تمام صحابہ عادل ہیں (فیض القدیر)

''مرقاۃُ المفاتیح'' کا حوالہ

''مرقاۃُ المفاتیح شرح مشکاۃُ المصابیح'' میں ہے کہ:

سبق أن إبهام الصحابى لا يضر ;لأن الأصح ;بل الصواب أن الصحابة كلهم عدول، ومن وقع له منهم زلة وفقه الله للتوبة ببركة ما حل عليه من الصحبة، ولو باللحظة (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۴، ص ۱۳۱۴، كتاب الزكاة، باب من لا تحل له المسألة ومن تحل له)

ترجمہ: یہ بات گزر چکی ہے کہ صحابی کا مبہم ہونا، مُضِر نہیں، کیونکہ زیادہ صحیح، بلکہ

درست بات یہ ہے کہ صحابۂ کرام سب کے سب عادل ہیں، اوران میں سے جس کی طرف سے کوئی خطاء واقع ہوئی، تو اللہ نے اس کو صحبتِ رسول کی برکت سے، اگرچہ ایک لمحہ کی ہو، توبہ کی توفیق عطاء فرمادی (مرقاۃ المفاتیح)

’’عونُ المعبود ‘‘ کا حوالہ

’’عونُ المعبود شرح سنن ابی داوٗد ‘‘میں ہے کہ:

جهالة الصحابی مغتفرة عند الجمهور وهو الحق (عون المعبود شرح سنن ابی داوٗد، ج۳ص۷۹، کتاب الرکوع والسجود، باب الدعاء فی الصلاة)

ترجمہ: صحابی کی جہالت جمہور کے نزدیک ناقابلِ التفات ہے، اور یہی حق ہے (اس کے برخلاف اقوال کمزور ہیں) (عونُ المعبود)

’’مرعاةُ المفاتیح‘‘ کا حوالہ

’’مرعاةُ المفاتیح شرح مشکاةُ المصابیح‘‘میں ہے کہ:

جهالة الصحابی لا تضر فی الخبر حیث کلهم عدول، قال النووی فی التقریب: الصحابة کلهم عدول من لابس الفتن وغیرهم بإجماع من یعتد به –انتهی .وارجع إلى التدریب (204)
والمراد بالعدالة فی قولهم "الصحابة کلهم عدول "هو التجنب عن تعمد الکذب فی الروایة والانحراف فیها بارتکاب ما یوجب عدم قبولها، کما صرح بذلک الشاه عبد العزیز الدهلوی فی بعض إفادته .
قال السخاوی فی فتح المغیث: قال ابن الأنباری: لیس المراد بعدالتهم ثبوت العصمة لهم واستحالة المعصیة منهم، وإنما المراد قبول روایاتهم من غیر تکلف البحث عن أسباب العدالة وطلب التزکیة إلا أن یثبت ارتکاب قادح، ولم یثبت ذلک انتهی .وارجع إلى ظفر الأمانی فی مختصر الجرجانی (ص 312، 311) (مرعاة المفاتیح، ج۱ ص۱۱۲، کتاب الإیمان، باب الإیمان بالقدر)

ترجمہ: صحابی کی جہالت حدیث میں مضر نہیں، کیونکہ وہ سب عادل ہیں، امام نووی نے ’’التقریب‘‘میں فرمایا کہ صحابہ سب کے سب عادل ہیں، خواہ وہ لابسِ فتن

(یعنی باہم اختلاف کرنے والے) ہوں، یا دوسرے ہوں، اس بات پر ان سب حضرات کا اجماع ہے، جن حضرات کا اجماع میں اعتبار کیا جاتا ہے، اور ''التدریب'' کی طرف بھی رجوع کیا جاسکتا ہے۔

اور محدثین کے تمام صحابۂ کرام کو ''عدول'' قرار دینے میں عدالت سے مراد، روایت میں جان بوجھ کر جھوٹ بولنے سے اجتناب کرنا، اور ان چیزوں کے ارتکاب سے بچنا ہے، جو روایت کے قبول نہ ہونے کا باعث بنتی ہیں، جیسا کہ اس کی شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اپنے بعض افادات میں تصریح فرمائی ہے۔

امام سخاوی نے ''فتحُ المغیث'' میں فرمایا کہ ابنُ الانباری نے فرمایا ہے کہ صحابۂ کرام کی عدالت سے مراد، ان کے لیے عصمت کا ثبوت اور ان سے معصیت کا محال ہونا نہیں ہے، بلکہ ان کی روایات کو عدالت کے اسباب اور طلبِ تزکیہ کی بحث کا تکلف کیے بغیر قبول کرنا مراد ہے، اِلَّا یہ کہ کسی باعثِ ردوقدح چیز کا ارتکاب ثابت ہو، جو کہ ثابت نہیں ہوا، مزید تفصیل کے لیے (علامہ لکھنوی کی) ''ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی'' کی طرف رجوح کیا جاسکتا ہے (مرعاۃ المفاتیح)

شیخ ناصرالدین البانی کا حوالہ

شیخ ناصرالدین البانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

وأما جهالة الصحابی فلا تضر قطعا لأنهم عدول (سلسلة الاحاديث الصحيحة، ج۴ص ۲۷۵، تحت رقم الحديث ۱۷۰۰)

ترجمہ: اور صحابی کی جہالت قطعاً مضر نہیں، کیونکہ صحابۂ کرام عادل ہیں (سلسلةُ الاحاديث الصحيحة)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ:

ومعلوم أن جهالة الصحابی لا تضر؛ لأنهم كلهم عدول عند أهل السنة (سلسلة الاحاديث الصحيحة، ج۷ص ۱۲۹۱، تحت رقم الحديث ۳۱۰۷)

ترجمہ: اور یہ بات معلوم ہے کہ صحابی کی جہالت مضر نہیں، کیونکہ وہ اہلُ السنۃ کے نزدیک عادل ہیں (سلسلة الاحاديث الصحيحة)

دیگر بہت سے اہلِ علم حضرات نے بھی یہی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ [1]

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا حوالہ

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں ہے کہ:

سوال:......"الصحابة كلهم عدول" یعنی صحابہ سب عادل ہیں کی تشریح فرمائیے؟

---

[1] والعدول الثقات غير معصومين من الخطأ (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج١٤، ص ١٠٧، كتاب الوصايا، باب من أتاه سهم غرب فقتله)

واستدل بها على أن من الصحابة رضى الله تعالى عنهم من ليس بعدل لأن الله تعالى أطلق الفاسق على الوليد بن عقبة فيها، فإن سبب النزول قطعي الدخول وهو صحابى بالاتفاق فيرد بها على من قال :إنهم كلهم عدول ولا يبحث عن عدالتهم فى رواية ولا شهادة.

وهذا أحد أقوال فى المسألة وقد ذهب إليه الأكثر من العلماء السلف والخلف .

وثانيها أنهم كغيرهم فيبحث عن العدالة فيهم فى الرواية والشهادة إلا من يكون ظاهرها أو مقطوعها كالشيخين.

وثالثها أنهم عدول إلى قتل عثمان رضى الله تعالى عنه ويبحث عن عدالتهم من حيث قتله لوقوع الفتن من حينئذ وفيهم الممسك عن خوضها .

ورابعها أنهم عدول إلا من قاتل عليا كرم الله تعالى وجهه لفسقه بالخروج على الإمام الحق وإلى هذا ذهبت المعتزلة.

والحق ما ذهب إليه الأكثرون وهم يقولون :إن من طرأ له منهم قادح ككذب أو سرقة أو زنا عما بمقتضاه فى حقه إلا أنه لا يصر على ما يخل بالعدالة بناء على ما جاء فى مدحهم من الآيات والأخبار وتواتر من محاسن الآثار، فلا يسوغ لنا الحكم على من ارتكب منهم مفسقا بأنه مات على الفسق. ولا ننكر أن منهم من ارتكب فى حياته مفسقا لعدم القول بعصمتهم وأنه كان يقال له قبل توبته فاسق لكن لا يقال باستمرار هذا الوصف فيه ثقة ببركة صحبة النبى صلى الله عليه وسلم ومزيد ثناء الله عز وجل عليهم كقوله سبحانه" وكذلك جعلناكم أمة وسطا' 'أى عدولا وقوله سبحانه: "كنتم خير أمة أخرجت للناس " إلى غير ذلك، وحينئذ إن أريد بقوله :إن من الصحابة من ليس بعدل ان منهم من ارتكب فى وقت ما ما ينافى العدالة فدلالة الآية عليه مسلمة لكن ذلك ليس محل النزاع، وإن أريد به أن منهم من استمر على ما ينافى العدالة فدلالة الآية عليه غير مسلمة كما لا يخفى(روح المعانى، ج١٣، ص٢٩٨، ٢٩٩، سورة الحجرات)

جواب:......اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ''**الصحابة کلهم عدول**''یعنی صحابہ سب عادل ہیں، اس عقیدہ کے بارے میں بارہا، حضرت ولی نعمت اللہ مرحوم قدس اللہ سرہ العزیز کے حضور میں بحث وتفتیش واقع ہوئی تھی۔

آخر میں یہ منقح ہوا کہ اس جگہ عدالت کے متعارف معنیٰ مراد نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ حدیث کی روایت میں یہ ثابت ہے کہ صحابہ سب عادل ہیں اور کسی دوسرے امر میں (صحابہ کا) قطعی طور پر عادل (گناہوں سے پاک صاف) ہونا مراد نہیں، حدیث کی روایت میں جس عدالت کا اعتبار ہے، اس سے مراد پرہیز کرنا، روایت میں قصداً دروغ کہنے سے پرہیز کرنا ہے، اور پرہیز کرنا، اس بات سے کہ اس سے روایت میں انحراف ہونے کا خوف ہو۔

ہم نے سب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کی تحقیق کی، یہاں تک کہ ان صحابہ کی جو کہ فتنہ اور باہمی مخالفت میں مبتلا ہوئے تھے، ان کی سیرت کی بھی تحقیق کی، تو میں نے سب صحابہ کو ایسا پایا کہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ جو بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو، اس بات کی نسبت جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جائے، نہایت سخت گناہ ہے، اور ایسی بات کہنا کہ جو بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو اور جو حقیقت نہ ہو، اس بات سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نہایت پرہیز کرتے تھے (فتاویٰ عزیزی، ص:۳۶۲، بابُ العقائد، بعنوان: الصحابہ کلہم عدول کی تشریح، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، طبعِ جدید: ۱۴۱۲ھ)

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی کا حوالہ

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی (المتوفیٰ: 1304ھ) کے فتاویٰ میں ہے:

سوال:......اہلِ سنت کا عقیدہ ہے''**الصحابة کلهم عدول**''یعنی سب صحابی

عادل تھے، پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ ''عدالت'' سے کیا مراد ہے؟

جواب:...... یہ عقیدہ نہ عقائد کی پرانی کتابوں میں ہے، نہ علمِ کلام میں، بلکہ اس فقرہ کو ''محدثین اصولِ حدیث'' راویوں کے عادل ہونے کے بیان میں لاتے ہیں، جس شخص نے اس فقرہ کو عقائد میں داخل کیا ہے، وہ وہیں سے اس کو لایا ہے، اور ''عدالت'' روایت میں جھوٹ کے قصد سے بچنے کو کہتے ہیں، اوراس میں کوئی شبہ نہیں کہ تمام صحابہ متصف بعدالت تھے، اورحضور سرورِ انبیاء **علیه التحية والثناء** پر جھوٹا الزام لگانے کو سخت گناہ جانتے تھے (مجموعہ فتاویٰ عبدالحیٔ، ج۱،ص۹۱، کتاب العقائد، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

مذکورہ تفصیل سے جہاں ایک طرف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا احادیثِ نبوی کو روایت کرنے کے بارے میں عادل وثقہ ہونا معلوم ہوا، اسی کے ساتھ صحابۂ کرام کی شان میں اس طرح کے عقیدہ کے غلو کا بھی علم ہوا، جو موجودہ زمانہ میں بہت سے اہلُ السنۃ کے لوگوں میں مشہور ہوگیا ہے کہ وہ ہر ہر صحابی کے انفرادی قول وفعل کو نبی کے درجہ میں معصوم سمجھنے لگے ہیں، یہاں تک کہ بعض تو ان سے اجتہادی خطاء کے صدور کو بھی قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں، اور اس قسم کے امور پر موجودہ زمانہ میں طرح طرح کی باتیں مشہور کردی گئیں ہیں، اوران سب امور میں حجت کے طور پر ''**الصحابة كلهم عدول** '' کے جملہ کو پیش کیا جاتا ہے، اور ہمہ جہتی نوعیت سے اس کو عقیدہ کا لازمی حصہ تصور کیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ افراط وتفریط ہر عمل میں مذموم، اوراعتدال مطلوب ہے۔

اس فصل کا خلاصہ

اس فصل کا خلاصہ یہ نکلا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو براہِ راست، یا دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے سنا تھا، اوران کو یاد ومحفوظ رکھنے، اوردوسروں

تک پہنچانے کا سخت اہتمام کیا تھا، اور صحابۂ کرام کی صداقت وعدالت کی قرآن وسنت میں شہادت دی گئی ہے، اور صحابۂ کرام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث وسنت کی حفاظت وتبلیغ میں اہم کردار ادا کیا، اور جان توڑ کوشش کی ہے، جس کی دنیا کی کسی دوسری جماعت میں نظیر نہیں ملتی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو بیان کرنے میں وہ سب عادل وثقہ ہیں، جن پر اس حوالہ سے جھوٹ بولنے کا الزام عائد نہیں کیا جاسکتا، اور اسی مقصد کے لئے یہ قاعدہ بنادیا گیا ہے کہ ''**الصحابة کلهم عدول**''۔

البتہ اگر کوئی حدیث جھوٹی ہے، جس کی سند میں کسی صحابی کا نام آتا ہے، تو اس جھوٹ میں صحابی، شریک نہیں، بلکہ اس کی ذمہ داری بعد کے کسی جھوٹے شخص پر ہی ہوگی، جس نے جس طرح حدیث میں جھوٹ بولا، اسی طرح سند میں صحابی کا نام شامل کرنے میں بھی جھوٹ بولا۔

لیکن اس سے ہر صحابی، اور اس کے ہر قول وفعل کو نبی کی طرح معصوم اور قابلِ حجت سمجھ لینا بھی درست نہیں۔

افراط وتفریط اور غلو ہر چیز میں مذموم اور برا ہے۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

(فصل نمبر 3)

حدیث گھڑنے والوں کی پیشگوئی اوران سے حفاظت

(3)...... تیسری بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیرالقرون کی صداقت وعدالت کے بعد جھوٹ عام ہوجانے کی پیش گوئی فرمائی ہے، اور قیامت سے پہلے جھوٹی اور بناوٹی، جعلی اور مصنوعی حدیثوں کی کارروائی ہونے، اوراس سے حفاظت سے بھی آگاہ فرمایا ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، أَنَّہٗ قَالَ: سَیَکُوْنُ فِیْ آخِرِ أُمَّتِیْ أُنَاسٌ یُحَدِّثُوْنَکُمْ مَا لَمْ تَسْمَعُوْا أَنْتُمْ، وَلَا آبَاؤُکُمْ، فَإِیَّاکُمْ وَإِیَّاھُمْ (صحیح مسلم، رقم الحدیث ٦ "٦" مقدمۃ ،باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء والاحتیاط فی تحملھا)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب میری امت کے آخر میں ایسے لوگ ہوں گے، جوتمہارے سامنے ایسی حدیثیں بیان کریں گے، جونہ تم نے سنیں، اورنہ تمہارے آباءواجداد نے سنیں، توتم اپنے آپ کوان سے بچاؤ، اوران کواپنے سے دوررکھو (مسلم)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَکُوْنُ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ

دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ، يَأْتُوْنَكُمْ مِنَ الْأَحَادِيْثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا أَنْتُمْ، وَلَا آبَاؤُكُمْ، فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ، لَا يُضِلُّوْنَكُمْ، وَلَا يُفْتِنُوْنَكُمْ (مسلم، رقم الحديث ٧"٧"مقدمة ،باب النهى عن الرواية عن الضعفاء والاحتياط فى تحملها)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخری زمانہ میں دجال، کذاب ہوں گے، جو تمہارے سامنے ایسی حدیثیں پیش کریں گے، جو نہ تم نے سنیں، اور نہ تمہارے آباء واجداد نے سنیں، تو تم اپنے آپ کو ان سے بچاؤ، اور ان کو اپنے سے دور رکھو، تاکہ وہ تمہیں گمراہ نہ کریں، اور تمہیں فتنہ میں نہ ڈالیں (مسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تیسری روایت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: سَيَكُوْنُ فِيْ أُمَّتِيْ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ، يَأْتُوْنَكُمْ بِبِدَعٍ مِّنَ الْحَدِيْثِ، بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ، فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ لَا يَفْتِنُوْنَكُمْ (مسند أحمد، رقم الحديث ٨٥٩٦)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں عنقریب دجال، کذاب ہوں گے، جو تمہارے سامنے گھڑی ہوئی حدیثیں پیش کریں گے، جو نہ تم نے سنیں، اور نہ تمہارے آباء واجداد نے سنیں، تو تم اپنے آپ کو ان سے بچاؤ، اور ان کو اپنے سے دور رکھو، تاکہ وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں (مسند احمد)

''کذاب'' بہت زیادہ جھوٹے کو کہا جاتا ہے، اور ''دجال'' بہت زیادہ دجل وفریب کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:
حديث حسن، وهذا إسناد ضعيف (حاشيه مسند احمد)

ابوحمید اور ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہما کی حدیث

حضرت ابوحمید ساعدی اور ابواسید ساعدی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا سَمِعْتُمُ الْحَدِيْثَ عَنِّيْ تَعْرِفُهُ قُلُوْبُكُمْ، وَتَلِيْنُ لَهُ أَشْعَارُكُمْ، وَأَبْشَارُكُمْ، وَتَرَوْنَ أَنَّهُ مِنْكُمْ قَرِيْبٌ، فَأَنَا أَوْلَاكُمْ بِهِ، وَإِذَا سَمِعْتُمُ الْحَدِيْثَ عَنِّيْ تُنْكِرُهُ قُلُوْبُكُمْ، وَتَنْفِرُ أَشْعَارُكُمْ، وَأَبْشَارُكُمْ، وَتَرَوْنَ أَنَّهُ مِنْكُمْ بَعِيْدٌ فَأَنَا أَبْعَدُكُمْ مِنْهُ (مسندا حمد، رقم الحديث ١٦٠٥٨) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میرے حوالہ سے ایسی حدیث سنو کہ جس کی تمہارے دلوں کو معرفت وپہچان حاصل ہو، اور اس کی وجہ سے تمہارے بال، اور کھال میں نرمی پیدا ہو، اور تم یہ سمجھو کہ وہ تم سے قریب ہے، تو میں اس حدیث کے تم سے زیادہ قریب ہوں، اور جب تم میرے حوالہ سے ایسی حدیث سنو کہ اس کو تمہارے دل منکر سمجھیں (یعنی اس حدیث کی تمہارے دل کو معرفت وپہچان حاصل نہ ہو) اور تمہارے بال اور کھال، اس سے نفرت کرے، اور تم یہ سمجھو کہ وہ تم سے دور ہے، تو میں اس حدیث سے تم سے بھی زیادہ دور ہوں (مسنداحمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی ایک حدیث اسی نوعیت کی مختصر طور پر مروی ہے، جس کی سند پر کلام ہے، تاہم اگر اس کا مطلب گذشتہ حدیث کے موافق قرار دیا جائے، تو الگ بات ہے۔ [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

[2] نا أبو محمد بن صاعد ,والحسين بن إسماعيل ,قالا :نا الفضل بن سهل ,نا يحيى بن آدم , نا ابن أبي ذئب ,عن سعيد المقبرى ,عن أبيه ,عن أبي هريرة ,عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: إذا حدثتم عني بحديث تعرفونه ولا تنكرونه فصدقوا به ,وما تنكرونه فكذبوا به(سنن الدارقطنى، رقم الحديث ۴۴۷۴)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَتَمَثَّلُ فِيْ صُوْرَةِ الرَّجُلِ، فَيَأْتِي الْقَوْمَ، فَيُحَدِّثُهُمْ بِالْحَدِيْثِ مِنَ الْكَذِبِ، فَيَتَفَرَّقُوْنَ، فَيَقُوْلُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ: سَمِعْتُ رَجُلًا أَعْرِفُ وَجْهَهُ، وَلَا أَدْرِيْ مَا اِسْمُهُ يُحَدِّثُ (صحيح مسلم، تحت رقم الحديث ٧ ”٧“ مقدمة ، باب النهى عن الرواية عن الضعفاء والاحتياط فى تحملها)

ترجمہ: بے شک شیطان آدمی کی صورت میں متمثل ہوکر کچھ لوگوں کے پاس آتا ہے، پھر ان کے سامنے جھوٹی حدیث بیان کرتا ہے، پھر وہ لوگ ایک دوسرے سے الگ ہوکر چلے جاتے ہیں، پھر ان میں سے کوئی آدمی کہتا ہے کہ میں نے ایک آدمی سے سنا، جس کے چہرہ کو میں پہچانتا ہوں، لیکن اس کے نام کو میں نہیں جانتا، وہ یہ حدیث بیان کرر ہا تھا (مسلم)

اس روایت میں ممکن ہے کہ شیطان سے جنات کی نسل والا شیطان مراد ہو، اور ممکن ہے کہ شیطانی کام کرنے والا انسان مراد ہو، اور حدیث سے خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی حدیث مراد ہو، اور ممکن ہے کہ حدیث سے عام گفتگو مراد ہو، جس میں حدیث بھی داخل ہو۔

بہر حال اس روایت سے اتنی بات معلوم ہوگئی کہ بعض احادیث کے مجہول راوی شیطان بھی ہوتے ہیں، جو جھوٹی حدیث بیان کرتے ہیں۔ [1]

---

[1] إن الشيطان ليتمثل فى صورة الرجل) ، أى :أحيانا (فيلقى القوم) أى :جماعة (فيحدثهم بالحديث من الكذب فيتفرقون، فيقول الرجل منهم :سمعت رجلا أعرف وجهه) أى :رسمه (ولا أدرى ما اسمه) أى :وصفه (يحدث) أى :كذا وكذا، وظاهره أنه من حديث رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فإنه من أقبح أنواع الكذب حتى عد كفرا، فلهذا يعتنى به رئيسهم ويتصوره بصورة حسية تقوية للوسوسة الداخلية المعنوية، فكان الأنسب إيراده فى باب الاعتصام، ولا يبعد أن يراد به مطلق خبر الكذب، أو ما يتفرع عليه الفساد من نحو البهتان والقذف وأمثالهما، والمراد بالشيطان واحد من الجنس(مرقاة المفاتيح، ج٧، ص ١٥٠٣، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم)

ابنِ سیرین کا حوالہ

جلیل القدر تابعی ابنِ سیرین سے منقول ہے کہ:

إِنَّمَا هٰذَا الْعِلْمَ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَأْخُذُوْنَهُ (التاريخ الكبير المعروف بتاريخ ابن أبي خيثمة ـ السفر الثالث ، لابي بكر أحمد بن أبي خيثمة، ج ا ص ٣١٣، رقم الرواية ١١٤١)

ترجمہ: بس یہ علم ہی دین ہے، تو تم ان لوگوں کو ضرور دیکھو، جن سے تم دین لیتے ہو (تاریخ الکبیر)

حماد بن زید کا حوالہ

حماد بن زید سے روایت ہے کہ:

وَضَعَتِ الزَّنَادِقَةُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِثْنَىْ عَشَرَ أَلْفَ حَدِيْثٍ (الضعفاء الكبير،للعقيلي ،ج ا ،ص ١٥ ،باب تبين أحوال من نقل عنه الحديث ممن لم ينقل على صحبه)

ترجمہ: زندیق لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر بارہ ہزار حدیثیں گھڑی ہیں (الضعفاء الکبیر)

امام مسلم کا حوالہ

امام مسلم فرماتے ہیں:

وَاعْلَمْ وَفَّقَكَ اللّٰهُ تَعَالٰى أَنَّ الْوَاجِبَ عَلٰى كُلِّ أَحَدٍ عَرَفَ التَّمْيِيْزِ بَيْنَ صَحِيْحِ الرِّوَايَاتِ وَسَقِيْمِهَا، وَثِقَاتِ النَّاقِلِيْنَ لَهَا مِنَ الْمُتَّهَمِيْنَ، أَنْ لَّا يَرْوِىَ مِنْهَا إِلَّا مَا عَرَفَ صِحَّةَ مَخَارِجِهٖ، وَالسِّتَارَةَ فِىْ نَاقِلِيْهِ،

وَأَنْ يَتَّقِيَ مِنْهَا مَا كَانَ مِنْهَا عَنْ أَهْلِ التُّهَمِ وَالْمُعَانِدِيْنَ مِنْ أَهْلِ الْبِدَعِ (صحيح مسلم، ج ا ص ٨،مقدمة،باب وجوب الرواية عن الثقات وترك الكذابين، والتحذير من الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم)

ترجمہ: اور یہ بات جان لیجئے !اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطاء فرمائے کہ بلا شبہ ہر ایک شخص پر واجب ہے کہ وہ صحیح روایات کی کمزور روایات کے مقابلہ میں، اور روایات کو نقل کرنے والے ثقہ لوگوں کی متہم لوگوں کے مقابلہ میں امتیاز پیدا کرنے کی معرفت حاصل کرے، اس طرح کہ ان میں سے صرف ان ہی کو روایت کرے، جن کے مخارج ومراجع کی صحت کو، اوران کے ناقلین میں (موانعِ روایت سے) بچنے کو پہچانتا ہو، اور جو اہلِ تہمت واہلِ بدعت میں سے معاندین ہیں، ان کی روایات سے اجتناب کرے (صحیح مسلم)

حافظ ذہبی کا حوالہ

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ:

وقال معروف بن خربوذ عن أبي الطفيل عن علي قال :حدثوا الناس بما يعرفون ودعوا ما ينكرون أتحبون أن يكذب الله ورسوله.

فقد زجر الإمام علي رضي الله عنه عن رواية المنكر وحث على التحديث بالمشهور وهذا أصل كبير في الكف عن بث الأشياء الواهية والمنكرة من الأحاديث في الفضائل والعقائد والرقائق ولا سبيل إلى معرفة هذا من هذا إلا بالإمعان في معرفة الرجال (تذكرة الحفاظ،ج ا،ص ١٥،١٦،الطبقة الأولى من الكتاب)

ترجمہ: اور معروف بن خربوذ ابو طفیل سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم لوگوں سے وہ حدیث بیان کرو، جو ان کے لئے معروف ہو، اور جسے وہ منکَر جانیں، اسے چھوڑ دو، کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے۔

پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منکر روایت کے بیان کرنے پر تنبیہ فرمادی، اور مشہور حدیث کو بیان کرنے پر اُبھارا، اور یہ بہت بڑا قاعدہ ہے فضول چیزوں اور منکر احادیث کے پھیلانے کے سلسلہ میں، خواہ وہ فضائل سے متعلق ہوں، یا عقائد سے متعلق ہوں، یا غلامیت وغیرہ سے متعلق ہوں، اور اس کی پہچان کا راستہ سوائے اس کے کوئی نہیں کہ حدیث کے راویوں کی پہچان حاصل کی جائے (اور پھر معتبر راویوں کی روایات ہی کو لیا جائے) (تذکرۃ الحفاظ)

ابنِ عبدالبر قرطبی کا حوالہ

ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر نمری قرطبی (المتوفیٰ: 463ھ) فرماتے ہیں:

تخويف رسول الله صلى الله عليه وسلم أمته بالنار على الكذب دليل على أنه كان يعلم أنه سيكذب عليه صلى الله عليه وسلم (التمهيد لما فى الموطأ من المعانى والأسانيد، ج ١، ص ٤٤، مقدمة، باب بيان التدليس ومن يقبل نقله ويقبل مرسله وتدليسه ومن لا يقبل ذلك منه)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو جھوٹی حدیث کے گھڑنے پر جو جہنم کا خوف دلایا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (وحی کے ذریعہ سے) یہ بات معلوم تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جھوٹی حدیثیں گھڑی جائیں گی (التمہید)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا حوالہ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (المتوفیٰ: 958ھ) قیامت سے پہلے جھوٹی حدیثیں اور باتیں بیان کرنے والے لوگوں کے پیدا ہونے کی پیش گوئی والی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أي :يلبسون ويرون أنفسهم علماء ومشايخ من أهل النصحية والصلاح، ثم يدعون الناس إلى مذاهبهم الباطلة وآرائهم الفاسدة، والمراد بالأحاديث

أعم من أحاديث الرسول وغيرها، والمراد بعدم السماع المذكور عدم ثبوتها في الدين، وكونها بهتانا وافتراء فيه (لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح، ج ١، ص ٤٧١، كتاب الايمان،باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

ترجمہ: یعنی وہ (جھوٹی حدیث بیان کرنے والے) تلبیس پیدا کریں گے، اور اپنے آپ کو وعظ ونصیحت کنندہ اور نیک علماء ومشائخ میں سے ہونا ظاہر کریں گے، پھر لوگوں کو اپنے باطل مذاہب اور فاسد آراء کی طرف دعوت دیں گے،اور ''احادیث'' سے مراد عام ہے،جس میں رسول کی احادیث اور غیر رسول کی باتیں سب شامل ہیں،اور حدیث میں جو ان احادیث کو نہ سننے کا ذکر ہے،اس سے یہ مراد ہے کہ وہ حدیثیں اور باتیں،دین میں ثابت نہیں ہوں گی،اور وہ بہتان اور جھوٹ پر مشتمل ہوں گی (لمعات)

حسین بن محمود مظہری کا حوالہ

حسین بن محمود مظہری (المتوفی: 727ھ) قیامت سے پہلے جھوٹی حدیثیں اور باتیں بیان کرنے والے لوگوں کے پیدا ہونے کی پیش گوئی والی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

يعني :ستكون جماعة يقولون للناس :نحن علماء ومشايخ ندعوكم إلى الدين، وهم كاذبون في ذلك ".يأتونكم من الأحاديث بما لم تسمعوا أنتم ولا آباؤكم "؛ يعني :يتحدثون بالأحاديث الكاذبة، ويبتدعون أحكاما باطلة، ويعلمون الناس اعتقادات فاسدة (المفاتيح في شرح المصابيح، ج ١،ص ٢٥٨، كتاب الايمان،باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

ترجمہ: یعنی ایک جماعت ایسے لوگوں کی پیدا ہوگی، جو لوگوں سے یہ کہیں گے کہ ہم علماء ومشائخ ہیں،ہم تمہیں دین کی طرف بلاتے ہیں،حالانکہ وہ اس دعوے میں جھوٹے ہوں گے،جو تمہارے پاس ایسی احادیث لائیں گے،جو نہ تم نے سنی ہوں گی،نہ تمہارے آباء واجداد نے سنی ہوں گی،یعنی وہ جھوٹی احادیث بیان

کریں گے، اور باطل احکام کی بدعت ایجاد کریں گے، اور لوگوں کو فاسد عقائد کی تعلیم دیں گے (المفاتیح)

حسین بن عبداللہ طیبی کا حوالہ

شرف الدین حسین بن عبداللہ طیبی (المتوفیٰ: 743ھ) فرماتے ہیں:

قوله :(إن الشيطان ليتمثل) فيه تنبيه على التحرى فيما يسمع من الكلام وأن يتعرف من القائل؟ أهو صادق يجوز النقل عنه، أو كاذب يجب الاجتناب عن نقل كلامه؟ على ما ورد :(كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع)(شرح الطيبى على مشكاة المصابيح، ج١٠، ص٣١٣٢، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم)

ترجمہ: ''ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ شیطان آدمی کی صورت میں سامنے آ کر جھوٹی حدیث بیان کرتا ہے'' اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جو بات سنے، اس میں غور وفکر کرنا واجب ہے، اور قائل (و بیان کنندہ) کی معرفت بھی ضروری ہے کہ وہ سچا ہے، جس کی بات کو نقل کرنا جائز ہے، یا جھوٹا ہے، جس کی بات کو نقل کرنے سے بچنا واجب ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کر دے (شرح طیبی)

امام طحاوی کا حوالہ

امام طحاوی (المتوفیٰ: 321ھ) اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ''جس میں دل کے اس حدیث کو پہچاننے، نہ پہچاننے کا ذکر ہے'' فرماتے ہیں:

فتأملنا هذا الحديث فوجدنا الله عز وجل قال فى كتابه: ''إنما المؤمنون الذين إذا ذكر الله وجلت قلوبهم وإذا تليت عليهم آياته زادتهم إيمانا'' وقال عز وجل: ''الله نزل أحسن الحديث كتابا متشابها مثانى تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم ثم تلين جلودهم وقلوبهم إلى ذكر الله'' وقال عز وجل فيما ذكر عن أصحاب النجاشى ''وإذا سمعوا ما أنزل إلى الرسول ترى أعينهم تفيض من الدمع مما عرفوا من الحق يقولون ربنا آمنا ''

فأخبر الله عز وجل عن أهل الإيمان من هذه الأحوال عند السماع بما أنزل على نبيهم صلى الله عليه وسلم وكان ما يحدثون به عنده مما يكون في الحقيقة كما يحدثون به عنه من جنس ذلك لأن ذلك كله من عند الله عز وجل قامت عليه الحجة عندهم بصدق ما يحدثهم به عنه فوجب عليهم بذلك الوقوف على ما حدثهم به من ذلك قبول قوله والمخالفة بينه وبين ما سواه مما تقدم ذكرنا له قبله (شرح مشكل الآثار ج ۱۵، ص ۳۴۶، باب بيان مشكل ما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من قوله إذا سمعتم عني حديثا تعرفه قلوبكم، الخ)

ترجمہ: ہم نے اس حدیث میں غور وفکر کیا (جس میں حدیث کی دل کو پہچان حاصل ہونے، نہ ہونے، اور بال، کھال میں نرمی پیدا ہونے، نہ ہونے کا ذکر ہے) تو ہم نے اللہ عزوجل کی کتاب میں (سورہ انفال کی آیت نمبر 2 میں) اس کا یہ حکم پایا کہ:

”إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا“

اور اللہ عزوجل کا (سورہ زمر کی آیت نمبر 23 میں) یہ حکم بھی پایا کہ:

”اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ“

اور اللہ عزوجل کا نجاشی کے اصحاب کے بارے میں (سورہ مائدہ کی آیت نمبر 83 میں) یہ حکم بھی پایا کہ:

”وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا“

پس اللہ عزوجل نے اہلِ ایمان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی کے متعلق مذکورہ احوال کا ذکر فرمایا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہ پر جو احوال، وحی نازل ہونے کے وقت طاری ہوتے تھے، حقیقت میں اسی جنس کے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے وقت بھی طاری ہوتے تھے (یعنی وحی متلو و غیر متلو کے وقت ایک ہی جنس کے احوال ہوتے تھے) کیونکہ یہ سب اللہ عز وجل کی طرف سے ہی تھے، جس پر صحابہ کے سامنے حجت قائم تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بھی سچ وحق (اور اللہ کی طرف سے نازل شدہ احکام کے قبیل سے ہیں) لہٰذا اس وحی کے ذریعہ جو حالت پیدا ہوتی تھی، اس پر آگاہ ہونے کی صورت میں اس کا قبول کرنا، اور جس سے اس کے مخالف مذکورہ حالت پیدا ہو، اس کو رد کرنا واجب ہوگا، جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا (شرح مشکل الآثار)

کاسلافہ بالامیر کا حوالہ

محمد بن اسماعیل صنعانی، کاسلافہ بالامیر (المتوفیٰ: 1182ھ) نے بھی مذکورہ حدیث کی تشریح کے ذیل میں جو کچھ فرمایا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معروفات کا حکم دیا کرتے تھے، اور منکرات سے منع فرماتے تھے، لہٰذا جس حدیث کو دل معروف سمجھے، اور اس سے مذکورہ کیفیت پیدا ہو، وہ اس کے نبی کی صحیح حدیث ہونے کی نشانی ہے، اور اس کے برخلاف حالت و کیفیت پیدا ہو، وہ نبی کی صحیح حدیث نہ ہونے کی نشانی ہے۔ [1]

---

[1] (إذا سمعتم الحديث عني تعرفه قلوبكم) تـقبله وتعلم أنه من كلامي وطريقتي وتقبل ما فيه من الـمعاني وأنها من هديي (وتلين له أشعاركم وأبشاركم) تـنشط له ولا تقشعر منه ولا تأباه وتنفر عنه (وترون أنه منكم قريب) تـرون ما فيه من أمر ونهي وترغيب وتزهيد مما تأتون به وتنتهون عنه (فأنا أولاكم به) واعلم أنه -صلى الله عليه وسلم -بـعـث متمما لمكارم الأخلاق داعيا إلى دار السلام مـذكـرا لـلـمـؤمنين منذرا للعاصين مزهدا فى الدنيا مرغبا فى الأخرى واصفا لربه بأشرف الصفات وأتـمـهـا وأكـمـلـهـا مـخبـرا بـرسـلـه بتصديق بعضهم بعضا فى دعاء الخلق إلى الله تعالى آمرا بكل مـعـروف نـاهيا عن كل منكر فكل حديث أفاد هذه المعانى تعرف القلوب أنه من كلامه -صلى الله عليه وسلم -وأنه هديه وطريقته وينبسط له الشعر والبشر وكل حديث وارد فى خلاف هذه المعانى مـن الـتـرغيـب إلـى الـدنـيـا وتحبيبها إلى العباد ومن ذكر صفات له تعالى ليست على أكمل الكمال ونـحـو ذلک من كل ما خالف هديه وطريقته يميز بها بين كلامه وكلام غيره، وهذا واضح للقلوب العارفة بالله ورسله وقلوب العلماء الممارسين لكلامه -صلى الله عليه وسلم -كان يقول بعض

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امام مناوی کا حوالہ

امام مناوی (المتوفی: 1031ھ) نے بھی اسی نوعیت کی تفصیل ذکر کی ہے۔ ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ علماء السنة إني لأعرف نفس رسول الله -صلى الله عليه وسلم - وكلامه كما يعرف الشعراء من مارس كلامهم نفس بعضهم من بعض وهذا ما أفاده قوله :(وإذا سمعتم الحديث) ينقل لكم (عني تنكره قلوبكم وتنفر عنه أشعاركم وأبشاركم وترون أنه بعيد منكم) تقدم تفسير قربه منهم فالبعيد ضده (فأنا أبعدكم منه) فهذا تبعيد للعلماء العارفين وأئمة الدين فيما يسمعونه من الأحاديث ومعيار صادق في ذلك (التنوير شرح الجامع الصغير، ج۲،ص۱۰۷، ۱۰۸، تحت رقم الحديث ۲۹۴، حرف الهمزة مع الذال المعجمة)

؎ (إذا سمعتم) أيها المؤمنون الكاملون الإيمان الذى استضاء ت قلوبهم من مشكاة النبوة (الحديث عنى تعرفه قلوبكم) أى تقبله وتشهد بحسنه (وتلين له أشعاركم) جمع شعر (وأبشاركم) جمع بشرة (وترون) أى تعلمون (أنه منكم قريب) أى قريب إلى أفهامكم وأحكام دينكم ولا يأبى قواعد علومكم أيها المتشرعة (فأنا أولاكم به) أحق به فى القبول المؤدى إلى العمل بمقتضاه لأن ما أفيض على قلبي من المعارف وأنوار اليقين أكثر من بقية الأنبياء فضلا عنكم (وإذا سمعتم الحديث عني تنكره قلوبكم وتنفر منه أشعاركم وأبشاركم وترون أنه بعيد منكم فأنا أبعدكم منه) لما ذكر ولذلك جزم أئمتنا الشافعية بأن كل حديث أوهم باطلا ولم يقبل التأويل فمكذوب عليه لعصمته أو نقص منه من جهة رواية ما يزيل الوهم الحاصل بالنقص منه وذلك أن الله بعث رسله إلى خلقه لبيان الأمور ومعرفة التدبير وكيف وكم وكنه الأمور عنده مكنون فأفشى منه إلى الرسل ما لا يحتمله عقول غيرهم ثم منهم إلى العلماء على قدر طاقتهم ثم إلى العامة على قدر حالهم فالعلم بحر يجرى منه واد ثم من الوادى نهر ثم من النهر جدول فساقية فلو جرى إلى ذلك الجدول لغرقه ولو مال البحر على الوادى لأفسده فمن تكلم بشيء من الهدى فالرسول سابق له وإن لم يتكلم بذلك اللفظ فقد أتى بأمثلة مجملة فلهذا كان أولى فإذا كان الكلام غير منكر عند العلماء العاملين فهو قول الرسول وإذا كان منكرا عندهم فليس قوله وإن روى عنه فلخطأ أو سهو من بعض الجهلة أو وضع من بعض الزنادقة أو الجهلة وذلك لأنه إذا وقع ذكر الحق على القلب التقى نوره ونور اليقين فامتزجا واطمأن القلب فيعلم أنه حق وإذا وقع عليه باطل لاقت ظلمته القلب المشرق بنور اليقين فينفر النور ولم يمتزج معه فاضطرب القلب وجاش .ففرق ما بين كلام النبوة وكلام غيرهم لائح واضح عند العلماء بالله وبأحكامه العاملين عليها .وأخرج ابن سعد عن الربيع ابن خيثم قال : إن من الحديث حديثا له ضوء كضوء النهار تعرفه وإن منه حديثا له ظلمة كظلمة الليل تنكره أما المخلط المكب على شهوات الدنيا المحجوب عن الله بالظلمات والكدورات فأجنبي من هذا المقام.

أفاد الخبر أن بعض المنسوب إلى المصطفى صلى الله عليه وسلم من المقطوع بكذبه وعلى ذلك جرى صحبنا فى الأصول فقالوا :وما فتش عنه من الحديث ولم يوجد عند أهله من المقطوع بكذبه لقضاء العادة بكذب ناقله وقيل لا يقطع بكذبه لتجوز العقل صدق ناقله(فيض القدير شرح الجامع الصغير، ج ۱،ص ۳۸۲، ۳۸۳،تحت رقم الحديث ۲۹۹ ،حرف الهمزة)

یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے دل کو معرفت کا حاصل ہونا، اور کھال اور بال کا نرم ہونا ہی سچا، اور اچھا اثر ہے، اُچھلنا، کودنا، چیخنا چلانا، یا بے ہوش ہونا اچھی حالت نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ لِجَدَّتِي أَسْمَاءَ: كَيْفَ كَانَ يَصْنَعُ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَرَأُوا الْقُرْآنَ؟قَالَت: كَانُوْا كَمَا نَعَتَهُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: تَدْمَعُ أَعْيُنُهُمْ، وَتَقْشَعِرُّ جُلُوْدُهُمْ ، قُلْتُ: فَإِنَّ نَاسًا هَاهُنَا إِذَا سَمِعُوْا ذٰلِكَ تَأْخُذُهُمْ عَلَيْهِ غَشْيَةٌ، فَقَالَتْ:أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ (التفسيرسنن سعيد بن منصور، ج ۱ ص ۳۳۰، ۳۳۱، رقم الحديث ۹۵، فضائل القرآن) [1]

ترجمہ: میں نے اپنی دادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی حالت قرآن کی قرائت کے وقت کیا ہوتی تھی؟ تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ وہی ہوتی تھی کہ جس کی اللہ عز وجل نے تعریف بیان فرمائی ہے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے تھے، اور ان کی جلد کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، میں نے عرض کیا کہ یہاں پر ایسے لوگ ہیں کہ جب وہ قرآن کی قرائت سنتے ہیں، تو وہ بے ہوش ہو جاتے ہیں، تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اللہ کے ذریعہ شیطان سے پناہ طلب کرتی ہوں (سعید بن منصور)

اس طرح کی اور بھی روایات ہیں، جن کو ہم نے اپنی دوسری تالیف میں نقل کر دیا ہے۔

---

[1] قال سعد بن عبد الله بن عبد العزيز آل حميد: سنده صحيح، واختلاط حصين بن عبد الرحمن السُّلمي لا يؤثّر، لأن الراوي عنه هنا هو هشيم بن بشير، وهو ممن روى عنه قبل الاختلاط (حاشية تفسير سنن سعيد بن منصور)

جن کا مطلب یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی قرآن سننے پر ایسی حالت ہوتی تھی، جس کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے آنسو بہہ پڑتے تھے اور ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، اور ان کے جسم اور دل اللہ کے ذکر اور اللہ کے حکم کی تعمیل کے لئے نرم ہو جاتے تھے، اور جو لوگ قرآن سُن کر اُچھلتے، کودتے اور بے ہوش ہوتے ہیں، یہ صحابۂ کرام کا طریقہ نہیں، بلکہ شیطانی اثر ہے، جس سے پناہ حاصل کرنی چاہئے۔

اس فصل کا خلاصہ

اس فصل کا خلاصہ یہ نکلا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر القرون کے بعد جھوٹ پھیلنے، اور قیامت سے پہلے جھوٹی احادیث کے گھڑنے، اور نت نئی، عجیب وغریب اور اجنبی ومنکر حدیثیں بیان کرنے والے لوگوں کے پیدا ہونے، اور ان سے بچنے کا حکم فرمایا ہے، اسی وجہ سے محدثین نے ایک ایک حدیث میں پائے جانے والے اوپر سے نیچے تک تمام راویوں کی اچھی طرح چھان بین کی ہے۔

لہٰذا جھوٹی، اور اس قسم کی غیر معروف ومنکر حدیثوں، اور ان کے گھڑنے اور اس طرح کی حدیثوں کے بیان کرنے والوں سے اپنے آپ کو بچانا، اور دور رکھنا چاہیے، خواہ ایسے لوگ شکل وصورت میں کتنے نیک اور پارسا، اور جبے، قبے والے صوفی کیوں نہ معلوم ومحسوس ہوں، ان سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

(فصل نمبر 4)

جھوٹی حدیث کو روایت و بیان کرنے کی وعید

(4)...... چوتھی بات یہ ہے کہ احادیث گھڑنا تو بہت سخت گناہ ہے ہی، جس کا ذکر آگے آتا ہے، لیکن جو حدیث جھوٹی، یا غیر معتبر وغیر مستند ہو، اس کو روایت و بیان کرنا بھی جائز نہیں، کیونکہ وہ بھی احادیث گھڑنے والے کے ساتھ گناہ کا تعاون کرنے میں داخل ہے۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، أَنَّہٗ قَالَ: مَنْ رَوَی عَنِّی حَدِیْثًا وَھُوَ یَرٰی أَنَّہٗ کَذِبٌ، فَھُوَ أَحَدُ الْکَذَّابِیْنَ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۸۱۸۴) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری طرف سے کوئی حدیث روایت کی، جس کے بارے میں وہ سمجھتا ہے کہ وہ جھوٹی ہے، تو وہ کذّابوں میں سے ایک کذّاب ہے (مسند احمد)

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث

حضرت مغیر بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ حَدَّثَ بِحَدِیْثٍ وَھُوَ یَرٰی أَنَّہٗ کَذِبٌ، فَھُوَ أَحَدُ الْکَذَّابِیْنَ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۸۲۱۱) [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح. (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح. (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کوئی حدیث بیان کی ، جس کو وہ جھوٹی سمجھتا ہے، تو وہ کذّابوں میں سے ایک کذّاب ہے (مسند احمد)

کذّاب بہت بڑے جھوٹے کو کہا جاتا ہے۔

علی رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ حَدَّثَ عَنِّيْ حَدِيْثًا وَهُوَ يَرٰى أَنَّهُ كَذِبٌ، فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ (سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ٣٨، ابواب السنة ، باب من حدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم حديثا وهو يرى أنه كذب، مسند احمد، رقم الحديث ٩٠٣) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری طرف سے کوئی ایسی حدیث بیان کی، جس کو وہ سمجھتا ہے کہ وہ جھوٹی ہے، تو وہ جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے (ابن ماجہ، مسند احمد)

علی رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ رَوٰى عَنِّيْ حَدِيْثًا وَهُوَ يَرٰى أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِيْنِ (سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ٤٠، ابواب السنة ، باب من حدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم حديثا وهو يرى أنه كذب) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری طرف سے کوئی ایسی

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية سنن ابنِ ماجه)

حدیث روایت کی، جس کو وہ سمجھتا ہے کہ وہ جھوٹی ہے، تو وہ جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے (ابن ماجہ)

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ رَوَى عَنِّي حدِيْثًا، وَهُوَ يَرٰى أَنَّهُ كَذِبٌ، فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۰۱۶۳) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری طرف سے کوئی حدیث روایت کی، جس کے بارے میں وہ سمجھتا ہے کہ وہ جھوٹی ہے، تو وہ جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے (مسند احمد)

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث

اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ حَدَّثَ بِحَدِيْثٍ وَهُوَ يَرَى أَنَّهُ كَذِبٌ، فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۰۲۲۱) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کوئی حدیث بیان کی، جس کے جھوٹی ہونے کو وہ جانتا ہے، تو وہ جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے (مسند احمد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کرنا بہت بڑا جھوٹ ہے، اور جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا اور کذّابوں میں سے ایک کذّاب اس لئے کہا گیا ہے کہ بعض اوقات ایک حدیث کو بیان کرنے والے کئی افراد ہوتے ہیں، لہٰذا ہر ایک کے حق میں یہ وعید ثابت ہوتی ہے،

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

بشرطیکہ اُسے اس حدیث، یا اس کے راوی کا جھوٹا ہونا معلوم ہو۔

اسی وجہ سے محدثین نے ایک ایک حدیث میں پائے جانے والے اوپر سے نیچے تک تمام راویوں کی تحقیق اور چھان بین کرنے میں انتہائی جدوجہد کی ہے۔

امام ترمذی کا حوالہ

امام ترمذی نے ''حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ'' کی حدیث کو روایت کرنے کے بعد ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

إِنَّمَا مَعْنَى هٰذَا الْحَدِيْثِ إِذَا رَوَى الرَّجُلُ حَدِيْثًا وَلَا يُعْرَفُ لِذٰلِكَ الْحَدِيْثِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْلٌ فَحَدَّثَ بِهٖ فَأَخَافُ أَنْ يَّكُوْنَ قَدْ دَخَلَ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ (سنن الترمذی، تحت رقم الحديث ۲۶۶۲، ابواب العلم، باب ما جاء فيمن روى حديثا وهو يرى أنه كذب)

ترجمہ: اس حدیث کے معنیٰ یہ ہیں کہ جب کوئی آدمی کسی حدیث کو روایت کرے، اور اس حدیث کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونے کی کوئی اصل معلوم نہ ہو، پھر بھی وہ اس حدیث کو بیان کرے، تو مجھے اس بات کا خوف ہے کہ وہ اس حدیث میں مذکور وعید کے اندر داخل ہوگا (ترمذی)

امام مناوی کا حوالہ

امام مناوی (المتوفیٰ: 1031ھ) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جھوٹی حدیث بیان کرنے کی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

فليس لراوی حديث أن يقول قال الرسول إلا إن علم صحته ويقول فی الضعيف روی أو بلغنا فإن روی ما علم أو ظن وضعه ولم يبين حاله أيدرج فی جملة الكذابين لإعانته المفتری علی نشر فريته فيشاركه فی الإثم كمن أعان ظالما ولهذا كان بعض التابعين يهاب الرفع ويوقف قائلا الكذب علی

الصحابی أهون (فيض القدير للمناوی، ج٦ص١١٦، تحت رقم الحديث ٨٦٣١، حرف الميم)

ترجمہ: پس کسی حدیث کوروایت کرنے والے کے لئے جائز نہیں کہ وہ یہ کہے کہ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' مگراسی صورت میں جبکہ اس حدیث کے صحیح ہونے کو جانتا ہو،اورضعیف حدیث کے بارے میں یہ کہے کہ''روایت کیا گیاہے،یا ہمیں یہ بات پہنچی ہے''اوراگرایسی روایت کو بیان کرے،جس کے بارے میں یہ علم،یا گمان ہو کہ وہ گھڑی ہوئی ہے،اوراس کی حالت کو بیان نہ کرے،تو ڈرہے کہ وہ جھوٹے لوگوں میں درج کردیا جائے ،جھوٹ گھڑنے والے کے جھوٹ کونشرکرکے اس کی اعانت کرنے کی وجہ سے،پھروہ اس کے ساتھ گناہ میں شریک ہوجائے، ظالم کی اعانت کرنے والے شخص کی طرح،اور اسی بناء پر بعض تابعین حدیث کومرفوع بیان کرنے سے ڈرتے تھے،اوراس کے(صحابی کے ساتھ)موقوف بیان کرنے پراکتفاء کرتے تھے،یہ کہتے ہوئے کہ صحابی پر جھوٹ باندھنا ،نبی پر جھوٹ باندھنے کے مقابلہ میں ہلکا ہے(فیض القدیر)

امام طحاوی کا حوالہ

امام طحاوی(المتوفٰی: 321ھ) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جھوٹی حدیث بیان کرنے کی وعید کی حدیث کی تشریح کے ذیل میں فرمایا کہ:

فتأملنا هذا الحديث لنقف على المراد به منه ما هو فوجدنا الله تعالى قد قال فی كتابه''فخلف من بعدهم خلف ورثوا الكتاب'' إلى قوله:''ألم يؤخذ عليهم ميثاق الكتاب أن لا يقولوا على الله إلا الحق ودرسوا ما فيه''

فوجدناه تعالى قد أخبر أن ذوى الكتاب مأخوذ عليهم أن لا يقولوا على الله إلا الحق وكان ما يأخذونه عن الله تعالى هو ما يأخذونه عن رسله صلوات الله عليهم أجمعين إليهم فكان فيما أخذه الله تعالى عليهم أن لا يقولوا على الله إلا الحق ودخل فيه أخذه عليهم أن لا يقولوا على رسله إلا

الحق کان الحق ھاھنا کھو فی قولہ تعالی:"إلا من شھد بالحق وھم یعلمون"

وکان من شھد بظن فقد شھد بغیر الحق إذ کان الظن کما قد وصفہ اللہ تعالی فی قولہ:"وما یتبع أکثرھم إلا ظنا إن الظن لا یغنی من الحق شیئا"

وفی ذلک إعلامہ إیانا أن الظن غیر الحق وإذا کان من شھد بالظن شاھدا بغیر الحق کان مثلہ من حدث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیثا لظن محدثا عنہ بغیر الحق والمحدث عنہ بغیر الحق محدث عنہ بالباطل والمحدث عنہ بالباطل کاذب علیہ کأحد الکاذبین علیہ الداخلین فی قولہ علیہ السلام :من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار ونعوذ باللہ تعالی من ذلک (شرح مشکل الآثار ج ۱،ص ۳۷۴، ۳۷۵،باب بیان مشکل ما روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قولہ من حدث عنی حدیثا یری أنہ کذب فھو أحد الکاذبین)

ترجمہ: پھر ہم نے اس حدیث کے بارے میں غور وفکر کیا، تاکہ ہم اس کی مراد سے واقف ہوں کہ وہ مراد کیا ہے، تو ہم نے اللہ تعالیٰ کا اس کی کتاب (کی سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۶۹) میں یہ قول پایا کہ:

"فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَذَا الْأَدْنَى وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَإِنْ يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِثْلُهُ يَأْخُذُوهُ أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِيثَاقُ الْكِتَابِ أَنْ لَا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ"

پس مذکورہ آیت میں ہم نے اللہ تعالیٰ کو یہ خبر دیتے ہوئے پایا کہ اہلِ کتاب سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے بارے میں حق بات ہی کہیں گے، اور اہلِ کتاب اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو بات بھی لیتے تھے، وہ اس کے رسولوں صلی اللہ علیہم وسلم اجمعین سے ہی لیتے تھے، پس اللہ نے جو اُن سے عہد لیا تھا، وہ یہ تھا کہ اللہ کے بارے میں حق ہی کہیں گے، جس میں یہ بھی داخل تھا کہ وہ اللہ کے رسول کے بارے میں بھی حق ہی کہیں گے، اور اس مقام پر حق وہی تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے (سورہ زخرف کی آیت نمبر ۸۶ میں) اس قول میں مذکور ہے کہ:

"إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ"

اور جس شخص نے اپنے ظن وگمان سے شہادت دی، تو اس نے غیر حق کی شہادت دی، کیونکہ ظن وگمان کی صفت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے (سورہ یونس آیت نمبر ۳۶ میں) مذکور اس قول میں بیان فرمائی کہ:

”وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا“

اور اس آیت میں ہمیں یہ خبر دے دی گئی ہے کہ ”ظن وگمان“ حق نہیں ہوتا، اور جب ظن وگمان سے گواہی دینے والا، غیر حق کی گواہی دینے والا ہوتا ہے، تو اسی کی طرح وہ شخص بھی ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو ظن وگمان سے بیان کرے کہ وہ بھی غیر حق کو بیان کرنے والا ہوتا ہے، اور غیر حق کو بیان کرنے والا، دراصل باطل کو بیان کرنے والا ہوتا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو باطل طریقہ پر بیان کرنے والا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والوں میں سے ایک جھوٹ باندھنے والا ہوتا ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں داخل ہے کہ ”جس نے میرے اوپر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا، تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے“ اور ہم اللہ تعالیٰ کے ذریعہ اس سے پناہ طلب کرتے ہیں (شرح مشکل الآثار)

اس اصول کی بہت سے دیگر محققین نے بھی توضیح کی ہے۔ [1]

---

[1] (إن الظن لا يغني من الحق) من العلم اليقيني والاعتقاد الصحيح المطابق للواقع(تفسير ابی السعود، ج۴،ص ۱۴۵ ،تفسیرسورۃ یونس)

قوله سبحانه وتعالى :(وما يتبع أكثرهم إلا ظنا) الآية، الظن :حالة بين الشك واليقين .وقوله: (وإن الظن لا يغني من الحق شيئا) معناه :إن الظن لا يقوم مقام الحق بحال(تفسير السمعانی، ج ۲،ص ۳۸۳،تفسیرسورۃ یونس)

وما يتبع أكثرهم في إقرارهم بالله تعالى إلا ظنا، لأنه قول غير مستند إلى برهان عندهم، بل سمعوه من أسلافهم(تفسير الرازی، ج۱۷،ص ۲۵۱ ،تفسیرسورۃ یونس)

وحينئذ يجب الحمل على المتبادر بلا كلفة إن الظن مطلقا لا يغني من الحق شيئا فكيف الظن الفاسد والمراد من الحق العلم والاعتقاد الصحيح المطابق للواقع (روح المعانی، ج٦،ص ۱۰۹ ،تفسیرسورۃ یونس)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس فصل کا خلاصہ

اس فصل کا خلاصہ یہ نکلا کہ جھوٹی حدیث گھڑنے والا تو بہرحال سخت گناہ گار ہوتا ہی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی حدیث کے روایت وبیان کرنے والے کو بھی جھوٹا اور کذاب قرار دیا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ شخص بھی جھوٹی حدیث گھڑنے والے کا معاون ومددگار ہوتا ہے، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حدیث گھڑنے والے اور روایت کرنے والے دوسرے جھوٹوں کے ساتھ شامل کر کے جھوٹے ہونے کا ذکر فرمایا۔

اور جہاں تک جھوٹی حدیث گھڑنے والے کے وبال اور عذاب کا تعلق ہے، تو وہ بہت شدید ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے، پس جو لوگ حدیث گھڑنے والوں کے ساتھ شریک اور ان کے معاون ہوں، ان کے وبال اور عذاب کی شدت کو اسی سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آج کل جو بہت سے علماء خود سے جھوٹی حدیث گھڑنے کو تو بہت بڑا گناہ سمجھتے ہیں، لیکن جھوٹی حدیث، یا جھوٹ سے متہم راوی کی سند پر مشتمل حدیث کے روایت وبیان کرنے کو قابلِ ذکر گناہ نہیں سمجھتے، یا حدیث کی سند کی تحقیق کو زیادہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ولا يرضى بالتقليد الصرف إن الظن لا يغني اى لا يفيد من الحق من العلم والاعتقاد الحق شيئا من الإغناء او لا يفيد شيئا كائنا من الحق وفيه دليل على انه لا يجوز فى الاعتقاديات الاكتفاء بالظن والتقليد بل لا بد فيه من تحصيل العلم بالبرهان النقلى او العقلى(التفسير المظهرى، ج۵، ص ۴۷، تفسير سورة يونس)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إياكم والظن) أى :احذروا اتباع الظن فى أمر الدين الذى مبناه على اليقين قال تعالى:"وما يتبع أكثرهم إلا ظنا إن الظن لا يغنى من الحق شيئا"قال القاضى : التحذير عن الظن فيما يجب فيه القطع أو التحدث به عند الاستغناء عنه أو عما يظن كذبه اهـ .أو اجتنبوا الظن فى التحديث والإخبار، ويؤيده قوله :(فإن الظن) : فى موضع الظاهر زيادة تمكين فى ذهن السامع حثا على الاجتناب (أكذب الحديث) : ويقويه حديث " :كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۸، ص۳۱۴۷، كتاب الآداب،باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات)

اہمیت نہیں دیتے، اور وہ اپنے سے پہلے ان حضرات کو اس کا ذمہ دار سمجھتے ہیں، جنہوں نے اس حدیث کو روایت کر دیا، یا کسی کتاب میں لکھ دیا، اور اس غلط فہمی، یا غلطی میں ہم نے بعض متدین قسم کے علماء وصوفیاء، بلکہ شیخ الحدیث، اور علامہ وغیرہ کہلائے جانے والے حضرات کو بھی مبتلاء پایا، تو یہ ان حضرات کی بہت بڑی بھول اور خداع ہے۔

بلکہ ہم نے تو بعض نام نہاد علماء وصلحاء کو ایسا بھی پایا کہ جو اس طرح کی جھوٹی حدیث، یا جھوٹے راوی کی نشاندہی اور تحقیق کرنے والے کو ہی موردِ الزام ٹھہرانے کے در پے ہو جاتے ہیں، جس کے شیطانی عمل ہونے میں شبہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ دین کے رنگ میں اس طرح کی غفلت، کوڑ مغزی اور عداوتِ دین سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

(فصل نمبر 5)

نبی پر جھوٹ باندھنا بدترین افتراء پردازی ہے

(5)...... پانچویں بات یہ ہے کہ جھوٹ بولنا، یا کسی کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنا ویسے بھی حرام اور کبیرہ گناہ ہے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرنا شدید ترین جھوٹ اور بدترین افتراء پردازی ہے۔

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْفِرٰى أَنْ يَدَّعِيَ الرَّجُلُ إِلٰى غَيْرِ أَبِيْهِ، أَوْ يُرِيَ عَيْنَهُ مَا لَمْ تَرَ، أَوْ يَقُوْلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَمْ يَقُلْ (صحيح البخاري، رقم الحديث ٣٥٠٩، كتاب المناقب، باب بلاترجمة قبل باب ذكر أسلم وغفار ومزينة وجهينة وأشجع)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بڑی افتراء پردازی (اور سب سے بڑا جھوٹ) یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے علاوہ (کسی اور) کی طرف دعویٰ (ونسبت) کرے (یعنی اپنے نسب میں غلط بیانی سے کام لے) یا اپنی آنکھوں کو وہ چیز دکھائے (یعنی جھوٹا خواب بیان کرے) جو اس نے نہیں دیکھی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس بات کی نسبت کرے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی (بخاری)

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت

اور حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ : إِنَّ أَعْظَمَ الْفِرٰی ثَلَاثَۃٌ: أَنْ یَّفْتَرِیَ الرَّجُلُ عَلٰی عَیْنَیْہِ، یَقُوْلُ : رَأَیْتُ وَلَمْ یَرَ، وَأَنْ یَّفْتَرِیَ عَلٰی وَالِدَیْہِ، فَیَدَّعِیُ إِلٰی غَیْرِ أَبِیْہِ، أَوْ یَقُوْلَ: سَمِعَنِیْ وَلَمْ یَسْمَعْ مِنِّیْ (مسند احمد، رقم الحدیث ١٦٠٠٨) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ سب سے بڑی افتراء پردازی (اور الزام تراشی) تین ہیں، ایک یہ کہ آدمی اپنی آنکھوں پر جھوٹ باندھے یعنی یہ کہے کہ میں نے (خواب میں یہ) دیکھا ہے، حالانکہ اس نے نہیں دیکھا، دوسرے یہ کہ اپنے والدین پر جھوٹ باندھے، پس اپنے والد کے علاوہ (کسی اور) کی طرف دعویٰ (ونسبت) کرے، تیسرے یہ کہے کہ اس نے میرے (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم) سے (بلا واسطہ یا بالواسطہ) یہ بات سنی ہے، حالانکہ اس نے مجھ سے (بلا واسطہ یا بالواسطہ) یہ بات نہیں سنی (مسند احمد)

ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ:مِنْ أَفْرَی الْفِرَی مَنِ ادَّعَی إِلٰی غَیْرِ وَالِدِہٖ، وَمِنْ أَفْرَی الْفِرَی مَنْ أَرَی عَیْنَیْہِ فِی الْمَنَامِ مَا لَمْ تَرَ،

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحیح علی شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشیخین غیر معاویة بن صالح :وهو الحضرمی، فمن رجال مسلم، وأخرج له البخاری فی "القراء ة خلف الإمام"، وأصحاب السنن (حاشیة مسند احمد)

وَمِنْ أَفْرَى الْفِرَى مَنْ قَالَ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ (مسند البزار، ج ۱۲ ص ۲۹۵، رقم الحدیث ۶۱۲۸، مسند ابن عباس رضی اللہ عنہما) ؎

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بڑی افتراء پردازی (اورالزام تراشی) میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی اپنے والد کے علاوہ (کسی اور) کی طرف دعوٰی (ونسبت) کرے، اورسب سے بڑی افتراء پردازی (اورالزام تراشی) میں سے ایک یہ ہے کہ جو اپنی آنکھوں سے خواب میں وہ بات دکھائے جو اس نے (خواب میں) نہیں دیکھی، اورسب سے بڑی افتراء پردازی (اور الزام تراشی) میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی میرے بارے میں وہ بات کہے جو میں نے نہیں کہی (مسند بزار)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ کی نسبت خواہ قولاً ہو یا فعلاً ہو یا تقریراً ہو، وہ سب شدید گناہ ہے۔

امام مناوی کا حوالہ

امام مناوی (المتوفٰی: 1031ھ) مذکورہ حدیث کی تشریح کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ:

وجمع الثلاثة فی خبر لشدة المناسبة بینها وأنها من أفحش أنواع الافتراء فالکذب علی المصطفی صلی الله علیه وسلم کذب فی أصول الدین وهدم لقاعدة من قواعد المسلمین والکذب علیه کذب علی الله وما ینطق عن الهوی.

والرؤیا جزء من أجزاء النبوة والمنام طرف من الوحی فإذا کذب فقد کذب فی نوع الوحی ومن ادعی لغیر أبیه فقد استهزأ بنص القرآن ویکفی فی ذلک لعن امرأة أدخلت علی قوم من لیس منهم (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، ج۲، ص ۵۳۴، ۵۳۵، تحت رقم الحدیث ۲۴۷۹، حرف الهمزة)

ترجمہ: اورحدیث میں ان تینوں چیزوں کو اس لئے جمع کیا گیا، کیونکہ ان کے

؎ قال الهیثمی: رواه البزار، ورجاله رجال الصحیح (مجمع الزوائد، رقم الحدیث ۶۳۰، باب فیمن کذب علی رسول الله صلی الله علیه وسلم)

درمیان مناسبت پائی جاتی ہے، اور یہ بدترین افتراء پردازیاں ہیں، چنانچہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا، اصولِ دین میں جھوٹ بولنا، اور قواعدِ مسلمین میں سے ایک اہم قاعدہ و بنیاد کو منہدم کرنا ہے، اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا، دراصل اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے، کیونکہ اللہ کے نبی اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے۔

اور خواب نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے، اور خواب، وحی کا ایک کنارہ ہے، پس جب اس نے جھوٹا خواب بیان کیا، تو اس نے وحی کی ایک نوع میں جھوٹ بولا، اور جس نے اپنے والد کے علاوہ کی طرف نسبت کی، تو اس نے نصِ قرآن کے ساتھ استہزاء کیا (کیونکہ قرآن مجید میں غیر آباء کی طرف نسبت کرنے کی ممانعت آئی ہے) اور اس بارے میں یہی کافی ہے کہ اس عورت پر لعنت کی گئی ہے، جو ایسے لوگوں کے نسب میں تداخل کرے، جو اس کے نسب سے تعلق نہیں رکھتے (فیض القدیر)

کاسلافہ بالامیر کا حوالہ

اور محمد بن اسماعیل صنعانی، کاسلافہ بالامیر (المتوفیٰ: 1182ھ) مذکورہ حدیث کی تشریح کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ:

(أو تقول على رسول الله ما لم يقل) أي ينسب إليه قولا أو فعلا أو تقريرا فإنهما من القول فإن إثمه من أعظم الإثم كما تقدم غير مرة (التنوير شرح الجامع الصغير، ج۴،ص ۱۲۵، تحت رقم الحديث ۲۴۶۳، حرف الهمزة، الهمزة مع اللام واللام مع الموحدة على مقتضى ترتيب الحروف)

ترجمہ: یا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وہ بات کہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کہی، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قولی، یا فعلی، یا تقریری طور پر کوئی بات منسوب کریں، کیونکہ فعل اور تقریر بھی قول سے تعلق

رکھتا ہے، تو اس کا گناہ بدترین گناہوں میں سے ہے، جیسا کہ پہلے کئی مرتبہ گذر چکا ہے (التنویر)

علامہ قسطلانی کا حوالہ

شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی (المتوفی 923 ہجری) مذکورہ حدیث کی تشریح کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ:

(على رسول الله -صلى الله عليه وسلم -ما لم يقل) وقد يكون في كذبه نسبة شرع إليه -صلى الله عليه وسلم-، والشرع غالبا إنما هو على لسان الملك فيكون الكاذب في ذلك كاذبا على الله وعلى الملك(إرشاد الساری لشرح صحیح البخاری، ج٦، ص ١١، كتاب المناقب، باب بلاترجمة قبل باب ذكر أسلم وغفار ومزينة وجهينة وأشجع)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق وہ بات کہنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کہی، اور اس جھوٹ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف شریعت کو منسوب کرنا پایا جاتا ہے، اور شریعت کا بڑا حصہ بس فرشتہ کی زبان سے آیا ہے، چنانچہ نبی پر جھوٹ باندھنے والا، اللہ اور اس کے فرشتہ پر بھی جھوٹ باندھنے والا ہے (ارشاد الساری)

''الموسوعةُ الفقهية الكويتية'' کا حوالہ

''الموسوعةُ الفقهية الكويتية'' میں ہے:

أجمع الفقهاء على أن تعمد الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم من أكبر الكبائر لقول النبي صلى الله عليه وسلم: من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار. وقوله صلى الله عليه وسلم: إن من أعظم الفرى أن يدعي الرجل إلى غير أبيه، أو يري عينه ما لم تر، أو يقول على رسول الله صلى الله عليه وسلم ما لم يقل.

ولكنهم اختلفوا في كفر من تعمد الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم: فقال الذهبي وابن حجر الهيتمي: ذهبت طائفة من العلماء إلى أن

الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم كفر ينقل عن الملة، ولا ريب أن تعمد الكذب على الله ورسوله فى تحليل حرام أو تحريم حلال كفر محض، وإنما الكلام فى الكذب عليه فيما سوى ذلك .
واتفق العلماء على أنه لا تقبل رواية متعمد الكذب فى حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم أبدا وإن تاب وحسنت طريقته تغليظا عليه وزجرا عن الكذب على النبى صلى الله عليه وسلم لعظم مفسدته فإنه يصير شرعا مستمرا إلى يوم القيامة بخلاف الكذب على غيره صلى الله عليه وسلم فإن مفسدته ليست عامة بل تكون قاصرة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٠، ص ٣٠٩، مادة"عمد" حرف العين)

ترجمہ: تمام فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمداً جھوٹ باندھنا، کبیرہ ترین گناہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ ''جس نے میرے اوپر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا، تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ ''سب سے بڑی افتراء پردازی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے علاوہ (کسی اور) کی طرف دعویٰ (ونسبت) کرے، یا اپنی آنکھوں کو وہ چیز دکھائے، جو اس نے نہیں دیکھی، یا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس بات کی نسبت کرے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی''

لیکن اس میں اختلاف ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھے، وہ کافر ہو جائے گا، یا نہیں؟

تو اس بارے حافظ ذہبی اور ابنِ حجر ہیتمی نے فرمایا کہ علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھنا کفر ہے، جس کی وجہ سے ملتِ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول پر جان بوجھ کر حلال کو حرام، اور حرام کو حلال کرنے میں جھوٹ باندھنا، کفرِ محض ہے، البتہ اس کے علاوہ دوسری قسم کے جھوٹ باندھنے میں کلام ہے۔

اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں جان بوجھ کر جھوٹ بولنے والے کی روایت کبھی بھی قبول نہیں کی جائے گی، اگرچہ وہ توبہ کر لے، اور اس کا طرزِ عمل اچھا کیوں نہ ہو جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ کی سختی اور زجر کی وجہ سے، کیونکہ اس کا فساد بہت بڑا ہے، کیونکہ اس طرح کی بات قیامت تک ہمیشہ کے لئے شریعت سمجھی جانے لگتی ہے، برخلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے پر جھوٹ باندھنے کے کہ اس کا فساد اتنا عام نہیں، بلکہ محدود ہے (الموسوعہ)

اس فصل کا خلاصہ

اس فصل کا خلاصہ یہ نکلا کہ کسی بھی انسان پر جھوٹ باندھنا، یا جھوٹی تہمت لگانا، اگرچہ بہت بڑا گناہ ہے، لیکن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا بدترین جھوٹ اور بدترین افتراء پردازی میں داخل ہے، جس کا وبال بڑا سخت ہے، جان بوجھ کر اس عمل کے مرتکب کو بعض علماء نے کافر تک بھی قرار دے دیا ہے، مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

(فصل نمبر 6)

نبی پر جھوٹ باندھنا، جہنم میں اپنا ٹھکانہ، اور گھر بنانا

(6)...... چھٹی بات یہ ہے کہ عمداً نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے کا ایک سخت ترین وبال یہ ہے کہ اس فعل کا مرتکب اس فعل کے ذریعہ سے اپنا ٹھکانا خود ہی جہنم میں بنا لیتا ہے، جس کا کئی احادیث میں ذکر آیا ہے۔

علی رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ (صحيح البخارى، رقم الحديث ١٠٦، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبى صلى الله عليه وسلم)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مجھ پر جھوٹ نہ باندھو، پس بے شک جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا تو اسے چاہیے کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائے (بخاری)

مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلٰى أَحَدٍ، مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ (صحيح البخارى، رقم الحديث ١٢٩١، كتاب الجنائز، باب ما يكره من النياحة على الميت)

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ میرے اوپر جھوٹ باندھنا کسی اور پر جھوٹ باندھنے کی طرح نہیں ہے، جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے (بخاری)

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مَا يَمْنَعُنِيْ أَنْ أُحَدِّثَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَّا أَكُوْنَ أَوْعٰى أَصْحَابِهٖ عَنْهُ، وَلٰكِنِّيْ أَشْهَدُ لَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: مَنْ قَالَ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (مسند احمد، رقم الحديث ٤٦٩) [1]

ترجمہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرنے سے یہ چیز منع نہیں کرتی کہ میں آپ کے صحابہ میں سے آپ سے زیادہ حدیثیں یاد رکھنے والا نہیں ہوں، لیکن میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے میری طرف وہ بات منسوب کی، جسے میں نے نہیں کہا، تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے (مسند احمد)

اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ كَذِبًا، فَلْيَتَبَوَّأْ بَيْتًا فِي النَّارِ (مسند احمد، رقم الحديث ٥٠٧) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میرے اوپر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا، تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا گھر جہنم میں بنالے (مسند احمد)

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: حَدِّثُوْا عَنِّیْ وَلَا حَرَجَ، حَدِّثُوْا عَنِّیْ وَلَا تَكْذِبُوْا عَلَیَّ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ تَبَوَّأَ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ (مسند أبی یعلی، ج۲ص۲۶۳، رقم الحدیث ۱۲۰۹ ،من مسند أبی سعید الخدری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میری حدیثوں کو بیان کرو، اس میں کوئی حرج نہیں، تم میری حدیثوں کو بیان کرو، لیکن تم میرے اوپر جھوٹ نہ باندھو، اور جس نے میرے اوپر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا تو اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا (ابویعلیٰ)

ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الَّذِیْ يَكْذِبُ عَلَیَّ يُبْنٰی لَهٗ بَيْتٌ فِی النَّارِ (مسند الإمام أحمد، رقم الحدیث ۴۷۴۲ ،مسند عبد الله بن عمر رضی الله عنهما) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا، تو اس کے لئے جہنم میں گھر بنایا جائے گا (مسند احمد)

---

[1] قال حسین سلیم أسد الدارانی: إسناده صحیح (حاشیة مسند ابی یعلیٰ)

[2] قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحیح علی شرط الشیخین (حاشیه مسند احمد)

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ: إِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَدِيْثِ عَنِّيْ، فَمَنْ قَالَ عَنِّي فَلَا يَقُوْلُ إِلَّا حَقًّا، وَمَنْ قَالَ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۳۷۹، کتاب العلم) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منبر پر تشریف فرما ہونے کی حالت میں سنا کہ تم میری طرف سے زیادہ باتیں بیان کرنے سے بچو، پس جو شخص میری طرف سے کوئی بات کہے، تو حق اور سچ ہی کہے، اور جس نے میرے بارے میں وہ بات کہی، جو میں نے نہیں کہی تھی، تو اُسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے (حاکم)

انس رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عبدالعزیز سے روایت ہے کہ:

قَالَ أَنَسٌ: إِنَّهُ لَيَمْنَعُنِيْ أَنْ أُحَدِّثَكُمْ حَدِيْثًا كَثِيْرًا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ كَذِبًا، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۱۰۸، کتاب العلم، باب إثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحیح مسلم رقم الحدیث ۲ "۲")

---

[1] قال الحاکم: وفی حدیث محمد بن عبید، حدثنی ابن کعب وغیرہ، عن أبی قتادۃ .ھذا حدیث علی شرط مسلم، وفیہ ألفاظ صعبۃ شدیدۃ، ولم یخرجاہ .ولہ شاھد بإسناد آخر عن أبی قتادۃ.
وقال الذھبی: علی شرط مسلم.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے تمہیں زیادہ حدیث بیان کرنے سے یہ چیز منع کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میرے اوپر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا، تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے (بخاری، مسلم)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ لِلزُّبَيْرِ: إِنِّيْ لَا أَسْمَعُكَ تُحَدِّثُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا يُحَدِّثُ فُلَانٌ وَفُلَانٌ؟ قَالَ: أَمَا إِنِّيْ لَمْ أُفَارِقْهُ، وَلٰكِنْ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (صحيح البخاری، رقم الحديث ۱۰۷، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبی صلى الله عليه وسلم)

ترجمہ: میں نے اپنے والد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میں آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اس طرح نہیں سنتا، جس طرح فلاں فلاں بیان کرتا ہے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ آگاہ رہو، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہوا (مجھے بھی بہت حدیثیں معلوم ہیں) لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص میرے اوپر جھوٹ بولے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے (اس لئے بہت حدیثیں بیان کرتے ہوئے ڈرتا ہوں) (بخاری)

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَا أَقُولُ الْيَوْمَ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَمْ يَقُلْ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ قَالَ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ، فَلْيَتَبَوَّأْ بَيْتًا مِنْ جَهَنَّمَ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١٧٤٥٧) [1]

ترجمہ: میں آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق وہ بات نہیں کہتا، جو آپ نے نہیں فرمائی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے میرے بارے میں وہ بات کہی، جو میں نے نہیں کہی، تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا گھر جہنم میں بنالے (مسند احمد)

ابو موسیٰ مالک بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابو موسیٰ مالک بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

آخِرُ مَا عَهِدَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: عَلَيْكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ، وَسَتَرْجِعُونَ إِلٰى قَوْمٍ يُحِبُّونَ الْحَدِيثَ عَنِّي أَوْ كَلِمَةٌ تُشْبِهُهَا، فَمَنْ حَفِظَ شَيْئًا فَلْيُحَدِّثْ بِهٖ، وَمَنْ قَالَ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (مستدرک للحاكم، رقم الحديث ٣٨٥، كتاب العلم) [2]

ترجمہ: سب سے آخر میں ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عہد لیا، وہ یہ تھا کہ تم اللہ کی کتاب کو اپنے اوپر لازم کرلو، اور عنقریب تم ایسے لوگوں کی طرف لوٹو

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشيه مسند احمد)

[2] قال الحاكم: "رواة هذا الحديث عن آخرهم يحتج بهم، فأما أبو موسى مالك بن عبادة الغافقى فإنه صحابى سكن مصر، وهذا الحديث من جملة ما خرجناه عن الصحابى إذا صح إليه الطريق، على أن وداعة الجهنى قد روى أيضا عن مالك بن عبادة الغافقى، وهذا الحديث قد جمع لفظتين غريبتين :إحداهما قوله :سترجعون إلى قوم يحبون الحديث عنى والأخرى :فمن حفظ شيئا فليحدث به وقد ذهب جماعة من أئمة الإسلام إلى أن ليس للمحدث أن يحدث بما لا يحفظه، ولم يخرجاه "

وقال الذهبى فى التلخيص: "رواته محتج بهم وأبو موسى مالك بن عبادة صحابى"

گے، جو میری حدیث سننے کو پسند کریں گے، یا اسی طرح کا کلمہ کہا، پس جو شخص کوئی بات محفوظ رکھتا ہو، تو اس کو بیان کردے، اور جس شخص نے میرے بارے میں وہ بات کہی، جو میں نے نہ کہی ہو، تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ آگ (یعنی جہنم) میں بنالے (حاکم)

متعدد محدثین نے تصریح کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے پر جہنم کی سخت وعید کی احادیث کثرت سے ثابت ہیں، جو تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ [1]

---

[1] فهؤلاء ثلاث وثلاثون نفسا من الصحابة، وورد أيضا عن نحو من خمسين غيرهم بأسانيد ضعيفة، وعن نحو من عشرين آخرين بأسانيد ساقطة.

وقد اعتنى جماعة من الحفاظ بجمع طرقه، فأول من وقفت على كلامه فى ذلك على بن المدينى، وتبعه يعقوب بن شيبة، فقال: روى هذا الحديث من عشرين وجها عن الصحابة من الحجازيين وغيرهم، ثم إبراهيم الحربى، وأبو بكر البزار، فقال كل منهما: إنه ورد من حديث أربعين من الصحابة، وجمع طرقه فى ذلك العصر أبو محمد يحيى بن محمد بن صاعد فزاد قليلا .وقال أبو بكر الصيرفى شارح رسالة الشافعي: رواه ستون نفسا من الصحابة، وجمع طرقه الطبرانى فزاد قليلا، وقال أبو القاسم بن منده: رواه أكثر من ثمانين نفسا، وقد خرجها بعض النيسابوريين فزادت قليلا، وقد جمع طرقه ابن الجوزى فى مقدمة كتاب الموضوعات فجاوز التسعين، وبذلك جزم ابن دحية، وقال أبو موسى المدينى: يرويه نحو مائة من الصحابة، وقد جمعها بعده الحافظان يوسف بن خليل، وأبو على البكرى، وهما متعاصران فوقع لكل منهما ما ليس عند الآخر، وتحصل من مجموع ذلك كله رواية مائة من الصحابة على ما فصلته من صحيح وحسن وضعيف وساقط، مع أن فيها ما هو فى مطلق ذم الكذب عليه من غير تقييد بهذا الوعيد الخاص.

ونقل النووى أنه جاء عن مائتين من الصحابة، ولأجل كثرة طرقه أطلق عليه جماعة أنه متواتر، ونازع بعض مشايخنا فى ذلك قال: لأن شرط التواتر استواء طرفيه وما بينهما فى الكثرة، وليست موجودة فى كل طريق منها بمفردها .وأجيب بأن المراد بإطلاق كونه متواترا رواية المجموع عن المجموع من ابتدائه إلى انتهائه فى كل عصر، وهذا كاف فى إفادة العلم .وأيضا فطريق أنس وحدها قد رواها عنه العدد الكثير وتواترت عنهم .نعم وحديث على رواه عنه ستة من مشاهير التابعين وثقاتهم، وكذا حديث ابن مسعود، وأبى هريرة، وعبد الله بن عمرو، فلو قيل فى كل منها: إنه متواتر عن صحابيه لكان صحيحا، فإن العدد المعين لا يشترط فى المتواتر، بل ما أفاد العلم كفى، والصفات العلية فى الرواة تقوم مقام العدد أو تزيد عليه كما قررته فى نكت علوم الحديث وفى شرح نخبة الفكر، وبينت هناك الرد على من ادعى أن مثال المتواتر لا يوجد إلا فى هذا الحديث، وبينت أن أمثلته كثيرة (فتح البارى شرح صحيح البخارى،لابن حجرالعسقلانى، ج ١، ص ٢٠٣،كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبى صلى الله عليه وسلم)

امام نووی کا حوالہ

مشہور محدث ومحقق، اور شارحِ حدیث ''محی الدین امام یحییٰ بن شرف نووی'' (المتوفٰی: 676ھ) نے صحیح مسلم کی شرح میں اس موضوع پر تفصیلی کلام کیا ہے، جس کے ضمن میں انہوں نے فرمایا کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا بہت بڑا فحش فعل، اور ہلاک کرنے والا کبیرہ گناہ ہے، لیکن اگر اس جھوٹ کو حلال نہ سمجھے، تو جمہور علماء کے مشہور مذہب کے مطابق وہ شخص کافر نہیں ہوتا، البتہ بعض علماء اس کو کافر قرار دیتے ہیں۔

البتہ جمہور علماء کے نزدیک ایسا شخص فاسق ہو جاتا ہے، اور اس کی سند سے مروی تمام روایتوں کو مردود قرار دیا جاتا ہے، اور اس کی سند سے مروی تمام روایتوں سے حجت ودلیل پکڑنا باطل قرار پاتا ہے۔

پھر اگر ایسا شخص توبہ کر لے، اور اچھے طریقہ سے توبہ کرے، تو اس کے بعد بھی بعض علماء اس کی روایتوں کے قبول ہونے کے قائل نہیں، وہ ہمیشہ کے لئے اس شخص کی روایتوں کے مردود ہونے کے قائل ہیں۔

اور دوسرے علماء اس کی توبہ کے قبول ہونے، اور اگر صحیح توبہ کی شرائط پائی جائیں، یعنی مثلاً وہ اس گناہ سے علیٰحدگی اختیار کر لے، اور اپنے فعل پر نادم بھی ہو، اور آئندہ کے لئے اس گناہ سے بچنے کا پختہ عزم بھی کرے، تو اس کے بعد اس کی روایات، اور اس کی شہادت کے قبول ہونے کے قائل ہیں، اور یہی قول مختار وراجح ہے'' (امام نووی کی بات ختم ہوئی) [1]

---

[1] تعظيم تحريم الكذب عليه صلى الله عليه وسلم وأنه فاحشة عظيمة وموبقة كبيرة ولكن لا يكفر بهذا الكذب إلا أن يستحله هذا هو المشهور من مذاهب العلماء من الطوائف وقال الشيخ أبو محمد الجويني والد إمام الحرمين أبي المعالي من أئمة أصحابنا يكفر بتعمد الكذب عليه صلى الله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں آگے مزید فرماتے ہیں:

يحرم رواية الحديث الموضوع على من عرف كونه موضوعا أو غلب على ظنه وضعه فمن روى حديثا علم أو ظن وضعه ولم يبين حال روايته وضعه فهو داخل فى هذا الوعيد مندرج فى جملة الكاذبين على رسول الله صلى الله عليه وسلم ويدل عليه أيضا الحديث السابق من حدث عنى بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين.

ولهذا قال العلماء ينبغى لمن أراد رواية حديث أو ذكره أن ينظر فإن كان صحيحا أو حسنا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا أو فعله أو نحو ذلک من صيغ الجزم وإن كان ضعيفا فلا يقل قال أو فعل أو أمر أو نهى وشبه ذلک من صيغ الجزم بل يقول روى عنه كذا أو جاء عنه كذا أو يروى أو يذكر أو يحكى أو يقال أوبلغنا وما أشبهه (شرح النووى علىٰ مسلم، ج ۱، ص ۷۱ "مقدمات" باب تغليظ الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عليه وسلم حكى إمام الحرمين عن والده هذا المذهب وأنه كان يقول فى درسه كثيرا من كذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم عمدا كفر وأريق دمه وضعف إمام الحرمين هذا القول وقاله إنه لم يره لأحد من الأصحاب وإنه هفوة عظيمة والصواب ما قدمناه عن الجمهور والله أعلم .

ثم إن من كذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم عمدا فى حديث واحد فسق وردت رواياتة كلها وبطل الاحتجاج بجميعها فلو تاب وحسنت توبته فقد قال جماعة من العلماء منهم أحمد بن حنبل وأبو بكر الحميدى شيخ البخارى وصاحب الشافعى وأبو بكر الصيرفى من فقهاء أصحابنا الشافعيين وأصحاب الوجوه منهم ومتقدميهم فى الأصول والفروع لا تؤثر توبته فى ذلک ولا تقبل روايته أبدا بل يحتم جرحه دائما وأطلق الصيرفى وقال كل من أسقطنا خبره من أهل النقل بكذب وجدناه عليه لم نعد لقبوله بتوبة تظهر ومن ضعفنا نقله لم نجعله قويا بعد ذلک قال وذلک مما افترقت فيه الرواية والشهادة ولم أر دليلا لمذهب هؤلاء ويجوز أن يوجه بأن ذلک جعل تغليظا وزجرا بليغا عن الكذب عليه صلى الله عليه وسلم لعظم مفسدته فإنه يصير شرعا مستمرا إلى يوم القيامة بخلاف الكذب على غيره والشهادة فإن مفسدتهما قاصرة ليست عامة قلت وهذا الذى ذكره هؤلاء الأئمة ضعيف مخالف للقواعد الشرعية والمختار القطع بصحة توبته فى هذا وقبول رواياته بعدها إذا صحت توبته بشروطها المعروفة وهى الإقلاع عن المعصية والندم على فعلها والعزم على أن لايعود إليها فهذا هو الجارى على قواعد الشرع وقد أجمعوا على صحة رواية من كان كافرا فأسلم وأكثر الصحابة كانوا بهذه الصفة وأجمعوا على قبول شهادته ولا فرق بين الشهادة والرواية فى هذا والله أعلم(شرح النووى علىٰ مسلم، ج ۱، ص ۶۹، ۷۰ "مقدمات" باب تغليظ الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم)

ترجمہ: موضوع (جھوٹی) حدیث کو روایت کرنا حرام ہے، اس شخص پر جس کو اس کے موضوع ہونے کا پتہ ہو، یا اس کے غالب گمان کے مطابق یہ موضوع ہو، پس جو شخص ایسی حدیث کو روایت کرے جس کے موضوع ہونے کا علم، یا گمان ہو، اور وہ اس روایت کی حالت، اور موضوع ہونے کو بیان نہ کرے، تو وہ اس وعید میں داخل ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والوں کے زمرہ میں شامل ہوگا، اور اس پر گذشتہ وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے، جس میں یہ ہے کہ جس نے میرے بارے میں ایسی حدیث کو بیان کیا، جس کے جھوٹا ہونے سے وہ واقف ہے، تو وہ جھوٹ بولنے والوں میں سے ایک ہے، اور اسی وجہ سے علماء نے فرمایا کہ جو شخص کسی حدیث کو روایت، یا ذکر کرنا چاہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ دیکھ لے، اگر وہ صحیح، یا حسن ہو، تو یہ کہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہے" یا "اس طرح کیا ہے" یا اسی طرح کا یقینی صیغہ کہے، اور اگر وہ حدیث ضعیف ہو، تو یہ نہ کہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے، یا یہ کام کیا ہے، یا یہ حکم دیا ہے، یا منع فرمایا ہے" یا اسی طرح کے یقینی صیغے استعمال نہ کرے، بلکہ یہ کہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس طرح مروی ہے، یا اس طرح آیا ہے، یا روایت کیا گیا ہے، یا ذکر کیا گیا ہے، یا نقل کیا گیا ہے، یا کہا جاتا ہے، یا ہمیں ایسی خبر پہنچی ہے" یا اس طرح کے دوسرے الفاظ استعمال کرے (شرح نووی)

حسین بن عبداللہ طیبی کا حوالہ

شرف الدین حسین بن عبداللہ طیبی (المتوفیٰ: 743ہجری) فرماتے ہیں:

والأمر بالتبوء تهكم وتغليظ؛ إذ لو قيل :كان مقعده في النار، لم يكن كذلك :وأيضاً فيه إشارة إلى معنى القصد في الذنب وجزائه، أي كما أنه قصد في الكذب التعمد فليقصد في جزائه التبوء (شرح الطيبي على مشكاة

المصابیح ،ج۲،ص ۶۵۹،کتاب العلم)

ترجمہ: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جہنم میں اپنا ٹھکانا بنانے کا حکم دینا، یہ اس کی توہین اور عذاب کی سختی کو بیان کرنے کے لئے ہے، کیونکہ اگر یہ کہا جاتا کہ اس کا ٹھکانا جہنم میں ہے، تو اس طرح کی وعید نہ ہوتی، نیز اس میں اس کے گناہ ،اوراس کے بدلہ کے قصد کے معنیٰ کی طرف بھی اشارہ ہے، یعنی جس طرح اس نے نبی پر عمداً جھوٹ بولنے کا قصد کیا، تو اسے چاہیے کہ وہ جہنم میں ٹھکانا بنانے کا بھی قصد کرے، جو اس جھوٹ کا بدلہ ہے (شرح طیبی)

امام مناوی کا حوالہ

اور امام مناوی فرماتے ہیں کہ:

(ومن كذب علي متعمدا) يعني ومن لم يبلغ حق التبليغ ولم يحفظ في الأداء ولم يراع صحة الإسناد (فليتبوأ) (فيض القدير شرح الجامع الصغير، ج۳ص ۲۰۶، تحت رقم الحديث ۳۱۵۹، حرف الباء الموحدة)

ترجمہ: اور جس شخص نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا، یعنی جس شخص نے تبلیغ کا حق ادا نہیں کیا، اور اس کو اداء کرنے کا تحفظ نہیں کیا، اور سند کے صحیح ہونے کی رعایت نہیں کی، تو اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے (فیض القدیر)

اس فصل کا خلاصہ

اس فصل کا خلاصہ یہ نکلا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی حدیث کو منسوب کرنا شدید ترین گناہ اور بدترین وبال کا باعث ہے، جس کے متعلق بے شمار احادیث موجود ہیں۔

مگر افسوس کہ ہمارے یہاں بہت سی موضوع ومن گھڑت احادیث رواج پا گئی ہیں، جن کی تحقیق کی بھی زحمت نہیں کی جاتی۔

دوسری طرف بہت سے مشہور ومعروف علماء کی تصنیف کردہ کتابوں میں معتبر وغیر معتبر

احادیث کی اس طرح بھرمار ہے کہ ان میں عوام تو کجا، علمائے زمانہ کو بھی فرق وامتیاز کرنا مشکل ہے، جس کے نتیجہ میں یہ بھی معلوم نہیں ہو پاتا کہ ان میں سے کن باتوں کی تصدیق واجب ہے، کن کی تصدیق واجب نہیں، اور کن باتوں کی نہ تو تصدیق کی جاسکتی، اور نہ ہی تکذیب کی جاسکتی، جس کی وجہ سے عقائد میں بھی بگاڑ پیدا ہورہا ہے، اور اگر کوئی تحقیق اور محنت کر کے بعض غیر معتبر باتوں کی نشاندہی کرے، تو اس کو طرح طرح سے مطعون بھی کیا جانے لگا ہے، جس کا ہمیں اپنے کام کے دوران خود مختلف مواقع پر مشاہدہ ہوا، اور اس طرح کی طعن وتشنیع کا سامنا کرنا پڑا۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

(فصل نمبر 7)

ہر سُنی ہوئی حدیث کو بیان کرنے میں جھوٹ

(7)...... ساتویں بات یہ ہے کہ ہر سنی ہوئی بات اور ہر سنی ہوئی حدیث کو تصدیق کے بغیر آگے بیان کردینا بھی گناہ میں داخل ہے۔

افسوس ہے کہ آج کل یہ مرض بھی بہت عام ہوگیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، یا حدیث کے عنوان سے بہت سی باتوں کی تشہیر کی جانے لگی ہے، منبرومحراب، اور تصنیف وتالیف کے علاوہ میڈیا پر اس طرح کی باتوں کو تصدیق کئے بغیر ایک دوسرے کو ارسال کرنے کا بہت رواج ہوگیا ہے۔

احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ (صحيح مسلم، رقم الحديث ۵"۵"، مقدمة، باب النهى عن الحديث بكل ما سمع)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے جھوٹ کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سُنی ہوئی بات کو بیان کردے (مسلم)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَفٰى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ (صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ٣٠،المقدمة، باب الاعتصام بالسنة وما يتعلق بها نقلا وأمرا وزجرا) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے گناہ کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سُنی ہوئی بات کو بیان کردے (ابن حبان)

ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَفٰى بِالْمَرْءِ مِنَ الْكَذِبِ أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ (مستدرک حاکم، رقم الحديث ٢١٩٦، كتاب البيوع) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے جھوٹ کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سُنی ہوئی بات کو بیان کردے (حاکم)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوعثمان نہدی سے روایت ہے کہ:

قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰه تَعَالٰى عَنْهُ: بِحَسْبِ الْمَرْءِ مِنَ الْكَذِبِ أَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ (صحيح مسلم، تحت رقم الحديث ٥"٥" باب النهي عن الحديث بكل ما سمع)

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الصحيح، وأخرجه مسلم فى مقدمة صحيحه(حاشية ابنِ حبان)

[2] قال الحاكم: "هذا إسناد صحيح فإن آباء هلال بن العلاء أئمة ثقات وهلال إمام أهل الجزيرة فى عصره"

وقال الذهبى فى التلخيص: صحيح و آباء هلال ثقات.

ترجمہ: عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آدمی کے جھوٹ کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرے (صحیح مسلم)

ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث

ابواحوص سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ؛ قَالَ: بِحَسْبِ الْمَرْءِ مِنَ الْكَذِبِ أَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ (صحيح مسلم، تحت رقم الحديث ٥ "٥" مقدمة، باب النهى عن الحديث بكل ما سمع)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آدمی کے جھوٹ کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرے (صحیح مسلم)

اسی وجہ سے اسلاف نے روایات کے سچا اور جھوٹا ہونے کی تحقیق میں بہت محنت سے کام لیا ہے، اور راویوں کی خوب چھان پھٹک اور تحقیق کی ہے، جس کی وجہ سے "علمِ حدیث" میں "اسماء الرجال" کے عنوان سے ایک مستقل موضوع اور علم سامنے آیا۔

امام مالک کی روایت

ابنِ وہب سے روایت ہے کہ:

قَالَ لِيْ مَالِكٌ: اِعْلَمْ أَنَّهُ لَيْسَ يَسْلَمُ رَجُلٌ حَدَّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ، وَلَا يَكُوْنُ إِمَامًا أَبَدًا وَهُوَ يُحَدِّثُ بِكُلِّ مَا سَمِعَ (صحيح مسلم، تحت رقم الحديث ٥ "٥" مقدمة ، باب النهى عن الحديث بكل ما سمع)

ترجمہ: مجھے امام مالک نے فرمایا کہ یہ بات جان لیجیے کہ وہ آدمی سلامت نہیں رہ سکتا، جو ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرے، اور جو شخص ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرے، وہ کبھی بھی امام (ومقتداء) نہیں ہوسکتا (صحیح مسلم)

ہر سُنی ہوئی بات اور حدیث کا سچا ہونا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ بہت سی باتیں، اور حدیثیں جھوٹی بھی ہوتی ہیں، بالخصوص جھوٹ عام ہونے کے زمانہ میں۔

اس لئے کسی بات کو سُننے والے پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ تحقیق واطمینان کے بغیر اس کو آگے بیان نہ کرے، ورنہ یہ بھی جھوٹ میں داخل ہو جائے گا۔

اسی وجہ سے احادیث کے بیان کرنے میں محدثین نے انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے، اور پچھلے راویوں کی پوری چھان بین اور تحقیق کی ہے۔

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سُنی ہوئی بات کو بیان کرنے میں اور بھی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

حسین بن عبداللہ طیبی کا حوالہ

شرف الدین حسین بن عبداللہ طیبی (المتوفیٰ:743ھ) فرماتے ہیں:

وهذا زجر عن التحدث بشيء لم يعلم صدقه، بل يلزم على الرجل أن يبحث في كل ما سمع من الحكايات والأخبار، وخاصة من أحاديث الرسول عليه الصلاة والسلام، فإن علم صدقه يتحدث، وإلا فلا يتحدث (شرح الطيبي على مشكاة المصابيح ، ج٢، ص ٦٢٣، كتاب الايمان،باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

ترجمہ: اور یہ ایسی بات کو بیان کرنے پر تنبیہ ہے، جس کا سچ ہونا معلوم نہ ہو، بلکہ آدمی پر لازم ہے کہ وہ تمام سنی ہوئی حکایات، اور خبروں کی تحقیق کرے، خاص طور پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی، پس اگر اس کا سچا ہونا معلوم ہو، تو بیان کرے، ورنہ بیان نہ کرے (شرح طیبی)

علامہ طیبی مزید فرماتے ہیں:

وفيه تشديد في رواية الحديث من غير علم الرواية وسند الحديث إلى الثقات، حيث رتب عليه (من كذب على متعمدا) ونحوه "كفى بالمرء كذباً أن يحدث بكل ما سمع" (شرح الطيبي على مشكاة المصابيح ،ج٢،ص٦٨٨،كتاب العلم)

ترجمہ: اور اس حدیث میں، روایت اور حدیث کے ثقہ راویوں کی سند کے علم کے بغیر حدیث کو روایت کرنے پر شدید وعید موجود ہے، کیونکہ یہ وعید نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمداً جھوٹ باندھنے کے گناہ پر مرتب کی گئی ہے، اور اسی طرح سے یہ حدیث بھی ہے کہ آدمی کے جھوٹ کے لئے کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کردے (شرح طیبی)

حسین بن محمود مظہری کا حوالہ

حسین بن محمود مظہری (المتوفیٰ: 727ھ) فرماتے ہیں:

يعني: لو لم يكن للرجل كذب إلا تحدثه بكل ما سمع من غبر تبينه أنه صدق أم كذب يكفيه وحسبه من الكذب؛ لأن الرجل إذا تحدث بكل ما سمع لم يخلص من الكذب؛ لأن جميع ما يسمع الرجل لا يكون صدقا بل يكون بعضه كذبا، وهذا زجر عن التحدث بشيء لم يعلم صدقه، بل يلزم على الرجل أن يبحث في كل ما سمع من الحكايات والأخبار وخاصة من أحاديث النبي -صلى الله عليه وسلم-، فإن علم صدقه يتحدث، وإلا فلا يتحدث به (المفاتيح في شرح المصابيح، ج ا، ص ۲۵۹، ۲۶۰، كتاب الايمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

ترجمہ: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی کے پاس کوئی اور جھوٹ نہ ہو، سوائے اس کے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو سچ اور جھوٹ کی تحقیق کئے بغیر بیان کرے، تو یہی اس کے جھوٹ کے لئے کافی وافی ہے، کیونکہ جب آدمی ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرتا ہے، تو وہ جھوٹ سے نجات نہیں پاتا، کیونکہ آدمی کی تمام سنی ہوئی باتیں سچ نہیں ہوتیں، بلکہ بعض جھوٹی بھی ہوتی ہیں، اور یہ اس بات کو بیان کرنے پر تنبیہ ہے، جس کے سچ ہونے کا علم نہ ہو، بلکہ آدمی پر لازم ہے کہ وہ تمام سنی ہوئی حکایات، اور خبروں کی تحقیق کرے، خاص طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی، پس اگر اس کا سچا ہونا معلوم ہو، تو بیان کرے، ورنہ اس کو بیان نہ کرے (المفاتیح)

حسین بن محمود مظہری مذکورہ تالیف میں ہی فرماتے ہیں:

یعنی :لو لم یکن للرجل کذب سوی أن یتکلم بکل ما سمع لکفاہ من الذنب؛ یعنی :لا یجوز التحدث بکل ما یسمعہ الرجل، بل یجب علیہ الاحتیاط فی التجسس عن حال الراوی أنہ عدل أم لا (المفاتیح فی شرح المصابیح، ج۵،ص ۱۸۱، کتاب الآداب،باب حفظ اللسان و الغیبۃ و الشتم)

ترجمہ: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی کے پاس کوئی اور جھوٹ نہ ہو، سوائے اس کے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرے، تو گناہ کے لئے یہی کافی ہے، یعنی آدمی کو ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرنا جائز نہیں، بلکہ اس پر احتیاط واجب ہے، اس بات کی تحقیق کرنے میں کہ وہ سچا ہے، یا نہیں (المفاتیح)

امام مناوی کا حوالہ

امام مناوی فیض القدیر میں فرماتے ہیں:

أی لو لم یکن للرجل کذب إلا تحدثہ بکل ما سمع من غیر مبالاۃ أنہ صادق أو کاذب لکفاہ من جھۃ الکذب لأن جمیع ما سمعہ لا یکون صدقا وفیہ زجر عن الحدیث بشیء لا یعلم صدقہ (فیض القدیر للمناوی، ج۵، ص ۲، تحت رقم الحدیث ۶۲۴۴، حرف الکاف)

ترجمہ: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی کے پاس کوئی اور جھوٹ نہ ہو، سوائے اس کے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو اس چیز کی پرواہ کئے بغیر بیان کرے کہ وہ سچا ہے، یا جھوٹا ہے، تو اس کے جھوٹ ہونے کے اعتبار سے یہی کافی ہے، کیونکہ تمام سنی ہوئی باتیں سچی نہیں ہوتیں، اور اس میں کسی بات کو اس وقت تک کرنے سے ڈرایا گیا ہے، جب تک اس کا سچ ہونا معلوم نہ ہو جائے (فیض القدیر)

ملا علی قاری کا حوالہ

ملا علی قاری (المتوفیٰ:1014ھ) ''مشکاۃُ المصابح'' کی شرح ''مرقاۃُ المفاتیح'' میں فرماتے ہیں:

یعنی :لو لم یکن للمرء كذب إلا تحديثه بكل ما سمع من غير تيقن أنه صدق أم كذب، لكفاه من الكذب أن لا يكون بريئا منه، وهذا زجر عن التحديث بشيء لم يعلم صدقه، بل على الرجل أن يبحث في كل ما سمع خصوصا في أحاديث النبي -صلى الله عليه وسلم -ولذا ورد هذا الحديث في باب الاعتصام(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج ۱، ص ۲۴۰، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

ترجمہ: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی کے پاس اور کوئی جھوٹ نہ ہو، سوائے اس کے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو اس کے جھوٹ کے مقابلہ میں سچ ہونے کا یقین حاصل کئے بغیر بیان کرے، تو اس کے جھوٹ سے بری نہ ہونے کے لئے یہی کافی ہے، اور اس میں کسی بات کو اس وقت تک کرنے سے ڈرایا گیا ہے، جب تک اس کا سچ ہونا معلوم نہ ہو جائے، بلکہ آدمی پر واجب ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کی تحقیق کرے، خاص طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے بارے میں، اور اسی وجہ سے یہ حدیث سنت کو مضبوط پکڑنے کے باب میں وارد ہوئی ہے (مرقاۃ)

شیخ خلیل احمد سہارن پوری کا حوالہ

شیخ خلیل احمد سہارن پوری (المتوفی:1346ھ) سنن ابی داؤد کی شرح میں فرماتے ہیں:

لأنه إذا تحدث بكل ما سمع لم يخلص من الكذب، وهذا زجر عن التحديث بشيء لم يعلم صدقه، بل على الرجل أن يبحث في كل ما سمع من الحكايات والأخبار، خصوصا من أحاديث رسول الله -صلى الله عليه وسلم -حتى يعلم صدقه من كذبه (بذل المجهود، ج۱۳، ص ۳۹۱، کتاب الآداب، باب التشديد في الكذب)

ترجمہ: کیونکہ جب آدمی ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرتا ہے، تو وہ جھوٹ سے محفوظ نہیں رہ پاتا، اور یہ (اللہ کے نبی کی طرف سے) ڈرانا (اور روکنا) ہے، ایسی چیز کو بیان کرنے سے جس کا سچا ہونا معلوم نہ ہو، بلکہ آدمی پر لازم ہے کہ وہ تمام سنی ہوئی حکایات، اور خبروں کی تفتیش کرے، خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی، یہاں تک کہ ان کے جھوٹ کے مقابلہ میں سچ ہونے کو جان لے (بذل)

اس فصل کا خلاصہ

اس فصل کا خلاصہ یہ نکلا کہ ہر سنی ہوئی بات اور بالخصوص ہر سنی ہوئی حدیث کی تحقیق کئے بغیر بیان کر دینا جھوٹ میں داخل ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے کا وبال وعذاب بہت سخت ہے، لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سنی ہوئی حدیث کو تحقیق کئے بغیر بیان کرنے پر بھی وہی وبال وعذاب مرتب ہوسکتا ہے۔

مگر افسوس کہ ہمارے معاشرہ میں ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرنے کا بہت رواج ہوگیا ہے، میڈیا پر رات دن ہر سنی سنائی بات کرنے اور نشر کرنے کا مشغلہ بہت بڑھ گیا ہے۔

دوسری طرف المیہ یہ ہے کہ ہر سنی اور پڑھی ہوئی حدیث کو تحقیق کئے بغیر، منبر ومحراب میں بیان کرنے اور دینی کتب ورسائل میں لکھنے کا بہت رواج ہوگیا ہے، اور سند کی تحقیق میں بہت زیادہ کوتاہی کی جانے لگی ہے۔

یہاں تک کہ درسِ نظامی میں برسہا برس سے پڑھائی جانے والی بعض کتابوں میں ایسی حدیثیں موجود ہیں، جو معتبر سند کے ساتھ ثابت نہیں، لیکن ان کی تعلیم وتدریس کی جاتی ہے، اور ان کی اسنادی حقیقت سے آگاہی حاصل نہیں کی جاتی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں علمِ دین کے شعبہ میں اس فن سے کماحقہٗ واقفیت رکھنے والے افراد نایاب ہیں، جن کو احادیث کی اسنادی تحقیق کے فن سے مناسبت ہو۔

اور اگر اس کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے، تو صرف فروعی مسائل میں اپنے مخالفین کو نیچا دکھانے، اور اپنے مسلک کا دفاع کرنے کی حد تک معاملہ محدود رکھا جاتا ہے، اور اسی کو علمِ حدیث وفنِ حدیث کی تحقیق کے لیے کافی وافی سمجھا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اصلاحِ احوال کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

(فصل نمبر 8)

اسرائیلی روایات کا حکم

(8)......آٹھویں بات یہ ہے کہ بعض احادیث میں بنی اسرائیل کی روایات کو بیان کرنے کی گنجائش دی گئی ہے، لیکن ساتھ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے سے بھی منع کیا گیا ہے، تاکہ کوئی شخص ایسی اسرائیلی روایات کو جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہیں کیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نہ سمجھ لے، اوراس طرح کی اسرائیلی روایات کی تصدیق، یا تکذیب کرنے سے بھی منع کردیا گیا ہے، جن کے بارے میں شریعت کی طرف سے سکوت اختیار کیا گیا ہو، جبکہ بعض روایات میں اسرائیلی روایات کی ممانعت آئی ہے۔

ذیل میں اس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: بَلِّغُوا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً، وَحَدِّثُوا عَنْ بَنِيْ إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۳۴۶۱، کتاب احادیث الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی إسرائیل)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میری بات کی تبلیغ کرو، اگرچہ میری بات کے ایک ٹکڑے کی کیوں نہ ہو، اورتم بنی اسرائیل کی باتوں کو بیان کرسکتے ہو، کوئی حرج نہیں، اور جس نے میرے اوپر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا، تو اسے

چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے (بخاری)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: حَدِّثُوْا عَنِّيْ وَلَا تَكْذِبُوْا عَلَيَّ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ تَبَوَّأَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ، وَحَدِّثُوْا عَنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ وَلَا حَرَجَ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۱۴۲۴) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میری حدیثوں کو بیان کرو، لیکن میرے اوپر جھوٹ مت باندھو، اور جس نے میرے اوپر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا، تو اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیا، اور تم بنی اسرائیل کی باتوں کو بیان کرسکتے ہو، کوئی حرج نہیں (مسند احمد)

جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: حَدِّثُوْا عَنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ وَلَا حَرَجَ؛ فَإِنَّهُ كَانَتْ فِيْهِمُ الْأَعَاجِيْبُ ثُمَّ أَنْشَأَ يُحَدِّثُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: خَرَجَتْ طَائِفَةٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيْلَ حَتّٰى أَتَوْا مَقْبَرَةً لَهُمْ مِنْ مَقَابِرِهِمْ، فَقَالُوْا: لَوْ صَلَّيْنَا رَكْعَتَيْنِ وَدَعَوْنَا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يُخْرِجَ لَنَا رَجُلًا مِمَّنْ قَدْ مَاتَ؛ نَسَأَلُهُ عَنِ الْمَوْتِ؟ قَالَ: فَفَعَلُوْا فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ إِذْ أَطْلَعَ رَجُلٌ رَأْسَهُ مِنْ قَبْرٍ مِنْ تِلْكَ الْمَقَابِرِ، خِلَاسِيٌّ بَيْنَ عَيْنَيْهِ أَثَرُ السُّجُوْدِ، فَقَالَ: يَا هٰؤُلَاءِ، مَا أَرَدْتُمْ إِلَيَّ؟ فَقَدْ مِتُّ مُنْذُ

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

مِـائَةِ سَنَةٍ، فَمَا سَكَنَتْ عَنِّيْ حَرَارَةُ الْمَوْتِ، حَتّٰى كَانَ الْآنَ، فَادْعُوا اللّٰـهَ عَزَّ وَجَلَّ لِيْ يُعِيْدُنِيْ كَمَا كُنْتُ (الـزهد لاحمد بن حنبل، ص ۳۱،رقم الحديث ۸۸) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بنی اسرائیل کی روایتوں کو بیان کر سکتے ہو، اس میں کوئی حرج نہیں (جب تک وہ بات قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو) کیونکہ بنی اسرائیل میں عجیب وغریب واقعات ہوئے ہیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بیان فرمانا شروع کی کہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگ نکلے، اور وہ اپنے قبرستانوں میں سے ایک قبرستان کے پاس گئے، اور انہوں نے کہا کہ اگر ہم دو رکعات نماز پڑھ کر اللہ عزوجل سے یہ دعاء کریں کہ وہ ہمارے سامنے فوت شدہ کسی شخص کو نکالے، تاکہ ہم اس سے موت کے بارے میں سوال کریں، تو انہوں نے ایسا ہی کیا، وہ ابھی دعاء کر ہی رہے تھے کہ اچانک اس قبرستان کی قبر میں سے ایک گندمی رنگ کے شخص نے اپنا سر نکالا، اس کی آنکھوں کے درمیان سجدوں کا نشان موجود تھا، اور اس نے کہا کہ کون لوگ ہو؟ میرے ساتھ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟ میں تو سو سال پہلے فوت ہو چکا تھا، اور میری موت کی گرمی ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی، مگر اَب (تمہاری دعاء کے وقت) ٹھنڈی ہوئی، تو تم اللہ عزوجل سے یہ دعاء کرو کہ وہ مجھے پہلی حالت پر لوٹا دے (الزہد)

---

[1] قال الالبانی: فصح الحديث واتصل الإسناد والحمد لله، وللجملة الأولى منه شاهد من حديث أبي هريرة مرفوعا (سلسلة الأحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۲۹۲۶)

وقال سعد بن ناصر بن عبد العزيز الشَّثری:

صحيح، وإن كان اختلف في سماع عبد الرحمن بن سابط من جابر، إلا أن الراجح ثبوته ويؤيده رواية ابن منيع الآتية برقم (774) (3).

وقال ابن رجب في أهوال القبور (ص 68) :هذا إسناد جيد (حاشية المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية، ج۵، ص۱۹۸، ۱۹۹، تحت رقم الحديث ۷۷۴، كتاب الجنائز، باب احوال المحتضر)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ جو بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہ فرمائی ہو، اگر چہ وہ اسرائیلی روایت ہو، اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سمجھنا درست نہیں، اسی وجہ سے ان اسرائیلی روایتوں کی تصدیق کرنا بھی نہ ضروری ہے، اور نہ ہی جائز ہے۔

ابو ہریرہ وابونملہ رضی اللہ عنہما کی حدیث

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَءُ وْنَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ، وَيُفَسِّرُوْنَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُصَدِّقُوْا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ وَقُوْلُوْا: آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا، وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ .الآيَةَ (صحيح البخاری، رقم الحديث ۷۳۶۲، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب قول النبی صلى الله عليه وسلم :لا تسألوا أهل الكتاب عن شیء)

ترجمہ: اہلِ کتاب عبرانی زبان میں تورات کو پڑھتے تھے، اور اس کی اہلِ اسلام کے لئے عربی زبان میں تفسیر کرتے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اہلِ کتاب کی نہ تو تصدیق کرو، اور نہ ہی تکذیب کرو، بلکہ یہ کہو کہ "ہم اللہ پر ایمان لائے، اور ان چیزوں پر ایمان لائے، جو ہماری طرف نازل کی گئیں، اور جو تمہاری طرف نازل کی گئیں" (بخاری)

حضرت ابونملہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا حَدَّثَكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَلَا تُصَدِّقُوْهُمْ، وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ، وَقُوْلُوْا: آمَنَّا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ، فَإِنْ كَانَ بَاطِلًا لَمْ تُصَدِّقُوْهُ، وَإِنْ كَانَ حَقًّا لَمْ تُكَذِّبُوْهُ (سنن ابی داؤد، رقم الحديث ۳۶۴۴، كتاب العلم، باب رواية حديث أهل الكتاب) [1]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية سنن ابی داود)

ترجمہ: جو بات تمہیں اہلِ کتاب بیان کریں، تو تم نہ تو ان کی تصدیق کرو، اور نہ ہی تم ان کی تکذیب کرو، اور یوں کہو کہ ایمان لائے ہم اللہ پر، اور اس کے رسولوں پر، کیونکہ اگر وہ بات غلط ہوئی، تو تمہیں اس کی تصدیق کرنے کی کیا ضرورت اور اگر وہ بات حق و سچ ہوئی، تو تمہیں اس کی تکذیب کرنے کی کیا ضرورت (سنن ابی داؤد)

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی روایت

امام بخاری نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

قَالَ: كَيْفَ تَسْأَلُوْنَ أَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ شَيْءٍ وَكِتَابُكُمُ الَّذِيْ أُنْزِلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْدَثُ، تَقْرَءُوْنَهُ مَحْضًا لَمْ يُشَبْ، وَقَدْ حَدَّثَكُمْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ بَدَّلُوْا كِتَابَ اللّٰهِ وَغَيَّرُوْهُ، وَكَتَبُوْا بِأَيْدِيْهِمُ الْكِتَابَ، وَقَالُوْا: هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا؟ أَلَا يَنْهَاكُمْ مَا جَاءَكُمْ مِنَ الْعِلْمِ عَنْ مَسْأَلَتِهِمْ؟ لَا وَاللّٰهِ مَا رَأَيْنَا مِنْهُمْ رَجُلًا يَسْأَلُكُمْ عَنِ الَّذِيْ أُنْزِلَ عَلَيْكُمْ (صحيح البخارى، رقم الحديث ٧٣٦٢، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم :لا تسألوا أهل الكتاب عن شیء)

ترجمہ: ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اہلِ کتاب سے کسی چیز کے بارے میں کیسے سوال کرتے ہو؟ جبکہ تمہاری وہ کتاب جو تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی، وہ تازہ حالت میں موجود ہے، جس کی تم خالص قرائت کرتے ہو، جو پرانی نہیں ہوئی، اور اس کتاب نے یہ بات بیان کردی ہے کہ اہلِ کتاب نے اپنے ہاتھ سے اللہ کی کتاب کو بدل دیا ہے، اور اس میں تغیر پیدا کردیا ہے، اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے کتاب کو لکھ دیا ہے، اور وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف

سے ہے، تاکہ وہ اس کے ذریعہ ثمنِ قلیل کو خریدیں۔

کیا جو علم تمہارے پاس آیا، اس نے ان سے سوال کرنے سے منع نہیں کر دیا، قسم اللہ کی ہم نے ان میں سے ایک آدمی کو بھی نہیں دیکھا جو تم سے اس چیز کے بارے میں سوال کرتا ہو، جو تمہاری طرف نازل کی گئی (پھر تم کو ان سے سوال کی کیا ضرورت) (بخاری)

اس طرح کی روایت دوسری سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

اور اہلِ کتاب سے سوال نہ کرنے کی بعض روایات مرفوع درجہ کی بھی ہیں، جن کو بعض حضرات نے ضعیف کہا ہے، لیکن بعض حضرات نے ان سب سندوں کو جمع کر کے ان پر حسن درجہ میں معتبر ہونے کا حکم لگایا ہے۔ [2]

معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت

اور امام بخاری نے حمید بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ:

سَمِعَ مُعَاوِيَةَ، يُحَدِّثُ رَهْطًا مِّنْ قُرَيْشٍ بِالْمَدِيْنَةِ، وَذَكَرَ كَعْبَ الْأَحْبَارِ فَقَالَ: إِنْ كَانَ مِنْ أَصْدَقِ هٰؤُلَاءِ الْمُحَدِّثِيْنَ الَّذِيْنَ يُحَدِّثُوْنَ عَنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، وَإِنْ كُنَّا مَعَ ذٰلِكَ لَنَبْلُوْ عَلَيْهِ الْكَذِبَ (صحيح البخارى، رقم الحديث ۷۳٦۱، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم :لا تسألوا أهل الكتاب عن شىء)

---

[1] وأخرجه سفيان الثورى من هذا الوجه بلفظ لا تسألوا أهل الكتاب عن شىء فإنهم لن يهدوكم وقد ضلوا أن تكذبوا بحق أو تصدقوا بباطل وسنده حسن (فتح البارى، ج۱۳، ص ۳۳۴، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم :لا تسألوا أهل الكتاب عن شىء)

[2] وبالنظر فى هذه الشواهد نجد ضعفها منجبرا، على أن فيها ما يمكن القول إنه صحيح. وعليه فأقل أحوال هذا الحديث أنه حسن. وقد حسنه الشيخ الألبانى فى إرواء الغليل وفى تحقيق كتاب السنة لابن أبى عاصم. وذلك لطرقه (حاشية المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية، ج۱۵، ص۶۳۸، تحت رقم الحديث ۳۸۴۸، كتاب المناقب، باب سعة علم النبىﷺصلى الله عليه وسلم)

ترجمہ: انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں قریش کے ایک وفد سے یہ فرماتے ہوئے سنا، جب کعب احبار کا تذکرہ کیا کہ یہ صاحب ان محدثین سے زیادہ سچے ہیں، جو اہلِ کتاب کی باتوں کو بیان کرتے ہیں، لیکن ہم اس کے باوجود کعب پر بھی جھوٹ کے شبہ کی آزمائش سے دوچار ہو جاتے ہیں (بخاری)

کعب احبار تابعی ہیں، جو پہلے اہلِ کتاب تھے، بعد میں ایمان لے آئے، کعب احبار جو اہلِ کتاب کی باتیں بیان کرتے تھے، ان کے خلافِ واقعہ ہونے کا شبہ ہونے لگتا تھا، جس کی وجہ یہی تھی کہ اہلِ کتاب نے تورات اور اپنی مذہبی کتابوں میں بہت سی باتیں بدل دی تھیں، جس کی وجہ سے سچ کا جھوٹ میں امتیاز مشکل ہو جاتا تھا، اس لیے ان کتابوں سے جو باتیں بیان کرے گا، اس کے سچ وحق ہونے کی بھی تصدیق مشکل ہے۔ [1]

امام مناوی کا حوالہ

امام مناوی فرماتے ہیں:

''بنی اسرائیل کی روایات کو بیان کرنے میں وسعت ہے، تنگی نہیں، لیکن اگر کسی اسرائیلی روایت کا جھوٹا ہونا معلوم ہو جائے، تو پھر اس کو بیان کرنا جائز نہیں، الا یہ کہ اس کی موقع پر تردید کردے، اور اس کا جھوٹا ہونا ظاہر کردے۔

اور بعض روایات میں جو بنی اسرائیل کی باتوں کو بیان کرنے، اور ان کی کتابوں کو پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، وہ ان روایات کے متعلق ہے، جن کا جھوٹا ہونا معلوم

---

[1] قوله :(وإن كنا مع ذلک لنبلو عليه الكذب)، أی الغلط دون الكذب العمد، لأنه تابعی جليل القدر، كان يكلم مع ابن عمر، ويستفيد منه علما .وإطلاق الكذب على الأغلاط كثير فيهم، فتنبيه له .فإن الإنسان يتعجب أنهم يصفون رجلا بالصيام والصلاة، ثم ينقلون عنه أنه يكذب، مع أن الكذب أقبح فی الملل كلها، فكيف بمن صام وصلى، وذلک أنهم أطلقوا الكذب على الغلط أيضا(فيض الباری، ج٦، ص ٥٤٠، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة،،باب قول النبی -صلى الله عليه وسلم :-لا تسألوا أهل الكتاب عن شیء)

ہے، یا اسلام نے ان کی تردید کردی ہے، یا پھر ان پر عمل نہ ہونے کو بتلانا، اور ان کے منسوخ ہونے سے مطلع کرنا مقصود ہے“۔ [1]

علامہ ابنِ تیمیہ کا حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ (المتوفیٰ: 728ھ) فرماتے ہیں:

هذا النقل ليس هو فى القرآن ولا فى الأحاديث الصحيحة عن النبى صلى الله عليه وسلم وإنما هو من جنس الأحاديث الإسرائيلية التى لا يجب الإيمان بها؛ بل ولا يجوز التصديق بصحتها إلا بحجة كما قال النبى صلى الله عليه وسلم فى الحديث الصحيح (مجموع الفتاویٰ، ج۱۲، ص۵۸، کتاب القرآن كلام الله حقيقة، فصل فى التنازع فى الاحرف التى انزلها الله علىٰ آدم)

ترجمہ: یہ نقل نہ تو قرآن میں ہے، نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی صحیح احادیث میں ہے، بلکہ یہ صرف اسرائیلی احادیث کی جنس سے ثابت ہے، جن پر ایمان لانا واجب نہیں، بلکہ ان کے صحیح ہونے کی تصدیق کرنا بھی جائز نہیں، جب تک اس کی دلیل وحجت نہ ہو، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا (مجموع الفتاویٰ)

اور علامہ ابنِ تیمیہ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

فهذه الأمور طريق العلم بها النقل فما كان من هذا منقولا نقلا صحيحا عن النبى صلى الله عليه وسلم - كاسم صاحب موسى أنه الخضر - فهذا معلوم وما لم يكن كذلک بل كان مما يؤخذ عن أهل الكتاب - كالمنقول عن كعب ووهب ومحمد بن إسحاق وغيرهم ممن يأخذ عن أهل الكتاب - فهذا لا يجوز تصديقه ولا تكذيبه إلا بحجة كما ثبت فى الصحيح عن النبى صلى الله عليه وسلم (مجموع الفتاویٰ، ج۱۳، ص۳۴۵، کتاب مقدمة التفسير، فصل فى ان الاختلاف فى التفسير على نوعين)

---

[1] (ولا حرج) لا ضيق عليكم فى التحديث به إلا أن يعلم أنه كذب أو لا حرج أن لا تحدثوا وعليه فزاده دفعا لتوهم وجوب التحديث من صورة صدور الأمر به قال الطيبى :ولا منافاة بين إذنه هنا ونهيه فى خبر آخر عن التحديث وفى آخر عن النظر فى كتبهم لأنه أراد هنا التحديث بقصصهم نحو قتل أنفسهم لتوبتهم وبالنهى العمل بالأحكام لنسخها بشرعه أو النهى فى صدر الإسلام قبل استقرار الأحكام الدينية والقواعد الإسلامية فلما استقرت أذن لأمن المحذور (فيض القدير شرح الجامع الصغير، ج۳، ص۲۰۷، تحت رقم الحديث ۳۱۵۹، حرف الباء الموحدة)

ترجمہ: پس ان باتوں کے علم کا طریقہ، نقل ہے، سو ان میں سے جو بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہوگی، جیسا کہ حضرت موسیٰ کے ساتھی کے نام کا ''خضر'' ہونا، تو یہ معلوم ہے، اور جو اس طرح ثابت نہیں ہوگا، بلکہ ان چیزوں میں سے ہوگا، جن کو اہلِ کتاب سے لیا جاتا ہے، جیسا کہ کعب اور وہب اور محمد بن اسحاق وغیرہ سے منقول شدہ باتیں، جو وہ اہلِ کتاب سے لیتے ہیں، تو ان کی تصدیق، اور تکذیب صرف دلیل سے ہی جائز ہے (اس کے بغیر جائز نہیں) جیسا کہ صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے (مجموع الفتاویٰ)

علامہ ابنِ تیمیہ دوسری تالیف میں فرماتے ہیں:

أن يثبت أن ذلک شرع لهم، بنقل موثوق به، مثل أن يخبرنا الله فی كتابه، أو علی لسان رسوله، أو ينقل بالتواتر، ونحو ذلک، فأما مجرد الرجوع إلی قولهم، أو إلی ما فی كتبهم، فلا يجوز بالاتفاق، والنبی صلی الله عليه وسلم، وإن كان قد استخبرهم فأخبروه، ووقف علی ما فی التوراة؛ فإنما ذلک لأنه لا يروج عليه باطلهم، بل الله سبحانه يعرفه ما يكذبون مما يصدقون، كما قد أخبره بكذبهم غير مرة.

وأما نحن فلا نأمن أن يحدثونا بالكذب، فيكون فاسق، بل كافر قد جاء نا بنبأ فاتبعناه، وقد ثبت فی الصحيح عن النبی صلی الله عليه وسلم أنه قال: إذا حدثكم أهل الكتاب فلا تصدقوهم، ولا تكذبوهم (اقتضاء الصراط المستقيم لمخالفة أصحاب الجحيم، ج ۱، ص ۴۶۴، القسم الثانی،فصل فی أن شرع من قبلنا شرع لنا ما لم يرد شرعنا بخلافه)

ترجمہ: اگر اہلِ کتاب کی شریعت میں کسی بات کا ثبوت مضبوط نقل کے ساتھ ہو، جیسا کہ ہمیں اللہ اپنی کتاب میں اس کی خبر دے، یا اپنے رسول کی زبان سے خبر دے، یا وہ تواتر کے ساتھ منقول ہو، یا اسی طرح کے کسی معتبر ذریعہ سے ثابت ہو، تو اس کو قبول کیا جائے گا، لیکن صرف اہلِ کتاب کے قول، یا ان کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا، بالاتفاق جائز نہیں، اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کوئی بات معلوم کی، جس کی انہوں نے خبر دی، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو توراۃ کی کسی بات سے

آ گاہی حاصل ہوئی، تو اس کا معاملہ جدا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی باطل بات کا دعویٰ نہیں چل سکتا، بلکہ اللہ سبحانہ کو ان کے جھوٹ اور سچ کا پتہ ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مرتبہ ان اہلِ کتاب کے جھوٹ کی خبر دی۔
اور جہاں تک ہمارا معاملہ ہے، تو ہم اس بات سے محفوظ نہیں کہ ہمیں وہ لوگ جھوٹی بات بتلا دیں کہ وہ راوی جھوٹا و فاسق ہو، بلکہ خدشہ ہے کہ کافر ہمارے پاس کوئی خبر لے آئے، جس کی ہم پیروی کر بیٹھیں، اور صحیح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث موجود ہے کہ جب اہلِ کتاب تم سے کوئی بات بیان کریں، تو نہ تو ان کی تم تصدیق کرو، اور نہ ہی تم ان کی تکذیب کرو (اقتضاء)

علامہ ابنِ تیمیہ نے اسی تالیف میں بہت سی اسرائیلی غیر معتبر روایتوں کے مسلمان مصنفین کی بعض کتابوں میں ہونے کا بھی ذکر کیا ہے۔ [1]

نیز علامہ ابنِ تیمیہ نے دوسرے مقام پر یہی اسرائیلی روایتوں والا حکم ان احادیث کا بھی بیان کیا ہے، جو نہ تو صحیح ہوں، اور نہ ہی جھوٹی، اور شدید ضعیف ہوں، بلکہ عام ضعیف ہوں کہ ان کی بھی تصدیق و تکذیب نہیں کی جاسکتی۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

وهـذا كالإسرائيليات :يـجـوز أن يروى منها ما لم يعلم أنه كذب للترغيب والترهيب فيها علم أن الله تعالى أمر به في شرعنا ونهى عنه في شرعنا .فأما

---

[1] وقـد صـنـف طائفة من الناس مصنفات من فضائل بيت المقدس، وغيره من البقاع التي بالشام، وذكـروا فيهـا مـن الآثـار الـمنقولة عن أهل الكتاب، وعمن أخذ عنهم ما لا يحل للمسلمين أن يبنوا عليه دينهم.

وأمثـل مـن ينقل عنه تلك الإسرائيليات :كـعـب الأحبار، وكان الشاميون قد أخذوا عنه كثيرا من الإسـرائيليات، وقد قال معاوية رضي الله عنه " :مـا رأينا من هؤلاء المحدثين عن أهل الكتاب أمثل من كعب، وإن كنا لنبلو عليه الكذب أحيانا).

وقد ثبت في الصحيح عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال :إذا حدثكم أهل الكتاب فلا تصدقوهم ولا تـكذبوهم، فإما أن يحدثوكم بباطل فتصدقوه، وإما أن يحدثوكم بحق فتكذبوه(اقتضاء الصراط المستقيم لمخالفة أصحاب الجحيم، ج٢، ص ٣٤٩، القسم الثاني، فصل في المسجد الأقصى)

أن يثبت شرعا لنا بمجرد الإسرائيليات التي لم تثبت فهذا لا يقوله عالم (مجموع الفتاوىٰ، ج ١، ص ٢٥١، كتاب توحيد الألوهية، لا يجوز التحريم الا بدليل شرعى)

ترجمہ: اور یہ اسرائیلی روایات کی طرح ہیں کہ جب تک ان کا جھوٹا ہونا معلوم نہ ہو، ان کو ترغیب وترہیب میں روایت کرنا جائز ہے، بشرطیکہ یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری شریعت میں اس کا حکم دیا ہے، یا اس سے ہماری شریعت میں منع کیا ہے۔ لیکن ہمارے لئے شریعت محض ان اسرائیلی روایات سے ثابت نہیں ہوتی، جو روایات ثابت نہ ہوں، پس یہ بات کسی عالم نے بھی نہیں کی (مجموع الفتاویٰ)

امام طحاوی اور ''فیضُ الباری'' کا حوالہ

امام طحاوی (المتوفیٰ: 321ھ) اپنی تالیف ''شرح مشکلُ الآثار'' میں فرماتے ہیں کہ:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کی باتوں کو بیان کرنے کے ساتھ ''حرج نہ ہونے'' کی جو قید لگائی، اس سے یہ واضح فرما دیا کہ ان باتوں کو اسی حیثیت سے بیان کرنے کی گنجائش ہے، لیکن ان کو بیان کرنا ضروری نہیں، جس طرح ان کی تصدیق کرنے کا حکم نہیں، بلکہ اگر کوئی بیان وتصدیق نہ کرے، تو بھی حرج نہیں، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیث کو بیان کرنے کا حکم فرماتے وقت یہ قید نہیں لگائی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو بیان کرنے کا حکم تاکیدی ہے، اور اس کی تصدیق بھی ضروری ہے''۔ [1]

---

[1] فكان ما أمر به من هذه الأشياء المذكورة في هذا الحديث مما أتبع أمره بكل واحد منها قوله "ولا حرج "أى :ولا حرج عليكم أن لا تفعلوا ما أمرتكم به من ذلك إذ كان ما أمرهم به منه على الاختيار لا على الإيجاب فكان مثل ذلك ما أمرهم به من الحديث عن بنى إسرائيل مما أتبعه قوله " ولا حرج "مثل ذلك أيضا على التوسعة منه عليهم أن لا يحدثوا عنهم إن شاء وا لأن ما أمرهم به إنما كان على الاختيار لا على الإيجاب وكان تلك منة من الله عليه عقيبا لقوله لهم " :بلغوا عنى ولو آية "مما أمرهم به إيجابا عليهم فأتبع ذلك فى أمره ما أمرهم به من الحديث عن بنى إسرائيل ببيان مخالفة ذلك لما قبله إذ كان ما قبله على الوجوب والذى بعده على الاختيار (شرح مشكل الآثار، ج ١، ص ١٢٨، تحت رقم الحديث ١٣٨، باب بيان مشكل ما روى عن رسول الله عليه السلام من قوله: وحدثوا عن بنى إسرائيل ولا حرج)

اورعلامہ انور شاہ کشمیری کی ''فیض البار ی''میں ہے:

''جن اسرائیلی روایات کا صحیح ہونا، اور ہماری شریعت کے موافق ہونا معلوم ہوجائے، ان کی تصدیق کی جائے گی، اور ان پر ہماری شریعت کی رہنمائی کے مطابق عمل بھی کیا جائے گا، اور اگر کسی روایت کی سند تو صحیح ہو، مثلاً وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معتبر سند کے ساتھ ثابت ہو، لیکن وہ روایت عملی اعتبار سے ہماری شریعت کے موافق نہ ہو، تو ہم اس کی تصدیق تو کریں گے، لیکن اس پر عمل نہیں کریں گے، اوراس کو منسوخ سمجھیں گے، اوراگر اس روایت کی سند صحیح نہ ہو، یا اس کی اصل واضح نہ ہو، تو اس صورت میں ہم اس روایت کی نہ تو تصدیق کریں گے، اور نہ تکذیب کریں گے، اوراجمالی طور پر یہ سمجھیں گے کہ جو بات اللہ کے نزدیک حق ہے، ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

اورجو مسائل ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلافی ہیں، ان کے بارے میں بھی یہی طریقہ مناسب ہے کہ اللہ کے نزدیک جو حق ہے، اس پر ایمان ہونے کا عقیدہ رکھے''۔ [1]

شاہ ولی اللہ دہلوی کا حوالہ

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی (المتوفیٰ:1176ھ) فرماتے ہیں:

أقول :الرواية عن أهل الكتاب تجوز فيما سبيله سبيل الاعتبار، وحيث

---

[1] قوله :(حدثوا عن بنى إسرائيل ولا حرج والحال فيه مختلف، فإن ما ينقل عنهم إن صح ووافق شرعنا نصدقه ونعمل به أيضا .وإن صح، ولكن لم يوافقه شرعنا نصدق به، ولا نعمل به، ونحمله على النسخ، أو التحريف .وإن لم يصح، أو لم ينكشف أصله، فإذن لا نصدقه ولا نكذبه، ونؤمن إجمالا بما هو الحق عند الله العظيم .وهذا هو السبيل عندى فى المسائل المختلف فيها بين الأئمة، فنؤمن بها إجمالا على ما هى حقيقتها عند الله تعالى .وهو المنقول عن أبى مطيع البلخى فى الفقه الأكبر فى نحو تلك المسائل .ولعمرى هو مخلص حسن(فيض البارى على صحيح البخارى، ج۴،ص ۱۱۴، كتاب احاديث الانبياء،باب ما ذكر عن بنى إسرائيل)

يكون الأمن عن الاختلاط في شرائع الدين، ولا تجوز فيما سوى ذلك.
ومما ينبغي أن يعلم أن غالب الإسرائيليات المدسوسة في كتب التفسير والأخبار، منقولة عن أخبار أهل الكتاب، لا ينبغي أن يبنى عليها حكم واعتقاد (حجة الله البالغة، ج ١، ص ٥٦٠، القسم الثاني، من أبواب الاعتصام بالكتاب والسنة، الناشر: دار ابنِ كثير، دمشق، الطبعة الثانية: ١٤٣٣ هـ، 2012م)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ اہلِ کتاب کی (اسرائیلی) روایت ان امور میں جائز ہے، جن میں اعتبار (وقیاس) کا راستہ ہو، اور شرائعِ دین میں اختلاط سے امن بھی ہو، اور اس کے علاوہ امور میں (اسرائیلی روایت) جائز نہیں، اور یہ بات بھی معلوم ہونا ضروری ہے کہ کتبِ تفسیر، اور کتبِ روایات (وتواریخ) میں جو اکثر اسرائیلی روایات داخل کی گئی ہیں، وہ اہلِ کتاب کی خبروں سے منقول ہیں، جن پر کسی حکم، یا عقیدہ کا مدار نہیں رکھا جاسکتا (حجۃ اللہ البالغہ)

معلوم ہوا کہ اسرائیلی روایات کو نقل کرنے میں شریعت کے ساتھ اختلاط والتباس سے حفاظت ضروری ہے۔

پس آج کل ہمارے معاشرہ میں جو انبیاء کے قصص وحکایات "قصصُ الانبیاء، قصصُ النبیین" سے متعلق ایسی کتابیں موجود ہیں، جن میں قرآن وسنت کے ساتھ، اسرائیلی روایات کو بھی خلط ملط کر کے نقل وجمع کر دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے عام قاری کو امتیاز کرنا مشکل ہوتا ہے، اور اس کی وجہ سے بہت سی غیر مصدقہ، بلکہ شرعی اصل وقواعد کے خلاف روایات کو قرآن وسنت کی طرح قابلِ تصدیق سمجھا جاتا ہے، تو ایسا کرنا جائز نہیں۔

حافظ ابنِ کثیر کا حوالہ

حافظ ابنِ کثیر (المتوفیٰ: 774ھ) اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وقد ذكر المفسرون الأماكن التي هبط فيها كل منهم ويرجع حاصل تلك الأخبار إلى الإسرائيليات، والله أعلم بصحتها، ولو كان في تعيين تلك البقاع فائدة تعود على المكلفين في أمر دينهم أو دنياهم، لذكرها الله تعالى في كتابه أو رسوله صلى الله عليه وسلم (تفسير ابنِ كثير، ج ٣، ص ٣٥٩

،سورة الأعراف)

ترجمہ: اور مفسرین نے ان مقامات کا بھی ذکر کیا ہے، جن میں ہر ایک ان (آدم، وحواء) میں سے اترا تھا، اور ان روایتوں کا ماحصل اسرائیلیات کی طرف لوٹتا ہے، اور ان کے صحیح ہونے کو اللہ ہی زیادہ جانتا ہے، اور اگر ان مقامات کی تعیین میں کوئی فائدہ ایسا ہوتا، جو مکلّف لوگوں کے دین، یا دنیا کی طرف لوٹتا، تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کا اپنی کتاب میں، یا اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم (احادیث کی شکل میں) ذکر فرماتا (تفسیر ابنِ کثیر)

اور حافظ ابنِ کثیر اپنی تفسیر میں دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

وقد روى في هذا آثار كثيرة عن السلف، وغالبها من الإسرائيليات التي تنقل لينظر فيها، والله أعلم بحال كثير منها، ومنها ما قد يقطع بكذبه لمخالفته للحق الذي بأيدينا، وفي القرآن غنية عن كل ما عداه من الأخبار المتقدمة لأنها لا تكاد تخلو من تبديل وزيادة ونقصان، وقد وضع فيها أشياء كثيرة وليس لهم من الحفاظ المتقنين الذين ينفون عنها تحريف الغالين وانتحال المبطلين، كما لهذه الأمة من الأئمة والعلماء والسادة والأتقياء والبررة والنجباء من الجهابذة النقاد والحفاظ الجياد الذين دونوا الحديث، وحرروه وبينوا صحيحه من حسنه من ضعفيه من منكره، وموضوعه ومتروكه ومكذوبه، وعرفوا الوضاعين والكذابين والمجهولين وغير ذلك من أصناف الرجال، كل ذلك صيانة للجناب النبوي والمقام المحمدي خاتم الرسل وسيد البشر صلى الله عليه وسلم أن ينسب إليه كذب أو يحدث عنه بما ليس منه، فرضي الله عنهم وأرضاهم، وجعل جنات الفردوس مأواهم وقد فعل (تفسیر ابنِ کثیر، ج۵، ص ۱۵۲، سورة الكهف)

ترجمہ: اور اس بارے میں سلف سے کثیر روایات مروی ہیں، جن میں سے اکثر اسرائیلی روایات کے طور پر منقول ہیں، تاکہ ان میں نظر ڈالی جائے، اور اللہ ہی ان میں سے اکثر کی حالت کا زیادہ علم رکھتا ہے، اور ان میں سے بعض روایات وہ ہیں، جو یقینی طور پر جھوٹی ہیں، کیونکہ وہ اس حق کے خلاف ہیں، جو ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے، اور قرآن میں اپنے علاوہ تمام پہلی خبروں سے مستغنی کر دیا گیا ہے، کیونکہ وہ (اسرائیلی روایات) شاید ہی کسی تبدیلی، اور زیادتی، یا نقصان سے

خالی ہوں، اوران میں بکثرت اشیاء کوگھڑ دیا گیا ہے، اوران کے یہاں ایسے ذمہ دار حفاظ نہیں پائے جاتے، جو غالیوں کی تحریف، اور باطلین کی سازشوں سے ان روایات کوصاف کریں، جیسا کہ اس امت میں ائمہ اور علماء اور سادات، اور اتقیاء اور نیک ہستیاں اور چنے ہوئے بندے پائے جاتے ہیں، جو باریک بین نقاد اور عمدہ ترین حفاظ ہیں، جنہوں نے احادیث کو مدون کیا، اوران کو تحریر کیا، اوران کے صحیح، اور حسن، اور ضعیف اور منکر، اور موضوع، اور متروک اور جھوٹی ہونے کو بیان کیا، اور حدیث گھڑنے والوں، اور جھوٹے، اور مجہول وغیرہ، جس قسم کی بھی رجال کی قسمیں ہیں، ان سب کی توضیح کی، اور یہ سب کچھ جنابِ نبوی، اور مقامِ محمدی، خاتم الرسل، اور سید البشر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ہوا، تا کہ آپ کی طرف جھوٹ کی نسبت نہ کی جاسکے، یا آپ کی طرف سے کوئی ایسی بات نہ کی جاسکے، جو آپ نے نہیں فرمائی، پس اللہ تعالیٰ ان حضراتِ گرامی (محدثین) سے راضی وخوش ہو، اوران کو خوش رکھے، اور جنات الفردوس میں ان کا ٹھکانا بنائے، اور (امید ہے کہ) اللہ ایسا کر چکا ہے (تفسیر ابنِ کثیر)

نیز حافظ ابنِ کثیر اپنی تفسیر مذکور میں ہی فرماتے ہیں:

وهذا الذى أنكره معاوية رضى الله عنه على كعب الأحبار هو الصواب، والحق مع معاوية فى ذلك الإنكار، فإن معاوية كان يقول عن كعب :إن كنا لنبلو عليه الكذب، يعنى فيما ينقله، لا أنه كان يتعمد نقل ما ليس فى صحفه، ولكن الشأن فى صحفه أنها من الإسرائيليات التى غالبها مبدل مصحف محرف مختلق، ولا حاجة لنا مع خبر الله تعالى ورسول الله صلى الله عليه وسلم إلى شىء منها بالكلية، فإنه دخل منها على الناس شر كثير وفساد عريض (تفسیرابنِ کثیر، ج۵، ص ۱۷۱، سورة الكهف)

ترجمہ: اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو ''کعب احبار پر نکیر کی، یہی ''صواب'' ہے۔ اوراس نکیر میں حق معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے، کیونکہ معاویہ رضی اللہ عنہ کعب احبار کے بارے میں یہ کہا کرتے تھے کہ بے شک ہمیں کعب پر جھوٹ کی

آزمائش کا سامنا ہے، یعنی کعب جو (اسرائیلی) باتیں نقل کرتے ہیں، ان پر جھوٹ کا گمان ہے، یہ نہیں کہ کعب جان بوجھ کر ایسی باتیں نقل کرتے ہوں، جو ان (یہودیوں) کی مذہبی کتابوں میں نہ ہوں، لیکن ان کی مذہبی کتابوں کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اسرائیلی روایات سے تعلق رکھتی ہیں، جن پر غالب یہ ہے کہ وہ تبدیل شدہ کتابیں، اور تحریف شدہ اور مصنوعی باتیں ہیں، اور ہمیں ان کی قطعاً اور بالکل بھی حاجت نہیں، جب اللہ تعالیٰ، اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی چیز کی خبر دیدی ہو (تو اس کے مقابلہ میں دوسری مجہول ومحرف شدہ غیر ضروری اور غیر متعلقہ باتوں کی کیا ضرورت)

کیونکہ ان اہلِ روایت لوگوں پر بہت سا شر اور وسیع فساد برپا ہوگیا تھا (جن کی کسی بات کا بھی اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کے بغیر کوئی اعتبار نہیں رہا) (تفسیر ابنِ کثیر)

حافظ ابنِ کثیر نے اپنی مختلف تالیفات میں کعب احبار، ودیگر سلف سے مروی کئی روایات کی نشاندہی کرتے ہوئے، ان کو اہلِ کتاب کی گھڑی ہوئی، اور جھوٹی کہا ہے۔ [1]

اور حافظ ابنِ کثیر اپنی تفسیر ہی میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

قد ذكر المفسرون هاهنا قصة أكثرها مأخوذ من الإسرائيليات ولم يثبت فيها عن المعصوم حديث يجب اتباعه (تفسیر ابنِ کثیر، ج۷، ص ۵۱، سورۃ ص)

ترجمہ: مفسرین نے یہاں ایک قصہ کو ذکر کیا ہے، جو اسرائیلیات سے ماخوذ ہے، اور اس بارے میں معصوم نبی کی کوئی ایسی حدیث ثابت نہیں، جس کی اتباع واجب ہو (تفسیر ابنِ کثیر)

اور حافظ ابنِ کثیر اپنی دوسری معرکۃ الآراء کتاب ''البداية والنهاية'' میں فرماتے ہیں:

ولسنا نذكر من الإسرائيليات إلا ما أذن الشارع فى نقله، مما لا يخالف كتاب الله وسنة رسوله -صلى الله عليه وسلم -وهو القسم الذى لا

---

[1] قلت وكلام كعب الأحبار هذا إنما تلقاه من الإسرائيليات التى منها ما هو مكذوب مفتعل وضعه بعض زنادقتهم أو جهالهم وهذا منه (البداية والنهاية، ج۲، ص۷۵، ذكر جماعة من أنبياء بنى إسرائيل بعد موسى عليه السلام، قصة عيسى بن مريم)

يصدق ولا يكذب مما فيه بسط لمختصر عندنا، أو تسمية لمبهم ورد به شرعنا مما لا فائدة في تعيينه لنا فنذكره على سبيل التحلي به لا على سبيل الاحتياج إليه والاعتماد عليه .وإنما الاعتماد والاستناد على كتاب الله وسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ما صح نقله أو حسن وما كان فيه ضعف نبينه(البداية والنهاية، ج ۱ ،ص ۷،مقدمة)

ترجمہ:اور ہم (اس کتاب میں) اسرائیلیات کو ذکر نہیں کریں گے،سوائے ان کے جن کے نقل کرنے کی ہمیں شریعت نے اجازت دی ہے، جوایسی روایات ہی ہیں کہ جو نہ تو کتاب اللہ کے مخالف ہیں،اور نہ ہی اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہیں،اور یہی وہ قسم ہے،جس کی نہ تو تصدیق کی جاسکتی،اور نہ ہی اس کی تکذیب کی جاسکتی، جو بات ہمارے پاس (ہماری شریعت کی طرف سے)مختصر بیان کی گئی ہو،اوراسرائیلی روایت میں اس کی تفصیل ذکر کی گئی ہو، یا ہماری شریعت میں کوئی بات مبہم وارد ہوئی ہو،اس کی اسرائیلی روایت میں نشاندہی کی گئی ہو،جس کی تعیین وتفصیل میں کوئی فائدہ نہ ہو،تو ہم اس اسرائیلی روایت کوتفنن کی خاطر ذکر کریں گے،اس غرض سے نہیں کہ اس کی ضرورت ہو، یا اس پر اعتماد کیا جاسکے،اعتماد تو صرف کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر ہی کیا جائے گا،جس کی نقل ’’صحیح‘‘ یا ’’حسن‘‘ ہو،اور جس حدیث میں ضعف ہوگا،اس کو ہم بیان کردیں گے (البدایہ والنہایہ)

حافظ ابنِ کثیر نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی سات زمینوں میں سے ہر ایک میں اس زمین کی طرح نبی ہونے کی روایت کو بھی اسرائیلی روایات سے ماخوذ کہا ہے،اوراس کے مرفوعِ حکمی ہونے سے اختلاف کیا ہے۔ [۱]

---

[۱] الأثر المروی عن ابن عباس أنه قال :في كل أرض من الخلق مثل ما في هذه حتى آدم كآدمكم وإبراهيم كإبراهيمكم فهذا ذكره ابن جرير مختصرا واستقصاه البيهقي في الأسماء والصفات وهو محمول إن صح نقله عنه على أنه أخذه ابن عباس رضي الله عنه عن الإسرائيليات(البداية والنهاية، ج ۱ ،ص ۲۲، المقدمة ،ما ورد في خلق السموات والأرض وما بينهما)

اس مسئلہ کی مزید تفصیل ہماری دوسری تالیف ''قولِ صحابی وحدیثِ مرفوع'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

اس فصل کا خلاصہ

اس فصل کا خلاصہ یہ نکلا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معتبر سند سے ثابت شدہ حدیث کی تصدیق کرنا ضروری ہے، لیکن جو حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ ہو، خواہ وہ اسرائیلی روایت کیوں نہ ہو، اس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنا، شدید گناہ ہے۔

اس لیے جو بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معتبر سند کے ساتھ ثابت نہ ہو، بلکہ اسرائیلی روایتوں سے ثابت ہو، اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں سمجھنا چاہیے، ساتھ ہی اس کی تصدیق وتکذیب کرنے سے بچنا چاہیے، مگر یہ کہ ہماری شریعت میں جس بات کی تصدیق وتکذیب کردی گئی ہو، تو اس کے مطابق تصدیق، یا تکذیب کرنا ضروری ہے۔

پس اسرائیلی روایتوں کو بلا دھڑک بیان کرنا، اور اس سے بڑھ کر ان اسرائیلی روایتوں کو احادیثِ نبوی سمجھنا، یا ان کی تصدیق کرنا جائز نہیں۔

مگر افسوس کہ ہمارے یہاں جہاں ایک طرف بہت سی موضوع ومن گھڑت احادیث رواج پاگئی ہیں، جن کی تحقیق کی بھی زحمت نہیں کی جاتی۔

وہاں دوسری طرف ہمارے معاشرہ میں اس طرح کی اسرائیلی روایتیں بہت عام ہیں، جن کی تصدیق کرنا درست نہیں، بہت سی سیرت وتاریخ کی کتابوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے ساتھ ان کو بھی بیان کردیا گیا ہے، جن کے بارے میں عوام تو درکنار، بہت سے علماء کو بھی یہ معلوم نہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نہیں ہیں، اور ان کو احادیث سمجھا جاتا ہے، یا ان کے ساتھ احادیثِ رسول والا سلوک اختیار کیا جاتا ہے، اور بلا دھڑک ان کی تصدیق کی جاتی ہے، جو ناجائز ہے۔

بہت سے مشہور ومعروف علماء کی تصنیف کردہ انبیاء کی سیرت وقصص سے متعلق اور بعض دوسرے موضوعات پر مشتمل کتابوں میں اسرائیلی وغیر اسرائیلی روایات اور حکایات کی اس طرح بھرمار ہے کہ ان میں عوام تو کجا، علمائے زمانہ کو بھی فرق وامتیاز کرنا مشکل ہے، جس کے نتیجہ میں یہ بھی معلوم نہیں ہو پاتا کہ ان میں سے کن باتوں کی تصدیق واجب ہے، کن کی تصدیق واجب اور جائز نہیں، اور کن باتوں کی نہ تو تصدیق کی جاسکتی، اور نہ ہی تکذیب کی جاسکتی۔

اس طرزِ عمل پر بہت سے مفاسد مرتب ہورہے ہیں، بالخصوص اسرائیلی روایتوں کی بنیاد پر، اللہ تعالیٰ اور اس کے مبعوث کردہ انبیائے کرام صلی اللہ علیہم وسلم کی طرف بہت سی ایسی چیزیں منسوب کی جارہی ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول کی شایانِ شان نہیں، اور ان میں بعض باتیں اسلامی شریعت کے اصول وقواعد، یا منصوص تصریحات کے خلاف ہیں۔

حالانکہ اس سے پہلی فصل میں گذر چکا ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو تصدیق وتحقیق کے بغیر بیان کردینا، جھوٹا ہونے کے لئے کافی ہے، پھر ہر قسم کی اسرائیلی روایات کو بغیر کسی تحقیق کے بیان کردینا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

علمائے زمانہ کو حفاظتِ شریعت کا اہتمام کرنا، اپنے مسلک کے بزرگوں کی بزرگیت وفوقیت ثابت کرنے سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

اللہ تعالیٰ حفاظت وتوفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

(فصل نمبر 9)

غیر معتبر احادیث کو روایت کرنے کی مستدل روایات پر کلام

(9)......نوویں بات یہ ہے کہ بعض لوگوں کی طرف سے احادیث گھڑنے، یا فضیلت سے متعلق بے سند اور غیر معتبر احادیث وروایات بیان اور نقل کرنے کے بارے میں بعض روایات بھی پیش کی جاتی ہیں، جن کی بنیاد پر اس عمل کو حجت قرار دیا جاتا ہے، اس لیے ان سے آگاہی بھی ضروری ہے۔

آگے اس قسم کی روایات، ان کی اسنادی حیثیت، اور ان کے مطالب پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ حدیث مروی ہے کہ:

''جس نے مجھ (یعنی اللہ کے نبی) پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا، تاکہ وہ اس کے ذریعہ سے گمراہ کرے، تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے''

اس روایت سے بعض لوگوں نے یہ دلیل پکڑی کہ جب گمراہ کرنا مقصود ہو، اسی وقت جھوٹی حدیث کو گھڑنا گناہ ہے، اور ہدایت دینا مقصود ہو، تو گناہ نہیں۔

لیکن یہ دلیل درست نہیں، کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس حدیث کی سند معتبر نہیں، دوسرے اس حدیث کی سند کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنا ہی محلِ کلام ہے۔

تیسرے اگر اس حدیث کو صحیح بھی مانا جائے، تو اس کا درست مطلب یہ ہوگا کہ جب بھی کوئی حدیث گھڑی جاتی ہے، اس سے گمراہ کرنا بہرحال لازم آتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا لِّیُضِلَّ النَّاسَ بِغَیْرِ عِلْمٍ (سورة الا نعام، رقم الآیة ۱۴۴)

اس آیت میں بھی اللہ پر جھوٹ باندھنے کے ساتھ گمراہ کرنے کی وجہ کا ذکر ہے، لیکن یہ بات معلوم ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھنا بہر حال گناہ ہے، خواہ کسی کی نیت بری نہ ہو۔

اسی وجہ سے دوسری آیات میں گمراہی کی وجہ ذکر کئے بغیر بھی اس گناہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (سورۃ الانعام، رقم الآیۃ ۲۱)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا (سورۃ الانعام، رقم الآیۃ ۹۳)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد ہے:

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيَاتِهٖ (سورۃ الاعراف، رقم الآیۃ ۳۷)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا يَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ(سورۃ النحل، رقم الآیۃ ۱۰۵)

اس طرح کی اور بھی کئی آیات ہیں۔

یہی صورتِ حال اللہ کے رسول پر جھوٹ باندھنے کی ہے، جس کے گناہ ہونے کا بہت سی احادیث میں اس وجہ کے بغیر ذکر کیا گیا ہے، اور اللہ کے رسول پر جھوٹ باندھنے کی نسبت، اللہ ہی پر جھوٹ باندھنے کی طرف کرنا لازم آتی ہے۔ [1]

---

[1] حدثنا فهد، حدثنا أبو سعيد الأشج، حدثنا يونس بن بكير، عن الأعمش، عن طلحة بن مصرف، عن عمرو بن شرحبيل، عن ابن مسعود، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من كذب على متعمدا ليضل به فليتبوأ مقعده من النار .

وهذا حديث منكر وليس أحد يرفعه بهذا اللفظ غير يونس بن بكير، وطلحة بن مصرف ليس في

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہرحال اس قسم کے مضمون پر مشتمل روایات سے مذکورہ دلیل پکڑنا درست نہیں، کیونکہ اولاً تو ان کی سند قابلِ اعتبار نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سنه ما يدرك به عمرو بن شرحبيل لقدم وفاته وقد حدثناه من غير حديث يونس بن بكير وقد دخل فيه بين طلحة وعمرو بن شرحبيل أبو عمار ,وهو غريب.

كما حدثنا أحمد بن شعيب، أخبرنا محمد بن العلاء ، حدثنا أبو معاوية، حدثنا الأعمش، عن طلحة، عن أبي عمار، عن عمرو بن شرحبيل، ولم يذكر بعده ابن مسعود قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من كذب على متعمدا ليضل به فليتبوأ مقعده من النار ."وقد وجدناه أيضا من حديث الثوري عن الأعمش كذلك غير أنه قال عن عمرو بن شرحبيل عن رجل من أصحاب النبي عليه السلام.

كما حدثنا أحمد بن شعيب، حدثنا محمود بن غيلان، حدثنا أبو أحمد، حدثنا سفيان، عن الأعمش، عن طلحة، عن أبي عمار، عن عمرو بن شرحبيل، عن رجل، من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ,ثم ذكر مثله سواء .

ولو كان الحديث صحيحا؛ لما كان مخالفا لغيره من الأحاديث التي رويناها في هذا الباب ;لأن ذلك قد يجوز أن يكون على التوكيد لا على ما سواه ,مثل ذلك قوله: ”فمن أظلم ممن افترى على الله كذبا ليضل الناس بغير علم“فذكر ذلك كذلك في موضع واحد وذكره في سائر المواضع التي ذكره فيها من القرآن بغير ذكره معه الزيادة التي في هذا الموضع ,وذلك عندنا على توكيده حيث شاء أن يؤكد وتركه ذلك حيث شاء تركه والمعنى فيه كله واحد والله تعالى نسأله التوفيق(شرح مشكل الآثار، ج ١ ص ٣٧٠ الٰی ٣٧٢،باب بيان مشكل ما روى عن رسول الله عليه السلام من قوله " :من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار "على ما قد روى عنه في ذلك قوله " :من كذب على متعمدا "ومن قوله " :من كذب على مطلقا "وفي السبب الذي كان ذلك منه)

[1] من كذب على متعمدا، ليضل به الناس، فليتبوأ مقعده من النار ."

منكر بهذه الزيادة.

وقد رويت من حديث عبد الله بن مسعود والبراء بن عازب وعمرو بن حريث وعمرو ابن عبسة.

1۔أما حديث ابن مسعود، فمداره على طلحة بن مصرف، يرويه عنه الحسن بن عمارة والأعمش.

أما حديث ابن عمارة، فأخرجه الطبراني في جزء "طرق حديث من كذب على متعمدا "(ق 35/1) بسنده عنه عن طلحة بن مصرف عن أبي عمار عن عمرو بن شرحبيل عن عبد الله ابن مسعود مرفوعا.

وهذا سند رجاله ثقات غير الحسن بن عمارة فهو متروك متهم بالكذب.

أما حديث الأعمش، فقد رواه جماعة، واختلفوا عليه في سنده ومتنه على وجوه:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسرے اگر کوئی ان روایات کو سند کے اعتبار سے معتبر ماننے کی طرف مائل ہو، تو اس کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأول :سفيان الثورى، فقال :عن الأعمش عن طلحة به، مثل رواية الحسن بن عمارة متنا وسندا، إلا أنه قال :عن عمرو بن شرحبيل عن رجل من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم.

أخرجه الطحاوى فى "مشكل الآثار "(1/174) : حدثنا أحمد ابن شعيب حدثنا محمود بن غيلان حدثنا أبو أحمد حدثنا سفيان به.

قلت :وهذا سند رجاله كلهم ثقات، فظاهره الصحة، لكن فيه هذا الاختلاف الذى نحن فى صدد بيانه، وما سيأتى ذكره.

الثانى :يونس بن بكير، فقال :عن الأعمش عن طلحة به مثل رواية الحسن سندا ومتنا، إلا أنه أسقط منه (أبى عمار) ، أخرجه الطحاوى والطبرانى (35/1) ، ورجاله ثقات أيضا، وفيه ما سبق، وليس عند الطبرانى الزيادة، ورواه البزار كالطحاوى، قال الهيثمى (1/144) : ورجاله رجال الصحيح.

الثالث :أبو معاوية، فقال :عن الأعمش به، مثل رواية الحسن إسنادا، إلا أنه جعله من مسند على لا من مسند ابن مسعود، وخالف فى المتن فلم يذكر فيه الزيادة أخرجه الطبرانى فى جزئه (32/2) من طريق يحيى بن طلحة اليربوعى قال :أخبرنا أبو معاوية به، لكن اليربوعى هذا لين الحديث كما فى "التقريب ."

وقد خالفه محمد بن العلاء فقال :حدثنا الأعمش به مثله إلا أنه لم يذكر ابن مسعود فأرسله، رواه الطحاوى.

ومما سبق يتبين أن أصح روايات هؤلاء الثلاثة رواية سفيان الثورى، لأنه أوثقهم وأضبطهم وأحفظهم، وعليه يمكن أن يقال :إن إسناد الحديث من هذا الوجه صحيح ولا يضره الاختلاف المذكور لأنه مرجوح.

قلت :وكان ينبغى أن يقال هذا، لولا أن هناك شيئين يقفان فى سبيل ذلك:

الأول :أن الأعمش موصوف بالتدليس، وقد عنعنه فى جميع الروايات عنه، فذلك يمنع من تصحيح هذا الحديث، وإن كان العلماء المتأخرون قد مشوا أحاديثه المعنعنة إلا إذا بدا لهم ما يمنع من ذلك، وهذا الحديث من هذا القبيل، فإن فيه ما يأتى، وهو:

الثانى :أن الحديث قد صح عن ابن مسعود من طرق ليس فى شىء منها تلك الزيادة، فأخرجه الترمذى (2/110) والطحاوى (1/167) والطيالسى (362) وأحمد (1/402، 405، 454) والطبرانى (34/1) كلهم عن زر، والطيالسى (342) وأحمد (1/389، 401، 436) والطبرانى (34/2) عن عبد الرحمن بن عبد الله ابن مسعود، والطبرانى أيضا عن أبى وائل ومسروق، كلهم عن ابن مسعود مرفوعا به دون الزيادة.

قلت :فهذا كله يدل على أن هذه الزيادة غير محفوظة عن ابن مسعود رضى الله عنه، بل هى شاذة أومنكرة، وقد قال الطحاوى عقب رواية يونس بن بكير المتقدمة:

وهذا حديث منكر، وليس أحد يرفعه بهذا اللفظ غير يونس بن بكير، وطلحة بن مصرف ليس فى سنه ما يدرك عمرو بن شرحبيل، لقدم وفاته. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

صحیح مطلب یہ ہے کہ جو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ گھڑتا ہے، تو یہ عمل لوگوں کو گمراہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كذا قال، وقد عرفت أن سفيان الثورى قد رفعه بهذا اللفظ، وجود إسناده، فذكر بين طلحة بن مصرف وعمرو بن شرحبيل أبا عمار واسمه عريب -بفتح المهملة -ابن حميد الدهنى، وهو ثقة، فالسند متصل مرفوع، وإنما علته الحقيقية العنعنة والمخالفة كما سبق بيانه، وقد أعله غير الطحاوى بنحو إعلاله، فقال الحافظ فى "الفتح "(1/178) بعد أن ذكر الحديث من رواية البزار، وذكر أن الزيادة لا تثبت :اختلف فى وصله وإرساله، ورجح الدارقطنى والحاكم إرساله، وأخرجه الدارمى من حديث يعلى بن مرة بسند ضعيف.

قلت :لم أقف على أحد أرسله غير أبى معاوية من رواية محمد بن العلاء عنه عند الطحاوى كما تقدم، وأبو معاوية -واسمه محمد بن خازم -وإن كان أحفظ الناس لحديث الأعمش كما قال الحافظ فى "التقريب "فقد خالفه سفيان الثورى وهو الثقة الحافظ الإمام، وتابعه يونس بن بكير، وهو من رجال مسلم لكنه يخطىء ، فروايتهما أرجح من رواية أبى

معاوية، لأنهما أكثر عددا، لا سيما ومعهما زيادة، والزيادة من الثقة مقبولة، والله أعلم.

وجملة القول :أن هذه الزيادة لا تثبت فى حديث ابن مسعود، والعلة :العنعنة والمخالفة فى نقدى، والإرسال فى رأى الطحاوى والدارقطنى والحاكم، وقال عبد الحق فى "الأحكام "(153) : لا تصح.

وقد روى الحديث عن طلحة بن مصرف بإسناد آخر وهو:

2- وأما حديث البراء بن عازب، فيرويه محمد بن عبيد الله العرزمى عن طلحة بن مصرف عن عبد الرحمن بن عوسجة عنه، أخرجه الطبرانى فى جزئه (39/2).

قلت :وعلته العرزمى هذا فإنه ضعيف جدا، وهذا معنى قول الحافظ فيه :متروك.

3- وأما حديث عمرو بن حريث، فيرويه عمر بن صبح عن خالد بن ميمون عن عبد الكريم بن أبى المخارق عن عامر بن عبد الواحد عنه، أخرجه الطبرانى فى جزئه أيضا (42/2).

قلت :وفيه علتان:

الأولى :عمر بن صبح هذا، قال الحافظ :متروك، كذبه ابن راهويه.

الثانية :عبد الكريم بن أبى المخارق ضعيف، وبه أعله الهيثمى فقال فى "مجمع الزوائد" (1/146) : رواه الطبرانى فى "الكبير "، وفيه عبد الكريم بن أبى المخارق وهو ضعيف.

قلت :ربط العلة به وحده ليس من الإنصاف فى شىء ، وفى الطريق إليه ذاك الكذاب عمر بن صبح، إلا أن يقال :إنه ليس فى طريق الطبرانى فى "الكبير "، لكنى أستبعد هذا لأنه لو كان كذلك لذكر فى جزئه الخاص بهذا الحديث وطرقه هذه الطريق السالمة من ذاك الكذاب، أوعلى الأقل لجمع بينهما، كما رأيناه فعل فى أحاديث أخرى، كحديث ابن مسعود على ما تقدم نقله عنه.

4- وأما حديث عمرو بن عبسة، فأورده الهيثمى وقال :رواه الطبرانى فى "الكبير "، وإسناده حسن.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کرنے میں داخل ہے، خواہ اس کا مقصد گمراہ کرنا بھی نہ ہو۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قلت: لكن الزيادة فيه لم تتفق عليها نسخ "المجمع"، بل تفردت بها النسخة الهندية، كما فى هامش الكتاب، ويترجح عندى عدم ثبوتها، لأن الطبرانى قد أخرج الحديث فى جزئه (43/1) وليس فيه أيضا هذه الزيادة.

ثم إن قوله: وإسناده حسن نظرا، فإن فيه محمد بن أبى النوار، أورده ابن أبى حاتم (4/1/111) وذكر أنه روى عنه ثلاثة من الثقات، ولم يحك فيه جرحا ولا تعديلا، وهذا من شيوخه بريد بن أبى مريم، ثم ذكر ابن أبى حاتم عقبه ترجمة أخرى، فقال: محمد بن أبى النوار سمع حبان السلمى - صاحب الدفينة، سمع ابن عمر - سمعت أبى يقول: لا أعرفه.

فقد فرق بينهما أبو حاتم، وفى "اللسان": "قال النباتى: جمعهما البخارى وهو أشبه، والله أعلم.

(تنبيه): سبق فيما نقلته عن الحافظ ابن حجر (ص 20) أن الحديث رواه الدارمى عن يعلى بن مرة، وقد رجعت إلى "سنن الدارمى"، فوجدت الحديث فيه (1/76) كما ذكر الحافظ، لكن ليس فيه تلك الزيادة! فلا أدرى أذلك من اختلاف نسخ "السنن"، أم أن الحافظ وهم، وقد يؤيد الثانى أن الطبرانى أخرجه (44/2) عن يعلى كما أخرجه الدارمى بدون الزيادة، ومن الممكن أن يقال: إنه لا وهم فيه، وإنما تساهل فى إطلاق العزو إليه، والله أعلم.

ثم إن الحديث لو صح بهذه الزيادة فليست اللام فيه للعلة، بل للصيرورة كما فسر قوله تعالى ": فمن أظلم ممن افترى على الله كذبا ليضل الناس"، والمعنى أن مآل أمره إلى الإضلال، أو هو من تخصيص بعض أفراد العموم بالذكر فلا مفهوم له كقوله تعالى ": ولا تأكلوا الربا أضعافا مضاعفة"؛ "ولا تقتلوا أولادكم من إملاق"، فإن قتل الأولاد ومضاعفة الربا والإضلال فى هذه الآيات إنما هو لتأكيد الأمر فيها، لا لاختصاص الحكم كما قال الحافظ رحمه الله وغيره (سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة، تحت رقم الحديث ١٠١١)

[1] ولا يعتد بمن خالف ذلك من الكرامية حيث جوزوا وضع الكذب فى الترغيب والترهيب فى تثبيت ما ورد فى القرآن والسنة، واحتج بأنه كذب له لا عليه، وهو جهل باللغة العربية.

وتمسك بعضهم بما ورد فى بعض طرق الحديث من زيادة لم تثبت وهى ما أخرجه البزار من حديث ابن مسعود بلفظ: من كذب على ليضل به الناس الحديث، وقد اختلف فى وصله وإرساله، ورجح الدارقطنى، والحاكم إرساله، وأخرجه الدارمى من حديث يعلى بن مرة بسند ضعيف، وعلى تقدير ثبوته فليست اللام فيه للعلة بل للصيرورة كما فسر قوله تعالى: "فمن أظلم ممن افترى على الله كذبا ليضل الناس" والمعنى أن مآل أمره إلى الإضلال، أو هو من تخصيص بعض أفراد العموم بالذكر فلا مفهوم له كقوله تعالى: "لا تأكلوا الربا أضعافا مضاعفة" ـ "ولا تقتلوا أولادكم من إملاق" فإن قتل الأولاد ومضاعفة الربا والإضلال فى هذه الآيات إنما هو لتأكيد الأمر فيها لا لاختصاص الحكم (فتح البارى شرح صحيح البخارى، لابن حجر العسقلانى، ج ا، ص ٢٠٠، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبى صلى الله عليه وسلم)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ حدیث مروی ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ورد فی بعض طرق الحدیث "من کذب علی متعمدا لیضل به الناس فلیتبوآ مقعده من النار، " فتحمل الروایات المطلقة علیه، لأنا نجیب عن شبهتهم الأولی بأن السبب المذکور لم یثبت إسناده وبتقدیر ثبوته فالعبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب، وعن الثانیة بأن الحدیث باطل کما قاله الحاکم وفی إسناده محمد بن الفضل بن عطیة اتفقوا علی تکذیبه، وقال صالح جزرة کان یضع الحدیث، وعن الثالثة أنه کذب علیه فی وضع الأحکام فإن المندوب قسم منها وفی الإخبار عن الله عز وجل فی الوعد علی ذلک العمل بذلک الثواب، وعن الرابعة باتفاق أئمة الحدیث علی أن زیادة :لیضل به الناس ضعیفة، وبتقدیر صحتها لا تعلق لهم بها لأن اللام فی قوله لیضل لام العاقبة لا .لام التعلیل أو هی للتأکید ولا مفهوم لها وعلی هذین الوجهین خرج قوله تعالی:"فمن أظلم ممن افتری علی الله کذبا لیضل الناس بغیر علم"لأن افتراء الکذب علی الله محرم مطلقا سواء قصد به الإضلال أم لا(تنزیه الشریعة المرفوعة عن الأخبار الشنیعة الموضوعة،لنور الدین، علی بن محمد بن علی بن عبد الرحمن ابن عراق الکنانی،ج ۱ ،ص ۱۳ ،فصل الوضاعون أصناف)

وأما تعلقهم بهذه الزیادة فقد أجیب عنها بأجوبة :

أحدها :أن الزیادة باطلة اتفق الحفاظ علی بطلانها .

والثانی :قال الإمام الطحاوی :ولو صحت لکانت للتأکید، کقوله تعالی :(فمن أظلم ممن افتری علی الله کذبا لیضل الناس بغیر علم) . والثالث :أن اللام فی :لیضل، لیست للتعلیل، بل لام الصیرورة والعاقبة، والمعنی :علی هذا یصیر کذبه إلی الضلال به.

الثالث :من روی حدیثا وعلم أو ظن أنه موضوع فهو داخل فی هذا الوعید إذا لم یبین حال رواته وضعفهم، ویدل علیه أیضا قوله، علیه الصلاة والسلام :(من حدث عنی بحدیث یری أنه کذب فهو أحد الکاذبین) . قال النووی :الروایة المشهورة ضم الیاء فی :یری، و :الکاذبین، بکسر الیاء علی الجمع.

الرابع :إذا روی حدیثا ضعیفا لا یذکره بصیغة الجزم، نحو :قال أو فعل أو أمر، ونحو ذلک، بل یقول :روی عنه کذا، وجاء عنه کذا، أو یذکر أو یروی أو یحکی، أو یقال أو بلغنا ونحو ذلک، فإن کان صحیحا أو حسنا قال فیه :قال رسول الله، علیه الصلاة والسلام، کذا، أو فعله، ونحو ذلک من صیغ الجزم .وقال القرطبی :استجاز بعض فقهاء العراق نسبة الحکم الذی یدل علیه القیاس إلی رسول الله، علیه الصلاة والسلام، نسبة قولیة، وحکایة فعلیة، فیقول فی ذلک :قال رسول الله، علیه الصلاة والسلام، کذا، وکذا .قال :ولذلک تری کتبهم مشحونة بأحادیث موضوعة تشهد متونها بأنها موضوعة لأنها تشبه فتاوی الفقهاء ، ولا یلیق بجزالة کلام سید المرسلین، فهؤلاء شملهم النهی والوعید(عمدة القاری شرح صحیح البخاری، للعینی،ج ۲،ص ۱۴۹ ، کتاب العلم،باب إثم من کذب علی النبی صلی الله علیه وسلم)

’’جس نے مجھ پر اسلام کی عیب جوئی کی غرض سے جھوٹ باندھا، تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے‘‘ [1]

اس روایت سے بعض لوگوں نے یہ دلیل پکڑی کہ اگر حدیث گھڑنے کا مقصد اسلام میں عیب جوئی نہ ہو، تو پھر گناہ نہیں۔

لیکن یہ استدلال بھی درست نہیں۔

کیونکہ یہ روایت بھی سند کے اعتبار سے قابلِ استدلال نہیں، اور یہ روایت خود نا قابلِ اعتبار اور کذاب اور جھوٹے راوی کی سند سے مروی ہے۔ [2]

---

[1] حدثنا القاسم الدلال، ثنا أسيد بن زيد، ثنا محمد بن الفضل، عن الأحوص بن حكيم، عن مكحول، عن أبي أمامة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من كذب على متعمدا، فليتبوأ مقعده من بين عيني جهنم فشق ذلک على أصحابه، فقالوا :يا رسول الله، نحدث عنک بالحديث نزيد وننقص، قال :ليس ذا أعنيكم إنما أعني الذي يكذب على متحدثا، يطلب به شين الإسلام . قالوا :يا رسول الله، إنک قلت :بين عيني جهنم وهل لجهنم عين؟ قال :نعم ، أما سمعته يقول : (إذا رأتهم من مكان بعيد سمعوا لها تغيظا وزفيرا) فهل تراهم إلا بعينين(المعجم الكبير،للطبرانی، رقم الحديث ۷۵۹۹)

[2] قال أبو حذيفة، نبيل بن منصور بن يعقوب بن سلطان البصارة:

أخرجه الطبراني في "الكبير "(7599) وفي "مسند الشاميين "(3434) وفي "طرق حديث من كذب علي"(143) والحاكم في "المدخل "(ص 96) وأبو نعيم في "المستخرج"(33) والجورقاني في "الأباطيل"(87) من طريق محمد بن الفضل بن عطية الخراساني عن الأحوص بن حكيم عن مكحول به.

قال الحاكم :وهذا حديث باطل، في رواته جماعة ممن لا يحتج بهم إلا أن الحمل فيه على محمد بن الفضل بن عطية فإنه ساقط"

وقال الجورقاني :هذا حديث باطل لا أصل له، قال عبد السلام بن عاصم :سمعت إسحاق بن سليمان وسئل عن حديث من حديث محمد بن الفضل بن عطية فقال: تسألوني عن حديث الكذابين .وقال عبد الله بن أحمد بن حنبل :سألت أبي عن محمد بن الفضل بن عطية فقال :ليس بشيء .وقال أبو حفص عمرو بن علي :محمد بن الفضل متروک الحديث كذاب(أنيس الساری تخريج احاديث فتح الباری،ج۱۰،ص۹۶،كتاب العلم،باب إثم من كذب على النبي -صلى الله عليه وسلم)

وقال ابن عدى:

حمد بن الفضل بن عطية خراساني مروزي.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ایک دوسری سند سے بھی اسی قسم کی روایت مروی ہے۔ ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سكن بخارى، يكنى أبو عبد الله حدثنا علان، حدثنا ابن أبى مريم سألت يحيى بن معين عن محمد بن الفضل الخراسانى فقال ليس بشىء، ولا يكتب حديثه.
حدثنا ابن حماد، حدثنا معاوية، عن يحيى، قال: محمد بن الفضل بن عطية خراسانى ضعيف.حدثنا ابن حماد، حدثنا عباس، عن يحيى، قال محمد بن الفضل ليس بشىء.
حدثنا ابن حماد، حدثنى عبد الله، عن أبيه قال محمد بن الفضل بن عطية ليس بشىء حديثه حديث أهل الكذب.حدثنا الجنيدى، حدثنا البخارى قال محمد بن الفضل بن عطية أبو عبد الله المروزى سكن بخارى، يقال له: مولى بنى عبس رماه بن أبى شيبة.
سمعت ابن حماد يقول: قال البخارى محمد بن الفضل بن عطية سكتوا عنه سكن بخارى .سمعت ابن حماد قال السعدى محمد بن الفضل بن عطية كان كذابا سألت أحمد بن حنبل عنه فقال ذاك عجب يجىء له بالطامات هو صاحب حديث ناقة ثمود وبلال المؤذن .وقال عمرو بن على محمد بن الفضل بن عطية أبو عبد الله المروزى متروك الحديث كذاب.
وقال النسائى محمد بن الفضل بن عطية بخارى متروك الحديث.
حدثنا على بن أحمد بن مروان، حدثنا جعفر بن عامر، حدثنا سعيد بن عبد المجيد بن جعفر، حدثنا محمد بن الفضل الخراسانى قال وقد روى عنه يزيد بن هارون.
كتب إلى محمد بن أيوب أخبرنى عبد السلام بن عاصم سمعت إسحاق بن سليمان يسأل عن حديث من حديث محمد بن الفضل الخراسانى فقال تسألون عن حديث الكذابين. كتب إلى ابن أيوب أخبرنى صالح بن ضريس سمعت يحيى بن ضريس يقول لعمرو بن عيسى وحدث عن محمد بن الفضل فقال ألم أنهك أن تحدث عن هذا الكذاب (الكامل فى ضعفاء الرجال، ج۷ص ۳۵۴ الٰى ۳۵۷،من ابتداء اسمه ميم،من اسمه احمد، تحت رقم الترجمة ۱۶۵۰)

؎ حدثنا صالح بن أبى عصمة الدمشقى، أخبرنا هشام بن عمار، أخبرنا محمد بن عيسى بن سميع، أخبرنا محمد بن أبى الزعيزعة، قال :سمعت نافعا يقول :قال ابن عمر :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من انتفى من والديه، أو أرى عينيه ما لم تر، فليتبوأ مقعده من النار.
قال عبد الله :فلبثنا بذلك زمانا نخاف الزيادة فى الحديث، إذ قال النبى صلى الله عليه وسلم: تحدثوا عنى ولا حرج، فإنما أنتم فى ذلك كما قلت لكم فى بنى إسرائيل :تحدثوا عنهم ولا حرج، فإنكم لم تبلغوا ما كانوا فيه من خير، أو شر، ألا ومن قال على كذبا ليضل الناس بغير علم، فإنه بين عينى جهنم يوم القيامة، وما قال من حسنة فالله ورسوله يأمران بها، قال :(إن الله يأمر بالعدل والإحسان).
قال الشيخ :وهذا الحديث يرويه عن محمد بن أبى الزعيزعة محمد بن عيسى بن سميع، ويروى عنه أحاديث غير هذا(الكامل فى ضعفاء الرجال، ج ا ،ص ۸۳،خطبة الكتاب،الباب الثانى وزر الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أضل به الناس)

لیکن وہ بھی سند کے اعتبار سے نا قابلِ اعتبار ہے۔ [1]

---

[1] قال الالبانی:

مـن تـقول علی ما لم أقل فليتبوأ بين عيني جهنم مقعدا .قيل :يـا رسول الله وهل لها من عينين؟ قال :ألـم تسـمع إلى قول الله عز وجل " :إذا رأتهـم مـن مكان بعيد سمعوا لها تـغيظا وزفيرا "، فـأمسک الـقـوم أن يسـألوه، فأنكر ذلک من شأنهم، وقال:ما لكم لا تسـألونی؟ قالوا :يـا رسـول الـلـه سـمعناک تقول من تقول علی ما لم أقل ...ونحن لا نـحـفظ الحديث كما سمعناه، نقدم حرفا ونؤخر حرفا، ونزيد حرفا وننقص حرفا، قال : ليـس ذلک أردت، إنـما قلت :مـن تـقـول عـلی مالم أقل يريد عيبی وشين الإسلام، أو شينی وعيب الإسلام ."

موضوع.أخرجه الخطيب فی "الكفاية "(ص 200) بسند صحيح عن علی بن مسلم الطوسی قال :حـدثـنـا محمد بن يزيد الواسطی عن أصبغ بن زيد عن خالد بن كثير عن خـالد بن دريک عن رجل من أصحاب النبی صلی الله عليه وسلم قال :قال رسول الله صلی الله عليه وسلم :فذكره.

قلت :وهـذا إسـنـاد ضـعيف وإن كـان رجـالـه كلهم ثقات، فإنه منقطع بين ابن دريک والرجل، فإنه لم يدرک أحدا من الصحابة، ولذلک أورده ابن حبان فی أتباع التابعين.

ثـم رأيـت الـحافظ ابن كثير قد ساق إسناده فی "تفسيره "(3/310) من رواية ابن أبـی حـاتـم وابن جرير من طريقين آخرين عن محمد بن يزيد الواسطی بسنده المذكور عن خالد بن دريک (قال :) بـإسـنـاد عن رجل من أصحاب النبی صلی الله عليه وسلم.

فهـذا صـريح فی الانقطاع بين ابن دريک والرجل لقوله "بإسناده "وهذا يقتضی أن يـكـون بيـنه وبين الرجل راو واحد علی الأقل، وهو مجهول لم يسم، فهو علة الحديث.

ثـم إن فـی آخـره مـا يشعر بأن التقول عليه لا بأس به إذا لم يكن فی شين الإسلام وعيب الـنبی صـلـی الله عليه وسلم، فكأنه من وضع الكرامية الذين كانوا يرون جواز الكذب عـلـی الـنبـی صـلـی الله عليه وسلم فی الترغيب والترهيب وفضائل الأعمال، فإذا أنكر ذلک عليهم بقوله صلی الله عليه وسلم "من كذب علی متعمدا فليتبوأ مقعده من النار "قالوا :نـحـن مـا كذبنا عليه إنما نكذب له . !وقـد روی الحديث من طريق أخری لا يـصـح أيـضـا، رواه أبو نعيم فی "الـمستـخـرج علی صحيح مسلم "(1/ 9 /1) عن مـحمد بن الفضل بن عطية عن الأحوص بن حكيم عن مكحول عن أبی أمامة مرفوعا به مع تقديم وتأخير وقال " :هذا حديث لا أصل له فيما أعلم، والحمل فيه علی محمد بن الـفضل بن عطية لاتفاق أكثر الناس علی إسقاط حديثه ."وقال الهيثمی فی "المجمع "(1/148) بـعد أن عزاه للطبرانی فی "الكبير " :"وفيـه الأحوص بن حكيم ضعفه الـنسـائـی وغيره، ووثقه العجلی ويحيی بن سعيد القطان فی رواية، ورواه عن الأحوص محمد بن الفضل بن عطية ضعيف ."قلت :بل هو شر من ذلک كما أشار إليه أبو نعيم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث یہ مروی ہے کہ:

’’جس نے کوئی حدیث اسی طرح بیان کردی، جس طرح اس نے سنی تھی، تو اگر وہ درست اور صحیح تھی، تو اس کو ثواب ملے گا، اور اگر وہ جھوٹی ہوئی، تو اس کا گناہ ابتداء کرنے والے پر ہوگا‘‘ [1]

لیکن اس روایت کی سند میں بھی کذاب راوی موجود ہے، اور اس کا مضمون صحیح احادیث کے خلاف بھی ہے، کیونکہ پہلے ایسی صحیح احادیث گزرچکی ہیں، جن میں جھوٹی حدیث روایت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی کلمته السابقة، وقال الحافظ فی "التقريب ":"كذبوه ."وقال الذهبی فی " الضعفاء " :"متروک باتفاق ."والحديث أخرجه ابن منده أيضا فی "معرفة الصحابة "(2/ 282/ 2). (سلسلة الاحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ۹۹۴)

وقال أبو حذيفة، نبيل بن منصور بن يعقوب بن سلطان البصارة:

قال البوصيری :رجاله ثقات "مختصر الإتحاف 157 /1

قلت :لم يذكر خالد بن دريک سماعا من الصحابی فلا أدری أسمع منه أم لا.

قال الجورقانی :هذا حديث باطل، وخالد بن دريک شامی عسقلانی من أهل الرملة روى عن ابن محيريز ولم يسمع شيئا من أحد من أصحاب النبی -صلى الله عليه وسلم (أنيس الساری تخريج احاديث فتح الباری،ج١٠،ص١٠٨،كتاب العلم،باب إثم من كذب على النبی -صلى الله عليه وسلم)

وقال سعد بن ناصر بن عبد العزيز الشَّثری:

وإسناده ضعيف جدا، محمد بن أبی الزعيزعة كذاب، قاله الذهبی فی المغنی (2/580).(حاشية المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية،ج١٣،ص ٣٣، تحت رقم الحديث ٣١٠٦، كتاب العلم،باب التحذير من الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم)

[1] حدثنا علان بن عبد الصمد، ثنا عمر بن محمد بن الحسن، ثنا أبی، ثنا إبراهيم بن طهمان، عن جعفر بن الزبير، عن القاسم، عن أبی أمامة، عن النبی صلى الله عليه وسلم قال :من حدث حديثا كما سمع، فإن كان برا وصدقا فلک، وإن كان كذبا فعلى من بدأ(المعجم الكبير للطبرانی،ج٨ص٢٤٥، رقم الحديث ٧٩٦١، باب الصاد)

کرنے والے کو بھی جھوٹا قرار دیا گیا ہے۔

اس لئے یہ حدیث سند کے اعتبار سے درست نہیں۔ [1]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ حدیث مروی ہے کہ:

’’جس نے میری (یعنی اللہ کے نبی کی) طرف سے کوئی حدیث بیان کی، جو اللہ کی رضا کے لئے ہو، تو وہ میرا ہی قول ہے، اور میں اسی کے لئے بھیجا گیا ہوں‘‘ [2]

لیکن اس حدیث کی سند میں ’’بختری بن عبید ‘‘نام کا راوی موجود ہے، جس پر محدثین نے شدید جرح کی ہے، اس میں متھم بالکذب کی جرح بھی شامل ہے، اور اس حدیث کا مضمون دوسری صحیح احادیث کے خلاف بھی ہے۔

---

[1] قال الهيثمی:

رواه الطبرانی فی الكبير، وفيه جعفر بن الزبير، وهو كذاب(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٦٩٢ ،باب فيمن حدث حديثا كذب فيه غيره)

وقال الالبانی:

"من حدث حديثا كما سمع؛ فإن كان برا وصدقا، فلك وله، وإن كان كذبا فعلی من بدأه ."موضوع.

رواه الطبرانی فی "الكبير "(7961) عن جعفر بن الزبير عن أبی أمامة مرفوعا.

قال فی "المجمع "(1/154): "وفيه جعفر بن الزبير وهو كذاب ."ونحوهذا الحديث ما رواه مسعدة بن صدقة عن جعفر بن محمد عن أبيه عن جده عن أبيه عن علی مرفوعا ":إذا كتبتم الحديث فاكتبوه بإسناده، فإن يكن حقا كنتم شركاء ه فی الأجر، وإن يكن باطلا كان وزره عليه ."أورده الذهبی فی ترجمة مسعدة هذا من "الميزان "وقال: "قال الدارقطنی :متروك ."ثم ساق الحديث وقال: "هذا موضوع ."وأقره الحافظ العسقلانی ثم المناوی(سلسلة الاحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ١١٧٣)

[2] حدثنا الوليد بن حماد الرملی، حدثنا سليمان بن عبد الرحمن، حدثنا البختری بن عبيد، حدثنا أبی، حدثنا أبو هريرة، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من حدث عنی حديثا هو لله رضا فأنا قلته وبه أرسلت(الكامل فی ضعفاء الرجال، ج٢ص٢٣٨، ٢٣٩، تحت ترجمة "بختری بن عبيد بن سلمان الطابخی" رقم الترجمة ٢٩١)

اس لئے ان جیسی وجوہات کی بناء پر اس حدیث کو کئی اہلِ علم حضرات نے باطل اور من گھڑت تک کہا ہے۔ ۱؎

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے ہی یہ حدیث بھی مروی ہے کہ:

''جب تم سے میری کوئی ایسی حدیث بیان کی جائے، جو حق کے موافق ہو، تو تم اس کو بیان کردو، خواہ میں نے وہ حدیث بیان کی ہو، یا نہ بیان کی ہو''

مگر اس حدیث کی سند غریب وضعیف ہے۔ ۲؎

۱؎ من حدث عني حديثا هو لله رضا فأنا قلته وبه أرسلت "وهذا حديث باطل .قال ابن حبان : لا يحل الاحتجاج بالبختري إذا انفرد(الموضوعات لابن الجوزي، ج ا ص ۹۸ ،الباب الثاني في قوله عليه السلام "من كذب على متعمدا ")

حديث :من حدث عني حديثا ، هو لله رضى ، فأنا قلته ، وبه أرسلت .رواه البختري بن عبيد :عن أبيه ، عن أبي هريرة.وهذا منكر ، والحمل فيه على البختري (ذخيرة الحفاظ لابن القيسراني، ج۴ص ۲۲۶۳ ،وص ۲۲۶۴ ،رقم الحديث۵۲۵۵، باب الميم)

من حدث عني حديثا هو لله رضى، فأنا قلته، وبه أرسلت ."

موضوع:رواه ابن عدى (41/1) عن البختري بن عبيد :حدثنا أبي :حدثنا أبي هريرة مرفوعا . وقال ":البختري روى عن أبيه عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قدر عشرين حديثا عامتها مناكير ."ثم ذكر له ثلاثة منها، هذا أحدها.قلت :وقال أبو نعيم الأصبهاني ":روى عن أبي هريرة موضوعات ."وكذا قال الحاكم والنقاش كما سبق في "سيكون أناس." ..

ولا شك عندي أن هذا الحديث من موضوعاته، لأن فيه الإغراء على افتراء الأحاديث على النبي صلى الله عليه وسلم أوعلى الأقل جواز روايتها ونسبتها إليه إذا كان معناها مما يرضى الله عز وجل !ولعل البختري هذا كان من أولئك الذين يستحلون الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم تقربا إلى الله بزعمهم ويقولون :نحن لا نكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم وإنما نكذب له !كما قال بعض الكرامية !ومن هذا القبيل ما يأتي:(سلسلة الاحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ۱۱۷۲)

۲؎ أخبرنا واضح بن عبد الله بن على بن عبد الله أبو نصر الرناني بقراء تي عليه بقرية رنان من قرى أصبهان قال ثنا محمد بن عبد الواحد بن محمد الحافظ سنة أربع وستين وأربع مئة لفظا برنان قال أبنا عبد الله بن عبد الواحد الأدمي أبنا أحمد بن محمد بن حفص أبنا أبو محمد عبد الرحمن بن إدريس ثنا محمد بن أيوب ثنا أبو عون الزيادي ثنا أشعث بن براز عن قتادة عن عبد الله بن شقيق عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :إذا حدثتم عني بحديث يوافق الحق فحدثوا به حدثت أو لم أحدث .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور پہلے صحیح احادیث میں جھوٹی حدیث کے بیان وروایت کرنے کا ناجائز وحرام ہونا گذر چکا ہے، اور کسی ایسی ضعیف حدیث کو فضیلت کے باب میں بھی قبول نہیں کیا جاسکتا، جو صحیح

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

غریب(معجم الشیوخ،لابن عساکر، ج۲ص۱۲۰۲، رقم الحدیث ۱۵۶۹، حرف الواو)

قال الفتنی:

إذا حدثتم عنی بحدیث یوافق الحق فصدقوه وخذوا به حدثت به أو لم أحدث منکر جدا قال العقیلی لیس له إسناد یصح وقال شیخنا أنه جاء من طرق لا تخلوا من مقال(تذکرة الموضوعات للفتنی، ص۲۷، کتاب العلم،باب روایة الحدیث والعمل بالضعیف بحسن الظن فإنه ینفع ولو بالحجر)

وقال الالبانی:

"إذا حدثتم عنی بحدیث تعرفونه ولا تنکرونه، قلته أولم أقله فصدقوا به، فإنی أقول ما یعرف ولا ینکر، وإذا حدثتم بحدیث تنکرونه ولا تعرفونه، فکذبوا به، فإنی لا أقول ما ینکر، ولا یعرف ."

ضعیف.أخرجه المخلص فی "الفوائد المنتقاة "(9/218/1) والدارقطنی فی "سننه "(ص 513) والخطیب فی "تاریخ بغداد "(11/391) والهروی فی "ذم الکلام " (4/78/2) وکذا أحمد کما فی "المنتخب "(10/199/2) لابن قدامة، ولیس هو فی "المسند "کلهم عن یحیی بن آدم :حدثنا ابن أبی ذئب عن سعید بن أبی سعید المقبری (زاد الدارقطنی والخطیب :عن أبیه) عن أبی هریرة مرفوعا به.

وقال الهروی :لا أعرف علة هذا الحدیث، فإن رواته کلهم ثقات، والإسناد متصل.

قلت :قد عرف علته وکشف عنها الإمام البخاری رحمه الله تعالی، ثم أبو حاتم الرازی، فقال الأول فی "التاریخ الکبیر "(2/1/434):

وقال ابن طهمان عن ابن أبی ذئب عن سعید المقبری عن النبی صلی الله علیه وسلم: "ما سمعتم عنی من حدیث تعرفونه فصدقوه "، وقال یحیی :عن أبی هریرة وهو وهم لیس فیه أبو هریرة، یعنی أن الصواب فی الحدیث الإرسال، فهو علة الحدیث.

فإن قیل :کیف هذا ویحیی بن آدم ثقة حافظ محتج به فی "الصحیحین "، وقد وصله بذکر أبی هریرة فهی زیادة من ثقة فیجب قبولها؟، فأقول :نعم هو ثقة کما ذکرنا، ولکن هذا مقید بما إذا لم یخالف من هو أوثق منه وأحفظ، أوالأکثر منه عددا، وفی صنیع البخاری السابق ما یشعرنا بذلک، وقد أفصح عنه بعض المحدثین فقال ابن شاهین فی "الثقات ":

قال یحیی بن أبی شیبة :ثقة صدوق ثبت حجة ما لم یخالف من هو فوقه مثل وکیع وقد خالف هنا ابن طهمان واسمه إبراهیم کما سبق، وهو ثقة محتج به فی "الصحیحین "،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حدیث کے خلاف ہو، اسی طرح ضعیف حدیث سے کسی فعلِ حرام کا حلال ہونا بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا، جس کی تفصیل اگلے باب میں آتی ہے۔

انس رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ حدیث مروی ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولا أقول إنه فوق يحيى، ولكن معه جماعة من الثقات تابعوه على إرساله، وذلك ما أعل به الحديث الإمام أبو حاتم، فقال ابنه فى "العلل "(2/310/3445) : سمعت أبى وحدثنا عن بسام بن خالد عن شعيب بن إسحاق عن ابن أبى ذئب عن سعيد المقبرى عن أبيه عن أبى هريرة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ":إذا بلغكم عنى حديث حسن يحسن بى أن أقوله فأنا قلته، وإذا بلغكم عنى حديث لا يحسن بى أن أقوله فليس منى ولم أقله ."

قال أبى :هذا حديث منكر، الثقات لا يرفعونه.

يعنى لا يجاوزون به المقبرى، ولا يذكرون فى إسناده أبا هريرة، وإنما تأولت كلامه بهذا لأمرين:

الأول :ليوافق كلام البخارى المتقدم فإنه صريح فى ذلك.

والآخر :أن تفسير كلامه على ظاهره مما لا يعقل قصده من مثله، لأنه والحالة هذه لا طائل من إعلاله بالوقف، فإن صيغته تنبىء عن أن الحديث مرفوع معنى، صدر ممن كلامه تشريع، ولأن المعنى حينئذ أن أبا هريرة رضى الله عنه قال هذا الكلام وصح ذلك عنه !فهل يعقل أن يقول هذا مسلم فضلا عن هذا الإمام؟ !

فإن قيل :فقد تابع يحيى بن آدم على وصله شعيب بن إسحاق هذا وهو ثقة محتج به فى "الصحيحين "أيضا، فلم لا يرجح الوصل على الإرسال؟

قلت :ذلك لأن الطريق إلى شعيب غير صحيح، فإن بسام بن خالد الراوى عنه غير معروف، فقد أورده الذهبى فى "الميزان "ثم العسقلانى فى "اللسان "، ولم يزيدا فى ترجمته على أن ساقا له هذا الحديث من طريق ابن أبى حاتم وكلام أبيه فيه !وأما قول الشيخ المحقق العلامة المعلمى اليمانى فيما علقه على "الفوائد المجموعة " للشوكانى (ص 280) فى بسام هذا :صوابه :هشام،فكان يمكن أن يكون كذلك لولا أن الذهبى والعسقلانى نقلاه كما وقع فى المطبوعة من "العلل "إلا أن يقال :إن نسخة الشيخين المذكورين فيها خطأ، وهو بعيد جدا(سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة، رقم الحديث ١٠٨٥)

’’جس کو اللہ کی طرف سے کوئی فضیلت کی بات پہنچی، پھر اس نے اس کی تصدیق نہیں کی، تو وہ اس فضیلت سے محروم رہے گا‘‘ [1]

مگر اس حدیث کی سند شدید ضعیف ہے۔ [2]

کیونکہ اس روایت کی سند میں ایک راوی ’’بزیع ابو الخلیل‘‘ کو محدثین نے شدید ضعیف اور احادیث کو گھڑنے والا قرار دیا ہے۔ [3]

اور اسی وجہ سے بعض نے اس حدیث کو موضوع ومن گھڑت قرار دیا ہے۔ [4]

---

[1] حدثنا أحمد بن محمد الزعفرانی، ثنا علی بن إشكاب، ثنا محمد بن بكار، ثنا بزيع أبو الخليل، عن ثابت، عن أنس بن مالک، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من بلغه عن الله فضيلة، فلم يصدق بها، لم يبلغها (شرح مذاهب أهل السنة ومعرفة شرائع الدين والتمسک بالسنن، لابن شاهين، ص ۵۹، رقم الحديث ۵۷، باب الرجاء للعبد فيما بلغه من ثواب الله)

حدثنا محمد بن بكار، حدثنا بزيع أبو الخليل، عن ثابت، عن أنس بن مالک، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من بلغه عن الله فضيلة فلم يصدق بها، لم ينلها (مسند أبی يعلى، رقم الحديث ۳۴۴۳، مسند انس بن مالک)

[2] قال حسين سليم أسد الدارانی: إسناده ضعيف جدا (حاشية مسند ابی يعلیٰ)

[3] قال ابن حجر:

بزيع ضعيف جدا (المطالب العالية، تحت رقم الحديث ۳۰۴۱، كتاب العلم، باب الترغيب فی التصديق بما جاء عن الله تبارک وتعالیٰ)

[4] قال سعد بن ناصر بن عبد العزيز الشَّثری:

الحديث بهذا السند موضوع من أجل بزيع أبی الخليل وهو متهم.

وقد روى الحديث بلفظ آخر عن أنس رضی الله عنه، قال: قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم" :-من بلغه عن الله عز وجل أو عن النبی -صلى الله عليه وسلم -فضيلة كان منی أو لم يكن فعمل بها رجاء ثوابها أعطاه الله عز وجل ثوابها."

رواه ابن حبان فی المجروحين (199 /1) من طريق بزيع أبی الخليل، عن محمد بن واسع وثابت وأبان، عن أنس رضی الله عنه.

ورواه ابن عبد البر فی جامع البيان (22 /1) من طريق أبی معمر عباد بن عبد الصمد، عن أبی بنحوه.

وأبو معمر عباد بن عبد الصمد، قال أبو حاتم: ضعيف جدا، وقال ابن حبان فی المجروحين: روى عن أنس بنسخة أكثرها موضوعة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی سند سے ہی ایک حدیث یہ مروی ہے کہ:

''جسے اللہ کی طرف سے کوئی فضیلت کی بات پہنچی، پھر اس نے اس فضیلت کی بات کو اختیار کرلیا، تو اللہ اس کو وہ فضیلت عطاء فرمادے گا، اگر چہ وہ جھوٹی حدیث کیوں نہ ہو''

لیکن اس روایت کی سند میں بھی بعض راوی شدید ضعیف، اور متروک ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وعلى هذا فهو ضعيف جدا لا يصلح للجبر(حاشية المطالب العالية، ج ۱۲ ص ۶۲۹، تحت رقم الحديث ۳۰۴۱، كتاب العلم،باب الترغيب فى التصديق بما جاء عن الله تبارك وتعالىٰ)

وقال الالبانی:

من بلغه عن الله فضيلة فلم يصدق بها لم ينلها ."موضوع.

رواه أبو يعلى فى "مسنده "(163/6) وابن عدى فى "الكامل "(ق 2/40) عن بزيع أبى الخليل الخصاف عن ثابت عن أنس مرفوعا، وقال :لا أعلم رواه غير بزيع أبى الخليل.

قلت :وهو متهم بالوضع كما تقدم قبل حديث، وذكره الهيثمى فى "المجمع "(1/ 149) من حديث أنس وقال :رواه أبو يعلى، والطبرانى فى "الأوسط "، وفيه بزيع أبو الخليل وهو ضعيف.قلت :بل هو متهم، كما قال الذهبى، وتقدمت عبارة ابن حبان وغيره فى ذلك قبل حديث(سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة، تحت رقم الحديث ۴۵۳)

وقال محمد بن محمد درويش الشافعي:

حديث " :من بلغه عن الله فضيلة فلم يصدق بها لم ينالها ."رواه الطبرانى، وفيه البياضى كذاب، وإسماعيل بن يحيى كذاب، وحكم ابن الجوزى بوضعه(أسنى المطالب فى أحاديث مختلفة المراتب، تحت رقم الحديث ۱۳۶۹)

[1] حدثنا خلف بن القاسم، نا ابن السكن، نا محمد بن القاسم بن زكريا المحاربى ثنا أبو كريب محمد بن العلاء ، ثنا عمر بن بزيع أبو سعيد الطيالسى، عن الحارث بن الحجاج بن أبى الحجاج، عن أبى معمر، عن أنس بن مالك قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من أدى الفريضة وعلم الناس الخير كان فضله على المجاهد العابد، كفضلى على أدناكم رجلا، ومن بلغه عن الله فضل فأخذ بذلك الفضل الذى بلغه أعطاه الله ما بلغه وإن كان الذى حدثه كاذبا.

قال أبو عمر :هذا الحديث ضعيف لأن أبا معمر عباد بن عبد الصمد انفرد به وهو متروك الحديث(جامع بيان العلم وفضله لابن عبدالبر، ج ۱ ص ۱۰۳، رقم الحديث ۹۳،باب تفضيل العلم على العبادة)

اسی لئے یہ حدیث بھی سند کے اعتبار سے شدید ضعیف ہے، بلکہ بعض نے اس کو موضوع ومن گھڑت قرار دیا ہے۔ [1]

---

[1] قال الشوكاني:

وكذا ما رواه ابن حبان عن أنس مرفوعا بلفظ :من بلغه عن الله وعن النبى صلى الله عليه وآله وسلم فضيلة، كان منى أو لم يكن، فعمل بها رجاء ثوابها أعطاه الله ثوابها؛ لأن فى إسناده متروكا(الفوائد المجموعة للشوكانى، ص۲۸۳، كتاب الفضائل،فى فضائل العلم وما ورد فيه مما لم يصح)

وقال الالباني:

"من بلغه عن الله فضل فأخذ بذلك الفضل الذى بلغه، أعطاه الله ما بلغه وإن كان الذى حدثه كاذبا ."موضوع.

أخرجه البغوى فى "حديث كامل بن طلحة "(1/4) ، وابن عبد البر فى "جامع بيان العلم "(22/1) ، وأبو إسماعيل السمرقندى فى "ما قرب سنده "(1/2) ، وابن عساكر فى "التجريد "(4/ 2 /1) من مخطوطة الظاهرية مجموع (10/ 12) من طريق عباد بن عبد الصمد عن أنس مرفوعا.

قلت :وعباد متهم، قال الذهبى:

وهاه ابن حبان وقال :حدث عن أنس بنسخة كلها موضوعة.

ثم ذكر له الذهبى طرفا من حديث ثم قال :فذكر حديثا طويلا يشبه وضع القصاص، ثم ذكر له آخر ثم قال :فهذا إفك بين.

قلت :ومع أن ابن عبد البر قد ذكر الحديث بإسناده وذلك يبرء عهدته منه، فقد اعتذر عن ذكره بقوله:

أهل العلم بجماعتهم يتساهلون فى الفضائل فيروونها عن كل، وإنما يتشددون فى أحاديث الأحكام، وقد تعقبه المحقق الشوكانى فأجاد، فقال فى "الفوائد المجموعة " (ص 100): وأقول :إن الأحكام الشرعية متساوية الأقدام لا فرق بينها، فلا يحل إذاعة الأصل :إضاعة شىء منها إلا بما يقوم به الحجة، وإلا كان من التقول على الله بما لم يقل، وفيه من العقوبة ما هو معروف، والقلب يشهد بوضع ما ورد فى هذا المعنى وبطلانه، وقد روى الحديث بلفظ آخر، وهو :(سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة، تحت رقم الحديث ۴۵۲)

وقال عبد العزيز عبد الرحمن بن محمد العثيم:

وحديث أنس بن مالك رضى الله عنه :أخرجه أبو يعلى والطبرانى وابن عبد البر وابن عدى والحسن بن سفيان وابن حبان وأبو إسماعيل السمرقندى فى كتاب ما قرب سنده وابن عساكر فى التجريد والبغوى فى حديث كامل بن طلحة والديلمى وابن النجار.

ولفظه عند أبى يعلى قال :حدثنا محمد بن بكار ثنا بزيع أبو الخليل عن ثابت عن أنس

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جابر رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ حدیث مروی ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بن مالک قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من بلغه عن الله فضيلة فلم يصدق بها لم ينلها."

قال ابن حبان :قد روى بزيع هذا عن محمد بن واسع وثابت البنانى وأبان عن أنس بن مالک عن النبى صلى الله عليه وسلم قال" :من بلغه عن الله عز وجل أو عن النبى صلى الله عليه وسلم فضيلة كان منى أولم يكن فعمل بها رجاء ثوابها أعطاه الله عز وجل ثوابها."

وهو من حديثه روى من ثلاثة طرق .فى الأول :الذى أخرجه أبو يعلى وابن حبان وابن عدى بزيع بن حسان أبو الخليل البصرى.

قال ابن حجر" :ضعيف جداً"

وقال ابن حبان فيه" :يأتى عن الثقات بأشياء موضوعة كأنه المتعمد لها"

وقال الدارقطنى" :متروک"

وقال الحاكم" :يروى أحاديث موضوعة ويرويها عن الثقات"

وزعم ابن ناصرين الدين أن بزيع توبع فى هذا.

قلت :وهذه المتابعة لا تغنى شيئاً ما دامت من ضعيف اشتد ضعفه إذ أنه يشير إلى طريق عبد الله بن كيسان وهو منكر الحديث وأحاديثه غير محفوظة كما سيأتى.

وفى الثانى :الذى أخرجه ابن عبد البر وأبو إسماعيل السمرقندى وابن عساكر والبغوى عباد ابن عبد الصمد قال البخارى :فيه نظر وقال مرة أخرى" :منكر الحديث"

وقال ابن حبان " :منكر الحديث جداً يروى عن أنس ما ليس من حديثه، وما أراه سمع منه شيئاً فلا يجوز الإحتجاج به فيما وافق الثقات فكيف إذا انفرد بأوابد"

وقال ابن عبد البر " :إسناد هذا الحديث ضعيف لأن أبا معمر عباد بن عبد الصمد إنفرد به وهو متروک"

وقال الذهبى" :واهٍ"

وراويه عن عباد بن عبد الصمد هو الحارث بن الحجاج وهو مجهول قاله الدارقطنى.

وفى الثالث :الذى أورده ابن ناصر الدين من طريق سهل بن شاذوية قال :ثنا لفر بن الحسين ثنا عيسى بن موسى عن ابن كيسان عن ثابت عن أنس.

فيه ابن كيسان .قال ابن ناصر الدين هو عبد الله أبو مجاهد المروزى" :منكر الحديث "قاله البخارى وغيره.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

''جس کو اللہ عزوجل کی طرف سے کوئی فضیلت کی بات پہنچی، پھر اس نے اس کو ایمان کی حالت میں اور اس کے ثواب کی امید رکھتے ہوئے اختیار کرلیا، تو اللہ اس کو وہ فضیلت اور ثواب عطاء فرما دے گا، اگرچہ وہ حقیقت کے مطابق نہ ہو'' [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وقال ابن عدی" :وله أحاديث عن ثابت عن أنس غير محفوظة"

ولـما ذكر العجلونی حديث أنس من طريق عباد بن عبد الصمد وذكر بأنه أخرجه كامل الحجدری وابن عبد البر قال " :وأخـرجه غيرهما بأسانيد فيها مقال "يعنی جميع طرق حـديـث أنـس(تحقيق القول بالعمل بالحديث الضعيف،ص ۵۰ الیٰ ۵۲،الباب الثامن: الأحاديث التی استدلوا بها والكلام عليها)

[1] أنا أبو الفوارس طراد بن محمد الزينبی -بمكة فی المسجد الحرام؛ وأبو نصر عبد السيد بن محمد الصباغ -صاحب كتاب الشامل -بأصبهان؛ قالا :ثنا محمد بن الحسين بن الفضل؛ وأخبرنا عاصم بن الحسن ببغداد؛ أنا أبو عمرو بن مهدی؛ قالا :ثنا إسماعيل بن مـحـمـد الـصـفار؛ ثنا الحسن بن عرفة؛ حدثنی خالد بن حيان الرقی :أبو زيد، عن فرات بن سلمان؛ وعيسى بن كثير -كلاهما -عن أبی رجاء عن يحيى بن أبی كثير؛ عن أبـی سـلمة بن عبد الرحمن؛ عن جابر بن عبد الله الأنصاری قال :قال رسول الله صلی الـله عليه وسلم:مـن بلغه عن الله -عز وجل -شـیء فيـه فضيلة فأخذ به إيمانا به؛ ورجاء ثـوابه؛ أعطاه الله ذلک، وإن لم يكن كذلک(الترغيب والترهيب،للأصبهانی، ج ا ص ۹۲، رقم الحديث ۵۷،باب فی الترغيب فی الإيمان وفضله)

حـدثـنـا مـحمد بن هارون الحضرمی، ثنا إسحاق بن أبی إسرائيل، ثنا خالد بن حيان، ثنا الـفـرات بـن سلمان، وعيسى بن كثير، وحدثنا أحمد بن المغلس، ثنا محمد بن شجاع المروزی، ثنا خالد بن حيان الرقی أبو يزيد، عن فرات، وعيسى بن كثير، عن أبی رجاء، عـن يحيى بن أبی كثير، عن أبی سلمة، عن جابر بن عبد الله، قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم : مـن بلغه عن الله عز وجل فضيلة، فأخذ بها إيمانا ورجاء ثوابها، أعطاه الـلــه ذلک، وإن لـم يـكـن كـذلک(شـرح مـذاهـب أهـل السنة ومعرفة شرائع الدين والتـمسک بـالسـنـن،لابـن شاهين، ص ۵٦، ۵۷، رقم الحديث ٦٨،باب الرجاء للعبد فيما بلغه من ثواب الله)

حـدثـنـا الـحسـن بـن عـرفة حـدثنا أبو يزيد خالد بن حيان الرقی، عن فرات بن سلمان، وعيسـى بـن كثيـر، كليهما عن أبی رجاء، عن يحيى بن أبی كثير، عن أبی سلمة بن عبد الرحمن، عن جابر بن عبد الله، قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: من بلغه عن الـلـه عـز وجل شیء فيه فضل فأخذه إيمانا به، ورجاء ثوابه، أعطاه الله عز وجل ذلک، وإن لـم يكن كذلک(جزء الحسن بن عرفة العبدی،لابی علی الحسن بن عرفة بن يزيد العبدی البغدادی،ص۷۸، رقم الحديث ٦٣)

مگر اس حدیث کی سند بھی شدید ضعیف ہے، اور بعض حضرات کے بقول یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے۔ [1]

---

[1] قال الفتنی:

وذكر غير ذلک من الروايات من بلغه عن الله شيء إلخ .أورده عن جابر وفيه أبو جابر الفياض كذاب، وعن ابن عمر وفيه إسماعيل بن يحيى كذاب، وعن أنس وفيه بزيع متروک(تذكرة الموضوعات، ص٢٨، كتاب العلم،باب رواية الحديث والعمل بالضعيف بحسن الظن فإنه ينفع ولو بالحجر)

وقال الشوكانی:

وكذلک ما رواه الحسن بن عرفة عن جابر مرفوعا بنحو الذی قبله؛ لأن فی إسناده كذابا(الفوائد المجموعة للشوكانی، ص٢٨٣، كتاب الفضائل،فی فضائل العلم وما ورد فيه مما لم يصح)

وقال ابن الجوزی:

أنبأنا عمر بن هدية الصواف قال أنبأنا علی بن أحمد بن بيان قال أنبأنا عبدالله بن يحيى عن عبد الجبار السكری قال حدثنا إسماعيل بن محمد الصفار قال حدثنا الحسن بن عرفة وحدثنا خالد بن حسان الرقی عن فرات بن سليمان وعيسى بن كثير كلاهما عن جابر بن عبدالله قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "من بلغه عن الله عزوجل شیء فيه فضيلة فأخذ به إيمانا به ورجاء ثوابه أعطاه لله ذلک إن لم يكن كذلک ."

هذا حديث لا يصح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، ولو لم يكن فی إسناده سوى أبی جابر البياضی .

قال يحيى :وهو كذاب .

وقال النسائی :متروک الحديث .

وكان الشافعی يقول :من حدث عن أبی جابر البياضی بيض الله عينيه(الموضوعات لابن الجوزی، ج ١ ص٢٥٨، كتاب العلم، باب ثواب من بلغه حديث فعمل به)

وقال الالبانی:"

من بلغه عن الله شیء فيه فضيلة فأخذ به إيمانا به ورجاء ثوابه أعطاه الله ذلک وإن لم يكن كذلک ."موضوع.

أخرجه الحسن بن عرفة فی "جزئه "(1/100) وابن الأبار فی "معجمه "(ص 281) وأبو محمد الخلال فی "فضل رجب "(2/15 - 1) ، والخطيب (8/ 296) ، ومحمد بن طولون (953 - 880) فی "الأربعين "(2/15) عن فرات بن سلمان، وعيسى بن كثير، كلاهما عن أبی رجاء ، عن يحيى بن أبی كثير، عن أبی سلمة بن عبد الرحمن، عن جابر بن عبد الله الأنصاری مرفوعا.

ومن هذه الطريق ذكره ابن الجوزی فی "الموضوعات "(1/258) وقال: "لا يصح، أبو رجاء كذاب ."

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ حدیث مروی ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأقره السيوطى فى "اللآلىء "(214/2) ، وأنا لم أعرف أبا رجاء هذا، ثم وجدت الحافظ السخاوى صرح فى "المقاصد "(ص 191) بأنه لا يعرف .وكذا قال فى " القول البديع "(ص 197).

وأما قول المؤرخ ابن طولون:

"هذا حديث جيد الإسناد، وأبو رجاء هو فيما أعلم محرز بن عبد الله الجزرى مولى هشام، وهو ثقة، وللحديث طرق وشواهد ذكرتها فى كتابى "التوشيح لبيان صلاة التسبيح ."فهو بعيد جدا عن قواعد هذا العلم.

فإن محرزا هذا إن سلم أنه أبو رجاء ، فهو يدلس، كما قال الحافظ فى "التقريب "وقد عنعن، فأنى لإسناده الجودة؟ على أننى أستبعد أن يكون أبو رجاء هو محرز هذا، لأسباب :منها أنهم ذكروا فى ترجمته أن من شيوخه، فرات بن سلمان، والواقع فى هذا الإسناد خلافه، أعنى أن فرات بن سلمان هو راوى الحديث عنه، إلا أن يقال :إنه من رواية الأكابر عن الأصاغر، وفيه بعد .والله أعلم.

ويؤيد أنه ليس به، أننى رأيت على هامش "جزء ابن عرفة " :"العطاردى "إشارة إلى أن هذا نسبه، ولكن لم يوضع بجانبها حرف "صح "إشارة إلى أن هذه النسبة هى من أصل الكتاب سقطت من قلم الناسخ، فاستدركها على الهامش كما هى عادتهم، فإذا لم يشر إلى أنها من الأصل، فيحتمل أن تكون وضعت عليه تبيينا وتوضيحا، لا على أنها من الأصل، ولعلنا نعثر على نسخة أخرى لهذا الجزء فنتبين حقيقة هذه الكلمة .والله أعلم.

ثم رأيت الحديث قد أخرجه الحافظ القاسم ابن الحافظ ابن عساكر فى "الأربعين " للسلفى (1/11) من الطريقين عن أبى رجاء به وقال ":وهذا الحديث أيضا فيه نظر، وقد سمعت أبى رحمه الله يضعفه ."

ثم أورده ابن الجوزى من رواية الدارقطنى بسنده عن ابن عمر، وفيه إسماعيل بن يحيى، قال ابن الجوزى " :كذاب "، ومن رواية ابن حبان من طريق يزيع أبى الخليل عن محمد بن واسع، وثابت بن أبان (كذا الأصل، ولعله ابن أسلم، فإنى لا أعرف فى الرواة ثابت بن أبان) عن أنس مرفوعا .وقال ابن الجوزى ":بزيع متروك ."

قلت :قال الذهبى فى ترجمته ":متهم، قال ابن حبان :يأتى عن الثقات بأشياء موضوعة كأنه المتعمد لها ."

وقال فى "الضعفاء ":"متروك ."

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

''جس کو اللہ کی طرف سے کوئی فضیلت والا عمل پہنچا، اور اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے کسی نے اس پر عمل کیا، تو اللہ اس کو وہ ثواب عطاء فرمادے گا، اگرچہ وہ بات جو اس کے پاس پہنچی، حق نہ ہو'' ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وفی "اللسان" للحافظ ابن حجر ":وقال الدارقطني :كل شيء يرويه باطل .وقال الحاكم :يروى عن الثقات أحاديث موضوعة ."

قلت :ومن طريقه أخرجه أبو يعلى، والطبراني في "الأوسط" بنحوه، كما في "المجمع "(149/1) ، وسنذكره بعد هذا.

ثم إن السيوطي تعقب ابن الجوزي، فساق لحديث أنس طريقا آخر فيه متهم أيضا، كما يأتي بيانه في الحديث الذي بعده، وذكر كذلك طريقا أخرى لحديث ابن عمر من رواية الوليد بن مروان عنه، وسكت عنه، والوليد هذا مجهول، كما قال ابن أبي حاتم (4/ 2/ 18) عن أبيه، وكذا قال الذهبي، والعسقلاني .ثم إن فيه انقطاعا، فإن الوليد هذا روى عن غيلان بن جرير، وغيلان لم يروعن غير أنس من الصحابة، فهو من صغار التابعين، فالوليد على هذا من أتباعهم لم يدرك الصحابة، فثبت انقطاع الحديث.

ومن عجائب السيوطي أنه ساق بعد هذا قصة عن حمزة بن عبد المجيد.

خلاصتها :أنه رأى النبي صلى الله عليه وسلم في المنام فسأله عن هذا الحديث، فقال : "إنه لمني وأنا قلته ."

ومن المقرر عند العلماء أن الرؤيا لا يثبت بها حكم شرعي، فبالأولى أن لا يثبت بها حديث نبوي، والحديث هو أصل الأحكام بعد القرآن.

وبالجملة، فجميع طرق هذا الحديث لا تقوم بها حجة، وبعضها أشد ضعفا من بعض، وأمثلها -كما قال الحافظ ابن ناصر الدين في "الترجيح - "طريق أبي رجاء ، وقد عرفت وهاء ها، ولقد أصاب ابن الجوزي في إيراده إياه في "الأحاديث الموضوعة "، وتابعه على ذلك الحافظ ابن حجر، فقال، كما سبق في الحديث الذي قبله " :لا أصل له ."

وكفى به حجة في هذا الباب، ووافقه الشوكاني أيضا كما سيأتي في الحديث الذي بعده(سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة، تحت رقم الحديث ۴۵۱)

؎ حدثنا عبد الله بن سليمان بن الأشعث، ثنا علي بن الحسين المكتب، ثنا إسماعيل بن يحيى بن عبيد الله، ثنا مسعر بن كدام، عن عطية العوفي، عن ابن عمر، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: من بلغه عن الله فضل شيء من الأعمال يعطيه عليها ثواب عمل ذلك العمل رجاء ذلك الثواب، أعطاه الله ذلك الثواب، وإن لم يك ما بلغه حقا (شرح مذاهب أهل السنة ومعرفة شرائع الدين والتمسك بالسنن،لابن شاهين، ص۵۷، رقم الحديث ۶۹،باب الرجاء للعبد فيما بلغه من ثواب الله)

لیکن اس حدیث کی سند میں بھی ''متھم بالکذب'' راوی موجود ہے۔ [1]

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ حدیث مروی ہے کہ:

''جس کو اللہ کی طرف سے کوئی ترغیب والی بات پہنچ گئی، پھر اس نے اس کے ثواب کو طلب کیا، تو اللہ اس کا اجر عطاء فرمادے گا، میں نے وہ بات کہی ہو، یا نہ کہی ہو، پس وہ بات میری ہی کہی ہوئی شمار ہوگی'' [2]

---

[1] قال الشوكاني:
رواه الدارقطني عن ابن عمر مرفوعا بلفظ :من بلغه عن الله فضل شيء من الأعمال يعطيه عليها ثوابا، فعمل ذلك العمل رجاء ذلك الثواب، أعطاه الله ذلك الثواب، وإن لم يكن ما بلغه حقا؛ لأن في إسناده إسماعيل بن يحيى، وهو كذاب(الفوائد المجموعة للشوكاني، ص٢٨٣، كتاب الفضائل،في فضائل العلم وما ورد فيه مما لم يصح)
وقال عبد العزيز عبد الرحمن بن محمد العثيم:
وحديث ابن عمر رضى الله عنهما :أخرجه المرهبي في فضل العلم والدارقطني أورده السيوطي وذكره ابن عراق.قال المرهبي " :حدثنا أبو عبد الله أحمد بن محمد النخعي حدثنا عثمان بن أبي شيبة حدثنا شبابة حدثنا ابن أبي بلال عن الوليد بن مروان عن غيلان بن جرير عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من بلغه شيء من الأحاديث التي يرجى فيها الخير فقاله ينوى به ما بلغه أعطيه وإن لم يكن."
وهو مروى من حديثه من طريقين:
في أحدهما الذى أخرجه المرهبي الوليد بن مروان قال فيه ابن عراق " :مجهول" قلت :وهو كما قال وهو منقطع أيضاً لأن غيلان بن جرير من صغار التابعين ولم يرو عن أحد من الصحابة سوى أنس بن مالك وروايته عن كبار التابعين.
وفي الثاني الذى أخرجه الدارقطني، إسماعيل بن يحيى قال الذهبي فيه " :مجمع على تركه "وقال ابن ناصر الدين" :متروك"وقال الشوكاني " :هو كذاب(تحقيق القول بالعمل بالحديث الضعيف،ص٥٢،الباب الثامن:الأحاديث التي استدلوا بها والكلام عليها)

[2] حدثنا زيد بن خلف القرشي، بمصر، ثنا أحمد بن عبد الرحمن بن وهب، ثنا عمي، قال: حدثني الماضي بن محمد، عن جويبر، عن الضحاك، عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من بلغه عن الله رغبة، فطلب ثوابها، أعطاه الله أجرها، وإن لم تكن الرغبة على ما بلغه، قلته أو لم أقله فأنا قلته(شرح مذاهب أهل السنة ومعرفة شرائع الدين والتمسك بالسنن،لابن شاهين، ص٥٨، رقم الحديث ٧١،باب الرجاء للعبد فيما بلغه من ثواب الله)

لیکن اس روایت کی سند میں بھی شدید ضعف پایا جاتا ہے۔ [1]

غرضیکہ مذکورہ روایات میں سے کوئی روایت بھی سند کے لحاظ سے اس قابل نہیں کہ اس سے زیرِ بحث موقف پر استدلال کیا جاسکے، جبکہ ان کے مقابلہ میں صحیح ترین احادیث ایسی موجود ہیں، جو اس موقف کی واضح تردید کرتی ہیں، اور صحیح وصریح اسناد پر مشتمل احادیث کے مقابلہ میں ضعیف سند پر مشتمل حدیث قابلِ اعتبار نہیں ہوا کرتی۔ [2]

---

[1] قال عبد العزيز عبد الرحمن بن محمد العثيم:

وحديث ابن عباس رضي الله عنهما :ذكره ابن ناصر الدين الدمشقي من طريق إسماعيل بن أبي زياد عن جويبر عن الضحاک عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من بلغه عن الله عز وجل رغبة فطلب ثوابها أعطاه الله أجرها وإن لم تكن الرغبة على ما بلغته "وفيه قال ابن عباس" :والله الذي لا إله إلاّ هو ما سمعت منه حديثاً قط أقر لعيني منه الحديث ."وأشار إليه السخاوي وابن عراق.

وفيه جويبر بن سعيد البلخي متروک وكان يحيى القطان يرى التساهل في أخذ التفسير عنه وأضرابه كليث بن أبي سليم وحمد بن السائب الكلبي.

وفي الجملة فهذا حديث لا يصح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الشوكاني: "والقلب يشهد بوضع ما ورد في هذا المعنى وبطلانه"

وقال ابن حجر " :لا أصل له"(تحقيق القول بالعمل بالحديث الضعيف، ص۵۳،الباب الثامن: الأحاديث التي استدلوا بها والكلام عليها)

[2] خبر " :من بلغه من الله فضيلة فأخذ بها أعطاه الله ذلک ."فيه يسر بن عبيد متروک، وله طرق أخرى لا تخلو من متروک ومجهول(أسنى المطالب في أحاديث مختلفة المراتب لمحمد بن محمد الدرويش الحوت، ص۲۶۵، تحت رقم الحديث ۱۳۶۸، حرف الميم)

"لواعتقد أحدكم بحجر لنفعه ."موضوع.كما قال ابن تيمية، وغيره.قال الشيخ علي القاري في " موضوعاته "(ص 66) : وقال ابن القيم :هو من كلام عباد الأصنام الذين يحسنون ظنهم بالأحجار .وقال ابن حجر العسقلاني :لا أصل له، ونحوه :من بلغه شيء عن الله فيه فضيلة ." .. قلت :يعني الحديث الآتي بعد(سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة، تحت رقم الحديث ۴۵۰)

وفي المقاصد من بلغه عن الله شيء فيه فضيلة فأخذ به إيمانا به ورجاء ثوابه أعطاه الله ثواب ذلک وإن لم يكن كذلک في سنده متروک وله شواهد لو أحسن أحدكم ظنه بحجر نفعه به قال ابن تيمية كذب، وقال شيخنا لا أصل له، قلت ونحوه من بلغه عن الله إلخ .ولا يصح، وقال عبد البر أنهم يتساهلون في أحاديث الفضل قال أحقر عباده يجيء في باب المرض العمل بالضعيف ومن ابتلي بتهاونه به، وفي الذيل من أحسن ظنه بحجر نفعه الله به قال ابن تيمية موضوع وهو كما قال(تذكرة الموضوعات للفتني، ص۲۸، كتاب العلم،باب رواية الحديث والعمل بالضعيف بحسن الظن فإنه ينفع ولو بالحجر)

اس فصل کا خلاصہ

اس فصل کا خلاصہ یہ نکلا کہ جھوٹی حدیث بیان کرنے کے جائز ہونے کے متعلق جتنی احادیث وروایات سے استدلال کیا جاتا ہے، وہ سب کی سب یا تو سند کے اعتبار سے جھوٹی، یا شدید ضعیف ہیں، یا پھر ضعیف ہیں، جن سے کسی ایسے حرام فعل کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا، جس کا حرام اور کبیرہ ترین گناہ، اور شدید ترین عذاب کا باعث ہونا، کثیر اور صحیح احادیث سے ثابت ہو، اوپر سے بعض روایات سے مذکورہ استدلال کا درست ہونا ثابت بھی نہ ہوتا ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ جن اہلِ باطل لوگوں نے نفس وشیطان کی اتباع میں احادیث گھڑنے کے گمراہ ترین، اور جہنم میں پہنچانے والے راستہ کو اختیار کیا، ان ہی کی طرف سے احادیث گھڑنے کے جائز ہونے کی مختلف احادیث وروایات کو بھی اپنے مذموم مقاصد کے لئے گھڑا گیا، یا غلط طریقہ پر استدلال کیا گیا، جو بعد کے بعض اہلِ حق حضرات کی طرف بھی ایسے طریقہ پر منتقل ہوگیا، جس کی ان کو خبر بھی نہیں ہوئی، اور انہوں نے بھی اپنی کتب میں اس قسم کے بعض مستدلات کو ذکر کردیا۔

اس سلسلہ میں محی الدین یحییٰ بن شرف نووی (المتوفیٰ:676ھ) نے صحیح مسلم کی شرح میں نہایت محققانہ کلام فرمایا ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنے کے حرام ہونے میں اس کے درمیان کوئی فرق نہیں کہ وہ احکام میں ہو، یا ایسی چیز میں ہو، جس میں کوئی حکم نہیں، جیسا کہ ترغیب وترہیب، اور مواعظ وغیرہ، پس ان سب میں جھوٹ حرام، اور کبیرہ ترین گناہ، اور قبیح ترین فعل ہے، جس پر ان تمام مسلمانوں کا اجماع ہے، جن کا اجماع میں اعتبار کیا جاتا ہے۔

صرف اہلِ بدعت کی کرامیہ نام کی ایک جماعت نے اس سے اختلاف کیا ہے، جن

کا باطل گمان یہ ہے کہ ترغیب وترہیب کے سلسلہ میں حدیث کو گھڑنا جائز ہے۔
ان کی بعض جہلاء نے اتباع کی، جو اپنے آپ کو زہد وتصوف وغیرہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور انہوں نے اپنے باطل گمان کے لئے انتہائی کمزور اور رکیک ترین دلائل سے استدلال کیا، اور ان کا یہ استدلال قرآن مجید، سنتِ متواترہ واحادیثِ صحیحہ، اور اجماعِ امت کے خلاف ہے، اور عقلِ سلیم کے بھی صریح منافی ہے، جن کے متعلق محققین نے کلام کیا ہے''۔ [1]

---

[1] لافرق فی تحریم الکذب علیه صلی الله علیه وسلم بین ما کان فی الأحکام وما لا حکم فیه کالترغیب والترهیب والمواعظ وغیر ذلک فکله حرام من أکبر الکبائر وأقبح القبائح بإجماع المسلمین الذین یعتد بهم فی الإجماع.
خلافا للکرامیة الطائفة المبتدعة فی زعمهم الباطل أنه یجوز وضع الحدیث فی الترغیب والترهیب وتابعهم علی هذا کثیرون من الجهلة الذین ینسبون أنفسهم إلی الزهد أو ینسبهم جهلة مثلهم وشبهة زعمهم الباطل أنه جاء فی روایة من کذب علی متعمدا لیضل به فلیتبوأ مقعده من النار وزعم بعضهم أن هذا کذب له علیه الصلاة والسلام لا کذب علیه وهذا الذی انتحلوه وفعلوه واستدلوا به غایة الجهالة ونهایة الغفلة وأدل الدلائل علی بعدهم من معرفة شیء من قواعد الشرع وقد جمعوا فیه جملا من الأغالیط اللائقة بعقولهم السخیفة وأذهانهم البعیدة الفاسدة فخالفوا قول الله عز وجل ولا تقف ما لیس لک به علم إن السمع والبصر والفؤاد کل أولئک کان عنه مسؤلا وخالفوا صریح هذه الأحادیث المتواترة والأحادیث الصریحة المشهورة فی إعظام شهادة الزور وخالفوا إجماع أهل الحل والعقد وغیر ذلک من الدلائل القطعیات فی تحریم الکذب علی آحاد الناس فکیف بمن قوله شرع وکلامه وحی وإذا نظر فی قولهم وجد کذبا علی الله تعالی قال الله تعالی وما ینطق عن الهوی إن هو إلا وحی یوحی ومن أعجب الأشیاء قولهم هذا کذب له وهذا جهل منهم بلسان العرب وخطاب الشرع فإن کل ذلک عندهم کذب علیه.
وأما الحدیث الذی تعلقوا به فأجاب العلماء عنه بأجوبة أحسنها وأخصرها أن قوله لیضل الناس زیادة باطلة اتفق الحفاظ علی إبطالها وأنها لا تعرف صحیحة بحال.
الثانی: جواب أبی جعفر الطحاوی أنها لو صحت لکانت للتأکید کقول الله تعالی فمن أظلم ممن افتری علی الله کذبا لیضل الناس.
الثالث: أن اللام فی لیضل لیست لام التعلیل بل هی لام الصیرورة والعاقبة معناه أن عاقبة کذبه ومصیره إلی الإضلال به کقوله تعالی فالتقطه آل فرعون لیکون لهم عدوا وحزنا ونظائره فی القرآن وکلام العرب أکثر من أن یحصر وعلی هذا یکون معناه فقد یصیر أمر کذبه إضلالا وعلی الجملة مذهبهم أرک من أن یعتنی بإیراده وأبعد من أن یهتم بإبعاده وأفسد من أن یحتاج إلی إفساده والله أعلم(شرح النووی علیٰ مسلم، ج ۱، ص ۷۰و ۷۱ ''مقدمات''باب تغلیظ الکذب علی رسول الله صلی الله علیه وسلم)

(باب نمبر 2)

ضعیف وموضوع حدیث اوران کی شرائط کی تحقیق

اب اس باب میں موضوع اور خاص طور پر ضعیف احادیث کی حیثیت ،اور ان کو بیان کرنے ،اوران کے قابلِ عمل ہونے نہ ہونے کے بارے میں کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے، کیونکہ اس بارے میں ہمارے یہاں عوامی اورعلمی اعتبار سے کئی قسم کی غلط فہمیاں پیدا ہوکر فکری وعملی خرابیاں رائج ہوچکی ہیں،جن کو سمجھنااوران سے بچنا، بچانا ضروری ہے۔

ملاعلی قاری کا حوالہ

ملاعلی قاری حنفی (المتوفٰی:1014ھ)''مشکاۃُ المصابح'' کی شرح''مرقاۃُ المفاتیح''میں فرماتے ہیں:

لا یحدث عنه إلا بما ثبت عنه، وذلک الثبوت إنما یکون بنقل الإسناد، وفائدته أنه لو روی عنه ما یکون معناه صحیحا لکن لیس له إسناد فلا یجوز أن یحدث به عنه، واللام فی الإسناد للعهد، أی :الإسناد المعتبر عند المحدثین، وإلا فقد یکون للحدیث الموضوع إسناد أیضا .قال عبد الله بن المبارک :الإسناد من الدین ولولا الإسناد لقال من شاء ما شاء (مرقاة المفاتیح، ج ا، ص ۲۸۲، کتاب العلم)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے وہی حدیث بیان کی جائے گی، جوآپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو،اور یہ ثبوت بس''معتبراسناد کی نقل'' کے ذریعہ ہوگا،اوراس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے ایسی بات مروی ہے،جس کے معنیٰ تو صحیح ہیں،لیکن اس کی سند نہیں ہے،تو پھراس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرکے بیان کرنا جائز نہ ہوگا،اور''الاسناد''میں لام،دراصل''عہد'' کا ہے،جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی سند محدثین کے نزدیک

معتبر ہو، ورنہ تو ''موضوع حدیث'' کی بھی سند ہوا کرتی ہے، عبداللہ ابنِ مبارک نے فرمایا کہ ''اسناد'' دین کا حصہ ہے، اور اگر اسناد نہ ہوتی، تو جو شخص بھی جو بات چاہتا، وہ بات کہہ دیتا (مرقاۃ)

ملاعلی قاری کا دوسرا حوالہ

اور ملاعلی قاری ''مرقاۃُ المفاتیح'' میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

اعلم أن الحديث الضعيف يعمل به فی فضائل الأعمال (مرقاۃ المفاتیح، ج ۲، ص ۷۷۳، کتاب الصلاۃ، باب الذکر بعد الصلاۃ)

ترجمہ: یہ بات جان لینی چاہیے کہ ضعیف حدیث پر ''فضائلِ اعمال'' میں عمل کیا جاتا ہے (مرقاۃ)

ملاعلی قاری کا تیسرا حوالہ

اور ملاعلی قاری ''مرقاۃُ المفاتیح'' میں ہی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

فهو لم يشتد ضعفه لتعدد طرقه السابقة فيكون حجة فی فضائل الأعمال (مرقاۃ المفاتیح، ج ۱، ص ۳۹۰، کتاب الطہارۃ، باب آداب الخلاء)

ترجمہ: پس یہ حدیث شدید ضعیف نہیں ہے، کیونکہ اس کے ماقبل میں ذکر شدہ متعدد طرق ہیں، تو یہ حدیث ''فضائلِ اعمال'' میں حجت ہوگی (مرقاۃ)

ملاعلی قاری کا چوتھا حوالہ

اور ''مرقاۃُ المفاتیح'' میں ہی ایک اور مقام پر ملاعلی قاری فرماتے ہیں:

والظاهر أن العمل بالحديث الضعيف محله إذا لم يكن مخالفا للحديث الصحيح أو الحسن...... وأيضا إنما يعمل بالحديث الضعيف فی فضائل الأعمال الثابتة بأدلة أخرى، وهاهنا هذا الحكم ابتدائی (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج ۲، ص ۴۷۸، کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین)

ترجمہ: اور ظاہر یہ ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل کا محل یہ ہے کہ جب وہ ''حدیثِ

صحیح'' یا ''حدیثِ حسن'' کے مخالف نہ ہو......اور نیز ضعیف حدیث پر صرف ان اعمال کی فضیلتوں میں عمل کیا جاتا ہے، جو دوسرے دلائل سے ثابت ہوں، جبکہ یہاں یہ حکم ابتدائی ہے (اس لیے فضیلت میں بھی معتبر نہیں) (مرقاۃ)

ملا علی قاری کا پانچواں حوالہ

اور ملا علی قاری ''شرح نخبۃُ الفکر'' میں فرماتے ہیں:

لم یوردها في المتن إشارة إلى أن الحديث ضعيف، فلم يجب العمل به وأوردها في خطبة الشرح إيماء إلى أن الحديث الوارد في فضائل الأعمال يستحسن العمل به، وإن كان ضعيفا (شرح نخبة الفكر في مصطلحات أهل الأثر، ص ۱۳۲، مقدمة المؤلف)

ترجمہ: اس کو (ابنِ حجر عسقلانی) متن میں نہیں لائے، اس بات کی طرف اشارہ کرنے کی وجہ سے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس لئے اس پر عمل واجب نہیں، اور اس حدیث کو ''خطبۂ شرح'' میں اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے لائے کہ جو حدیث فضائلِ اعمال کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہو، اس پر عمل کرنا مستحسن ہے، اگرچہ وہ حدیث ضعیف ہو (شرح نخبہ)

علامہ ابنِ نجیم کا حوالہ

علامہ ابنِ نجیم حنفی (المتوفیٰ: 970ھ) فرماتے ہیں:

والمنقول في الاصول ان الضعيف اذا تعددت طرقه يصير حسنا اذا كان ضعفه بغير الفسق (البحر الرائق، ج۳، ص ۱۵۲، كتاب النكاح، باب المهر)

ترجمہ: اصولِ حدیث میں یہ بات منقول ہے کہ ضعیف حدیث جب ایک سے زیادہ طریقوں وسندوں سے مروی ہو، تو وہ حسن کا درجہ حاصل کر لیتی ہے، بشرطیکہ اس کا ضعف راوی کے فسق (جھوٹ وغیرہ) کے علاوہ کسی اور (مثلاً حافظہ کی کمزوری کی) وجہ سے ہو (بحر)

علامہ شرنبلالی کا حوالہ

علامہ شرنبلالی حنفی (المتوفیٰ:1069ھ) ''دررُ الحکام'' کے حاشیہ ''غنیة ذوی الأحکام فی بغیة درر الأحکام'' میں فرماتے ہیں:

واعلم أن شرط العمل بالحديث الضعيف عدم شدة ضعفه وأن يدخل تحت أصل عام وأن لا تعتقد سنية ذلک الحديث (حاشية الشرنبلالی علیٰ دررالحکام شرح غرر الاحکام، ج ا ص ۱۲، کتاب الطهارة، باب مستحبات الوضوء)

ترجمہ: اور جاننا چاہئے کہ ضعیف حدیث پر عمل کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ حدیث زیادہ شدید ضعیف نہ ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ شریعت کے عام قاعدہ کے تحت داخل ہو اور تیسری شرط یہ ہے کہ اس حدیث کے سنت ہونے کا اعتقاد نہ رکھا جائے (ان شرائط کے بغیر ضعیف حدیث پر عمل جائز نہیں) (دررالحکام)

علامہ حصکفی کا حوالہ

علامہ حصکفی حنفی (المتوفیٰ:1088ھ) فرماتے ہیں:

شرط العمل بالحديث الضعيف عدم شدة ضعفه، وأن يدخل تحت أصل عام، وأن لا يعتقد سنية ذلک الحديث.

وأما الموضوع فلا يجوز العمل به بحال ولا روايته، إلا إذا قرن ببيانه (الدرالمختار مع شرحه رد المحتار، ج ا ص۱۲۸، کتاب الطهارة، سنن الوضوء)

ترجمہ: اور ضعیف حدیث پر عمل کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ وہ حدیث زیادہ شدید ضعیف نہ ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ شریعت کے عام قاعدہ کے تحت داخل ہو، اور تیسری شرط یہ ہے کہ اس حدیث کے سنت ہونے کا اعتقاد نہ رکھا جائے۔

اور رہی موضوع (گھڑی ہوئی) حدیث تو اس پر کسی حال میں بھی عمل جائز نہیں، اور نہ اس کو روایت کرنا جائز ہے، مگر جبکہ اس کے موضوع (گھڑی ہوئی) ہونے کو ساتھ ہی بیان کر دیا جائے (الدرالمختار)

علامہ ابنِ عابدین شامی کا حوالہ

اورعلامہ ابنِ عابدین شامی (المتوفی:1252ھ) اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

(قوله: عدم شدة ضعفه) شديد الضعف هو الذى لا يخلو طريق من طرقه عن كذاب أو متهم بالكذب قاله ابن حجر ط .
قلت: مقتضى عملهم بهذا الحديث أنه ليس شديد الضعف فطرقه ترقيه إلى الحسن (قوله: وأن لا يعتقد سنية ذلك الحديث) أى سنية العمل به . وعبارة السيوطى فى شرح التقريب: الثالث أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته بل يعتقد الاحتياط، وقيل: لا يجوز العمل به مطلقا، وقيل: يجوز مطلقا. اهـ .
(قوله: أما الموضوع) أى المكذوب على رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو محرم إجماعا، بل قال بعضهم: إنه كفر .قال: عليه الصلاة والسلام من قال على ما لم أقل فليتبوأ مقعده من النار ط (قوله: بحال) أى ولو فى فضائل الأعمال .قال ط أى حيث كان مخالفا لقواعد الشريعة، وأما لو كان داخلا فى أصل عام فلا مانع منه لا لجعله حديثا بل لدخوله تحت الأصل العام اهـ تأمل (قوله: إلا إذا قرن) أى ذلك الحديث المروى ببيانه أى بيان وضعه.
أما الضعيف فتجوز روايته بلا بيان ضعفه، لكن إذا أردت روايته بغير إسناد فلا تقل قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا وما أشبهه من صيغ الجزم، بل قل روى كذا وبلغنا كذا أو ورد أو جاء أو نقل عنه وما أشبهه من صيغ التمريض، وكذا ما شك فى صحته وضعفه كما فى التقريب (ردالمحتار، ج ١، ص ١٢٨ ، كتاب الطهارة، سنن الوضوء)

ترجمہ: اور مصنف کا یہ قول کہ شدید ضعیف نہ ہو، شدید ضعیف حدیث کا کوئی طریقہ کذاب، یا کذب کے ساتھ متہم راوی سے خالی نہیں ہوتا، ابنِ حجر نے یہ بات فرمائی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ علماء کے اس حدیث پر عمل کرنے کا مقتضیٰ کہ وہ شدید ضعیف نہ ہو، یہ ہے کہ اس کی ایک سے زیادہ سندیں، اس کو ''حسن درجہ'' تک پہنچا دیتی ہیں۔

اور یہ کہنا کہ اس حدیث کے سنت ہونے کا اعتقاد نہ رکھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ

اس حدیث پرعمل کوسنت نہ سمجھے،اورسیوطی کی''شـرح التقریب '' کی عبارت یہ ہے کہ تیسری شرط یہ ہے کہ اس پرعمل کے وقت اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھے، بلکہ احتیاط کاعقیدہ رکھے۔

اور(ضعیف حدیث کے بارے میں) یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس پر بالکل بھی عمل نہیں کیا جاسکتا،اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ پوری طرح عمل کیا جاسکتا ہے،سیوطی کی عبارت ختم ہوئی۔

اور یہ کہنا کہ''موضوع حدیث''اس کا مطلب یہ ہے کہ جورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پرجھوٹ باندھی گئی حدیث ہے،اور یہ عمل بالاجماع حرام ہے، بلکہ بعض نے یہاں تک بھی فرمادیا کہ یہ(یعنی حدیث گھڑنا) کفریہ فعل ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میرے متعلق وہ بات کہی، جو میں نے نہیں کہی،تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے''طحطاوی''میں اسی طرح ہے۔

اور یہ کہنا کہ موضوع پرعمل کسی حال میں بھی جائز نہیں،اس کا مطلب یہ ہے کہ فضائلِ اعمال میں بھی جائز نہیں،علامہ طحطاوی نے اس موقع پر یہ کہا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے،جبکہ یہ موضوع حدیث، شرعی قواعد کے خلاف ہو،لیکن اگر عام قاعدہ کے تحت داخل ہو،تو اس پرعمل کرنے میں کوئی مانع نہیں،اس کو حدیث قرار دینے کی بناء پرنہیں، بلکہ اس کے عام قاعدہ کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے۔

طحطاوی کی اس بات پرآپ کوغورکرلینا چاہیے۔

اور یہ کہنا کہ''الا یہ کہ اس کے ساتھ شامل کرلیا جائے''اس کا مطلب یہ ہے کہ جو حدیث مروی ہے،اس کے گھڑی ہوئی ہونے کا بیان شامل کر کے ہی اس کو ذکر ونقل کرنا جائز ہے(اس کے بغیر جائز نہیں)

جہاں تک ضعیف کا تعلق ہے،تو ضعیف حدیث کو اس کا ضعف بیان کئے بغیر

روایت ونقل کرنا جائز ہے، لیکن جب آپ بغیر سند کے اس کو روایت کریں، تو آپ یہ نہ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا، یا اس جیسا کوئی یقینی جملہ استعمال نہ کریں، بلکہ یہ کہیں کہ اس طرح روایت کیا گیا ہے، یا اس طرح وارد ہوا ہے، یا اس طرح آیا ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح نقل کیا گیا ہے، اور جو بھی ضعیف صیغوں کے مشابہ جملے ہوں، وہ استعمال کریں، اور یہی حکم ہے، اس حدیث کا بھی جس کے صحیح اور ضعیف ہونے میں شک ہو ''التقریب'' نامی کتاب میں اسی طرح سے ہے (ردالمحتار)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ ثبوت کا عقیدہ نہ رکھنے کا مطلب یہی ہے کہ اس کے سنت ہونے کا عقیدہ نہ رکھے، کیونکہ سنت کا مطلب بھی یہ ہے کہ وہ عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، جب کہ ضعیف حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثبوت نہیں ہوتا، اس لئے اس کو سنت بھی نہیں کہا جا سکتا۔

پس بعض حضرات نے اس شرط کی تعبیر ''عدمِ ثبوت'' کے عقیدہ سے، اور بعض نے ''عدمِ سنیت'' کے عقیدہ سے کی، دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

اور مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو حدیث ضعیف ہو، اور اسی طرح، جس حدیث کے صحیح ہونے میں شک ہو، اس کو جب سند کے ساتھ بیان کیا جائے، تو ضعف کو بیان کرنا ضروری نہیں، اور جب سند کے بغیر بیان کیا جائے، تو مخصوص صیغوں کے ذریعہ اس کے ضعف کی نشان دہی ضروری ہے۔

اس موقع پر یہ جان لینا ضروری ہے کہ حدیث کے ضعف کو بیان کرنے کے حسبِ حال مختلف طریقے ہو سکتے ہیں، جو اصحابِ علم نے حسبِ موقعہ بیان فرمائے ہیں، کسی نے کوئی طریقہ، اور کسی نے کوئی دوسرا طریقہ بیان کیا، سب کا مقصود ایک ہی ہے۔

حدیث کے ضعف کو بیان کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس حدیث کی مکمل سند کو بیان

کر دیا جائے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ طریقہ ان لوگوں کے لئے مفید ہے، جو سند کے راویوں کے نام سے ضعف کا علم حاصل کر سکتے ہوں۔

حدیث کے ضعف کو بیان کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو الفاظ ''ضعف'' پر دلالت کرتے ہوں، ان الفاظ سے ان کو بیان کیا جائے، مثلاً ''رُوِیَ'' وغیرہ۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ طریقہ ان لوگوں کے لئے مفید ہے، جو ان الفاظ سے حدیث کے ضعیف ہونے کو پہچان لیتے ہوں۔

اور جہاں حدیث کے ضعیف ہونے کا مذکورہ طریقوں سے پتہ نہ چلے، بلکہ ضعیف کو صحیح سمجھنے کا خطرہ ہو، جیسا کہ آج کل عوام کی حالت ہے، تو وہاں ضعیف حدیث کو بیان کرتے وقت اس کے ضعیف ہونے کو واضح کرنا ضروری ہو جائے گا، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

جہاں تک مذکورہ عبارت میں علامہ طحطاوی کی نقل کردہ اس بات کا تعلق ہے کہ موضوع حدیث پر اس وقت عمل جائز نہیں، جبکہ وہ موضوع حدیث شرعی قواعد کے خلاف ہو، الخ۔

تو فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا محمد یونس جونپوری رحمہ اللہ (سابق شیخ الحدیث: جامعہ مظاہر علوم، سہارنپور، انڈیا) اپنے ایک محققانہ رسالہ میں طحطاوی کی مذکورہ عبارت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

> بندہ کے خیال میں علامہ طحطاوی کا کلام صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ جب موضوع روایت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہی نہیں ہے، تو اس پر عمل کیسے جائز ہو سکتا ہے اور اگر وہ اصلِ عام کے تحت داخل ہے، تو عمل اس عام پر ہوگا، نہ اس باطل موضوع روایت پر، غالباً علامہ شامی نے ''فتأمل'' سے اسی طرف اشارہ کیا ہے (الیواقیت الغالیۃ فی تحقیق وتخریج الاحادیث العالیۃ، ج۲ص۳۰۵، مضمون ''۱۵ شعبان کا قیام اور روزہ مستحب ہے، یا بدعت''، جواب، سوال نمبر 2، ضعیف اور موضوع روایتوں کا اعمال میں کیا حکم

ہے؟ حدیثِ موضوع کی بحث ناشر: مجلس دعوۃ الحق، انگلینڈ، مطبوعہ: ایچ ایس آفسٹ پرنٹرز، نئی دہلی۲)

اور اگر چہ طحطاوی نے خود یہ قید لگا دی ہے کہ ”اگر عام قاعدہ کے تحت داخل ہو، تو اس پر عمل کرنے میں کوئی مانع نہیں، اس کو حدیث قرار دینے کی بناء پر نہیں، بلکہ اس کے عام قاعدہ کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے“ لیکن ظاہر ہے کہ جب تک اس موضوع وخود ساختہ روایت کا تصور پیشِ نظر ہے، اس وقت تک اس پر عمل کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی، کیونکہ اس کو بیان وروایت کرنے کا مقصد بھی اس کی تردید ہوتی ہے، جس کے ضمن میں اس پر عمل کی تردید بھی ہوجاتی ہے۔

اور جہاں تک اس حدیث کو ملاحظہ کئے بغیر کسی کا مباح ومشروع درجہ کا کوئی بھی عمل کرنے کا تعلق ہے، تو وہ دوسرے مشروع ومباح اعمال کی طرح کا ایک عمل ہوگا، جس کو اس حدیث سے کوئی مس وتعلق نہ ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ امت میں بہت سے مخترعات وبدعات پر مشتمل اعمال اسی طرح کی موضوع روایات کی بنیاد پر جاری ہیں، جن کو جدوجہد کے باوجود ختم کرنا مشکل ہوتا ہے، اس لئے سرے سے اس فاسد مادہ کی گنجائش پیدا کرنے سے بچنے کی ضرورت ہے، اور ہمیں فضیلۃ الشیخ موصوف رحمہ اللہ کے مذکورہ موقف سے اتفاق ہے۔

علامہ ابنِ عابدین شامی کا دوسرا حوالہ

علامہ ابنِ عابدین شامی ”ردالمحتار“ میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

وأما حديث لو مد مسجدي هذا إلى صنعاء كان مسجدي فقد اشتد ضعف طرقه، فلا يعمل به في فضائل الأعمال (ردالمحتار، ج ۱، ص ۴۲۷، كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة)

ترجمہ: اور جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے کہ اگر میری اس مسجد (نبوی) کو صنعاء مقام تک کھینچا جائے، تو میری مسجد ہی شمار ہوگی، تو اس کی سندیں شدید ضعیف ہیں، اس لئے فضائلِ اعمال میں بھی قابلِ عمل نہیں (ردالمحتار)

احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی کا حوالہ

احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی حنفی (المتوفیٰ:1231ھ) فرماتے ہیں:

إذا أردت رواية حديث ضعيف بغير إسناد فلا تقل قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وما أشبه ذلک من صيغ الجزم بل قل روى عنه كذا أو بلغنا أو ورد أو جاء أو نقل وما أشبهه من صيغ التمريض.

وكذا فيما تشک فی صحته وضعفه أما الصحيح فاذكره بصيغة الجزم ويقبح فيه صيغة التمريض كما يقبح فى الضعيف صيغة الجزم (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص ٧٦، كتاب الطهارة، فصل :من آداب الوضوء)

ترجمہ: جب آپ کسی ضعیف حدیث کو بغیر سند کے نقل کریں، تو یہ نہ کہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' اور اس طرح کے دوسرے الفاظ یقینی صیغوں کے بھی نہ کہیں، بلکہ یہ کہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح مروی ہے'' یا یہ کہیں کہ ''ہم تک یہ بات پہنچی ہے'' یا یہ کہیں کہ ''یہ بات روایت کی گئی ہے'' یا یہ کہیں کہ ''یہ بات آئی ہے'' یا یہ کہیں کہ ''یہ بات نقل کی گئی ہے'' یا اسی طرح کے دوسرے کمزور الفاظ کہیں۔

اور یہی طریقہ ان احادیث کے بارے میں بھی ہے، جن کے صحیح اور ضعیف ہونے میں آپ کو شک ہو (اور جس کا ضعیف ہونا متعین ہو، اس میں تو بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہے)

اور جہاں تک ''صحیح'' کا تعلق ہے، تو اس کو آپ یقینی صیغہ کے ساتھ ذکر کریں۔

اور صحیح میں کمزور صیغہ کا ذکر کرنا قبیح فعل ہے، جس طرح ضعیف میں یقینی صیغہ کا ذکر کرنا قبیح فعل ہے (حاشية الطحطاوى)

امام نووی کا حوالہ

صحیح مسلم کے مشہور شارح امام نووی (المتوفیٰ:676ھ) فرماتے ہیں:

قال العلماء :الحديث ثلاثة أقسام صحيح وحسن وضعيف :قالوا وإنما يجوز الاحتجاج من الحديث في الأحكام بالحديث الصحيح أو الحسن : فأما الضعيف فلا يجوز الاحتجاج به في الأحكام والعقائد. وتجوز روايته ،والعمل به في غير الأحكام كالقصص وفضائل الأعمال والترغيب والترهيب......وأما الضعيف فما ليس صفة الصحيح ولا صفة الحسن (المجموع شرح المهذب، ج ۱ ،ص ۵۹ "مقدمة" فصل قال العلماء:الحديث ثلاثة أقسام)

ترجمہ: علماء نے فرمایا کہ حدیث کی تین قسمیں ہیں،ایک صحیح،دوسرے حسن، تیسرے ضعیف،علماء نے فرمایا کہ حدیث سے احکام میں،صرف صحیح ،یا حسن حدیث سے ہی دلیل پکڑنا جائز ہے،جہاں تک ضعیف کا تعلق ہے،تو احکام،اور عقائد میں اس سے دلیل پکڑنا جائز نہیں،البتہ ضعیف حدیث کو روایت کرنا،اور اس پر عمل کرنا،احکام کے علاوہ،مثلاً قصص،اور فضائلِ اعمال،اور ترغیب وترہیب میں جائز ہے......اور جہاں تک ضعیف حدیث کا تعلق ہے،تو ضعیف حدیث وہ کہلاتی ہے، جو نہ تو صحیح کی صفت رکھتی ہو،اور نہ ہی حسن کی صفت رکھتی ہو(بلکہ اس سے نیچے درجے کی ہو)(المجموع)

امام نووی کا دوسرا حوالہ

اور امام نووی ''صحیح مسلم'' کی شرح میں فرماتے ہیں:

الأئمة لا يروون عن الضعفاء شيئا يحتجون به على انفراده في الأحكام فإن هذا شيء لا يفعله إمام من أئمة المحدثين ولا محقق من غيرهم من العلماء. وأما فعل كثيرين من الفقهاء أو أكثرهم ذلك واعتمادهم عليه فليس بصواب بل قبيح جدا وذلك لأنه إن كان يعرف ضعفه لم يحل له أن يحتج به فإنهم متفقون على أنه لا يحتج بالضعيف في الأحكام وإن كان لا يعرف ضعفه لم يحل له أن يهجم على الاحتجاج به من غير بحث عليه بالتفتيش عنه إن كان عارفا أو بسؤال أهل العلم به إن لم يكن عارفا (شرح النووی علیٰ مسلم، ج ۱ ، ص ۱۲۶ "مقدمات"باب بيان أن الإسناد من الدين وأن الرواية لا تكون إلا عن الثقات،فرع في جملة المسائل والقواعد التي تتعلق بهذا الباب)

ترجمہ: ائمہ، تنہا ضعیف راویوں سے احکام میں دلیل نہیں پکڑتے، کیونکہ یہ ایسا طرزِ عمل ہے، جس کو ائمہ محدثین میں سے کسی نے اختیار نہیں کیا، اور محدثین کے علاوہ دوسرے محقق علماء نے بھی احکام میں ضعیف حدیث سے دلیل پکڑنے کے طریقہ کو اختیار نہیں کیا۔

اور جہاں تک بہت سے، یا اکثر فقہاء کے ضعیف حدیث سے دلیل پکڑنے، اور اس پر اعتماد کرنے کے طرزِ عمل کا تعلق ہے، تو یہ طرزِ عمل صواب (ودرست) نہیں، بلکہ بہت زیادہ قبیح (اور برا) ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس حدیث کے ضعیف ہونے کا پتہ ہو، تو اس سے دلیل پکڑنا حلال ہے ہی نہیں، کیونکہ ائمہ سب کے سب متفق ہیں کہ احکام میں ضعیف حدیث سے دلیل نہیں پکڑی جاسکتی، اور اگر اس کے ضعیف ہونے کا پتہ نہ ہو، تو اس کے لئے حلال نہیں کہ وہ اس (حدیث) کے درجے کی تفتیش کئے بغیر اس حدیث سے دلیل پکڑنے پر اقدام کرے، اگر وہ خود تحقیق و بحث کے طریقہ کی معرفت رکھتا ہو، اور اگر معرفت نہ رکھتا ہو، تو اہلِ علم سے اس کے متعلق سوال کرے (المجموع)

امام نووی کا تیسرا حوالہ

اور امام نووی اپنی تالیف "ارشادُ طلابِ الحقائق" میں فرماتے ہیں:

يجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل (ب) في الأسانيد، ورواية ما سوى الموضوع من أنواع الضعيف من غير اهتمام ببيان ضعفها .ويجوز العمل بها .فيما سوى صفات الله وأحكام الشرع من الحلال والحرام وغيرهما .وذلك كالمواعظ والقصص، وفضائل الأعمال، وسائر فنون الترغيب والترهيب وما لا تعلق له بالأحكام والعقائد.

فرع :إذا أردت رواية الحديث الضعيف بغير إسناد، فلا تقل فيه :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :كذا، وما أشبهه من الألفاظ الجازمة، وإنما تقول :روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا،أو بلغنا عنه كذا، أو ورد عنه، أو جاء عنه، أو نقل عنه، أو روى بعضهم، وما أشبهه

وهكذا الحكم فيما تشك في صحته .وإنما تقول :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، فيما ظهر صحته (إرشاد طلاب الحقائق إلى معرفة سنن خير الخلائق، ج ا،ص ۲۶۹ الى ۲۷۱،النوع الثاني والعشرون: معرفة القلوب)

ترجمہ: محدثین اور غیر محدثین کے نزدیک موضوع حدیث کے علاوہ دیگر ضعیف نوعیت کی احادیث کے ضعیف ہونے کے بیان کا اہتمام کئے بغیر، ان کی اسانید اور روایت میں نرمی اختیار کرنا، اور ان پر عمل کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اللہ کی صفات، اور شریعت کے حلال وحرام وغیرہ کے احکام سے اس کا تعلق نہ ہو، جیسا کہ مواعظ اور قصص، اور فضائلِ اعمال، اور ترغیب وترہیب کے تمام فنون، اور ان چیزوں میں جن کا احکام وعقائد سے تعلق نہ ہو۔

فرع: جب آپ ضعیف حدیث کو بغیر سند کے روایت کرنا چاہیں، تو آپ یہ نہ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہے، اور اس طرح کے دوسرے یقینی الفاظ نہ کہیں، بلکہ آپ صرف یہ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح مروی ہے، یا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس طرح کی بات پہنچی ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ بات وارد کی گئی ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات آئی ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات منقول ہے، یا بعض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، اور اسی طرح کے دوسرے کمزور الفاظ بھی کہے جا سکتے ہیں، اور یہی حکم ان روایات کے بارے میں ہے، جن کی صحت میں آپ کو شک ہو، اور بس آپ ان احادیث ہی کے بارے میں جن کا صحیح ہونا ظاہر ہو، یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے(ارشاد طلاب الحقائق)

جو حدیث ''شدید ضعیف'' ہو، اس باب میں وہ بھی موضوع کا درجہ رکھتی ہے، جو فضائل میں بھی معتبر نہیں، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

امام نووی کا چوتھا حوالہ

امام نووی نے ''المجموع شرح المہذب'' میں ضعیف حدیث کو یقینی صیغہ وجملہ کے ساتھ بیان ونقل کرنے سے منع فرمایا ہے، اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں پر نکیر کی ہے، اور اس طرزِ عمل کو جھوٹ کے معنیٰ میں داخل ہونے کا خطرہ قرار دیا ہے۔ [1]

ابنِ دقیق العید کا حوالہ

ابنِ دقیق العید (المتوفیٰ: 702ھ) فرماتے ہیں:

قوله" :في فضائل الأعمال "أي لأنه إن كان صحيحاً في نفس الأمر، فقد أعطى حقه من العمل به .وإلا فلم يترتب على العمل به مفسدة تحليل ولا تحريم؛ وشرط جواز العمل به :أن لا يشتد ضعفه، بأن لا يخلو طريق من طرقه من كذاب أو مهتم بالكذب، وأن يكون داخلاً تحت :أصل كلي(شرح الأربعين النووية في الأحاديث الصحيحة النبوية،ص ٢٠،مقدمة)

ترجمہ: یہ قول کہ ''فضائلِ اعمال میں'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ضعیف حدیث فی الواقع صحیح ہوئی، تو اس کے عمل کا حق اداء ہوگیا، ورنہ (یعنی اگر وہ ضعیف

---

[1] فصل قال العلماء المحققون من أهل الحديث وغيرهم إذا كان الحديث ضعيفا لا يقال فيه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أو فعل أو أمر أو نهى أو حكم وما أشبه ذلك من صيغ الجزم: وكذا لا يقال فيه روى أبو هريرة أو قال أو ذكر أو أخبر أو حدث أو نقل أو أفتى وما أشبهه :وكذا لا يقال ذلك في التابعين ومن بعدهم فيما كان ضعيفا فلا يقال في شيء من ذلك بصيغة الجزم :وإنما يقال في هذا كله روى عنه أو نقل عنه أو حكى عنه أو جاء عنه أو بلغنا عنه أو يقال أو يذكر أو يحكى أو يروى أو يرفع أو يعزى وما أشبه ذلك من صيغ التمريض وليست من صيغ الجزم :قالوا فصيغ الجزم موضوعة للصحيح أو الحسن وصيغ التمريض لما سواهما.
وذلك أن صيغة الجزم تقتضي صحته عن المضاف إليه فلا ينبغي أن يطلق إلا فيما صح وإلا فيكون الإنسان في معنى الكاذب عليه وهذا الأدب أخل به المصنف وجماهير الفقهاء من أصحابنا وغيرهم بل جماهير أصحاب العلوم مطلقا ما عدا حذاق المحدثين وذلك تساهل قبيح فإنهم يقولون كثيرا في الصحيح روى عنه وفي الضعيف قال وروى فلان وهذا حيد عن الصواب(المجموع شرح المهذب، ج ١،ص ٦٣"مقدمة"باب في فصول مهمة تتعلق بالمهذب ويدخل كثير منها وأكثرها في غيره أيضا)

حدیث فی الواقع صحیح نہ ہو) تو اس پر عمل کرنے میں کوئی ''مفسدہ'' حلال، یا حرام کرنے کا لازم نہیں آئے گا۔

لیکن اس ضعیف حدیث پر عمل جائز ہونے کی یہ شرط ہے کہ اس کا ضعف شدید نہ ہو، بایں طور کہ اس کی سندیں کذاب ، یامتھم بالکذب راوی سے خالی ہوں، اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ حدیث قاعدہ کلیہ کے تحت داخل ہو (شرح اربعین)

علامہ ابنِ ملقن کا حوالہ

علامہ ابنِ ملقن (المتوفی:804ھ) فرماتے ہیں:

لا يجوز العمل في الأحكام ولا يثبت إلا بالحديث الصحيح أو الحسن، ولا يجوز بالضعيف لكن يعمل به فيما لا يتعلق بالعقائد والأحكام، كفضائل الأعمال والمواعظ وشبهها.

وإذا كان الحديث ضعيفا لا يورد بصيغة الجزم بل بصيغة التمريض؛ صيغة الجزم تقتضي صحته عن المضاف إليه فلا تطلق إلا فيما صح، وإلا فيكون في معنى الكاذب عليه، وقد اشتد إنكار البيهقي الحافظ على من خالف هذا من العلماء (التوضيح لشرح الجامع الصحيح، ج٢، ص٦٧ الى ٦٩، مقدمة المصنف، فصل: لا يجوز العمل في الأحكام ولا يثبت إلا بالحديث الصحيح أو الحسن)

ترجمہ: احکام میں عمل کرنا جائز نہیں، اور نہ ہی احکام کا ثبوت ہوتا، مگر صحیح، یا حسن درجہ کی حدیث کے ذریعہ سے ہی، اور ضعیف حدیث کے ذریعہ احکام کا ثبوت جائز نہیں، لیکن ضعیف حدیث پر ان امور میں عمل کیا جا سکتا ہے، جو عقائد اور احکام سے متعلق نہ ہوں، جیسا کہ فضائلِ اعمال، اور مواعظ وغیرہ میں۔

اور جب حدیث ضعیف ہو، تو اس کو یقینی صیغہ وجملہ کے ساتھ بیان نہیں کیا جائے گا، بلکہ کمزور صیغہ وجملہ کے ساتھ بیان کیا جائے گا، کیونکہ یقینی صیغہ وجملہ، اس کے مضاف الیہ (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم) سے ''صحیح'' ہونے کا تقاضا کرتا ہے، لہٰذا یقینی صیغہ وجملہ کا اطلاق صرف ''صحیح'' پر ہی کیا جائے گا، ورنہ تو نبی صلی

اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہوگا، اور حافظ بیہقی نے ان علماء پر شدید نکیر کی ہے، جو اس کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے (التوضیح)

حافظ ابنِ حجر عسقلانی کا حوالہ

حافظ ابنِ حجر عسقلانی (المتوفیٰ: 852ھ) فرماتے ہیں:

اشتهر أن أهل العلم يتسمحون في إيراد الأحاديث في الفضائل وإن كان فيها ضعف، ما لم تكن موضوعة .وينبغي مع ذلك اشتراط أن يعتقد العامل كون ذلك الحديث ضعيفا، وأن لا يشهر بذلك، لئلا يعمل المرء بحديث ضعيف، فيشرع ما ليس بشرع، أو يراه بعض الجهال فيظن أنه سنة صحيحة (تبيين العجب بما ورد في شهر رجب، ص ١١)

ترجمہ: یہ بات مشہور ہے کہ اہلِ علم، فضائل کے باب میں احادیث کا ذکر کرنے میں نرمی سے کام لیتے ہیں، اگرچہ ان احادیث میں ضعف موجود ہو، جب تک کہ وہ موضوع احادیث نہ ہوں، لیکن اس کے ساتھ یہ چیز بھی شرط ہے کہ عمل کرنے والا، اس حدیث کے ضعیف ہونے کا اعتقاد بھی رکھتا ہو، اور یہ بھی شرط ہے کہ اس عمل کو شہرت نہ دے، تاکہ کوئی شخص ضعیف حدیث پر عمل نہ کرلے، پھر وہ اس عمل کو مشروع سمجھ لے، جو مشروع نہیں، یا اس عمل کو دیکھ کر بعض جہلاء، اس کو ''سنتِ صحیحہ'' گمان کرلیں (تبیین العجب)

امام سخاوی کا حوالہ

حافظ ابنِ حجر عسقلانی کے شاگرد امام سخاوی (المتوفیٰ: 902ھ) ''فتح المغیث'' میں ضعیف حدیث کے بارے میں تین مذاہب کی تفصیل لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

فهذه ثلاثة مذاهب. أفاد شيخنا أن محل الأخير منها حيث لم يكن الضعف شديدا، وكان مندرجا تحت أصل عام ؛حيث لم يقم على المنع منه دليل أخص من ذلك العموم، ولم يعتقد عند العمل به ثبوته (فتح المغيث بشرح الفية الحديث، ج ١، ص ٣٥١، اقسام الحديث، تنبيهات)

ترجمہ: پس (ضعیف حدیث پر عمل کے بارے میں) یہ تین مذاہب ہیں، ہمارے شیخ (ابنِ حجر عسقلانی) نے فرمایا کہ اس آخری مذہب (یعنی ضعیف حدیث پر عمل جائز ہونے) کا محل اس وقت ہے، جب کہ ایک تو ضعف شدید نہ ہو، اور دوسرے وہ عام اصل (یعنی عام قاعدہ) کے تحت داخل بھی ہو، اس طور پر کہ اس عموم کے مقابلہ میں کوئی خاص دلیل اس کی ممانعت کی موجود نہ ہو، اور تیسرے اس پر عمل کے وقت اس کے ثبوت کا عقیدہ بھی نہ رکھے (فتح المغیث)

امام سخاوی کا دوسرا حوالہ

اور امام سخاوی ہی اپنی دوسری تالیف ''القولُ البدیع'' میں فرماتے ہیں:

قال شيخ الإسلام أبو زكريا النووى رحمه الله فى الأذكار قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم يجوز ويستحب العمل فى الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعا.

وأما الأحكام كالحلال والحرام والبيع والنكاح والطلاق وغير ذلك فلا يعمل فيها إلا بالحديث الصحيح أو الحسن إلا أن يكون فى احتياط فى شىء من ذلك كما إذا أورد حديث ضعيف بكراهة بعض البيوع أو الأنكحة فإن المستحب أن يتنزه عنه ولكن لا يجب انتهم.

وخالف أبى العربى المالكى فى ذلك فقال إن الحديث الضعيف لا يعمل به مطلقا.

وقد سمعت شيخنا مرادا يقول وكتبه لى بخطه أن شرائط العمل بالضعيف ثلاثة، الأول متفق عليه أن يكون الضعف غير شديد فيخرج من أنفرد من الكذابين والمتهمين بالكذب ومن فحش غلطه، الثانى أن يكون مندرجا تحت أصل عام فيخرج ما يخترع بحيث لا يكون له أصل أصلا.

الثالث أن لا يعتقد عند العمل بثبوته لئلا ينسب إلى النبى -صلى الله عليه وسلم- ما لم يقله (القول البديع فى الصلاة على الحبيب الشفيع، ص ٢٥٥، خاتمة)

ترجمہ: شیخ الاسلام ابوزکریا نووی رحمہ اللہ نے ''الاذکار'' میں فرمایا کہ علمائے محدثین وفقہاء وغیرہ نے فرمایا کہ فضائل اور ترغیب وترہیب میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ومستحب ہے، بشرطیکہ موضوع (جھوٹی) نہ ہو۔

اور جہاں تک احکام کا تعلق ہے، جیسا کہ حلال وحرام، اور بیع ونکاح، اور طلاق وغیرہ، تو ان میں عمل صرف صحیح اور حسن حدیث پر ہی کیا جائے گا، الا یہ کہ ان امور میں سے کسی چیز میں احتیاط کا معاملہ ہو، جیسا کہ جب کوئی ضعیف حدیث بعض بیوع، یا نکاحوں کی کراہت کے بارے میں وارد ہوئی ہو، تو اس سے بچنا مستحب ہے، لیکن اس سے بچنا واجب نہیں۔

اور اس میں ابو العربی مالکی نے اختلاف کیا ہے، چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ ضعیف حدیث پر بہر حال عمل نہیں کیا جائے گا۔

اور میں نے اپنے شیخ (حافظ ابنِ حجر عسقلانی) سے اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے سنا اور انہوں نے مجھے اپنی تحریر کے ذریعہ لکھا کہ ضعیف حدیث پر عمل کی تین شرائط ہیں، پہلی شرط، جو متفق علیہ ہے، وہ یہ ہے کہ ضعف شدید نہ ہو، جس سے وہ حدیث خارج ہوگئی، جس میں ''کذاب، متهم بالكذب، و فاحشُ الغلط'' راوی ہوں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عام اصل (یعنی عام قاعدہ) کے تحت داخل ہو، جس سے وہ حدیث خارج ہوگئی، جو من گھڑت ہو، اس طور پر کہ اس کی سرے سے کوئی اصل نہ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عمل کے وقت اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھے، تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس بات کی نسبت کرنے والا شمار نہ ہو جائے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کہی (القول البدیع)

پھر مذکورہ تفصیل بیان کرنے کے بعد امام سخاوی فرماتے ہیں:

فيحصل أن في الضعيف ثلاثة مذاهب لا يعمل به مطلقا، ويعمل به مطلقا إذا لم يكن في الباب غيره، ثالثها هو الذي عليه الجمهور يعمل به في الفضائل دون الأحكام كما تقدم بشروطه (القول البديع في الصلاة على الحبيب الشفيع، ص ٢٥٦، خاتمة)

ترجمہ: پس خلاصہ یہ نکلا کہ ضعیف حدیث کے بارے میں تین مذاہب ہیں، پہلا

مذہب یہ ہے کہ بالکل بھی عمل نہیں کیا جائے گا۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ بہر حال عمل کیا جائے گا، جبکہ اس باب میں اس کے علاوہ کوئی دوسری حدیث نہ ہو۔

تیسرا مذہب، جس پر جمہور ہیں، وہ یہ ہے کہ ضعیف حدیث پر فضائل میں عمل کیا جائے گا، احکام میں عمل نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ اپنی شرائط کے ساتھ پہلے ذکر گزرا (القول البدیع)

علامہ ابنِ حجر ہیتمی کا حوالہ

علامہ ابنِ حجر ہیتمی شافعی (المتوفیٰ: 974ھ) فرماتے ہیں:

والحديث الضعيف اذا اشتد ضعفه لايعمل به ولا فى فضائل الاعمال (الفتاویٰ الفقهية الكبرىٰ، ج ا ص ۱۳۰، كتاب الصلاة ،باب الاذان)

ترجمہ: اور ضعیف حدیث کا ضعف، جب شدید ہو تو، اس پر عمل نہیں کیا جائے گا، فضائلِ اعمال میں بھی اس پر عمل نہیں کیا جائے گا (الفتاویٰ الکبریٰ)

خطیب شربینی کا حوالہ

خطیب شربینی شافعی (المتوفیٰ: 977ھ) **مغنی المحتاج** میں فرماتے ہیں:

شرط العمل بالحديث الضعيف فى فضائل الأعمال أن لا يكون شديد الضعف، وأن يدخل تحت أصل عام، وأن لا يعتقد سنيته بذلك الحديث (مغنی المحتاج إلى معرفة معانى ألفاظ المنهاج، ج ا ص ۱۹۴، كتاب الطهارة ،باب الوضوء)

ترجمہ: ضعیف حدیث پر فضائلِ اعمال میں عمل کرنے کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ شدید ضعیف نہ ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ شریعت کے عام قاعدے کے تحت داخل ہو، اور تیسری شرط یہ ہے کہ اس حدیث کے سنت ہونے کا اعتقاد نہ رکھا جائے (مغنی المحتاج)

احمد سلامۃ قلیوبی کا حوالہ

احمد سلامۃ قلیوبی شافعی (المتوفیٰ:1069ھ) فرماتے ہیں:

(للعمل بالحديث الضعيف) لكن بشروط ثلاثة أن لا يشتد ضعفه، وأن يدخل تحت أصل عام، وأن لا يعتقد الفاعل سنية ذلك الفعل بذلك الحديث(حاشيتا قليوبي علىٰ شرح العلامة جلال الدين المحلي على منهاج الطالبين ، ج ١ ،ص ٦٤ ،كتاب الطهارة،باب مسح الخف)

ترجمہ: ''ضعیف حدیث پر عمل جائز ہونے کی وجہ سے''لیکن اس (ضعیف حدیث پر عمل جائز ہونے) کے لئے تین شرطیں ہیں، ایک یہ کہ اس کا ضعف شدید نہ ہو، اور دوسرے یہ کہ وہ شریعت کے عام قاعدے کے تحت داخل ہو، اور تیسرے یہ کہ اس حدیث کی وجہ سے اس فعل کو کرنے والا شخص اس عمل کے سنت ہونے کا اعتقاد نہ رکھے (حاشیہ قیلوبی)

حسن بن محمد بن محمود عطار کا حوالہ

حسن بن محمد بن محمود عطار شافعی (المتوفیٰ:1250ھ) فرماتے ہیں:

قولهم الحديث الضعيف يعمل به في فضائل الأعمال معناه أنه إذا ورد حديث ضعيف في فضيلة عمل يجوز للشخص أن يعمل ذلك العمل ومع ذلك هو مشروط بأن لا يشتد ضعفه ولم يعارضه خبر صحيح، وما نحن فيه ليس من هذا، فإن المقام إثبات حكم ولا يحتج بالحديث الضعيف فيه

(حاشية العطار على شرح الجلال المحلي على جمع الجوامع، ج ١ ،ص ٢٣٢ ،الكلام في المقدمات في اصول الفقه، مسألة الأمر بواحد من أشياء يوجب واحدا منها لا بعينه)

ترجمہ: علماء کا یہ قول کہ ضعیف حدیث پر فضائلِ اعمال میں عمل کیا جائے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ضعیف حدیث کسی عمل کی فضیلت کے بارے میں آئی ہو، تو آدمی کو اس پر عمل کرنا جائز ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ شرط ہے کہ اس کا ضعف شدید نہ ہو، اور کوئی صحیح حدیث اس کے مقابلہ میں نہ ہو، اور ہمارے زیر بحث مسئلہ

کی یہ نوعیت نہیں، کیونکہ یہ حکم کو ثابت کرنے کا مقام ہے، اور اس میں ضعیف حدیث سے دلیل نہیں پکڑی جاتی (حاشیۃ العطار)

احمد بن غانم مالکی کا حوالہ

احمد بن غانم مالکی (المتوفیٰ: 1126ھ) فرماتے ہیں:

قد تقرر أن الحديث الضعيف يعمل به في فضائل الأعمال حيث لم يشتد ضعفه(الفواكه الدواني على رسالة ابن أبي زيد القيرواني، ج ۱، ص ۱۴۴، باب في بيان صفة الوضوء)

ترجمہ: یہ بات طے شدہ ہے کہ ضعیف حدیث پر فضائلِ اعمال میں عمل کیا جاتا ہے، جبکہ اس کا ضعف شدید نہ ہو (الفواکہ الدوانی)

محمد بن احمد بن علی بہوتی کا حوالہ

محمد بن احمد بن علی بہوتی خلوتی حنبلی (المتوفیٰ: 1088ھ) فرماتے ہیں:

يجوز العمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال، بشرط أن لا يشتد ضعفه، وأن لا ينوي سنيته، وأن يعمل به لنفسه(حاشية الخلوتي على منتهى الإرادات، ج ۱، ص ۳۵۹، ۳۶۰، كتاب الصلاة، باب صلاة التطوع)

ترجمہ: ضعیف حدیث پر فضائلِ اعمال میں عمل کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس کا ضعف شدید نہ ہو، اور عمل کرنے والا اس کے سنت ہونے کی نیت نہ کرے، اور صرف اپنے لئے عمل کرے (تاکہ دوسرا اس عمل کو سنت نہ سمجھنے لگے) (حاشیۂ خلوتی)

مصطفیٰ بن سعد رحیبانی کا حوالہ

مصطفیٰ بن سعد بن عبدہ رحیبانی حنبلی (المتوفیٰ: 1243ھ) فرماتے ہیں:

(وإن فعلها) إنسان؛ (فلا بأس، لجواز العمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال)

قال الشيخ تقي الدين :العمل بالخبر الضعيف، بمعنى :أن النفس ترجو

ذلک الثواب، أو تخاف ذلک العقاب.
ومثله :الترغیب والترهیب والمنامات، ونحو ذلک مما لا یجوز بمجرده إثبات حکم شرعی، لا استحباب ولا غیره؛ لکن یجوز ذکره فی الترغیب والترهیب فیما علم حسنه، وقبحه بأدلة الشرع، فإنه ینفع ولا یضر، واعتقاد موجبه من قدر ثواب وعقاب یتوقف علی الدلیل الشرعی(مطالب أولی النهی فی شرح غایة المنتهی، ج ا ، ص ۵۸۰،کتاب الصلاة،باب صلاة التطوع،تتمة فضائل صلاة الضحی)

ترجمہ:اوراگرکوئی انسان یہ عمل کرے،تواس میں حرج نہیں،کیونکہ ضعیف حدیث پرفضائلِ اعمال میں عمل کرنا جائز ہے۔

شیخ تقی الدین نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ضعیف حدیث پرعمل اس معنیٰ کرہوتا ہے کہ نفس کواس ثواب کی امید ہے،یااس عذاب کا خوف ہے،اور اسی کے مثل ترغیب وترہیب اورمنامات،اوران کے مثل دوسری چیزیں ہیں،جو اس قبیل کی ہیں کہ محض ان سے حکمِ شرعی کوثابت کرنا جائزنہیں،نہ تو مستحب ہونے کا،اورنہ ہی کوئی دوسرا،لیکن ترغیب وترہیب میں اس کا ذکرکرنا جائز ہے،جس کا حسن وقبح دلائلِ شرعیہ سے ثابت ہو،کیونکہ یہ نفع کا باعث ہے،ضررکا باعث نہیں،لیکن اس سے ثابت شدہ حکم،یعنی ثواب اورعذاب کی مقدار،دلیلِ شرعی پر موقوف ہوا کرتی ہے(مطالب اولی النہیٰ)

’’الموسوعةُ الفقهية الكويتية‘‘ کاحوالہ

’’الموسوعةُ الفقهية الكويتية‘‘میں ہے:

قال العلماء:یجوز العمل بالحدیث الضعیف بشروط منها:
أ ـ :ان لایکون شدید الضعف، فاذا کان شدید الضعف ککون الراوی کذابا ، او فاحش الغلط، فلایجوز العمل به.
ب ـ :ان لایتعلق فی صفات اللّٰہ تعالیٰ، ولابامر من امور العقیدة، ولا بحکم من احکام الشریعة من الحلال والحرام ونحوها.
ج ـ :ان یندرج تحت اصل عام من اصول الشریعة.
د ـ :ان لایعتقد عندالعمل به ثبوته، بل یعتقد الاحتیاط (الموسوعة الفقهية

الكويتية ، ج ٣٢ص ١٦٠ ، مادة " فضائل " حرف الفاء)

ترجمہ: علماء نے فرمایا کہ ضعیف حدیث پر چند شرائط کے ساتھ عمل کرنا جائز ہے، جن میں سے ایک شرط تو یہ ہے کہ وہ شدید ضعیف نہ ہو، پس جب وہ شدید ضعیف ہو، جیسا کہ راوی کا کذاب، یا فاحشُ الغلط ہونا، تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اس کا اللہ کی صفات، اور امورِ عقیدہ میں سے کسی چیز سے تعلق نہ ہو، اور نہ ہی شریعت کے حلال وحرام، اور اس جیسے شریعت کے احکام میں کسی شرعی حکم سے اس کا تعلق ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ شریعت کے عام اصولوں میں سے کسی اصول کے ضمن میں داخل وشامل ہو۔

اور چوتھی شرط یہ ہے کہ عمل کے وقت اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھا جائے، بلکہ احتیاط کا عقیدہ رکھا جائے (الموسوعة الفقهية)

''فضائلِ اعمال'' اور ''عدمِ سنیت'' یا ''عدمِ ثبوت'' کی قید، یا اس کے اقتضاء سے ''عقائد واحکام'' بھی خارج ہو گئے، بعض نے اس کی تصریح کر دی، اور یہ قید لگا دی کہ ضعیف حدیث ''عقائد واحکام'' میں معتبر نہ ہوگی، کیونکہ سنت ہونا بھی ایک ''حکمِ شرعی'' ہے، اور چونکہ ''مندوب ومستحب'' ہونا بھی حکمِ شرعی ہے، اور جب ضعیف حدیث سے ثابت شدہ حکم کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثبوت اور سنیت، اور حکمِ شرعی کا عقیدہ رکھنا درست نہیں، تو مستحب، جو کہ حکمِ شرعی ہے، اس کا عقیدہ رکھنا بھی جائز نہ ہوگا، کیونکہ وہ بھی حکمِ شرعی ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ (المتوفیٰ: 728ھ) فرماتے ہیں:

والمقصود أن هذه الأحاديث التى تروى فى ذلك من جنس أمثالها من الأحاديث الغريبة المنكرة بل الموضوعة التى يرويها من يجمع فى الفضائل والمناقب الغث والسمين كما يوجد مثل ذلك فيما يصنف فى

فضائل الأوقات وفضائل العبادات وفضائل الأنبياء والصحابة وفضائل البقاع ونحو ذلک فإن هذه الأبواب فيها أحاديث صحيحة وأحاديث حسنة وأحاديث ضعيفة وأحاديث كذب موضوعة.
ولا يجوز أن يعتمد فى الشريعة على الأحاديث الضعيفة التى ليست صحيحة ولا حسنة.
لكن أحمد بن حنبل وغيره من العلماء جوزوا أن يروى فى فضائل الأعمال ما لم يعلم أنه ثابت إذا لم يعلم أنه كذب.
وذلک أن العمل إذا علم أنه مشروع بدليل شرعى وروى فى فضله حديث لا يعلم أنه كذب جاز أن يكون الثواب حقا ولم يقل أحد من الأئمة إنه يجوز أن يجعل الشىء واجبا أو مستحبا بحديث ضعيف ومن قال هذا فقد خالف الإجماع .
وهذا كما أنه لا يجوز أن يحرم شىء إلا بدليل شرعى لكن إذا علم تحريمه وروى حديث فى وعيد الفاعل له ولم يعلم أنه كذب جاز أن يرويه فيجوز أن يروى فى الترغيب والترهيب ما لم يعلم أنه كذب لكن فيما علم أن الله رغب فيه أو رهب منه بدليل آخر غير هذا الحديث المجهول حاله .وهذا كالإسرائيليات :يجوز أن يروى منها ما لم يعلم أنه كذب للترغيب والترهيب فيما علم أن الله تعالى أمر به فى شرعنا ونهى عنه فى شرعنا .
فأما أن يثبت شرعا لنا بمجرد الإسرائيليات التى لم تثبت فهذا لا يقوله عالم ولا كان أحمد بن حنبل ولا أمثاله من الأئمة يعتمدون على مثل هذه الأحاديث فى الشريعة.
ومن نقل عن أحمد أنه كان يحتج بالحديث الضعيف الذى ليس بصحيح ولا حسن فقد غلط عليه،ولكن كان فى عرف أحمد بن حنبل ومن قبله من العلماء أن الحديث ينقسم إلى نوعين :صحيح وضعيف .والضعيف عندهم ينقسم إلى ضعيف متروک لا يحتج به وإلى ضعيف حسن كما أن ضعف الإنسان بالمرض ينقسم إلى مرض مخوف يمنع التبرع من رأس المال وإلى ضعيف خفيف لا يمنع من ذلک .
وأول من عرف أنه قسم الحديث ثلاثة أقسام -صحيح وحسن وضعيف - هو أبو عيسى الترمذى فى جامعه .والحسن عنده ما تعددت طرقه ولم يكن فى رواته متهم وليس بشاذ .فهذا الحديث وأمثاله يسميه أحمد ضعيفا ويحتج به ولهذا مثل أحمد الحديث الضعيف الذى يحتج به بحديث عمرو بن شعيب وحديث إبراهيم الهجرى ونحوهما .وهذا مبسوط فى موضعه (مجموع الفتاوى، ج ا ،ص ۲۵۰ الٰى ۲۵۲، كتاب توحيد الألوهية، الوسيلة التى امرنا بها هى الطاعة)

ترجمہ: اور مقصود یہ ہے کہ یہ احادیث، جو اس بارے میں مروی ہیں، غریب،

منکر، بلکہ موضوع احادیث کے مثل کی انواع سے تعلق رکھتی ہیں، جن کو وہ حضرات روایت کرتے ہیں، جوفضائل اور مناقب کے سلسلہ میں رطب ویابس ہر طرح کی احادیث کو جمع کرتے ہیں، جیسا کہ اس طرح کی احادیث ان کتابوں میں موجود ہیں، جو اوقات کے فضائل، اور عبادات کے فضائل، اور انبیاء، اور صحابہ کے فضائل، اور مختلف مقامات کے فضائل، اوران جیسی دوسری چیزوں کے فضائل کے موضوع سے متعلق احادیث کو جمع کرتے ہیں، کیونکہ ان ابواب میں صحیح درجہ کی احادیث بھی ہوتی ہیں، اور حسن درجہ کی احادیث بھی ہوتی ہیں، اور ضعیف درجہ کی احادیث بھی ہوتی ہیں، اور جھوٹی موضوع احادیث بھی ہوتی ہیں۔

اور شریعت کے باب میں ایسی ضعیف احادیث پر اعتماد کرنا جائز نہیں، جو نہ تو صحیح درجہ کی ہوں، اور نہ ہی حسن درجہ کی ہوں۔

لیکن امام احمد بن حنبل اور بعض دوسرے علماء نے اعمال کے فضائل کے سلسلہ میں ایسی احادیث کو روایت کرنے کو جائز قرار دیا ہے، جن کے ثابت ہونے کا علم نہ ہو، بشرطیکہ ان کا جھوٹا ہونا معلوم نہ ہو۔

اوراس کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی عمل کا مشروع ہونا، دلیلِ شرعی سے معلوم ہو، اور اس عمل کی فضیلت کے بارے میں ایسی حدیث مروی ہو، جس کا جھوٹا ہونا معلوم نہ ہو، تو یہ بات ممکن ہے کہ اس کا ثواب حق ہو، لیکن ائمہ میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ ضعیف حدیث کے ذریعہ سے کسی چیز کو واجب، یا مستحب قرار دینا جائز ہے، اور جس نے یہ قول کیا، تو وہ اجماع کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا۔

اور یہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ کسی چیز کو حرام قرار دینا، شرعی دلیل کے ذریعہ سے ہی جائز ہے، لیکن جب کسی چیز کا حرام ہونا معلوم ہو، اور اس حرام فعل کے مرتکب کے بارے میں کوئی حدیث مروی ہو، اور اس کے جھوٹے ہونے کا علم نہ ہو، تو اس کو

روایت کرنا جائز ہے، پس اسی طرح ترغیب وترہیب میں بھی ایسی احادیث کو روایت کرنا جائز ہے، جن کا جھوٹا ہونا معلوم نہ ہو، لیکن ان ہی چیزوں کے اندر جائز ہے، جن کے متعلق اللہ کی طرف سے ترغیب، یا ترہیب اس مجہول الحال حدیث کے علاوہ دوسری دلیل سے معلوم ہو، جیسا کہ اسرائیلی روایات کا معاملہ ہے کہ جب تک ان کا ترغیب وترہیب میں جھوٹا ہونا معلوم نہ ہو، ان کو روایت کرنا جائز ہے، بشرطیکہ یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری شریعت میں اس کا حکم دیا ہے، یا اس سے ہماری شریعت میں منع کیا ہے۔

لیکن ہمارے لئے شریعت محض ان اسرائیلی روایات سے ثابت نہیں ہوتی، جو ثابت نہ ہوں، پس یہ بات کسی عالم نے بھی نہیں کی، اور نہ ہی امام احمد بن حنبل اور ان کے مثل دوسرے ائمہ، شریعت کے باب میں ان جیسی احادیث پر اعتماد کیا کرتے تھے۔

اور جس نے امام احمد کے بارے میں یہ بات نقل کی ہے کہ وہ ایسی ضعیف حدیث سے حجت پکڑتے تھے، جو نہ تو صحیح ہو، اور نہ ہی حسن ہو، تو اس نے امام احمد کی طرف غلط بات منسوب کی۔

البتہ امام احمد بن حنبل اور ان سے پہلے دوسرے علماء کے عرف میں حدیث کی صرف دو قسمیں ہوا کرتی تھیں، ایک صحیح اور دوسری ضعیف، اور ان کے نزدیک ضعیف حدیث ایک تو وہ ہوتی تھی، جو ''ضعیف متروک'' ہوتی تھی، جس سے حجت نہیں پکڑی جاتی تھی، اور دوسری ''ضعیف حسن'' ہوتی تھی، جیسا کہ انسان کے مرض کی وجہ سے کمزوری، ایک تو اس قسم کی ہوتی ہے، جو خوف دلانے کا باعث ہوتی ہے، رأس المال کے تبرع سے منع کرتی ہے، اور دوسری کمزوری وہ ہوتی ہے، جو ہلکی کمزوری ہوتی ہے، اور اس سے منع نہیں کرتی۔

اورامام ابوعیسیٰ ترمذی (المتوفیٰ:279ھ)وہ پہلے شخص ہیں،جنہوں نے اپنی جامع ترمذی میں حدیث کی تین قسمیں کیں،ایک صحیح،دوسری حسن،اور تیسری ضعیف،اورامام ترمذی کے نزدیک حسن وہ ہے کہ جس کی سندیں ایک سے زیادہ ہوں،لیکن اس کی سند میں نہ تو متہم راوی ہو،اور نہ ہی شاذ ہو،پس اس حدیث اور اس جیسی حدیث کا نام امام احمد ضعیف رکھتے ہیں،اور اس سے حجت پکڑتے ہیں،اوراسی وجہ سے امام احمد نے ایسی ضعیف جس سے حجت پکڑی ہے،اس کی مثال عمرو بن شعیب،اورابراہیم ہجری اوران جیسے راویوں کی حدیث ہے،اوراس مسئلہ کی تفصیل اپنے مقام پر مذکور ہے (مجموع الفتاویٰ)

علامہ ابنِ تیمیہ کا دوسرا حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں دوسرے مقام پر بھی اسی نوعیت کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ [1]

---

[1] قول أحمد بن حنبل :إذا جاء الحلال والحرام شددنا فی الأسانید؛ وإذا جاء الترغیب والترهیب تساهلنا فی الأسانید؛ وکذلک ما علیه العلماء من العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الأعمال :لیس معناه إثبات الاستحباب بالحدیث الذی لا یحتج به؛ فإن الاستحباب حکم شرعی فلا یثبت إلا بدلیل شرعی ومن أخبر عن الله أنه یحب عملا من الأعمال من غیر دلیل شرعی فقد شرع من الدین ما لم یأذن به الله کما لو أثبت الإیجاب أو التحریم؛ ولهذا یختلف العلماء فی الاستحباب کما یختلفون فی غیره بل هو أصل الدین المشروع .وإنما مرادهم بذلک :أن یکون العمل مما قد ثبت أنه مما یحبه الله أو مما یکرهه الله بنص أو إجماع کتلاوة القرآن؛ والتسبیح والدعاء ؛ والصدقة والعتق؛ والإحسان إلی الناس؛ وکراهة الکذب والخیانة؛ ونحو ذلک فإذا روی حدیث فی فضل بعض الأعمال المستحبة وثوابها وکراهة بعض الأعمال وعقابها :فمقادیر الثواب والعقاب وأنواعه إذا روی فیها حدیث لا نعلم أنه موضوع جازت روایته والعمل به بمعنی: أن النفس ترجو ذلک الثواب أو تخاف ذلک العقاب کرجل یعلم أن التجارة تربح لکن بلغه أنها تربح ربحا کثیرا فهذا إن صدق نفعه وإن کذب لم یضره؛ ومثال ذلک الترغیب والترهیب بالإسرائیلیات؛ والمنامات وکلمات السلف والعلماء؛ ووقائع العلماء ونحو ذلک مما لا یجوز بمجرده إثبات حکم شرعی؛ لا استحباب ولا غیره ولکن یجوز أن یذکر فی الترغیب والترهیب؛

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ ابنِ تیمیہ نے امام ترمذی (المتوفیٰ: 279ھ) سے پہلے امام احمد بن حنبل (المتوفیٰ: 241ھ) اوران سے پہلے دوسرے علماء کے عرف میں حدیث کی صرف دو قسمیں ہونا بیان کیا ہے، ان علماء میں امام ابوحنیفہ (المتوفیٰ: 150ھ) داخل ہیں۔

بعض دیگر حضرات نے بھی یہی بات بیان فرمائی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والترجية والتخويف .فما علم حسنه أو قبحه بأدلة الشرع فإن ذلك ينفع ولا يضر وسواء كان فى نفس الأمر حقا أو باطلا فما علم أنه باطل موضوع لم يجز الالتفات إليه؛ فإن الكذب لا يفيد شيئا وإذا ثبت أنه صحيح أثبتت به الأحكام.

وإذا احتمل الأمرين روى لإمكان صدقه ولعدم المضرة فى كذبه وأحمد إنما قال :إذا جاء الترغيب والترهيب تساهلنا فى الأسانيد .ومعناه :أنا نروى فى ذلك بالأسانيد وإن لم يكن محدثوها من الثقات الذين يحتج بهم .فى ذلك قول من قال :يعمل بها فى فضائل الأعمال إنما العمل بها العمل بما فيها من الأعمال الصالحة مثل التلاوة والذكر والاجتناب لما كره فيها من الأعمال السيئة .

ونظير هذا قول النبى صلى الله عليه وسلم فى الحديث الذى رواه البخارى عن عبد الله بن عمرو : (بلغوا عنى ولو آية وحدثوا عن بنى إسرائيل ولا حرج ومن كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار) مع قوله صلى الله عليه وسلم فى الحديث الصحيح :(إذا حدثكم أهل الكتاب فلا تصدقوهم ولا تكذبوهم) فإنه رخص فى الحديث عنهم ومع هذا نهى عن تصديقهم وتكذيبهم فلو لم يكن فى التحديث المطلق عنهم فائدة لما رخص فيه وأمر به ولو جاز تصديقهم بمجرد الإخبار لما نهى عن تصديقهم؛ فالنفوس تنتفع بما تظن صدقه فى مواضع .

فإذا تضمنت أحاديث الفضائل الضعيفة تقديرا وتحديدا مثل صلاة فى وقت معين بقراء ة معينة أو على صفة معينة لم يجز ذلك؛ لأن استحباب هذا الوصف المعين لم يثبت بدليل شرعى.

بخلاف ما لو روى فيه من دخل السوق فقال :لا إله إلا الله كان له كذا وكذا فإن ذكر الله فى السوق مستحب لما فيه من ذكر الله بين الغافلين كما جاء فى الحديث المعروف :(ذاكر الله فى الغافلين كالشجرة الخضراء بين الشجر اليابس).

فأما تقدير الثواب المروى فيه فلا يضر ثبوته ولا عدم ثبوته وفى مثله جاء الحديث الذى رواه الترمذى :(من بلغه عن الله شىء فيه فضل فعمل به رجاء ذلك الفضل أعطاه الله ذلك وإن لم يكن ذلك كذلك) . فالحاصل :أن هذا الباب يروى ويعمل به فى الترغيب والترهيب لا فى الاستحباب ثم اعتقاد موجبه وهو مقادير الثواب والعقاب يتوقف على الدليل الشرعى(مجموع الفتاوى، ج۱۸، ص ۶۵، الیٰ ۶۸، کتاب الحديث،فصل : متى شدد الإمام احمد فى الأسانيد ومتى تساهل؟)

علامہ ابنِ قیم، ابنِ رجب، شرفُ الدین، اور زرکشی کا حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ کے شاگرد علامہ ابنِ قیم الجوزیۃ (المتوفی: 751ھ) فرماتے ہیں:

الحديث الضعيف عنده قسيم الصحيح وقسم من أقسام الحسن، ولم يكن يقسم الحديث إلى صحيح وحسن وضعيف، بل إلى صحيح وضعيف، وللضعيف عنده مراتب، فإذا لم يجد في الباب أثرا يدفعه ولا قول صاحب، ولا إجماع على خلافه كان العمل به عنده أولى من القياس.
وليس أحد من الأئمة إلا وهو موافقه على هذا الأصل من حيث الجملة، فإنه ما منهم أحد إلا وقد قدم الحديث الضعيف على القياس (إعلام الموقعين عن رب العالمين، ج ا ،ص ۲۵، ۲۶ ،أصول فتاوى أحمد بن حنبل،الأصل الرابع)

ترجمہ: امام احمد بن حنبل کے نزدیک ضعیف حدیث ''صحیح'' کی قسیم ہے، جو حسن کی قسموں میں سے ایک قسم ہے، اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک حدیث کی ''صحیح، اور حسن، اور ضعیف'' اقسام نہیں، بلکہ صحیح اور ضعیف دو ہی اقسام ہیں، اور پھر ان کے نزدیک ضعیف کے مختلف مراتب ہیں، پس جب کسی باب میں وہ ایسی روایت نہیں پاتے، جس کا کوئی مقابل ہو، اور نہ ہی کسی صاحب کا قول پاتے، اور نہ ہی اس کے خلاف اجماع کو پاتے، تو ان کے نزدیک اس ضعیف (بمعنیٰ حسن) پر عمل کرنا، قیاس کے مقابلہ میں اولیٰ شمار ہوتا ہے۔

اور ائمہ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں، جس نے امام احمد کی فی الجملہ اس قاعدہ میں موافقت نہ کی ہو، پس ائمہ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں، جو اس طرح کی ضعیف حدیث کو قیاس پر مقدم نہ سمجھتا ہو (اعلام الموقعین)

اور مذکورہ کتاب میں ہی ایک مقام پر علامہ ابنِ قیم فرماتے ہیں:

فتقديم الحديث الضعيف وآثار الصحابة على القياس والرأي قوله وقول الإمام أحمد، وليس المراد بالحديث الضعيف في اصطلاح السلف هو الضعيف في اصطلاح المتأخرين، بل ما يسميه المتأخرون حسنا قد يسميه المتقدمون ضعيفا كما تقدم بيانه (إعلام الموقعين عن رب العالمين، ج ا ،ص ٦١ ،فصل الرأي على ثلاثة أنواع، الرأي الباطل وأنواعه)

ترجمہ: پس ضعیف حدیث اور آثارِ صحابہ کو قیاس ورائے پر مقدم کرنا، امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل کا قول ہے، لیکن سلف کی اصطلاح میں ضعیف حدیث سے متاخرین کی اصطلاح والی ضعیف حدیث مراد نہیں، بلکہ وہ حدیث مراد ہے، جس کا نام متاخرین نے ''حسن'' رکھا ہے، اور اس کا نام متقدمین ضعیف رکھا کرتے تھے، جیسا کہ پہلے گذرا (اعلام الموقعین)

علامہ ظفر احمد عثمانی نے بھی اسی موقف کی تائید کی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک جس ضعیف حدیث کو قیاس پر مقدم رکھا جاتا ہے، اس سے حسن لغیرہٖ مراد ہے۔ [1]

اور زین الدین ابنِ رجب (المتوفیٰ: 795ھ) فرماتے ہیں:

وأكثر ما كان الأئمة المتقدمون يقولون في الحديث أنه صحيح أو ضعيف، ويقولون :منكر وموضوع وباطل.
وكان الإمام أحمد يحتج بالحديث الضعيف الذى لم يرد خلافه، ومراده بالضعيف قريب من مراد الترمذى بالحسن(شرح علل الترمذى، ج۲، ص ۵۷۵، ۵۷٦،أقسام الحديث عند الترمذى)

ترجمہ: اور متقدمین ائمہ، حدیث کے بارے میں ''صحیح اور ضعیف'' ہونے کے قائل تھے، اور وہ منکر اور موضوع اور باطل کی تقسیم کے قائل تھے۔

اور امام احمد بن حنبل اس ضعیف حدیث سے حجت پکڑا کرتے تھے، جس کے خلاف حدیث وارد نہیں ہوتی تھی، اور ان کی ضعیف سے، امام ترمذی کی حسن کہی ہوئی حدیث کے قریب، مراد ہوا کرتی تھی (شرح علل الترمذی)

---

[1] چنانچہ فرماتے ہیں:
وبالجملة فالمراد بالضعيف فى كلام اصحابنا"ان الحديث الضعيف مقدم على القياس"ما يسميه المتاخرون ضعيفا،فى ذاته حسنا لغيره،إذا تأيد بالشواهد ونحوها،واذا سبرت الاحاديث التى ذكرها ابن القيم مثالا للضعيف الذى قدمه ابوحنيفة على القياس،وجدتها كلها حسانا،اما فى ذاتها،اولغيرها(مقدمة اعلاء السنن، قواعد فى علوم الحديث، الجزء التاسع عشر،ص۱۰۸، الفصل الثالث فى حكم العمل بالحديث الضعيف فى فضائل الاعمال،الفرق بين الحديث الضعيف والمضعف،ادارة القرآن،كراتشى، سن الطباعة: ۱۴۱۸هـ)

اورعلامہ بدرالدین محمد بن عبداللہ بن بہادرزرکشی شافعی (المتوفی: 794ھ) فرماتے ہیں:

قال شيخنا القاضي شرف الدين وإنما أتى من أنكر هذه اللفظة على أحمد لعدم معرفته بمراده فإن الضعيف عند أحمد غير الضعيف في عرف المتأخرين فعنده الحديث ينقسم إلى صحيح وضعيف لأنه ضعف عن درجة الصحيح وأما الضعيف بالاصطلاح المشهور فإن أحمد لا يعرج عليه أصلا انتهى. وقريب من هذا قول ابن حزم إن الحنفية متفقون على أن مذهب أبي حنيفة أن ضعيف الحديث عنده أولى من الرأى والظاهر أن مرادهم بالضعيف ما سبق (النكت على مقدمة ابن الصلاح، ج۲، ص ۳۱۸، ۳۱۹، النوع الثاني والعشرون المقلوب)

ترجمہ: ہمارے شیخ قاضی شرف الدین نے فرمایا کہ انہوں نے امام احمد کے بارے میں ناپسندیدہ لفظ اس لئے استعمال کیا کہ انہوں نے امام احمد کی مراد کو نہیں سمجھا، کیونکہ امام احمد بن حنبل کے نزدیک ضعیف حدیث، متاخرین کے عرف والی ضعیف حدیث کے علاوہ ہے، پس امام احمد کے نزدیک حدیث کی دو قسمیں ہوا کرتی تھیں، یعنی ''صحیح اور ضعیف'' کیونکہ ان کے نزدیک صحیح کے مقابلہ میں ضعیف ہوا کرتی تھی، اور جہاں تک مشہور اصطلاح کے مطابق ضعیف حدیث کا تعلق ہے، تو امام احمد نے اس کی طرف سرے سے عروج (اور اس سے تعرض) ہی نہیں کیا، قاضی شرف الدین کی بات ختم ہوئی۔ اور اسی کے قریب قریب ابنِ حزم کا بھی قول ہے کہ حنفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس ورائے سے بہتر ہے۔ لیکن ظاہر بات یہ ہے کہ حنفیہ کی مراد ''ضعیف'' سے وہی ہے، جس کا پہلے (امام احمد کی مراد میں) ذکر گزرا (النکت)

قاضی شرف الدین، دراصل ابنِ **قاضی الجبل** کے نام سے معروف ہیں، جن کی وفات سات سو گیارہ ہجری بتلائی جاتی ہے۔ [1]

---

[1] ابن قاضي الجبل (۶۹۳۔ ۷۷۱ھ/ ۱۲۹۳۔ ۱۳۶۹ م) أحمد بن حسن بن عبد الله بن عمر بن محمد بن أحمد بن محمد بن قدامة أبو العباس وأبو محمد قاضي القضاة شرف الدين أبي الفضل بن الخطيب شرف الدين أبي الفضل بن شيخ الإسلام أبي عمر المقدسي الصالحي الدمشقي الحنبلي المعروف بابن قاضي الجبل (المنهل الصافي والمستوفى بعد الوافي، ج ۱، ص ۲۸۴، حرف الهمزة)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ امام احمد اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے نزدیک جس ضعیف حدیث کو قیاس پر ترجیح حاصل ہوا کرتی ہے، اور شرعی احکام میں حجت ہوا کرتی ہے، اس سے ''حسن'' درجہ کی حدیث مراد ہے۔

اور یہی بات جمہور کی طرف سے بیان کردہ اس اصول کے بھی موافق ہے کہ ضعیف حدیث سے احکام، مثلاً حلال وحرام میں دلیل نہیں پکڑی جاتی، اور یہ بات معلوم ہے کہ قیاس سے احکام میں حجت پکڑی جایا کرتی ہے، کیونکہ قیاس ''اصولِ فقہ'' میں سے ایک اصل ہے، جس کا تعلق احکام سے ہے، پس اگر ضعیف حدیث کو قیاس پر بھی مقدم مانا جائے گا، تو اس سے بدرجہ اولیٰ احکام میں حجت پکڑنا لازم آئے گا، اور یہ قول جمہور کے خلاف ہوگا، جبکہ حنفیہ اس سلسلہ میں جمہور کے قول کو راجح اور اس کی اتباع کرتے آئے ہیں۔

البتہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض مجتہدین کے کچھ فقہی اقوال ایسے ہیں، جن کا مستدل ''ضعیف احادیث'' کو شمار کیا جاتا ہے، پھر یہ کہنا کیسے درست ہوگا کہ احکام میں مجتہدین ضعیف احادیث سے دلیل نہیں پکڑتے؟

اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے اس حدیث کو اس مجتہد نے حسن وقابلِ استدلال سمجھا ہو، یا اس کو اس حدیث کی سند کی تحقیق نہ ہوسکی ہو۔ واللہ أعلم۔

اور اگر کسی کو اس جواب پر اطمینان نہ ہو، تو ضعیف حدیث کے بارے میں جمہور کے قول کی اتباع کرنے کی صورت میں اس کے ذمہ دوسرا جواب لازم ہے۔

محدث محمد بن علان مکی کا حوالہ

گیارہوں صدی ہجری کے معروف مفسر ومحدث محمد بن علان صدیقی مکی (المتوفی: 1057ھ) نے ''الفتوحاتُ الربانية'' میں اس مسئلہ پر تفصیلی کلام کیا ہے، جس میں انہوں نے پہلے تو فضائل اور ترغیب وترہیب کے باب میں ضعیف حدیث پر عمل کے جواز

سے متعلق علامہ زرکشی، امام نووی، علامہ ابنِ حجر وغیرہ کے حوالہ جات نقل کیے ہیں، پھر ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے جواز کے قول پر بعض متاخرین کے اختلاف واعتراض کو نقل کرکے، اس کا جواب ذکر کیا ہے، اور اسی ضمن میں یہ بھی فرمایا کہ احکام وعقائد میں ضعیف حدیث پر عمل جائز نہیں، اور موضوع حدیث پر بھی عمل جائز نہیں، اور یہ بھی فرمایا کہ موضوع حدیث کے حکم میں ''شدید ضعیف'' بھی داخل ہے، جس میں کوئی کذاب اور متہم بالکذب، اور فاحش الغلط راوی ہو، اور اس کے بعد ضعیف حدیث پر عمل جائز ہونے کی مزید دو شرائط کا ذکر کیا ہے، جن میں ایک شرط اس کے عموم، یا قاعدہ کلیہ میں داخل ہونے کی شرط ہے، اور دوسری شرط عمل کے وقت اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھنے، بلکہ احتیاط کی وجہ سے عمل ہونے کی شرط ہے۔

اور اسی شرط سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ ضعیف حدیث سے عمل کی مشروعیت کو ثابت نہیں کیا جاتا، بلکہ عمل کی مشروعیت عمومی، یا کلی قاعدہ سے ہوتی ہے۔

اسی طرح ضعیف حدیث سے بذاتِ خود کسی عمل کی ''مشروع استحبابیت'' کو بھی ثابت نہیں کیا جاتا کہ یہ شبہ کیا جائے کہ مشروع ومستحب اور جائز ہونے کا تعلق ''احکام'' سے ہے، اور احکام میں ضعیف حدیث پر عمل درست نہیں ہوا کرتا۔

اور جو ضعیف حدیث پر عمل کا مستحب ہونا مشہور ہے، تو یہ درست نہیں، اور اس میں یہ تفصیل ہے کہ جب کوئی ضعیف حدیث ایسے عمل کے بارے میں پائی جائے، جو حرمت وکراہیت کا احتمال نہیں رکھتا، تو اس پر عمل اس لئے جائز ہے کہ وہ عمل پہلے سے مباح اور مستحب ہونے کے درمیان دائر ہے، اس لئے جواز کے ساتھ ساتھ اس میں نفع کی امید ہے، اسی نفع کی امید کو بعض اوقات مستحب ہونے سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

اور اگر کوئی حدیث ایسے عمل کے بارے میں پائی جائے، جو کراہت اور استحباب کے درمیان دائر ہو، تو اس میں دونوں احتمالات ہیں، ایک تو یہ کہ اس کو انجام دینے سے مکروہ میں واقع ہونا لازم آ جائے، دوسرے یہ کہ اس کو ترک کرنے میں مستحب کو ترک کرنا لازم آ جائے۔

پس اگر کراہت کا خطرہ شدید ہو، اور استحباب کا احتمال ضعیف ہو، تو اس صورت میں اس فعل کے کرنے پر اس فعل کے ترک کرنے کو ترجیح حاصل ہوگی، اور اس پر عمل کرنا مستحب نہ کہلائے گا۔

اور اگر کراہت کا خطرہ ضعیف ہو، اور استحباب کا احتمال قوی ہو، تو اس صورت میں اس فعل کے کرنے میں احتیاط ہوگی، اور جب عبادت کی نیت سے مباح عمل بھی مستحب بن جایا کرتا ہے، تو اس جہت سے اس کو مستحب قرار دینے کی گنجائش ہوگی۔

پس عمل کے جواز واستحباب کی دو شرطیں ہیں، جواز کے لئے حرمت کا احتمال نہ ہونا شرط ہے، اور استحباب کے لئے وہی تفصیل ہے، جو ذکر کی گئی۔

پھر ایک اشکال کا جواب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جس عمل میں حرمت کا احتمال نہ ہو، اس کا جواز، یا استحباب ضعیف حدیث کی وجہ سے نہیں ہوتا، بلکہ اس عمل کا جواز خارجی چیز سے، اور استحباب ان قواعدِ شرعیہ سے معلوم ہوتا ہے، جو دین میں احتیاط کے مستحب ہونے پر دلالت کرنے والے ہوتے ہیں۔

اور بعض حضرات نے ضعیف حدیث پر عمل کے لئے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی دوسری حدیث نہ ہو، تاہم اس شرط کو الگ سے بیان کرنے کی ضرورت اس لئے نہیں کہ ''صحیح، بلکہ حسن'' حدیث کا ضعیف پر مقدم ہونا سب کو معلوم ہے۔

اور پیچھے جو ضعیف حدیث کے احکام میں معتبر نہ ہونے کا ذکر کیا گیا، اس میں اللہ کی صفات اور حلال وحرام والی سب چیزیں داخل ہیں۔

پھر زرکشی کے حوالہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ امام احمد، دیگر متقدمین اور حنفیہ کے نزدیک جو ضعیف کے قیاس پر مقدم ہونے کا قول ہے، اس سے وہ حدیث مراد نہیں، جس کو متاخرین ضعیف قرار دیتے ہیں، بلکہ اس سے متقدمین کے نزدیک ایسی ضعیف حدیث مراد ہے، جس کو متاخرین ''حسن'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ جہاں تک احکام کا تعلق ہے، تو وہ صحیح یا حسن درجہ کی حدیث سے ہی ثابت ہوتے

ہیں، خواہ وہ حسن لعینہٖ ہو، یا حسن لغیرہٖ ہو۔

البتہ جہاں احکام میں ضعیف حدیث پر عمل میں احتیاط ملحوظ ہو، جیسا کہ بعض معاملات، یا عقود کی کراہت کا ضعیف حدیث میں ذکر ہو، تو وہاں احتیاط کی وجہ سے ان امور سے اجتناب کرنا چاہیے، اوراس قسم کا استحباب بھی قواعدِ شرعیہ پر مبنی ہے، جیسا کہ پہلے گذرا۔

اوراگر ضعیف حدیث کے ایک سے زیادہ طرق اور سندیں ہوں، تو وہ تنہاء بذاتِ خود تو ضعیف شمار ہوتی ہے، جو احکام میں موثر نہیں، لیکن دوسرے طرق واسناد کے ساتھ مل کر حسن بن جایا کرتی ہے، جو احکام میں موثر ہوجاتی ہے، اور ضعیف کے حکم سے مستثنیٰ ہوجاتی ہے۔

اور جو تنہاء ضعیف ہو، تو اپنی دیگر شرائط کے ہوتے ہوئے بھی بذاتِ خود قابلِ عمل نہیں ہوتی، بلکہ اس پر عمل کا جواز، اس معنیٰ پر دلالت کرنے والے قرآن وسنت کے ایسے قوی ومعتبر دلائل سے ہوتا ہے، جو احکام میں معتبر ہوا کرتے ہیں، لہٰذا بہرحال یہ سمجھنا درست نہیں کہ ضعیف حدیث خود ہی کسی عمل کے ''مشروع، جواز، واستحباب'' کے احکام کو ثابت کرنے میں موثر ہوا کرتی ہے (محمد بن علان صدیقی مکی کے کلام کا ماحصل ختم ہوا) [1]

---

[1] فصل: قوله: (قال العلماء إلخ) قال الزركشى نقل المصنف فى الجزء الذى جمعه فى إباحة القيام الاتفاق فقال أجمع أهل الحديث وغيرهم على العمل فى الفضائل ونحوها مما ليس فيه حكم ولا شىء من العقائد وصفات الله تعالى بالحديث الضعيف اهـ.

وقال فى الأربعين اتفق العلماء على جواز العمل بالحديث الضعيف فى فضائل الأعمال اهـ.

وقال ابن حجر من شرحه أشار بحكاية الإجماع على ما ذكره إلى الرد على من نازع فيه اهـ.

وبه يعلم إن المراد بالإجماع والاتفاق فى العبارتين واحد وممن قال بذلك أحمد بن حنبل وابن المبارك والسفيانان والعنبرى وغيرهم.

وفى حواشى ابن الصلاح للزركشى نقل بعض الأثبات عن بعض تصانيف الحافظ ابن العربى المالكى أنه قال لا يعمل بالحديث الضعيف مطلقاً اهـ.

وفى شرح الأربعين لابن حجر أشار المصنف بحكاية الإجماع على ما ذكر إلى الرد على من نازع فيه بأن الفضائل إنما تتلقى من الشرع فإثباتها بما ذكر اختراع عبادة وشرع فى الدين ما لم يأذن به الله ووجه رده إن الإجماع لكونه قطعياً تارة .وظنياً قوياً تارة أخرى لا يرد بمثل ذلك لو لم يكن عنه جواب فكيف وجوابه واضح إذ ليس من باب الاختراع والشرع المذكورين إنما هو انتقاء فضيلة ورجاؤها بأمارة ضعيفة من غير ترتب مفسدة عليه اهـ.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ عبدالحئ لکھنوی کا حوالہ

علامہ عبدالحئ لکھنوی (المتوفی: 1304ھ) اپنے رسالہ ''الأجوبةُ الفاضلة للأسئلة

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ونازع بعض المتأخرين بأن جواز العمل مشكل إذ لم يثبت عنه -صلى الله عليه وسلم -وإسناد العمل إليه يوهم ثبوته ويؤدى إلى ظن من لا معرفة له بالحديث الصحة فينقله ويحتج به وفى ذلك تلبيس اهـ.

ولك أن تقول العمل فى الحقيقة إنما هو بما اندرج هذا الخبر الضعيف تحت عمومه وإنما عمل لرجاء الفضل فى هذا الخبر الضعيف فلا يلزم ما ذكر كيف ومن شرط العمل بالضعيف ألا يعتقد عند العمل به ثبوته.

وأما كلام الحافظ ابن العربى فيحمل على شديد الضعف المتفق على عدم العمل به كما أشار إليه السخاوى .

قوله :(فى الفضائل) قال فى المجموع وغيره فضائل الأعمال وحذف هنا اما اكتفاء بالعلم من كون المقام لفضل العمل أو تنبيهاً على تعميم الفضائل الشاملة للعمل وغيره كما يدل له قولهم يجوز العمل بالضعيف فيما عدا الأحكام والعقائد .قوله :(والترغيب والترهيب) أى بسائر فنونه وكذا كل ما لا تعلق له بالأحكام والعقائد كما قاله فى الإرشاد.

قوله :(ما لم يكن موضوعاً) وفى معناه شديد الضعف فلا يجوز العمل بخبر من انفرد من كذاب ومتهم بكذب ومن فحش غلطه فقد نقل العلائى الاتفاق عليه وفى صلاة النفل من المجموع ما يقتضى ذلك وبه صرح السبكى.

وبقى للعمل بالضعيف شرطان ذكرهما ابن عبد السلام وابن دقيق العيد أن يكون له أصل شاهد لذلك كاندراجه فى عموم أو قاعدة كلية فلا يعمل به فى غير ذلك.

وألا يعتقد عند العمل به ثبوته بل يعتقد الاحتياط وهذان الشرطان وانتفاء شدة الضعف ذكرها الحافظ ابن حجر مجموعة زيادة على ما ذكره المصنف من كونها فى الفضائل ونحوها.

قال ابن قاسم فى حاشية التحفة وشرط بعضهم ألا يعتقد السنية وفيه نظر بل لا وجه له لأنه لا معنى للعمل بالضعيف فى مثل ما نحن فيه إلّا كونه مطلوبًا طلباً غير جازم وكل مطلوب طلبًا غير جازم فهو سنة وإذا كان سنة تعين اعتقاد سنيته اهـ.

ولا يقدح فى اعتبار عدم اعتقاد ثبوته خبرًا ما ورد من الخبر الآخر من بلغه عن الله عزّ وجل شىء فيه فضيلة فأخذ به إيماناً به ورجاء ثوابه أعطاه الله ذلك وإن لم يكن كذلك.

لضعفه أو لحمله على الظنيات التى لا تكون فى نفس الأمر كذلك قاله السخاوى.

قال بعض المتأخرين من شراح الأربعين للمصنف هنا تحقيق مهم هو إن معنى قولهم يجوز العمل بالحديث الضعيف إلخ أن الراغب فى الخير إذا سمع خبرًا مضمونه من عمل كذا كان له من الثواب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

العشـرة الکاملة ‘‘میں ضعیف احادیث کے متعلق مختلف عبارات نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

کـذا جـاز أن یعـمـل ذلک العـمل قصدًا لتحصیل ذلک الثواب وإن کان ذلک الحدیث ضعیفاً ولیـس مـعـناہ أن یکون ذلک العمل مشروعاً استحباباً إذ الاستحباب أحد الأحکام ولا یثبت حکم شرعی بحدیث ضعیف اھ۔

قـال الـجلال الدوانی فی کتابه المسمی أنموذج العلوم اتفقوا علی أن الحدیث الضعیف لا تثبت به الأحـکـام الشـرعیة ثـم ذکـروا أنـه یجوز بل یستحب العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الأعمال ومـمـن صـرح بـه النووی سیما فی کتاب الأذکار. وفیه إشکال لأن جواز العمل واستحبابه کلاهما مـن الأحـکـام الـخـمسة الشـرعیة فإذا اسـتـحـب الـعـمل بمقتضی الحدیث کان فیه ثبوت الحکم بالحدیث الضعیف.

وأجیـب عـنـه بـما أحسنه أنه إذا وجد حدیث ضعیف فی عمل من الأعمال ولم یکن العمل محتمل الـحرمة والکراهة فإنه یجوز العمل به ویستحب النفع إذ هو دائر بین الإباحة والاستحباب. فلا وجه للعمل به.

وأما إذا دار بین الکراهة والاستحباب فمجال النظر فیه واسع إذ العمل دغرغة الوقوع فی المکروه وفی الترک مظنة ترک المستحب.

فیـنـظر إن کان خطر الکراهة أشد بأن تکون الکراهة شدیدة والاستحباب المحتمل ضعیفاً فحینئذ یترجح الترک علی الفعل فلا یستحب العمل.

وإن کـان خـطـر الـکـراهة أضـعف بأن تکون الکراهة علی تقدیر وقوعها کراهة ضعیفة دون مرتبة تـرک العمل علی تقدیر استحبابه فالاحتیاط العمل به وفی صورة المادا‌ة یحتاج إلی نظر تام والظن أنـه یستـحـب الـعـمـل أیـضًـا لأن الـمبـاحات تصیر بالنیة عبادة فکیف ما فیه شبهة استحباب لأجل الحدیث الضعیف.

فجواز العمل مشروط بعدم احتمال الحرمة والاستحباب بما ذکر مفصلاً.

لـکن هنا شیء وهو أنه إذا عدم احتمال الحرمة فجواز العمل لیس للحدیث الضعیف إذ لو لم یوجد جـاز الـعـمـل إذ الـمـفـروض عـدم احتمال الحرمة لا یقال الضعیف ینفی احتمال الحرمة لأنا نقول الـضـعیف لا یثبـت بـه شـیء مـن الأحـکام وانتفاء احتمال الحرمة یستلزم ثبوت الإباحة وهی حکم شرعی فلا یثبت بالخبر الضعیف ولعل مراد النووی ما ذکرناه وإنما ذکر جواز العمل توطئة لاستحبابه .

وحـاصـل الـجواب أن الجواز معلوم من خارج والاستحباب معلوم أیضاً من القواعد الشرعیة الدالة عـلی استحباب الاحتیاط فی الدین فلم یثبت بالحدیث الضعیف شیء من الأحکام بل أوقع الضعیف شبهة الاسـتـحباب فصار الاحتیاط أن یعمل به واستحباب الاحتیاط معلوم من القواعد الشرعیة کذا فی بعض شروح الأربعین النوویة وهو تحقیق نفیس جدًا .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

هـذه الـعبارات ونحوها الواقعة فی کتب الثقات تشهد بتفرقهم فی ذلک ، فمنهم من منع العمل بالضعيف مطلقا،وهو مذهب ضعيف،ومنهم من

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ونـقـلـه الشـنـوانـی فـی حاشيته علی شرح خطبة مختصر خليل للقانی وزاد بـعـضهـم فی شروط العمل بالضعيف ألا يعارضه حديث ضعيف ولا حاجة إليه لظهور أنه إذا تعارض حديثان ينظر إلی الترجيح ومعلوم أن الصحيح مقدم علی الضعيف.

قوله :(وأما الأحكام) ومثـلهـا صـفات الله تعالی وما يجوز وما يستحيل عليه وتفسير كلامه وتردد الـزركشـی فی تعيين المبهم إذا صح أصله فی خبر آخر هل يتسامح فی إسناده ويعمل بالضعيف فيه لأنـه لا يتـعـلق بتعينه حكم شرعی أولاً ثم قال والأقرب التسامح ثم ما نقل عن الإمام أحمد بن حنبل مـن العمل بالحديث الضعيف مطلقاً حيث لم يوجد غيره وأنه خير من الرأی حمل الضعيف فيه علی مقابل الصحيح علی عرفه وعرف المتقدمين إذ الخبر عندهم صحيح وضعيف لأنه ضعف عن درجة الـصـحيـح فشمل الحسن وأما الضعيف بالاصطلاح المشهور أی ما لم يجمع شروط القبول فليس مـراداً نقله ابن العربی عن شيخه وهو حسن به يندفع ما ذكر من الكلام فی هذا الإمام قال الزركشی وقريب من هذا قول ابن حزم :الـحنفية متفقون علی أن مذهب أبی حنيفة إن ضعيف الحديث عنده أولی من الرأی والظاهر أن مرادهم بالضعيف ما سبق اهـ .

قوله :(إلا بـالـحديث الصحيح أو الحسن) أی سـواء كـان ذلک لـذاته فی كل منهما أو لغيره بأن انـجبـر ضـعف ضعيف الحفظ الصدوق الأمين بمجيئه من طرق متعددة فصار حسناً لغيره فيحتج به فيما ذكر.

قوله :(إلا أن يـكـون فی احتياط فی شیء من ذلک) أی مـن الأحـكام كما إذا ورد حديث ضعيف بكراهة بعض البيوع أو الأنكحة فالمستحب أن يتنزه عنه وكذا ما ذكره الفقهاء من كراهة استعمال الـمـاء الـمشـمـس عملاً بخبر عائشة مع ضعفه لما فيه من الاحتياط وترک ما يريب قال الزركشی ومـمـا يـجـوز الـعـمـل فيـه بـالـخبـر الـضعيف من الأحكام ما يكون الموضع موضع احتياط فيجوز الاحتـجـاج بـه ظـاهـرًا قال فی كتاب القضاء من الروضة قال الصيمری لو سأل سائل فقال إن قتلت عبـدی فهـل علی قصاص فواسع إن قتلته قتلناک فعن النبی -صـلی الله عليه وسلم -من قتل عبده قتلناه ولأن القتل له معان قال وينبغی أن يستثنی من منع العمل بالخبر الضعيف فی الأحكام ما إذا لم يوجد سواه فقد ذكر الماوردی إن الشافعی احتج بالمرسل إذا لم يوجد دلالة سواه وقياسه فی غيره مـن الـضعيف خلافه وأما إذا وجد له شاهد مقو من كتاب أو سنة سواء كان باللفظ أو بالمعنی وذكر فـی شـرح الـمهـذب أنه يعمل بالضعيف إذا روی من طرق مفرداتها ضعيفة فإنها يقوی بعضها بعضاً ويـصيـر حسـناً ويحتج به وجواز العمل بالضعيف مع الشاهد المقوی دون الموضوع لأن للضعيف أصلاً فـی السـنة وهـو غيـر مقطوع بكذبه ولا أصل للموضوع فشاهده كالبناء علی الماء اهـ، وفيما ذكـره فيـه ما فيه أما ما مثل به فليس فيه عمل بخبر ضعيف إنما فيه ذكره موهماً للسامع ليرتدع عن فـعـل مـا أراد وأمـا ما استثناه فظاهر صنيع الأصحاب عدم الالتفات إلی الخبر الضعيف فی الأحكام وإن لـم يـوجـد غيره وأما ما عند تعدد طرقها فقد قال المحدثون الضعيف قسمان قسم ينجبر بتعدد الطرق وهو ما كان ضعفه لضعف حفظ راويه الصدوق الأمين فيزول بمجيئه من وجه آخر لدلالة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جوزه مطلقا،وهو توسع سخيف،ومنهم من فصل وقيد وهو المسلك المسدد (الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة ،ص ١١،السؤال الاول، بحث قبول الحديث الضعيف فى فضائل الاعمال ، مشمولة، مجموعه رسائل اللكنوى ج۴،ص ۴۰۳،الناشر: ادارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي، الباكستان، الطبعة الأولىٰ: ۱۴۱۹ھ)

ترجمہ: یہ اور اس جیسی عبارات وحوالہ جات جو ثقات کی کتابوں میں متفرق ومنتشر ہیں، وہ اس بارے میں گواہی دیتے ہیں، جن میں سے بعض نے ضعیف حدیث پر عمل کو مطلقاً جائز قرار دیا، اور یہ ضعیف مذہب ہے، اور بعض نے مطلقاً جائز قرار دیا، اور یہ بے جا توسع ہے، اور بعض نے تفصیل بیان کی اور قیود لگائی، اور یہ درمیانہ ومعتدل مسلک ہے (الاجوبۃ الفاضلۃ)

علامہ عبدالحئ لکھنوی کا دوسرا حوالہ

اور علامہ عبدالحئ لکھنوی اپنی تالیف ''الآثارُ المرفوعة'' میں فرماتے ہیں:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ذلک على اختلال ضبطه وكذا إذا كان الضعف لكونه مرسلاً زال بمجيئه من وجه آخر مسنداً أو مرسلاً وعلى هذا القسم يحمل كلام المجموع فإنه عند التعدد يرتقى عن الضعف إلى الحسن لغيره ويصير مقبولاً معمولاً به حينئذٍ قال السخاوى ولا يقتضى ذلک الاحتجاج بالضعيف فالاحتجاج إنما هو بالهيئة المجموعة كالمرسل حيث اعتضد بمرسل آخر أو بمسند ولو ضعيفاً كما قاله الشافعي والجمهور وقسم لا ينجبر وإن كثرت طرقه وهو ما كان ضعفه لكون راويه متهماً بالكذب أو فاسقاً أو نحو ذلک فلا يرتقى بتعدد الطرق عن رتبة الضعف إلى الحسن نعم يرتقى بذلک عن درجة المنكر أو ما لا أصل له قال شيخ الإسلام الحافظ ابن حجر بل ربما تكثر الطرق حتى توصله إلى درجة المستور أو السيء الحفظ بحيث إذا وجد له طريق آخر ضعيف ضعفه محتمل ارتقى بمجموع ذلک إلى درجة الحسن اهـ.

فإذا عرفت ذلک فالقسم الأول لا يستثنى من الضعيف لأنه إنما عمل به فى الأحكام بعد ارتفاعه لمرتبة الحسن.

والقسم الثانى الباقى فى التعدد على ضعفه لا يعمل به والشاهد من الكتاب والسنة الصحيحة بصحة معناه هو الدليل فى تلک الأحكام لا هذا الخبر الضعيف لضعفه فى هذا المقام والله أعلم(الفتوحات الربانية على الأذكار النواوية، ج ١،ص ٨٢،الیٰ ص ٨٨،فصل: قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم: يجوز ويستحب العمل فى الفضائل)

والموضوع لا يجوز العمل به على أن الضعيف الذى صرحوا بجواز العمل به وقبوله هو الذى لا يكون شديد الضعف بأن لا يخلو سند من أسانيده من كذاب أو متهم أو متروك أو نحو ذلك على ما بسطته فى رسالتى الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة.

والحديث الذى نحن فيه إن لم يكن موضوعا فلا شبهة فى كونه شديد الضعف غير قابل للاحتجاج به فلا يجوز العمل به فى فضائل أيضا لأحد لا فى خاصة نفسه ولا بأمر غيره (الآثار المرفوعة فى الاخبار الموضوعة للعلامة اللكنوى، ص ۷۴، حديث صلاة الرغائب)

ترجمہ: اور موضوع حدیث پر عمل جائز نہیں، علاوہ ازیں جس ضعیف حدیث پر عمل کے جائز، اور قبول ہونے کی علماء نے تصریح کی ہے، وہ ایسی حدیث ہے، جو شدید ضعیف نہ ہو، بایں طور کہ اس کی سند کذاب، یا متہم بالکذب، یا متروک، یا اس جیسے راوی سے خالی ہو، جیسا کہ میں نے تفصیل کے ساتھ اپنے رسالہ ''الاجوبة الفاضلة للاسئلة العشرة الكاملة'' میں بیان کر دیا ہے۔

اور جو حدیث ہمارے زیرِ بحث ہے، اگر وہ موضوع نہ ہو، تو اس کے شدید ضعیف ہونے، اور نا قابلِ حجت ہونے میں تو شبہ ہے ہی نہیں، اس لئے اس پر فضائل میں بھی عمل کرنا جائز نہیں، خواہ کوئی خود سے عمل کرے، یا کوئی دوسرا عمل کرنے کا حکم دے (الآثار المرفوعہ)

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی کا تیسرا حوالہ

اور مذکورہ تالیف میں ہی ایک مقام پر علامہ عبدالحیٔ لکھنوی فرماتے ہیں:

وأما العمل بالضعيف فى فضائل الأعمال فدعوى الاتفاق فيه باطلة .نعم هو مذهب الجمهور لكنه مشروط بأن لا يكون الحديث ضعيفا شديد الضعف، فإذا كان كذلک لم يقبل فى الفضائل أيضا (الآثار المرفوعة فى الاخبار الموضوعة للعلامة اللكنوى، ص ۸۱، صلاة ليلة البراءة)

ترجمہ: اور جہاں تک اعمال کی فضیلت کے بارے میں ضعیف حدیث پر عمل کا تعلق ہے، تو اس پر اتفاق کا دعویٰ تو باطل ہے، البتہ یہ جمہور کا مذہب ہے، لیکن اس

کی شرط یہ ہے کہ حدیث شدید ضعیف نہ ہو، پس اگر حدیث شدید ضعیف ہو، تو فضائل میں بھی قابلِ قبول نہیں (الآثار المرفوعہ)

علامہ عبدالحئی لکھنوی کا چوتھا حوالہ

علامہ عبدالحئی لکھنوی (المتوفیٰ: 1304ھ) نے اپنے رسالہ ''**الأجوبۃ الفاضلۃ للأسئلۃ العشرۃ الکاملۃ**'' میں اس مسئلہ کی تفصیل بیان کی ہے، جس کے ضمن میں انہوں نے فرمایا کہ جب کسی چیز کا مستحب، یا جائز ہونا، صحیح حدیث سے ثابت نہ ہو، اور اس کے متعلق ضعیف حدیث آئی ہو، جو شدید ضعیف نہ ہو، تو اس چیز کا استحباب، یا جواز، اس شرط کے ساتھ ثابت ہوسکتا ہے کہ وہ چیز شرعی قاعدہ کے تحت داخل ہو، وہ نہ تو اصولِ شریعت کے خلاف ہو، نہ ہی دلائلِ صحیحہ کے خلاف ہو۔

اس کے بعد محقق جلال الدین دوانی کے حوالہ سے بعض شبہات کے جوابات نقل کیے ہیں، جن کے ضمن میں فرمایا کہ رہا یہ شبہ کہ جب ضعیف حدیث سے شرعی احکام ثابت نہیں ہوتے، تو پھر فضائلِ اعمال میں عمل کا مستحب ہونا کیسے ثابت ہوسکتا ہے، کیونکہ مستحب ہونا بھی تو شرعی حکم ہے؟ تو اس شبہ کا بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ جب کوئی ضعیف حدیث کسی عمل کی فضیلت کے بارے میں وارد ہوئی ہو، اور یہ عمل حرمت اور کراہت کا احتمال نہ رکھتا ہو، تو اس پر عمل جائز ومستحب اس لئے ہے کہ اس عمل کو کرنے میں کوئی خطرہ نہیں، اور نفع کی امید ہے، کیونکہ وہ جائز ومستحب کے درمیان دائر ہے، تو ثواب کی امید کرتے ہوئے، اس پر عمل کرنے میں احتیاط ہے۔

البتہ جب وہ عمل حرمت اور استحباب کے درمیان دائر ہو، تو اس صورت میں اس عمل کے مستحب ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

اور اگر وہ عمل کراہت اور استحباب کے درمیان دائر ہو، تو کراہت اور استحباب کے درمیان

شدت وخفت کے اعتبار سے حکم مختلف ہوگا (جیسا کہ زرکشی کے حوالہ سے پہلے تفصیل گذری)
پس عمل کے جواز، یا استحباب کی دو شرطیں ہیں، جواز کے لئے حرمت کا احتمال نہ ہونا شرط ہے، اوراستحباب کے لئے وہی تفصیل ہے، جوذکر کی گئی۔

اور یہ بات یادرکھنی چاہیے کہ جب حرمت کا احتمال نہ ہو، تو عمل کا جواز اس ضعیف حدیث کی وجہ سے نہیں ہوتا، کیونکہ اگر وہ حدیث بھی موجود نہ ہوتی، تب بھی وہ عمل جائز ہی تھا، کیونکہ حرمت کا احتمال پہلے سے موجود نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جواز خارج سے معلوم ہے، اوراستحباب بھی ایسے شرعی قواعد سے معلوم ہے، جو دین کے معاملہ میں احتیاط پر دلالت کرتے ہیں، اس لئے ضعیف حدیث کے ذریعہ احکام میں سے کوئی چیز بھی ثابت نہیں کی جارہی، بلکہ حدیث نے استحباب کا شبہ پیدا کردیا ہے، اس لئے اس عمل کے کرنے میں احتیاط ملحوظ ہوگئی ہے، اوراحتیاط کا مستحب ہونا شرعی قواعد سے معلوم ہے (علامہ لکھنوی کے کلام کا ماحصل ختم ہوا) [1]

---

[1] فالحق فی هذا المقام: أنه اذا لم یثبت ندب شیئ او جوازه بخصوصه بحدیث صحیح، وورد بذلک حدیث ضعیف لیس شدید الضعف، یثبت استحبابه وجوازه به ، بشرط ان یکون مندرجا تحت اصل شرعی ، ولا یکون مناقضا للاصول الشرعیة والادلة الصحیحة.

وما احسن کلام المحقق جلال الدین الدوانی فی رسالته"انموذج العلوم" التی جمع فیها الفوائد المتفرقة حیث قال فی صدرها: المسألة الاولیٰ فی اصول الحدیث: اتفقوا علی ان الحدیث الضعیف لایثبت به الاحکام الشرعیة، ثم ذکروا انه یجوز بل یستحب العمل بالاحادیث الضعیفة فی فضائل الاعمال ، وممن صرح به النووی فی کتبه لاسیما کتاب "الاذکار" وفیه اشکال، لان جواز العمل واستحبابه کلاهما من الاحکام الخمسة الشرعیة ، فاذا استحب العمل بمقتضی الحدیث الضعیف کان ثبوته بالحدیث الضعیف ، وذلک ینافی ما تقرر من عدم ثبوت الاحکام بالاحادیث الضعیفة.

وقد حاول بعضهم التفصی عن ذلک وقال: ان مراد النووی انه اذا ثبت حدیث صحیح او حسن فی فضیلة عمل من الاعمال تجوز روایة الحدیث الضعیف فی هذا الباب.

ولایخفی ان هذا لایرتبط بکلام النووی فضلا عن ان یکون مراده ذلک، فکم من فرق بین جواز العمل واستحبابه ، وبین مجرد نقل الحدیث، علی انه لولم یثبت الحدیث الصحیح او الحسن فی فضیلة عمل من الاعمال یجوز نقل الحدیث الضعیف فیها، لاسیما مع التنبیه علی ضعفه، ومثل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ عبدالحئ لکھنوی کا پانچوں حوالہ

علامہ عبدالحئ لکھنوی اپنی مفصل تالیف ”ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی فی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ذلک فی کتب الحدیث وغیرہ کثیر شائع، یشهد به من تتبع ادنی تتبع.
والذی یصلح للتعویل : انه اذا وجد حدیث ضعیف فی فضیلة عمل من الاعمال ، ولم یکن هذا العمل مما یحتمل الحرمة او الکراهة فانه یجوز العمل به ویستحب، لانه مامون الخطر ومرجو النفع، اذ هو دائر بین الاباحة والاستحباب، فالاحتیاط العمل به رجاء الثواب.
واما اذا دار بین الحرمة والاستحباب فلا وجه لاستحباب العمل به.
واما اذا دار بین الکراهة والاستحباب، فمجال النظر فیه واسع ، اذ فی العمل دغدغة الوقوع فی المکروه، وفی الترک مظنة الترک المستحب. فلینظر.
ان کان خطر الکراهة اشد بان تکون الکراهة المحتملة شدیدة، والاستحباب المحتمل ضعیفا، فحینئذ یرجح الترک علی العمل، فلا یستحب العمل به.
وان کان خطر الکراهة اضعف بان تکون الکراهة علی تقدیر وقوعها کراهة ضعیفة دون مرتبة ترک العمل علی تقریر استحبابه ، فالاحتیاط العمل به.
وفی صورة المساواة یحتاج الی نظر تام، والظن انه یستحب ایضا، لان المباحات تصیر بالنیة عبادة، فکیف مافیه شبهة الاستحباب لاجل الحدیث الضعیف.
فجواز العمل واستحبابه مشروطان: اما جواز العمل فبعدم احتمال الحرمة،واما الاستحباب،فیما ذکرناہ مفصلا.
بقی هاهنا شیء، وهو أنه إذا عدم احتمال الحرمة فجواز العمل لیس لأجل الحدیث، إذ لو لم یوجد الحدیث یجوز العمل أیضا، لأن المفروض انتفاء الحرمة، لا یقال: الحدیث الضعیف ینفی احتمال الحرمة، لأنا نقول: الحدیث الضعیف لا یثبت به شیئ من الأحکام الخمسة، وانتفاء الحرمة یستلزم ثبوت الإباحة، والإباحة حکم شرعی، فلا یثبت بالحدیث الضعیف ، ولعل مراد النووی ما ذکرنا؟ وإنما ذکر جواز العلم توطئة للاستحباب.
وحاصل الجواب، ان الجواز معلوم من خارج والاستحباب ایضا معلوم من القواعد الشرعیة الدالة علی استحباب الاحتیاط فی امر الدین ، فلم یثبت شیئ من الاحکام بالحدیث الضعیف ، بل اوقع الحدیث شبهة الاستحباب ، فصار الاحتیاط ان یعمل به، واستحباب الاحتیاط معلوم من قواعد الشرع ، انتهیٰ کلام الدوانی(الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الکاملة ،ص۱۳، ۱۴،السؤال الاول، بحث قبول الحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال ،مشمولة، مجموعه رسائل اللکنوی ج۴،ص۴۰۵، ۴۰۶،الناشر: ادارة القرآن والعلوم الإسلامیة، کراتشی، الباکستان، الطبعة الأولیٰ: ۱۴۱۹ھ)

مصطلح الحدیث'' میں اس مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والذی یظهر بعد التامل الصادق، هو قبول الضعیف فی ثبوت الاستحسان وجوازه، فاذا دل حدیث ضعیف علی استحباب شیئ او جوازه، ولم یدل دلیل آخر صحیح علیه، ولیس هناک مایعارضه ویرجح علیه، قبل ذلک الحدیث وجاز العمل بما افاده والقول باستحباب مادل علیه او جوازه.

غایة مافی الباب ان یکون مثل هذا الاستحباب والجواز ادون رتبة من الاستحباب والجواز الثابت بالاحادیث الصحیحة والحسنة.

ویشترط قبوله بشروط:

احدها: ما اشرنا الیه من فقدان دلیل آخر اقوی منه معارضا له، فان دل حدیث صحیح او حسن، علی کراهة عمل او حرمته، والضعیف علی استحبابه وجوازه ، فالعمل یکون بالاقوی ، والقول بمفاده احری.

وثانیها: ان لایکون الحدیث شدید الضعف ، بان تفرد بروایته شدید الضعف ، کالکذاب، وفاحش الغلط، والمغفل، وغیر ذلک، او کثرت طرقه، لکن لم یخل طریق من طرقه عن شدة الضعف، وذلک لان کون السند شدید الضعف، مع عدم مایجبر به نقصانه ، یجعله فی حکم العدم ، ویقربه الی الموضوع والمخترع، الذی لایجوز العمل به بحال .

وثالثها: ان یکون ماثبت به داخلا تحت اصل کلی من الاصول الشرعیة غیر مخالف للقواعد الدینیة ، لئلا یلزم اثبات مالم یثبت شرعا به، فانه اذا کان مادل علیه داخلا فی الاصول الشرعیة، غیر مناقض لها، فنفس جوازه ثابت بها. والحدیث الضعیف الدال علیه یکون مؤکدا له. و کذا الاستحباب، فان الجائزات تصیر بحسن النیة عبادة، فکیف اذا وجدمافیه شبهة ثبوت الاستحباب.

ورابعها: ان لایعتقد العامل به ثبوته بل الخروج عن العهدة بیقین، فانه ان کان صحیحا فی نفس الامر فذاک ، والا لم یترتب علی العمل به فساد شرعی.

وقس علیه اذا دل الحدیث الضعیف علی کراهة عمل، لم یدل علی استحبابه دلیل آخر، فیؤخذ به ویعمل بمفاده احتیاطا ، فان ترک المکروه مستحب ، وترک المباح لابأس فیه شرعا.

وبهذا کله یظهر لک دفع الاشکال الذی تصدی للجواب عنه الدوانی والخفاجی، وسلک کل منهما مسلکا مغایرا لمسلک الآخر.

وخلاصة الکلام، الرافع للاوهام ، هو ان ثبوت الاستحباب ، او الکرهة التی هی فی قوة الاستحباب ، او الجواز بالحدیث الضعیف مع الشروط المتقدمة : لاینافی قولهم: انه لایثبت الاحکام الشرعیة، فان الحکم باستحباب شیئ دل علیه الضعیف او کراهته: احتیاطی ، والحکم بجواز

شیئ دل علیه تاکید لما ثبت بدلائل اخر، فلا یلزم منه ثبوت شیئ من الاحکام فی نفس الامر، ومن حیث الاعتقاد. نعم لو لم تلاحظ الشروط المتقدمة ، لزم الاشکال البتة.

ولعلک تتفطن من هٰذا البیان الصریح والتبیان الرفیع دفع ما یتوهم من صنیع الفقهاء والمحدثین حیث یثبتون الاستحباب ونحوه بالاحادیث الضعیفة فی مواضع کثیرة،ویستنکفون عنه فی مواضع کثیرة،وهل هٰذا الا تعارض وتساقط؟

وجه الدفع ان الموضع التی اثبتوا فیها الاستحباب بالضعیفة،هی ما لم یطلعوا علیٰ شدة الضعف فی احادیثها،وعلموا ان ما افادتها داخل تحت اصول شرعیة یعتمد علیها،فاعتبروا بها.

والتی استنکفوا فیها عن ذالک وعللوا بکون الاحادیث ضعیفة هی التی لم تدخل الاعمال الثابتة بها تحت الاصول الشرعیة،اووجدوا فی تلک الاحادیث ضعفا شدیدا،فاسقطو ها عن الاعتبار بالکلیة.

(لافی صفات الله)فان وجد حدیث ضعیف دل علیٰ صفة من صفات الله تعالیٰ،ولم یثبت ذالک بدلیل معتبر،لم یعتبر به فان صفات الله واسماء ہ لایجترء علی القول بها بدون دلالة دلیل معتمدلانها من باب العقائد لا من باب الاعمال،ویلتحق بها جمیع العقائد الدینیة،فلا یثبت الا بحدیث صحیح اوحسن لذاته،اولغیره.

کیف وقد صرحوا بان اخبار الآحاد وان کانت صحیحة لا تکفی فی باب العقائد،فما بالک بالضعیفة منها؟والمراد بعدم کفایتها انها لا تفید القطع،فلا یعتبر بها مطلقا فی العقائد التی کلف الناس بالاعتقاد الجازم فیها،لا انها لا تفید الظن ایضا،ولا انها لاعبرة بها رأسا فی العقائد مطلقا،کما توهمه کثیر من ابناء عصرنا (ظفر الأمانی فی مختصر الجرجانی فی مصطلح الحدیث، ص۱۹۸،الیٰ ص ۲۰۳،الباب الاول فی اقسام الحدیث وانواعه، الفصل الثالث،مکتب: المطبوعات الاسلامیة بحلب ، الطبعة الثالثة : ۱۴۱۶ھ)

ترجمہ:اور جو بات سچے غور وفکر کے بعد ظاہر ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ ضعیف حدیث کو استحسان اور جواز کے سلسلہ میں قبول کیا جائے گا، پس جب کوئی ضعیف حدیث کسی چیز کے مستحب، یا جائز ہونے پر دلالت کرے، اور اس کے خلاف نہ تو صحیح حدیث کی کوئی دلیل موجود ہو، اور نہ ہی اس ضعیف حدیث کی ٹکر کی، یا اس سے زیادہ قوی دلیل اس کے خلاف موجود ہو، تو اس حدیث کو قبول کرلیا جائے گا، اور اس حدیث کے مطابق عمل کرنا جائز ہوگا، اور یہ حدیث جس کے استحباب، یا جواز

پر دلالت کرے، اس کا قول کیا جائے گا۔
زیادہ سے زیادہ اس سلسلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس طرح کا استحباب، اور جواز، اس استحباب اور جواز سے کمتر درجہ کا ہوتا ہے، جو صحیح اور حسن احادیث سے ثابت ہو۔
اور ضعیف حدیث کے قبول ہونے کی چند شرائط ہیں:
پہلی شرط وہ ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا کہ اس کے مقابلہ میں اس سے قوی دلیل موجود نہ ہو، پس اگر صحیح، یا حسن درجہ کی حدیث کسی عمل کی کراہت، یا حرمت پر دلالت کرے، اور ضعیف حدیث اس عمل کے مستحب، یا جائز ہونے پر دلالت کرے، تو زیادہ قوی دلیل پر عمل کیا جائے گا، اور اس قوی دلیل کے مفاد کے مطابق قول کرنے کا زیادہ استحقاق ہوگا۔
اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ حدیث شدید ضعیف نہ ہو، اس طور پر اس کو روایت کرنے میں ''**شـديد الضعف** ''راوی نے تفرد اختیار کیا ہو، جیسا کہ ''**كذاب، فـاحـش الـغلط، مغفل** ''وغیرہ، یا اس کے طرق وسندیں زیادہ ہوں، لیکن ان طرق وسندوں میں سے کوئی بھی شدتِ ضعف سے خالی نہ ہو (وہ حدیث بھی اسی درجہ میں باقی رہتی ہے) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سند کا شدید ضعیف ہونا، جبکہ اس کی کمزوری کی تلافی کرنے والا نہ ہو، اس کو'' معدوم'' کے حکم میں کر دیتا ہے، اور اس کو ایسی موضوع ومن گھڑت حدیث کے حکم کے قریب کر دیتا ہے، جس پر کسی حال میں عمل جائز نہیں (اس لئے جب کسی حدیث کی ایک سے زیادہ سندیں ہوں، اور وہ سب شدید ضعیف ہوں، تو سندوں کا زیادہ ہونا فائدہ مند نہیں، اور وہ موضوع سے ثابت شدہ حکم ہی کا درجہ رکھتی ہیں)
اور تیسری شرط یہ ہے کہ جو بات وعمل اس ضعیف حدیث سے ثابت ہے، وہ

شریعت کے اصولوں میں سے کسی کلی اصول کے تحت داخل ہو، دینی قواعد کے خلاف نہ ہو، تاکہ ایسی چیز کو ثابت کرنا لازم نہ آئے، جو شرعی اعتبار سے ثابت ہی نہیں، پس جب وہ عمل جس پر یہ ضعیف دلالت کرتی ہے، اصولِ شریعت میں داخل ہوگا، ان کے مقابل نہ ہوگا، تو نفسِ جواز ان اصولِ شرعی سے ہی ثابت ہوگا، اور یہ حدیث اس جائز عمل کی تاکید کرنے والی سمجھی جائے گی، اور اسی طرح سے مستحب ہونے کا بھی حکم ہوگا، کیونکہ جائز چیزیں اچھی نیت کی وجہ سے عبادت شمار ہوجایا کرتی ہیں، پس جس چیز میں مستحب کے ثابت ہونے کا شبہ ہو، وہ اچھی نیت کی وجہ سے کیسے عبادت نہیں سمجھی جائے گی۔

اور چوتھی شرط یہ ہے کہ اس ضعیف حدیث پر عمل کرنے والا، اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھے، بلکہ ذمہ داری سے یقین کے ساتھ نکلنے کا عقیدہ رکھے، کہ اگر وہ حدیث اپنی ذات میں صحیح ہوئی، تو معاملہ اسی طرح ہوگا، جو اس حدیث میں مذکور ہے، ورنہ اس عمل پر کوئی شرعی خرابی مرتب نہ ہوگی۔

اور آپ اسی پر اس صورت کو بھی قیاس کر لیجے کہ جب کوئی ضعیف حدیث کسی عمل کی کراہت پر دلالت کرے، اور اس کے مستحب ہونے پر کوئی دوسری دلیل موجود نہ ہو، تو اس کو لیا جائے گا، اور اس پر احتیاطاً عمل کیا جائے گا، کیونکہ مکروہ کا ترک کرنا، مستحب ہے، اور مباح کے ترک کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

اور اس پوری تفصیل سے آپ کے سامنے اس اشکال کا جواب بھی ظاہر ہوگیا، جس کے جواب کی علامہ دوانی اور خفاجی نے جد و جہد کی ہے، اور ان دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کے مقابل مسلک کو اختیار کیا ہے، جس کا خلاصہ، جو اوہام کو دور کرنے والا ہے، وہ یہ ہے کہ استحباب، یا اس کراہت کا ثبوت جو ضعیف حدیث کے ذریعہ استحباب، یا جواز کی قوت میں گذشتہ شرائط کے ساتھ ہو، تو یہ ان کے اس

قول کے خلاف نہیں کہ ضعیف حدیث سے احکام کا ثبوت نہیں ہوتا، کیونکہ کسی چیز کے مستحب، یا مکروہ ، یا جائز ہونے کا حکم جس پر بھی وہ ضعیف حدیث دلالت کرتی ہو، یہ احتیاطی ہے، یہ حدیث صرف اس حکم کی تاکید کرتی ہے، جو پہلے ہی دوسرے دلائل سے ثابت ہے،اس لئے نفس الامر میں نہ تو احکام میں سے کسی بھی حکم کا ثبوت لازم آتا، اور نہ ہی اعتقاد کے اعتبار سے کسی چیز کا ثبوت لازم آتا،البتہ اگر گذشتہ شرائط کا لحاظ نہ کیا جاتا،تو یقینی طور پر اشکال لازم آتا۔

اور غالباً آپ کے سامنے اس گذشتہ صریح بیان،اور بلند ترین وضاحت سے اس وہم کے ازالہ کی بھی وضاحت ہوگئی ہوگی، جو فقہاء اور محدثین کے طرزِ عمل سے پیدا ہوتا ہے کہ وہ بہت سے مواقع پر ضعیف احادیث سے استحباب وغیرہ کو ثابت کرتے ہیں،جبکہ بہت سے مواقع پر اس سے رک جاتے ہیں،تو کیا یہ باہم تعارض وتساقط نہیں ہے؟

اس وہم کا جواب یہی ہے کہ جن مواضع پر فقہاء وعلماء،ضعیف احادیث سے استحباب کو ثابت کرتے ہیں، وہ ایسی احادیث ہوتی ہیں،جن کے شدید ضعیف ہونے پر ان کو آگاہی نہیں ہوتی، اور وہ یہ بات جان لیتے ہیں کہ ان احادیث سے جو بات معلوم ہورہی ہے، وہ ایسے اصولِ شریعت کے تحت داخل ہے،جن پر اعتماد کیا جاسکتا ہے،پس اس لئے وہ حضرات ان احادیث پر اعتبار کر لیتے ہیں۔

اور جن مواضع پر وہ حضرات ضعیف احادیث سے استحباب کو ثابت کرنے سے رک جاتے ہیں،اور ان احادیث کے ضعیف ہونے کی علت بیان کر دیتے ہیں، وہ ایسے اعمال ہوتے ہیں، جو اصولِ شریعت سے ثابت شدہ اعمال کے تحت داخل نہیں ہوتے، یا پھر وہ حضرات ان احادیث میں شدید ضعف کو محسوس کرتے ہیں،اس لئے وہ ان کو بالکلیہ طور پر نا قابلِ اعتبار قرار دیدیتے ہیں۔

لیکن ضعیف احادیث پر اللہ کی صفات میں عمل نہیں ہوتا، پس اگر کوئی ضعیف حدیث اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت پر دلالت کرے، اور یہ صفت کسی معتبر دلیل سے ثابت نہ ہو، تو اس ضعیف حدیث کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اللہ کی صفات اور اللہ کے اسماء پر بغیر معتمد دلیل کی دلالت کے جرأت نہیں کی جائے گی، کیونکہ اس کا تعلق عقائد کے باب سے ہے، اعمال کے باب سے نہیں، اور اسی حکم میں تمام دینی عقائد کو شامل کیا جائے گا، جو صرف صحیح، یا حسن لذاتہ، یا حسن لغیرہ درجہ کی احادیث سے ہی ثابت ہو سکتے ہیں۔

اور یہ بات کیونکر نہیں ہوگی، جبکہ فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ اخبارِ آحاد اگرچہ صحیح ہوں، تو بھی وہ عقائد کے باب میں کفایت نہیں کرتیں، تو پھر ضعیف احادیث کو آپ ان کے مقابلہ میں کیا سمجھتے ہیں۔

اور عقائد کے باب میں کفایت نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ قطعیت کا فائدہ نہیں دیتیں، پس ان عقائد میں مطلقاً معتبر نہیں ہوتیں، جن عقائد میں لوگوں کو یقین کے ساتھ مکلّف کیا جاتا ہے، یہ مطلب نہیں کہ وہ صحیح اور حسن احادیث ظن کا بھی فائدہ نہ دیتی ہوں، یا یہ کہ عقائد میں سرے سے ان کا مطلقاً اعتبار نہ کیا جاتا ہو، جیسا کہ ہمارے زمانہ کے لوگوں کو اس کا وہم ہوگیا ہے (ظفر الامانی)

پھر کچھ آگے چل کر علامہ عبدالحیٔ لکھنوی فرماتے ہیں:

(واحکام الحلال والحرام) فلایثبت بالحدیث الضعیف تحریم شیء ولا تحلیله (ظفر الأمانی فی مختصر الجرجانی فی مصطلح الحدیث، ص ۲۰۴، الباب الاول فی اقسام الحدیث وانواعه، الفصل الثالث، مکتب: المطبوعات الاسلامیة بحلب، الطبعة الثالثة: ۱۴۱۶ھ)

ترجمہ: اور حلال وحرام کے احکام بھی ضعیف حدیث سے ثابت نہیں ہوتے، پس ضعیف حدیث سے کسی چیز کی حرمت، یا حلت کو ثابت نہیں کیا جا سکتا (ظفر الامانی)

علامہ لکھنوی کی تحریر کردہ مذکورہ تحقیق سے الحمدللہ تعالیٰ بہت سی پیچیدہ باتوں کا عقدہ حل ہوگیا۔

اورعلامہ لکھنوی کے مذکورہ موقف کی طرف ہمارا بھی رجحان ہوا۔

علامہ عبدالحئ لکھنوی کا چھٹا حوالہ

اس کے علاوہ علامہ عبدالحئ لکھنوی نے اپنی تالیف ’’ الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل ‘‘میں علامہ عراقی کے حوالہ سے’’جرح‘‘ کے پانچ مراتب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

مراتب الفاظ التجريح على خمس مراتب وجعلها ابن ابى حاتم وتبعه ابن الصلاح اربع مراتب.

المرتبة الاولى :وهى اسوؤها ان يقال فلان كذاب او يكذب او يضع الحديث او وضاع او وضع حديثا او دجال

وادخل ابن حاتم والخطيب بعض الفاظ المرتبة الثانية فى هذه قال ابن أى حاتم اذا قالوا متروک الحديث او ذاهب الحديث او كذاب فهو ساقط لا يكتب حديثه.

المرتبة الثانية :فلان متهم بالكذب او الوضع وفلان ساقط وفلان هالک وفلان ذاهب او ذاهب الحديث او متروک او متروک الحديث او تركوه او فيه نظر او سكتوا عنه فلان لا يعتبر به او لا يعتبر بحديثه او ليس بالثقة او ليس بثقة ولا مأمون ونحو ذلک.

المرتبة الثالثة :فلان رد حديثه او ردوه حديثه او مردود الحديث وفلان ضعيف جدا وواه بمرة وطرحوا حديثه او مطرح او مطرح الحديث وفلان ارم به وليس بشىء او لا شىء وفلان لا يساوى شيئا ونحو ذلک.

وكل من قيل فيه ذلک من هذه المراتب الثلاث لا يحتج به ولا يستشهد به ولا يعتبر به.

المرتبة الرابعة :فلان ضعيف منكر الحديث او حديثه منكر او مظطرب الحديث وفلان واه وضعفوه وفلان لا يحتج به.

المرتبة الخامسة :فلان فيه مقال فلان ضعيف او فيه ضعف او فى حديثه ضعف وفلان يعرف وينكر وليس بذاک او بذاک القوى وليس بالمتين وليس بالقوى وليس بحجة وليس بعمدة وليس بالمرضى وفلان للضعف ما هو وفيه خلف وطعنوا فيه ومطعون وسىء الحفظ ولين او لين الحديث او فيه لين وتكلموا فيه وكل من ذكر من بعدقولى لا يساوى شيئا فانه يخرج حديثه للاعتبار (الرفع والتكميل فى الجرح والتعديل،ص ۱۵۱ الٰى ۱۵۴ ،المرصد الثالث:فى ذكر الفاظ الجرح والتعديل ومراتبهما ودرجات الفاظهما)

ترجمہ: جرح کے پانچ مراتب ہیں، البتہ ابنِ ابی حاتم اوران کی اتباع میں ابنِ صلاح نے چار مراتب بیان کیے ہیں۔

پہلا مرتبہ جو سب سے شدید جرح والا ہے، اس میں درجِ ذیل الفاظ ہیں:

”کذاب، یکذب، یضع الحدیث، وضاع، وضع حدیثا، دجال“

اورابنِ ابی حاتم اور خطیب نے دوسرے مرتبہ کے بعض الفاظ کواسی پہلے مرتبہ میں داخل کیا ہے، ابنِ ابی حاتم نے فرمایا کہ اس پہلے درجہ میں محدثین کے استعمال کردہ درجِ ذیل الفاظ بھی ہیں:

”متروک الحدیث، ذاھب الحدیث، کذاب، ساقط لا یکتب حدیثه“

اوردوسرے مرتبہ میں درجِ ذیل الفاظ ہیں:

فلان متهم بالكذب، متهم بالوضع، ساقط، هالك، ذاهب الحديث، متروك، متروك الحديث، تركوه، فيه نظر، سكتوا عنه، لا يعتبر به، لا يعتبر بحديثه، ليس بالثقه، ليس بثقة ولا مامون، ونحو ذالک“

تیسرے مرتبہ میں درجِ ذیل الفاظ ہیں:

رد حَدِيثه، ردوه حديثه، مردود الحديث، ضعيف جدا، واه بمرة، طرحوا حديثه، مطرح، مطرح الحديث، فلان ارم به، ليس بشيء، لا شيء، لا يساوى شيئا، ونحو ذالک“

اور ہر وہ راوی جس کے بارے میں مذکورہ تین مراتب والے الفاظ کہے گئے ہوں، اس کی حدیث سے نہ تو حجت پکڑی جائے گی، اور نہ اس سے (دوسری روایات کے ساتھ) استشہاد کیا جائے گا، اورنہ ہی اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

چوتھے مرتبہ کے الفاظ یہ ہیں:

”ضعيف، منكر الحديث، حديثه منكر، مضطرب الحديث، واه، ضعفوه، لا يحتج به“

پانچویں مرتبہ کے الفاظ یہ ہیں:

”فیہ مقال، ضعیف، فیہ ضعف، فی حدیثہ ضعف، فلان یعرف وینکر، لیس بذاک، لیس بذاک القوی، لیس بالمتین، لیس بالقوی، لیس بحجۃ، لیس بعمدۃ، لیس بالمرضی، للضعف ماھو، فیہ خلف، طعنوا فیہ، مطعون، سیء الحفظ، لین، لین الحدیث، فیہ لین، تکلموا فیہ“

اور ہر وہ شخص جس کا میرے قول ”لا یساوی شیئا “ کے بعد ذکر ہے، تو اس کی حدیث کو اعتبار کے لئے قبول کیا جائے گا(الرفع والتکمیل)

معلوم ہوا کہ مذکورہ حضرات کے نزدیک جرح کے مندرجہ بالا پانچ مراتب میں سے پہلے تین مراتب ”ضعیف“ سے نیچے آتے ہیں، جن کی روایات کو دوسری اسناد اور روایات کے ساتھ بھی تائید کے طور پر قبول نہیں کیا جائے گا، اور فضائل کے باب میں بھی وہ قابلِ عمل نہ ہوں گی، بلکہ وہ یقینی طور پر، یا غالب گمان کے درجہ میں موضوع، یا شدید ضعیف شمار ہوں گی، اور نقل کرتے وقت ان روایات کی حالت بیان کرنا بھی ضروری ہوگا۔

البتہ چوتھے اور پانچویں مرتبے کی روایات ضعیف شمار ہوں گی، جو اپنی شرائط کے ساتھ فضائل کے باب میں قابلِ عمل ہوں گی۔

علامہ عبدالحئ لکھنوی نے اپنی تالیف ”الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل “میں علامہ سخاوی کے حوالہ سے ”جرح وتعدیل“ میں متشدد ومتساہل اور معتدل ائمہ پر بھی کلام کیا ہے، اور امام احمد، دارقطنی اور ابنِ عدی کو معتدل طبقہ میں ذکر کیا ہے۔ [1]

---

[1] والکل علی ثلاثۃ اقسام ایضا:

قسم منھم :متعنت فی الجرح متثبت فی التعدیل یغمز الراوی بالغلطتین والثلاث فھذا اذا وثق شخصیا فعض علی قولہ بنواجذک وتمسک بتوثیقہ واذا ضعف رجلا فانظر ھل وافقہ غیرہ علی تضعیفہ فان وافقہ ولم یوثق ذلک الرجل احد من الحذاق فھو ضعیف.

وان وثقہ احد فھذا ھو الذی قالوا فیہ لا یقبل فیہ الجرح الا مفسرا یعنی لا یکفی فیہ قول ابن معین مثلا ضعیف ولم یبین سبب ضعفہ ثم یجیء البخاری وغیرہ یوثقہ.

ومثل ھذا یختلف فی تصحیح حدیثہ وتضعیفہ ومن ثم قال الذھبی وھو من اھل الاستقراء التام فی نقد الرجال لم یجتمع اثنان من علماء ھذا الشان قط علی توثیق ضعیف ولا علی تضعیف ثقۃ.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عراقی، ابنِ عینی، سنیکی، مناوی، اور کا سلافہ بالامیر کا حوالہ

ابوالفضل زین الدین عبدالرحیم عراقی (المتوفی: 806ھ) نے ''شرح التبصرۃ والتذکرۃ'' میں جرح کے پانچ مراتب ذکر کیے ہیں، جن کا ماحصل وہی ہے، جو علامہ لکھنوی کے حوالہ سے پیچھے نقل کیا گیا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولھذا کان مذھب النسائی الا ان یترک حدیث الرجل حتی یجتمع الجمیع علی ترکه.
وقسم منھم :متسمح کالترمذی والحاکم.
قلت وکابن حزم فانه قال فی کل من .
وقال ایضا فی ترجمة البخاری فی کتابه سیر النبلاء قال ابی عیسی الترمذی وابی القاسم البغوی واسماعیل بن محمد الصفار وابی العباس الاصم وغیرھم من المشھورین انه مجھول.
وقسم معتدل کاحمد والدارقطنی وابن عدی(الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل،ص ۲۸۳ الیٰ ۳۰۶،المرصد الرابع فی فوائد متفرقة متعلقة بالمباحث المتقدمة،ایقاظ:فی لزوم التروی والنظر فی قبول جرحھم للراوی)

[1] مراتب ألفاظ التجریح علی خمس مراتب، وجعلها ابن أبی حاتم -وتبعه ابن الصلاح -أربع مراتب:
المرتبة الأولی :وھی أسوؤھا أن یقال :فلان کذاب، أو یکذب، أو فلان یضع الحدیث، أو وضاع، أو وضع حدیثا، أو دجال .وادخل ابن أبی حاتم، والخطیب بعض ألفاظ المرتبة الثانیة فی ھذه .قال ابن أبی حاتم :(إذا قالوا :متروک الحدیث، أو ذاھب الحدیث، أو کذاب، فھو ساقط، لا یکتب حدیثه) . وقال الخطیب :أدون العبارات أن یقال :کذاب ساقط، وقد فرقت بین بعض ھذه الألفاظ تبعا لصاحب "المیزان ."
المرتبة الثانیة:...... فلان متھم بالکذب، أو الوضع، وفلان ساقط، وفلان ھالک، وفلان ذاھب، أو ذاھب الحدیث، وفلان متروک، أو متروک الحدیث أو ترکوه، وفلان فیه نظر، وفلان سکتوا عنه -وھاتان العبارتان یقولھما البخاری فیمن ترکوا حدیثه -، فلان لا یعتبر به، أو لا یعتبر بحدیثه، فلان لیس بالثقة، أو لیس بثقة، أو غیر ثقة ولا مأمون، ونحو ذلک.
المرتبة الثالثة:...... فلان رد حدیثه، أو ردوا حدیثه، أو مردود الحدیث، وفلان ضعیف جدا، وفلان واه بمرة، وفلان طرحوا حدیثه، أو مطرح، أو مطرح الحدیث، وفلان أرم به، وفلان لیس بشیء، أو لا شیء، وفلان لا یساوی شیئا، ونحو ذلک .
وکل من قیل فیه ذلک من ھذه المراتب الثلاث، لا یحتج به، ولا یستشھد به، ولا یعتبر به.
المرتبة الرابعة:...... فلان ضعیف، فلان منکر الحدیث، أو حدیثه منکر، أو مضطرب الحدیث، وفلان واه، وفلان ضعفوه، وفلان لا یحتج به.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

زین الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر، ابن عینی حنفی (المتوفیٰ: 893ھ) نے ''شرح ألفية العراقی'' میں بھی جرح کے ان ہی پانچ مراتب کا ذکر کیا ہے، اوران کا حکم بھی یہی بیان کیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المرتبة الخامسة :......فلان فيه مقال، فلان ضعف، أو فيه ضعف، أو فى حديثه ضعف، وفلان تعرف وتنكر، وفلان ليس بذاك، أو بذاك القوى وليس بالمتين، وليس بالقوى، وليس بحجة، وليس بعمدة، وليس بالمرضى وفلان للضعف ما هو، وفيه خلف، وطعنوا فيه، أو مطعون فيه، وسىء الحفظ، ولين، أو لين الحديث، أو فيه لين، وتكلموا فيه، ونحو ذلك.

وقولى :(وكل من ذكر من بعد شيئا) ، أى :من بعد قولى :(لا يساوى شيئا) ، فإنه يخرج حديثه للاعتبار، وهم المذكورون فى المرتبة الرابعة والخامسة.

قال ابن أبى حاتم :إذا أجابوا فى رجل بأنه لين الحديث، فهو ممن يكتب حديثه، وينظر فيه اعتبارا. وإذا قالوا :ليس بقوى :فهو بمنزلته فى كتب حديثه، إلا أنه دونه .وإذا قالوا :ضعيف الحديث، فهو دون الثانى، لا يطرح حديثه، بل يعتبر به .وقد تقدم فى كلام ابن معين ما قد يخالف هذا من أن من قال فيه :ضعيف، فليس بثقة، لا يكتب حديثه .وتقدم أن ابن الصلاح أجاب عنه :بأنه لم يحكه عن غيره من أهل الحديث .وسأل حمزة السهمى الدارقطنى :أيش تريد إذا قلت :فلان لين؟ قال :لا يكون ساقطا متروك الحديث، ولكن مجروحا بشىء لا يسقط عن العدالة.

وأما تمييز ما زدته من ألفاظ الجرح على ابن الصلاح، فهى :فلان وضاع، ويضع، ووضع، ودجال، ومتهم بالكذب، وهالك، وفيه نظر، وسكتوا عنه، ولا يعتبر به، وليس بالثقة، ورد حديثه، وضعيف جدا، وواه بمرة، وطرحوا حديثه، وارم به، ومطرح، ولا يساوى شيئا، ومنكر الحديث وواه، وضعفوه، وفيه مقال، وضعف، وتعرف وتنكر، وليس بالمتين، وليس بحجة، وليس بعمدة، وليس بالمرضى، وللضعف ما هو، وفيه خلف، وطعنوا فيه، وسىء الحفظ، وتكلموا فيه.

فهذه الألفاظ لم يذكرها ابن أبى حاتم، ولا ابن الصلاح، وهى موجودة فى كلام أئمة أهل هذا الشأن، وأشرت إلى ذلك بقولى :(وزدت ما فى كلام أهله وجدت)(شرح التبصرة والتذكرة، ج ١، ص ٣٧٦ الٰی ٣٧٩،معرفة صفة من تقبل روايته ومن ترد،مراتب التجريح)

[1] (وأسوأ) مراتب (التجريح:) أن يقال: فلان (كذاب) أو فلان (يضع) أو (يكذب)، أو (وضاع ودجال) أو (وضع).

(وبعدها) المرتبة الثانية فلان (متهم بالكذب وساقط وهالك فاجتنب وذاهب) أو ذاهب الحديث، وفلان (متروك) أو متروك الحديث، أو تركوه، (او فيه نظر وسكتوا عنه به لا يعتبر)، أو لا يعتبر بحديثه، (وليس بالثقة)، أو ليس بثقة، ونحو ذلك.

(ثم) المرتبة الثالثة فلان (ردا حديثه)، أو مردود الحديث، (كذا فلان ضعيف جدا)، فلان (واه بمرة، وهم)، فلان (قد طرحوا حديثه) (و) فلان (ارم به) أو (مطرح) أو مطرح الحديث، (ليس بشىء، لا يساوى شيئا)، ونحو ذلك. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

زین الدین زکریا بن محمد انصاری سنیکی (المتوفی: 926ھ) نے ''الفیة العراقی'' کی شرح ''فتح الباقی'' میں جرح کے چھ مراتب کا ذکر کیا ہے، اور آخری دو مراتب کا وہی حکم بیان کیا ہے، جو پہلے گذرا، البتہ انہوں نے ''کذب، وضع'' کے مبالغہ والے صیغوں پر مشتمل جرح کو سب سے اشد، اور قبیح جرح ہونے کی وجہ سے الگ مرتبہ شمار کیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ درجہ سب سے شدید ہے، اس لئے اس درجہ والی روایت کا کسی درجہ میں اعتبار نہیں ہوگا، اور اس تقسیم کے مطابق پہلے چار درجات کا وہ حکم ہوگا، جو دوسری تقسیم کے مطابق پہلے تین درجات کا ہے، اور بعد کے دو درجات کے حکم میں کوئی فرق واقع نہ ہوگا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(ثم) المرتبة الرابعة فلان (ضعيف، وكذا إن جيئا بمنكر الحديث، أو مضطربه) وفلان (واه، وضعفوه، لا يحتج به).

(وبعدها) المرتبة الخامسة: فلان (فيه مقال)، فلان (ضعف، وفيه ضعف)، وفلان (تنكر وتعرف)، وفلان (ليس بذاك)، ليس (بالمتين، بالقوى، بحجة، بعمدة،) ليس (بالمرضى)، وفلان (للضعف ما هو، فيه خلف، طعنوا فيه، كذا سيء حفظ، لين)، أو لين الحديث، (تكلموا فيه)، ونحو ذلك.

(وكل من ذكر من بعد) لفظ لا يساوى (شيئا بحديثه اعتبر) أى: يخرج حديثه للاعتبار وهم المرتبة الرابعة والخامسة، فعلم أن من قيل فيه شيء مما قبل ذلك من المراتب الثلاثة لا يحتج به ولا يعتبر به(شرح ألفية العراقى فى علوم الحديث، ص ١٦٩، ١٧٠، معرفة من تقبل روايته ومن ترد، مراتب التجريح)

[1] (وأسوأ التجريح) ما أتى -كما قال شيخنا - بصيغة أفعل، ك :أكذب الناس، وكذا إليه المنتهى فى الكذب، أو الوضع.

ثم يليه مرتبة ثانية بالنظر لذلك، وهى:

(كذاب)، أو (يضع) أى :الحديث، أو (يكذب)، أو (وضاع، و) كذا (دجال)، أو (وضع) أى: الحديث .وهذه الألفاظ -وإن كانت فى مرتبة -تتفاوت، كما لا يخفى.

(وبعدها) أى :هذه المرتبة، ثالثة، وهى:

فلان (متهم بالكذب)، أو بالوضع، (و) فلان (ساقط، و) فلان (هالك؛ فاجتنب) الرواية عنهم.

(و) فلان (ذاهب)، أو ذاهب الحديث، أو (متروك)، أو متروك الحديث، أو تركوه، (او) - بدرج الهمزة-، (فيه نظر، و) فلان (سكتوا عنه)، أو (به لا يعتبر) عند المحدثين، أو لا يعتبر بحديثه، (و) فلان (ليس بالثقة)، أو ليس بثقة، أو غير مأمون، أو نحوها.

(ثم) يليها رابعة، وهى:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

زین الدین عبدالرؤف مناوی (المتوفیٰ: 1031 ھ) نے بھی ''الیواقیت والدرر'' میں یہی مذکورہ طرزِ عمل اختیار کیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فلان (ردا) ببنائه للمفعول (حديثه)، أو ردوا حديثه، أو مردود، أو مردود الحديث، و (كذا) فلان (ضعيف جدا)، وفلان (واه بمرة) أى :قولا جازما، (و) فلان (هم) أى :المحدثون (قد طرحوا حديثه، و) فلان (ارم به)، أو (مطرح)، أو مطروح الحديث، أو لا يكتب حديثه، أو (ليس بشیء)، أو لا شیء، أو لا يساوى فلسا، أو (لا يساوى شيئا)، أو نحوها.

(ثم) يلى هذه خامسة، وهى:

فلان (ضعيف، وكذا إن جيئا) - بألف الإطلاق -فى وصف الراوى (بمنكر الحديث)، أو حديثه منكر، أو له ما ينكر، أو مناكير، (أو مضطربه أى :الحديث، أو (واه، و) فلان (ضعفوه)، أو (لا يحتج به.

(وبعدها) سادسة، وهى:

فلان (فيه مقال)، أو أدنى مقال، أو (ضعف) - بالتشديد، والبناء للمفعول -، (و) فلان (فيه)، أو فى حديثه (ضعف)، أو (تنكر) أى :منه مرة، (وتعرف) أى :منه أخرى)؛ لكونه يأتى مرة بالمناكير، ومرة بالمشاهير.

والجزء الثانى من عجز البيت دخله الكف، إن لم تشبع حركة (تنكر)، وهو لا يدخل بحر الرجز، ولو قال :(تنكره) - بهاء ساكنة -سلم من ذلك، و (تعرف) دخله الخبن والقطع ،وفلان (ليس بذاك)، أو بذاك القوى، أو ليس (بالمتين)، أو ليس (بالقوى) أو ليس (بحجة)، أو ليس (بعمدة)، أو ليس بمأمون، أو ليس (بالمرضى،وفلان مجهول، أو فيه جهالة، أو لا أدرى ما هو، أو (للضعف ما هو) أى :هو قريب منه على ما مر، أو (فيه خلف)، أو (طعنوا فيه)، أو مطعون فيه.

(كذا) سیء حفظ)، أو (لين)، أو لين الحديث، أو فيه لين، أو (تكلموا فيه).

والحكم فى أهل المراتب الأربع الأول :أنه لا يحتج بأحد منهم، ولا يستشهد به، ولا يعتبر به.

(وكل من ذكر من بعد) قوله :لا يساوى (شيئا)، وهو ما عدا الأربع(بحديثه اعتبر) لإشعار صيغته بصلاحية المتصف بمضمونها لذلك(فتح الباقى بشرح ألفية العراقى،ج ا ،ص ۳۵۰ الٰى ۳۵۲، معرفة من تقبل روايته ومن ترد،مراتب التجريح)

[1] وللجرح مراتب أسوأها أى أكثرها سوء أى قبحا الوصف بما دل على المبالغة فيه، وأصرح ذلك التعبير بأفعل بفتح الهمزة والعين صيغة / مبالغة كأكذب الناس، وكذا قولهم إليه المنتهى فى الوضع .أو -فى نسخة -الكذب أو هو ركن الكذب، ونحو ذلك.

ثم بعد ذلك فى الرتبة دجال، أو وضاع، أو كذاب لأنها وإن كانت فيها نوع مبالغة لكنها دون التى قبلها فى القبح، لأنها قد تستعمل لأصل الفعل فلذلك كانت دون، هذا ما اختاره المؤلف تبعا لجمع، وجعله أبو حاتم وتبعه ابن الصلاح وابن الجوزى من المرتبة الأولى :كمتروك الحديث، واه، ذاهب الحديث، لسقوطهم وعدم الكتابة عنهم. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عزالدین محمد بن اسماعیل بن صلاح صنعانی، المعروف کاسلافہ بالامیر (المتوفیٰ: 1182ھ) نے "توضیح الأفكار لمعاني تنقيح الأنظار" میں جرح کے پانچ مراتب کا ذکر کیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأسهلها -أی الألفاظ الدالة على الجرح أی أدناها ما قرب من التعديل قولهم :فلان لين، أو سیء الحفظ، أو فيه أدنى مقال.

وبين أسوأ الجرح وأسهله مراتب لا تخفى .وقولهم :متروک أو ساقط، أو فاحش الغلط، أو منكر الحديث اشد من قولهم :ضعيف، أو ليس بالقوى أو فيه مقال.

وقال بعضهم :أسوأ المراتب بعد صيغة المبالغة :يكذب يضع .ويليها متهم بالكذب، متهم بالوضع، ساقط، هالک، ذاهب الحديث، متروک، تركوه، فيه نظر، سكتوا عنه، لا يعتبر حديثه، ليس بالثقة، غير مأمون .ويليها :مردود، ضعيف جدا، واه بمرة، مطروح، أرم به، ليس بشیء، لا يساوى درهما، لا يساوى فلسا.

وكل من وصف بشیء من هذه المراتب لا يحتج به، ولايستشهد بحديثه، لا يعتبر به.

ويليها :ضعيف، منكر الحديث، مضطرب الحديث، واه / ضعفوه، لا يحتج به .ويليها :فيه مقال، ليس بذاک ليس بالقوی، تعرف وتنكر، ليس بعمدة، فيه خلف، مطعون فيه، سیء الحفظ، لين، تكلموا فيه .وأصحاب هاتين الرتبتين يكتب حديثهم للاعتبار(اليواقيت والدرر فی شرح نخبة ابن حجر، ج۲،ص ۳۵۳ الٰی ۳۵۵،معرفة أحوال الرواة جرحا وتعديلا)

[1] "مراتب التجريح هی خمس مراتب وجعلها إن أبی حاتم أربعاوتبعمه ابن الصلاح "وسوقها المنصف كالزين فی التدلی إلى الأدنى معأن العكس كما فعله ابن أبی حاتم وابن الصلاح كان أنسب لتكون مراتب القسمين منخرطة فی سلک واحد بحيث يكون أولها الأعلى من التعديل وآخرها الأعلى من التجريح.

"الأولى:......من المراتب الأربع "وهی أسوؤها أن يقال فلان كذاب أو يكذب أو يضع الحديث أو وضاع الحديث أو وضع حديثا أو دجال "وذكر السخاوی عن شيخه الحافظ ابن حجر أنه جعل المرتبة الأولى مادل على المبالغة كأكذب الناس وإليه المنتهی فی الوضع وهو ركن الكذب قال فهذه المرتبة الأولى ثم يليها كذاب إلى آخر ما سرده المصنف.

قلت :والذی فی مقدمة التقريب أنه جعل المرتبة الثانية عشر من أطلق عليه اسم الكذب ولاوضع هذا لفظه وهی أول المراتب هنا.

وفی النخبة وشرحها الطعن يكون بعشرة أشياء إلى أن قال وهذا ترتيبها على الأشد فالأشد فی موجب الرد لأن الطعن إما يكذب الراوی ثم قال وهو الموضع فجعل الوصف بالكذب أول المراتب بأی عبارة كان.

"وأدخل ابن أبی حاتم والخطيب بعض ألفاظ المرتية الثانية وفی هذه المرتبة قال ابن أبی حاتم إذا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس جس حدیث پر کسی نے ضعیف وغیرہ کا حکم لگایا ہو، اس کو مذکورہ اصول کی روشنی میں ہی دیکھنا چاہیے کہ وہ کس درجہ کا ضعف ہے۔

اب مذکورہ تفصیل کی روشنی میں ایسی متعدد روایات کی حقیقت اور ان کے درجہ ومرتبہ کو آسانی معلوم کیا جا سکتا ہے، جن کو آج فضائل، بلکہ احکام وعقائد تک کے باب میں پیش کیا جانے لگا ہے، جبکہ وہ روایات محدثین کے مذکورہ بالا بیان کردہ اصول کے مطابق شدید ضعیف، بلکہ موضوع کا درجہ رکھتی ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قالوا متروک أو ذاهب الحديث أو كذب فهو ساقط لا يكتب حديثه وقال الخطيب أدون العبارات أن يقال كذاب ساقط الحديث قال الزين "بعد نقله لهذا الكلام "وقد فرقت بين هذه الألفاظ تبعا لصاحب الميزان يعنى الحافظ الذهبى فإنه جعلها من الثانية."

"المرتبة الثانية:......وألفاظها "فلان متهم بالكذب أو الوضع فلان ساقط وفلان هالک وفلان ذاهب أو ذاهب الحديث أو متروک أو متروک الحديث أو تركوه أول يعتبر به أو بحديثه أوليس بالثقة أو غير ثقة ولا مأمون أو نحو ذلک وفيه نظر وسكتوا عنه "قال الزين وهاتان العبارتان للبخارى فيمن تركوا حديثه.

"المرتبة الثالثة:....... فلان رد حديثه أو ردوا حديثه أو مردود الحديث أو ضعيف جدا أو واه بمرة" قال الحافظ ابن حجر :أى قولا واحدا لا تردد فيه "أو طرحوا حديثه أو مطروح الحديث وارم به وفلان ليس بشيء أو لا شيء أو لا يساوى شيئا أو نحو ذلک "قال زين الدين بعد سرده لهذه الألفاظ "وكل من قيل فيه ذلک من "أهل "هذه المراتب الثلاث لا يحتج به ولا يعتبر ولا يستشهد به "انتهى.

قال المصنف "ونلحق بذلک فائدة و "هى أن الحافظ ابن حجر ذكر فى مقدمة شرح البخارى فى ترجمة عبد العزيز بن المختار البصرى "أنه ذكر ابن القطان "الفاسى بالفاء نسبة إلى فاس "أن مراد ابن معين بقوله فى بعض الرواة ليس بشيء يعنى أن أحاديثه قليلة جدا "فلا يكون إطلاق ذلک اللفظ جرحا.

"المرتبة الرابعة:....... فلان ضعيف أو منكر الحديث أوواه أو ضعفوه أو لا يحتج به وقال الحافظ ابن حجر :فى ترجمة يزيد بن عبد الله بن خصيفة "ضبطه الحافظ فى التقريب بمعجمة ثم مهملة وقال إنه ثقة "الكندى إن أحمد بن حنبل يطلق على من يغرب "أى يأتى بالغرائب "على أقرانه فى الحديث أنه منكر الحديث قال عرف ذلک بالإستقراء من حاله قال وابن خصيفة احتج به مالک والأئمة كلهم مع قول أحمد ذلک فيه "فاصطلاح أحمد غير اصطلاح غيره فينبغى أنه يتنبه له.

"وكذا قال "الحافظ "إن مذهب البرذنجى "تقدم لنا ضبطه "أن المنكر هو الفرد وإن تفرد به ثقة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مثلاً ہمارے یہاں بہت سی کتب ورسائل میں ایک عرصہ سے تسامح کی بنیاد پر ''احیاءِ امِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث'' کو بطور حجت ذکر کیا جاتا ہے، اوراس کی تردید کو گوارا نہیں کیا جاتا، حالانکہ اس کی سند میں ایک راوی ''محمد بن یحییٰ زہری، ابوغزیۃ مدنی'' ہے، جس پر محدثین نے شدید جرح کی ہے، جس میں ''کذاب'' اور ''متهم بالكذب'' ہونے کی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فلا يكون قوله فى الراوى إنه منكر الحديث جرحا ذكره فى ترجمة يونس بن القاسم الحنفى اليمانى."

"المرتبة الخامسة:...... فلان يقال فيه أو ضعف أو فيه ضعف أو فى حديثه ضعف أو فلان تعرف وتنكر أو ليس بذلك أو ليس بذاك القوى أو ليس بالقوى أو ليس بالمتين،أو ليس بحجة أو ليس بعمدة أو بالمرضى أو للضعف ما هو "هى مثل قوله إلى الصدق ما هو واللام بمعنى إلى "أو فيه خلاف أو طعنوا فيه أو مطعون فيه أو سىء الحفظ أو لين أو لين الحديث أو فيه لين أو تكلموا فيه ونحو ذلك "قال ابن المدينى بعد سرده لما ذكر.

"وكل "مبتدأ مضاف إلى "من ذكر فى المرتبة الرابعة أو الخامسة فإنه "خبر كل وأدخلت الفاء كما عرف فى النحو "يخرج حديثه للاعتبار "وتقدم بيانه.

"قال ابن أبى حاتم إذا أجابوا فى رجل أنه لين الحديث فهو ممن يكتب حديثه وينتظر فى اعتبارا" وهو من أهل المرتبة الخامسة كما عرفت "وإذا قالوا ليس بقوى "فهو من أهل المرتبة الرابعة "فهو بمنزلته "لين الحديث فى كتابه حديثه إلا أنه دونه "وإذا قالوا ضعيف فهو دون الثانى "أى دون قولهم ليس بقوى لا يطرح حديثه بل يعتبر فيه.

"قال "زين الدين "وقد تقدم فى كلام ابن معين ما قد يخالف هذا من أن من قال فيه ضعف فليس بثقة لا يكتب حديثه وتقدم أن ابن الصلاح أجاب عنه بأنه لم يحكه عن غيره من أهل الحديث "كما سلف "وسأل حمزه السهمى الدرا قطنى أيش تريد "أصله أى شىء فخفف ووصل "إذا قلت :فلان لين قال لا يكون ساقطا متروك الحديث ولكن مجروحا بشىء لا يسقط عن العدالة."

قال الزين "وأما تمييز ما زدته من ألفاظ الجرح على ابن الصلاح فهى فلان يضع ووضاع ودجال ومتهم بالكذب وهالك وفيه نظر وسكتوا عنه ولا يعتبر به وليس بالثقة ورد حديثه وضعيف جدا رواه بمرة وطرحوا حديه وارمبه ومطرح ولا يساوى شيئا ومنكر الحديث رواه وضعفوه وفيه مقال أو ضعف ويعرف وينكر أى يأتى مرة بالمناكير ومرة بالمشاهير فينبغى أن ينظر حديثه ولا يؤخذ ما رواه مسلما وهو قريب من قولهم فى التوثيق محلقه الصدق وما معها من ألفاظ المرتبة الرابعة وليس بالمتين وليس بحجة وليس بعمدة وليس بالمرضى وللضعف ما هو وفيه خلاف وطعنوا فيه وسىء الحفظ وتكلموا فيه فهذه لم يذكرها ابن أبى حاتم ولا ابن الصلاح وهى موجودة فى كلام أئمة هذا الشأن "انتهى كلام زين الدين(توضيح الأفكار لمعانى تنقيح الأنظار،ج٢،ص١٦٦ الٰى ١٦٨، رقم المسألة: ٥١ فى مراتب الجرح)

جرح بھی داخل ہے۔

حافظ ذہبی نے اس حدیث کو گھڑی ہوئی قرار دیا ہے۔ [1]

اور ''محمد بن یحییٰ زہری، ابوغزیۃ مدنی'' کو امام دارقطنی (المتوفی:385ھ) نے حدیث گھڑنے والا فرمایا ہے۔ [2]

نیز حافظ ذہبی نے ''میزانُ الاعتدال'' میں ''ابو غزیة محمد بن یحییٰ'' کے متعلق دارقطنی سے ''متروک'' ہونا نقل کیا ہے۔ [3]

اور علامہ جلال الدین سیوطی نے ''جمعُ الجوامع'' میں ''محمد بن یحییٰ زہری، ابوغزیۃ مدنی'' کو متروک کہا ہے۔ [4]

اور علامہ ابنِ حجر نے بھی ''لسانُ المیزان'' میں اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ [5]

اور علامہ ابنِ تیمیہ (المتوفی:728ھ) نے بھی مدلل انداز میں اس حدیث کے موضوع

---

[1] وبسند وضع على هشام بن عروة، عن أبيه عن عائشة :أحيا لي أمي، فآمنت بي، ثم ردها (أحاديث مختارة من موضوعات الجورقاني وابن الجوزي، ص۹۵، رقم: ۶۸"۴۲"باب :في ذكر عبد الله بن عبد المطلب، وآمنة بنت وهب، وعبد المطلب)

[2] محمد بن يحى الزهري .أبوغزية مدني عن عبد الوهاب بن موسى يضع (الضعفاء والمتروكون للدارقطني، ج۳ص ۱۳۱، تحت رقم الترجمة ۴۸۱، حرف الميم)

[3] محمد بن يحيى، أبو غزية المدني .عن موسى بن وردان .قال الدارقطني: متروك (ميزان الاعتدال، ج۴ص ۶۲، تحت رقم الترجمة ۸۲۹۹)

[4] وفيه أبو غزية محمد بن يحيى الزهري متروك (جمع الجوامع، ج۱۷، ص ۲۹۲، رقم الحديث ۹۵۶"۴"، مسند علي بن أبي طالب -رضي الله عنه)

[5] عبد الوهاب بن موسى أبو العباس عن عبد الرحمن بن أبي الزناد بحديث: إن الله أحيى لي أمي فآمنت بي ...الحديث.

لا يدرى من ذا الحيوان الكذاب فإن هذا الحديث كذب مخالف لما صح أنه عليه السلام استأذن ربه في الاستغفار لها فلم يؤذن له، انتهى............

ونقل ابن الجوزي عن شيخه محمد بن ناصر: أن هذا الحديث موضوع لأن قبر آمنة بالأبواء كما ثبت في الصحيح وأبو غزية هذا زعم أنه بالحجون.

وسبق ابن الجوزي إلى الحكم بوضعه ومعارضته بحديث بريدة: الجوزقاني في كتاب الأباطيل (لسان الميزان، ج۵، ص ۳۰۸ الىٰ ۳۱۰ ملخصاً، تحت رقم الترجمة ۴۹۸۷، تابع حرف العين)

ہونے پر کلام کیا ہے۔ لے

لے سئل الشیخ -رحمہ اللہ تعالیٰ :
هـل صـح عـن النبی صلی الله علیه وسلم أن الله تبارک وتعالی أحیا له أبویه حتی أسلما علی یدیه ثم ماتا بعد ذلک ؟
فأجاب :لـم یـصـح ذلک عن أحد من أهل الحدیث ؛ بل أهل المعرفة متفقون علی أن ذلک کذب مختلق وإن کان قد روی فی ذلک أبو بکر -یعنی الخطیب -فی کتابه "السابق واللاحق "وذکره أبـو القاسم السهیلی فی "شـرح السیرة "بإسـنـاد فیـه مـجـاهیل وذکره أبو عبد الله القرطبی فی "التذکرة "وأمثال هذه المواضع .
فـلا نزاع بین أهل المعرفة أنه من أظهر الموضوعات کذبا کما نص علیه أهل العلم ولیس ذلک فی الـکـتـب الـمـعـتـمـدة فی الحدیث ؛ لا فی الصحیح ولا فی السنن ولا فی المسانید ونحو ذلک من کتـب الـحـدیث المعروفة ولا ذکره أهل کتب المغازی والتفسیر وإن کانوا قد یروون الضعیف مع الصحیح .
لأن ظهـور کـذب ذلک لا یخفی علی متدین فإن مثل هذا لو وقع لکان مما تتوافر الهمم والدواعی علی نقله فإنه من أعظم الأمور خرقا للعادة من وجهین:
من جهة إحیاء الموتی :ومن جهة الإیمان بعد الموت .
فکان نقل مثل هذا أولی من نقل غیره فلما لم یروه أحد من الثقات علم أنه کذب .
والـخطیب البغدادی هو فی کتاب "السابق واللاحق "مـقـصـوده أن یذکر من تقدم ومن تأخر من المحدثین عن شخص واحد سواء کان الذی یروونه صدقا أو کذبا.
وابن شاهین یروی الغث والسمین .
والسهیلی إنما ذکر ذلک بإسناد فیه مجاهیل .
ثـم هذا خلاف الکتاب والسنة الصحیحة والإجماع .قـال اللّٰه تعالی :(إنـما التوبة علی اللّٰه للذین یـعـمـلـون السوء بجهالة ثم یتوبون من قریب فأولئک یتوب اللّٰه علیهم وکان اللّٰه علیما حکیما) (ولیسـت التـوبة لـلـذین یعملون السیئات حتی إذا حضر أحدهم الموت قال إنی تبت الآن ولا الذین یموتون وهم کفار) .
فبین اللّٰه تعالی :أنه لا توبة لمن مات کافرا .
وقـال تعالی :(فـلـم یک یـنـفـعهـم إیمانهم لما رأوا بأسنا سنة اللّٰه التی قد خلت فی عباده وخسر هـنـالک الکافرون) فـأخبـر أن سـنتـه فـی عبـاده أنـه لا یـنفع الإیمان بعد رؤیة البأس ؛ فکیف بعد الموت؟
ونحو ذلک من النصوص .
وفی صحیح مسلم " :(أن رجـلا قال للنبی صلی اللّٰه علیه وسلم أین أبی ؟ قال :إن أباک فی النار .فلما أدبر دعاه فقال :إن أبی وأباک فی النار) ."
وفی صحیح مسلم أیضا أنه قال " :(استأذنت ربی أن أزور قبر أمی فأذن لی واستأذنته فی أن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس اگر کسی نے اس حدیث کے صرف ضعیف کہنے پر اکتفاء کیا ہو، یا اس کو اس کے شدتِ ضعف، یا موضوع ہونے کی تحقیق نہ ہوئی ہو، تو اس کو فضیلت کے باب میں بھی معتبر سمجھنا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أستغفر لها فلم يأذن لى .فزوروا القبور فإنها تذكر الآخرة) . "
وفى الحديث الذى فى المسند وغيره قال " :(إن أمى مع أمك فى النار)
" فإن قيل :هذا فى عام الفتح والإحياء كان بعد ذلك فى حجة الوداع ولهذا ذكر ذلك من ذكره وبهذا اعتذر صاحب التذكرة.
وهذا باطل لوجوه - :
الأول :إن الخبر عما كان ويكون لا يدخله نسخ كقوله فى أبى لهب :(سيصلى نارا ذات لهب) وكقوله في الوليد :(سأرهقه صعودا) . وكذلك فى " :(إن أبى وأباك فى النار) " و "(إن أمي وأمك فى النار) "
وهذا ليس خبرا عن نار يخرج منها صاحبها كأهل الكبائر ؛ لأنه لو كان كذلك لجاز الاستغفار لهما .
ولو كان قد سبق فى علم الله إيمانهما لم ينهه عن ذلك فإن الأعمال بالخواتيم ومن مات مؤمنا فإن الله يغفر له فلا يكون الاستغفار له ممتنعا .
الثانى :أن النبى صلى الله عليه وسلم زار قبر أمه لأنها كانت بطريقه "بالحجون "عند مكة عام الفتح وأما أبوه فلم يكن هناك ولم يزره إذ كان مدفونا بالشام فى غير طريقه فكيف يقال :أحيي له؟ .
الثالث :إنهما لو كانا مؤمنين إيمانا ينفع كانا أحق بالشهرة والذكر من عميه :حمزة والعباس ؛ وهذا أبعد مما يقوله الجهال من الرافضة ونحوهم.من أن أبا طالب آمن ويحتجون بما فى "السيرة "من الحديث الضعيف وفيه أنه تكلم بكلام خفى وقت الموت .
ولو أن العباس ذكر أنه آمن لما كان (قال للنبى صلى الله عليه وسلم عمك الشيخ الضال كان ينفعك فهل نفعته بشىء ؟ فقال :وجدته فى غمرة من نار فشفعت فيه حتى صار فى ضحضاح من نار فى رجليه نعلان من نار يغلى منهما دماغه ولولا أنا لكان فى الدرك الأسفل من النار) . "
هذا باطل مخالف لما فى الصحيح وغيره فإنه كان آخر شىء قاله :هو على ملة عبد المطلب وأن العباس لم يشهد موته مع أن
ذلك لو صح لكان أبو طالب أحق بالشهرة من حمزة والعباس فلما كان من العلم المتواتر المستفيض بين الأمة خلفا عن سلف أنه لم يذكر أبو طالب ولا أبواه في جملة من يذكر من أهله المؤمنين كحمزة والعباس وعلى وفاطمة والحسن والحسين رضى الله عنهم كان هذا من أبين الأدلة على أن ذلك كذب .
(الرابع :أن الله تعالى قال (قد كانت لكم أسوة حسنة فى إبراهيم والذين معه إذ قالوا لقومهم إنا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

درست نہیں، بلکہ کوئی ضعیف قرار دینے پر ہی ہٹ دھرمی کرے، تب بھی عقیدہ کے باب میں ضعیف حدیث کا اعتبار نہیں کیا جاتا، اور یہ حدیث صحیح احادیث کے بھی خلاف ہے۔ [1]

جس کی ہم نے دوسری مفصل تالیفات میں تحقیق بیان کردی ہے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی کا حوالہ

مولانا رشید احمد گنگوہی (المتوفیٰ:1323ھ) فرماتے ہیں:

الأحاديث الواردة فی فضل التطوع بعد صلاة المغرب ضعاف إلا أن الرواية الضعيفة معتبرة فی فضائل الأعمال، ولا يذهب عليک أن المراد بقولهم هذا ليس اعتبار الرواية الضعيفة فی کل ما ورد من الفضائل مطابقا للأصول أو مخالفا مثبتا فضل العمل الجائز أو الغير الجائز حتى يرد عليه أن ذلک يخالف ما مهدوا من قاعدتهم أن الحديث الضعيف لا يثبت به حکم بل المراد أنه إذا کان الأمر جائزا فی نفسه من حيث الشرع کالنفل بعد المغرب فی مسألتنا ثم وردت فی إثبات فضله رواية قبلت على ضعفها فأنا لم نثبت الحکم بهذه الرواية بل فضل الصلاة مطلقا ثابت بالروايات

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

برآء منکم) - إلى قوله -(لأستغفرن لک وما أملک لک من الله من شیء) الآية .وقال تعالى (وما کان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه)

فأمر بالتأسی بإبراهيم والذين معه ؛ إلا فی وعد إبراهيم لأبيه بالاستغفار .وأخبر أنه لما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه والله أعلم(مجموع الفتاوى،لا بن تيمية، ج۴،ص ۳۲۴ الیٰ ۳۲۷، کتاب مفصل الاعتقاد، سئل هل صح عن النبی صلى الله عليه وسلم أن الله تبارک وتعالى أحيا له أبويه حتى أسلما على يديه ثم ماتا بعد ذلک؟)

[1] وورد حديث فی إسناده مقال أن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم سأل ربه أن يحيی أبويه فأحياهما له وآمنا به والاحاديث الصحيحة مصرحة بنفی ذلک (بهجة المحافل وبغية الأماثل فی تلخيص المعجزات والسير والشمائل،ج ۱ ص ۴۴، القسم الاول، الباب الثانی، مطلب فی الکلام على إحياء الله تعالى له أبويه حتى آمنا به)

وأما الحديث الذی ذکره السهيلی وذکر أن فی إسناده مجهولين إلى ابن أبی الزناد، عن عروة، عن عائشة رضی الله عنها، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سأل ربه أن يحيی أبويه، فأحياهما وآمنا به، فإنه حديث منکر جدا.

وإن کان ممکنا بالنظر إلى قدرة الله تعالى.لکن الذی ثبت فی الصحيح يعارضه(السيرة النبوية لابنِ کثير، ج ۱ ص ۲۳۹، ذکر رضاعه عليه الصلاة والسلام من حليمة بنت أبی ذؤيب السعدية)

الصحيحة، ولما رجا من الله نيل مرتبة واجتهد في تحصيله بظنه نرجو أن يناله بفضله (الكوكب الدري على جامع الترمذي، ج ۱، ص ۳۸۴، ۳۸۵، ابواب الصلاة، باب ما جاء في فضل التطوع)

ترجمہ: جو احادیث مغرب کی نماز کے بعد نفل نماز کی فضیلت کے بارے میں آئی ہیں، وہ ضعیف ہیں، مگر ضعیف روایت فضائلِ اعمال میں معتبر ہوتی ہے۔

اور آپ کو اس چیز سے غافل نہیں رہنا چاہیے کہ ان حضرات کے اس (ضعیف حدیث کے فضائل میں معتبر ہونے کے) قول کی مراد یہ نہیں کہ ضعیف روایت کا تمام فضیلت والے اعمال میں اعتبار کیا جارہا ہو، جو اصول کے مطابق ہوں، یا خلاف ہوں، جن میں جائز، یا غیر جائز عمل کو ثابت کیا جارہا ہو، یہاں تک کہ اس پر یہ شبہ وارد ہو کہ یہ تو علماء کے طے شدہ اس قاعدہ کے خلاف ہے کہ ضعیف حدیث سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا، بلکہ ضعیف حدیث کے فضائل میں معتبر ہونے کی مراد یہ ہے کہ جب کوئی حکم، شریعت کی رو سے فی نفسہٖ جائز تھا، جیسا کہ ہمارے مسئلہ میں مغرب کے بعد نفل نماز، پھر اس کی فضیلت کو ثابت کرنے کے بارے میں کوئی روایت آجائے، تو اس کو ضعیف ہونے کی صورت میں قبول کرلیا جائے گا۔

پس ہم نے حکم کو اس روایت سے ثابت نہیں کیا، بلکہ اس نماز کی مطلق فضیلت تو صحیح روایات سے ثابت ہے، اور جب اللہ سے مرتبہ کو پانے کی امید کی جائے گی، اور اس کو اس گمان کے مطابق حاصل کرنے کی جدوجہد کی جائے گی، تو ہم امید کرتے ہیں کہ اس فضیلت کو پالیں گے (الکوکب الدری)

مولانا اشرف علی تھانوی کا حوالہ

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (المتوفی: 1362ھ) کے امداد الفتاویٰ میں ضعیف حدیث سے متعلق ایک سوال وجواب درجِ ذیل ہے:

سوال: ...... ایک واعظ صاحب یہاں تشریف لائے تھے، انہوں نے حسبِ

ذیل روایات بیان کیں، جن کے متعلق یہاں اکثر اصحاب، اختلاف کرتے ہیں۔
حضور براہِ کرم، برائے اطمینانِ اہلِ اسلام، ان روایات کے متعلق تحریر فرماویں کہ وہ صحیح ہیں، یا غلط، اور اگر تکلیف نہ ہو، تو کسی کتاب کا حوالہ بھی تحریر فرماویں۔

روایات

نمبر(1): انبیاء علیہم السلام کا بول و براز پاک ہوتا ہے اور خصوصاً ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات بالکل پاک تھے، کیونکہ آپ سراپا نور تھے۔
نمبر(2): انبیاء علیہم السلام کے بول و براز کو زمین فوراً ہضم کر جاتی ہے۔

جواب:...... خواہ مخواہ، انہوں نے ایسی باتیں بیان کر کے مسلمانوں کو پریشان کیا، جو نہ عقائدِ ضروریہ میں سے ہیں، نہ احکام میں سے۔

بیان کرنے کی چیز عقائد واحکام ہیں، نہ کہ ایسی روایات، جن پر دوسری اقوام بھی ہنسیں۔

ایسی روایات بعض غیر معتبر کتابوں میں آئی ہیں، جن کی نہ تصدیق واجب ہے، کیونکہ سند صحیح نہیں، اور نہ تکذیب واجب ہے، اس لئے کہ فی نفسہٖ ممکن ہیں۔

اس لئے ایسے اُمور میں مشغول ہی نہ ہونا چاہئے، نہ تصدیقاً، نہ تکذیباً۔

اور ایسے واعظوں کا وعظ ہی کیوں سنا جاتا ہے، اور اُن سے مطالبہ سند کا کیوں نہ کیا گیا؟ اسی جلسہ میں حقیقت کھل جاتی۔

۸ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ (النور رمضان ۱۳۵۰ھ صفحہ ۱۰)

اس کے بعد اس کے متعلق دوسرا خط آیا، جو ذیل میں منقول ہے:

السوال:...... جناب ماسٹر محمد شریف خان صاحب نے حال میں ایک استفتاء، خدمتِ عالی میں پیش کیا تھا، جو ہمرشتہ عریضہ ھٰذا ہے، جواب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ روایاتِ مذکورہ ضعیف ہیں، اور ان کی کوئی سند نہیں، حسبِ اتفاق ایک صاحب

کو (آپ کی تالیف) نشرُ الطیب میں انہیں روایات کو دیکھنے کا اتفاق پیش آ گیا، انہوں نے نشرُ الطیب کے صفحات 135و136 مجھ کو دِکھلائے.

اب وہ فتویٰ اور یہ تحریر متضاد معلوم ہوتی ہیں۔ نشرُ الطیب میں روایت بقول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کی گئی ہے، جواب جلد عنایت فرمائیے، تا کہ تسکین ہو۔

۱۲۲ اگست، ۱۹۳۱عیسوی

الجواب:...... ضعیف بلا سند نہیں ہوتی، بلکہ بسندِ ضعیف ہوتی ہے، جو عقائد میں حجت نہیں، فضائل میں کھپ جاتی ہے۔

میں نے تحریرِ سابق میں یہی لکھا ہے کہ سند صحیح نہیں۔

تو دونوں تحریروں میں تضاد نہیں، کیونکہ ضعیف کی نفی نہیں کی، اور اس ضُعفِ سند ہی سے ایسی کتابوں کو غیر معتبر بتلایا تھا، کیونکہ معتبر ''صحیح'' کو کہتے ہیں، ''ضعیف'' کو نہیں کہتے۔

باقی یہ کہ پھر کتاب میں کیوں لکھا؟

سو، کتاب تو فضائل میں ہے، عقائد واحکام میں نہیں۔

اگر شاذ ونادر ایسی بھی کوئی روایت لکھی جائے، کھپت ہو جاتی ہے، بخلاف وعظ کے کہ وہ عقائد واحکام کی تعلیم کے لئے ہوتا ہے، اس میں ایسے مضامین نہیں کھپتے۔

دوسرے وعظ سننے والے اکثر کم فہم ہوتے ہیں، اور کتاب پڑھنے والے اکثر فہیم۔

۸ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ

اضافہ:...... بعد تحریرِ جواب ھٰذا ''**شرح الشفا لملا علی القاری**'' میں یہ بحث نظر سے گزری۔ انہوں نے فصل، نظافتِ جسمِ نبوی میں اس پر بہت مبسوط لکھا ہے۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ بعض روایات کا تو ثبوت مقدوح ہے، اور بعض کی دلالت، اور بعض روایات میں شارحین کا یہ قول مذکور ہے۔

"شربته وانالااعلم" یا "لااشعر"

اورایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے متعلق نہی فرمانا مذکور ہے، اور وہ یہ ہے:

روی ابن عبدالبر ان سالم بن ابی الحجاج حجمه صلی الله علیه وسلم ثم ازدردای ابتلع فقال اماعلمت ان الدم کله حرام وفی روایة لاتعد فان الدم کله حرام.

پس مسئلہ بالکل منقح ہوگیا کہ طہارت کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔

۸ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ (النور ۱۳۵۰ھ، ص ۷)

(امداد الفتاوی، ج۱، ص ۱۳۵ تا ۱۳۷، کتاب الطہارۃ، نجاست کے احکام اور پاکی کا طریقہ، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم، کراچی، طبع جدید: شعبان ۱۴۳۱ھ، جولائی 2010ء)

مذکورہ عبارت میں ضعیف حدیث کی تصدیق وتکذیب واجب نہ ہونے کا حکم بیان کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ فی نفسہٖ ضعیف حدیث سے کسی حکم، اور عقیدہ کا ثبوت نہیں ہوتا، یہی حکم اسرائیلی ان روایات کا بھی ہے، جن کی شریعت سے نہ تصدیق ثابت ہو، اور نہ تکذیب ثابت ہو، جیسا کہ علامہ ابنِ تیمیہ کے حوالہ سے گذرا۔

مولانا اشرف علی تھانوی کا دوسرا حوالہ

اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی موضوع احادیث کو روایت وبیان کرنے سے متعلق ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

اکابر کا روایت کرنا "دلیلِ ثبوت" کسی حال میں نہیں، ان کو جو پہنچا، روایت

کردیا، روایت کرنا، اور بات ہے، اور ثبوت کا حکم کرنا اور بات ہے، البتہ روایت کرکے اس کے عدمِ ثبوت کو مع درجہ عدمِ ثبوت کے ظاہر کردینا ضروری ہے، اس طرح موضوعات کی روایات بالاجماع جائز ہے (امداد الفتاویٰ، ج۵،ص۱۴۲، کتاب مایتعلق بالحدیث، بعنوان "حدیثِ موضوع کی روایت جائز ہے" مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: شعبان ۱۴۳۱ھ، جولائی 2010ء)

ضعیف حدیث کی تفصیل پہلے ذکر کی جاچکی ہے، اور یہ بات بھی پہلے گزر چکی ہے کہ اس بارے میں شدید ضعیف حدیث بھی "موضوع" حدیث کا درجہ رکھتی ہے۔

محمد بن صالح بن محمد عثیمین کا حوالہ

سعودی عرب کے عالمِ دین محمد بن صالح بن محمد عثیمین (المتوفیٰ: 1421ھ) فرماتے ہیں:

ثم المنسوب إلى رسول الله -صلى الله عليه وسلم -في باب الوعظ والفضائل ترغيبًا أو ترهيبًا ينقسم إلى ثلاثة أقسام :صحيح مقبول، وضعيف، وموضوع؛ فليس كله صحيحًا مقبولًا، ونحن في غنى عن الضعيف والموضوع.

فالموضوع اتفق العلماء رحمهم الله على أنه لا يجوز ذكره ونشره بين الناس؛ لا في باب الفضائل والترغيب والترهيب، ولا في غيره؛ إلا من ذكره ليبين حاله.

-والضعيف اختلف فيه العلماء ، والذين قالوا بجواز نشره ونقله اشترطوا فيه ثلاثة شروط .

الشرط الأول :أن لا يكون الضعف شديدًا.

الشرط الثاني :أن يكون أصل العمل الذى رتب عليه الثواب أو العقاب ثابتًا بدليل صحيح.

الشرط الثالث :أن لا يعتقد أن النبي -صلى الله عليه وسلم -قاله، بل يكون مترددًا غير جازم، لكنه راجٍ في باب الترغيب، خائفٌ في باب الترهيب.

أما صيغة عرضه؛ فلا يقول :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم -، بل يقول :روى عن رسول الله، أو :ذكر عنه ...وما أشبه ذلك.

فإن كنت في عوام لا يفرقون بين ذكر وقيل وقال؛ فلا تأت به أبدًا؛ لأن العامي يعتقد أن الرسول عليه الصلاة والسلام قاله؛ فما قيل في المحراب؛

فهو عنده الصواب (شرح العقيدة الواسطية، ج۲، ص ۱۸۴، ۱۸۵، فصل فی القيامة الكبرى، الأمر الثانی عشر مما يكون يوم القيامة، اختلاف العلماء فی جواز العمل بالحديث الضعيف فی فضائل الاعمال)

ترجمہ: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ''وعظ اور فضائل کے باب'' میں ترغیب وترہیب کے اعتبار سے منسوب شدہ باتوں کی تین قسمیں ہیں، ایک ''صحیح مقبول'' دوسری ''ضعیف'' اور تیسری ''موضوع'' پس سب باتیں ''صحیح مقبول'' درجہ کی نہیں ہوتیں، اور ہمیں ضعیف اور موضوع کی ضرورت نہیں۔

پھر موضوع کے بارے میں علماء رحمہم اللہ کا اتفاق ہے کہ نہ تو لوگوں کے سامنے، اس کا ذکر کرنا جائز ہے، نہ ہی نشر کرنا جائز ہے، نہ تو فضائل اور ترغیب وترہیب کے باب میں، اور نہ ہی کسی دوسرے باب میں، الا یہ کہ کوئی اس کی حالت کو بیان کرنے کے لئے ذکر کرے۔

اور ''ضعیف'' کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، اور وہ علماء جو اس کو نشر اور نقل کرنے کے جائز ہونے کے قائل ہیں، انہوں نے اس کے لئے تین شرطیں لگائی ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ ''شدید ضعیف نہ ہو''

اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اصل عمل، جس پر ثواب، یا عذاب مرتب ہو رہا ہے، وہ صحیح دلیل سے ثابت ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ یہ عقیدہ نہ رکھا جائے کہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی ہے، بلکہ وہ تردُّد رکھے، یقین نہ رکھے، البتہ ترغیب کے باب میں امید اور ترہیب کے باب میں خوف رکھنے والا ہو۔

جہاں تک ضعیف حدیث کو بیان کرنے کے صیغہ وجملہ کا تعلق ہے، تو یہ نہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بلکہ یہ کہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے مروی ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے، یا اس جیسے الفاظ کہے۔

پھر اگر آپ ایسے عوام میں ہوں، جو مذکورہ صیغوں اور ''قیل وقال'' میں فرق نہ کرتے ہوں، تو آپ یہ ضعیف حدیث بالکل بھی بیان نہ کریں، کیونکہ عامی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی ہے، پس جو بات محراب میں کہی جاتی ہے، تو وہ عامی کے نزدیک درست شمار ہوتی ہے (شرح العقیدة الواسطیة)

معلوم ہوا کہ جب ضعیف حدیث کے ثبوت وسنیت کا عقیدہ رکھنا جائز نہیں، تو اس طرح کی حدیث کو بیان کرتے وقت، اس پر جزم ویقین کا اظہار بھی جائز نہیں، اسی لئے اس کا ضعف بھی واضح کرنا ضروری ہے، تاکہ صحیح، اور ضعیف کے احکام میں التباس پیدا نہ ہو، اور کوئی ضعیف کو صحیح سمجھ کر ضعیف کی مسلمہ شرائط کی خلاف ورزی کا مرتکب نہ ہو بیٹھے۔

مفتی رشید احمد لدھیانوی کا حوالہ

حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ نے اپنے ایک رسالہ میں ''ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی'' چار شرائط بیان فرمائی ہیں، جن میں ایک شرط ''عدمِ اثبات حکمِ شرعی'' اور دوسری شرط ''عدمِ شدتِ ضعف'' اور تیسری شرط ''دخول فی اصلِ عام'' اور چوتھی شرط ''عدمِ اعتقادِ سنیت'' کی بیان کی ہے، جس کے بعد مفتی صاحب موصوف نے تحریر فرمایا کہ:

حدیث ضعیف اگر سند سے روایت کی جائے، تو بیانِ ضعف ضروری نہیں، اس لئے کہ اہلِ فن، تحقیقِ سند سے مقامِ سند معلوم کرلیں گے۔

بلا سند روایت کی جائے، تو بصیغۂ تمریض ضعف پر تنبیہ ضروری ہے۔

لیکن اس زمانہ میں عوام، بلکہ اکثر خواص بھی تحقیقِ سند کی نہ صلاحیت رکھتے ہیں،

اور نہ ہی اس کی ضرورت سمجھتے ہیں، اسی طرح صیغۂ تمریض سے ضعف پر تنبہ بھی ان کے فہم سے بالاتر ہے، اب تو جو شخص بھی لفظِ ''حدیث'' سنتا ہے، اسے یقیناً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہی سمجھتا ہے، اس لئے بہر کیف روایت میں بیانِ ضعف لازم ہے۔

مزید بریں جب عمل بالضعیف کے لئے عدمِ اعتقاد والسنیۃ شرط ہے، تو بدون بیانِ ضعف، اس شرط پر عمل کرنا کیسے ممکن ہوگا؟

تساہل کے بارے میں جو عبارات نقل کی گئی ہیں، وہ شرائطِ اربعہ مذکورہ کے ساتھ مقید ہیں (احسن الفتاویٰ، ج۹ص۱۸۲، مسائل شتیٰ ''تبلیغی جماعت اور انچاس کروڑ کا ثواب'' مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، طبعِ دوم: ۱۴۲۴ھ)

ہم اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں جب تک ضعیف احادیث کے ضعف کو بیان نہ کیا جائے، اس وقت تک عوام تو کجا علماء کو بھی حدیث کا ضعیف ہونا معلوم نہیں ہو پاتا، اسی وجہ سے ہمارے یہاں اس طرح کی بہت سی احادیث شہرت اختیار کر چکی ہیں، جو ضعیف، یا شدید ضعیف ہیں، اور اب ان لوگوں کی طرف سے ان کی اسنادی حیثیت کی حقیقت کو قبول کرنا بھی مشکل تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔

فضیلۃ الشیخ مولانا محمد یونس جونپوری کا حوالہ

جامعہ مظاہر علوم، سہارنپور، انڈیا کے سابق شیخ الحدیث، اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کے خلیفۂ اجل، فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا محمد یونس جونپوری (المتوفیٰ: 2017ھ) نے اپنے ایک رسالہ میں ضعیف اور شدید ضعیف حدیث پر محققانہ کلام فرمایا ہے، اور اس رسالہ میں الفاظِ جرح کی شدت وخفت پر بھی کلام کیا ہے، یہ پورا رسالہ اہلِ علم کے لئے قابلِ ملاحظہ ہے۔

فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا محمد یونس جونپوری رحمہ اللہ اس رسالہ میں فرماتے ہیں:

متشددین کا کلام وہاں محلِ غور ہوتا ہے، جہاں کوئی دوسرا ناقدِ فن، مخالفت کرے، اور اگر موافقت کرے، پھر تو نقد اور قوی ہو جاتا ہے، اور جس راوی پر کذب ووضع کا الزام لگایا گیا ہو، اس کی روایت نا قابلِ اعتبار ہوگی اور عمل کے لائق نہیں ہوگی، کیونکہ بابِ عمل میں کسی حدیث کے مقبول ہونے کی چھ شرائط ہیں:

۱ ...... اتصال السند . ۲ ......العدالة . ۳......الضبط . ۴......نفی الشذوذ . ۵ ......نفی العلة القادحة . ۶ ...... العاضد عند الاحتجاج الیه.

(کما فی شرح الألفية للعلامة السخاوی، ص ۹۳، ج ۱ ،و فتح الباقی للزین زکریا الأنصاری ،ص ۱۱۲، ج ۱)

اوراس مبحوث فیہ روایت میں عدالت بھی مفقود ہے، اور کوئی عاضد، یعنی مقوی و مؤید، تابع، یا شاہد بھی نہیں ہے، اس لیے کہ ''**احیاء لیلة النصف من شعبان**'' کے متعلق اگرچہ بعض روایتیں ملتی ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے، لیکن صومِ نصفِ شعبان کی اس کے علاوہ اور کوئی روایت نہیں۔

ایک روایت آگے آرہی ہے، جس میں صوم کا ذکر ہے، لیکن وہ موضوع ہے اور علتِ قادحہ بھی موجود ہے کہ اس کا راوی بالاتفاق مجروح ہے۔

اورائمۂ فن نے اس پر شدید جرح کی ہے، کذب اور وضعِ حدیث کا الزام لگایا ہے، اور جس حدیث کا راوی کاذب ہو، **متھم بالوضع** ہو، وہ موضوع کہلاتی ہے۔

حافظ ابنِ حجر ''**شرحُ النخبة**'' میں طعن فی الراوی کے اسبابِ عشرہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

الطعن بکذب الراوی فی الحدیث النبوی ،هو الموضوع،

والحكم عليه بالوضع إنما هو بطريق الظن الغالب لا بالقطع، إذ قد يصدق الكذوب، لكن لأهل العلم بالحديث ملكة قوية يميزون بها ذلك، وإنما يقوم بذلك منهم من يكون إطلاعه تاما، وذهنه ثاقبا، وفهمه قويا، ومعرفته بالقرائن الدالة على ذلك متمكنة(نزهة النظر فى توضيح نخبة الفكر، ٨٩،الطعن يكون بعشرة أشياء)

اب نتیجہ کے طور پر یہ بات نکلتی ہے کہ یہ(یعنی ابنِ ابی سبرہ والی) روایت اگر چہ قطعی طور پر موضوع نہ کہی جا سکے،لیکن ''بطریقِ ظنِ غالب''اس کو''موضوع'' کہا جا سکتا ہے،اور موضوع روایت سے بالاجماع کوئی حکمِ شرعی ثابت نہیں ہوتا۔

اور اگر اس کو ضعیف ہی قرار دیا جائے ،جیسا کہ منذری، عراقی ، بوصیری کی رائے ہے،تو بھی یہ حدیث نا قابلِ عمل ہے،اس لیے کہ حدیثِ ضعیف ،اگر چہ بابِ فضائل میں جمہور علماء نے معتبر مانی ہے،لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ اس کا ضعف شدید نہ ہو،مثلاً اس کا راوی''**كذاب**''یا''**متهم بالكذب ، فاحش الغلط** ''نہ ہو،اس کے علاوہ اور بھی بعض شرائط ہیں، جو آگے آ رہی ہیں،اور یہ حدیث''**شديدُ الضعف**''ہے(اليواقيت الغالية فى تحقيق وتخريج الاحاديث العالية ،ج۲ص۲۹۳،۲۹۴،مضمون''۱۵شعبان کا قیام اور روزہ مستحب ہے،یا بدعت''جواب،سوال نمبر1،راوی ''ابنِ أبى سبرة '' کی سندی حیثیت کا درجہ،ناشر:مجلس دعوۃُ الحق،انگلینڈ،مطبوعہ:ایچ ایس آفسٹ پرنٹرز،نئی دہلی۲)

اس سے معلوم ہوا کہ بعض احادیث تو ایسی ہوتی ہیں،جن کو قطعی طور پر موضوع کہا جاتا ہے،لیکن بعض احادیث کو قطعی طور پر موضوع نہیں کہا جاتا،لیکن بطریقِ ظنِ غالب''ان کو ''موضوع'' کہا جا سکتا ہے،بعض ان کو بھی اپنی تحقیق کے نتیجہ میں موضوع کہہ دیتے ہیں،جبکہ بعض کو تحقیق ،یا ضرورت نہیں ہوتی،اس لئے وہ موضوع نہیں کہتے ،یا صرف ضعیف کہنے پر

اکتفاء کرتے ہیں، اس سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے، اور جو حدیث ظنِ غالب کے درجہ میں موضوع ہو، اس سے بھی بالاجماع کوئی حکمِ شرعی ثابت نہیں ہوتا۔

دیگر متعدد محققین نے بھی ظنِ غالب کا یہی حکم بیان کیا ہے۔

چنانچہ امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں:

يحرم رواية الحديث الموضوع على من عرف كونه موضوعا أو غلب على ظنه وضعه فمن روى حديثا علم أو ظن وضعه ولم يبين حال روايته وضعه فهو داخل فى هذا الوعيد مندرج فى جملة الكاذبين على رسول الله صلى الله عليه وسلم ويدل عليه أيضا الحديث السابق من حدث عنى بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين (شرح النووی علٰی مسلم، ج ۱، ص ۷۱ "مقدمات" باب تغليظ الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم)

ترجمہ: موضوع (جھوٹی) حدیث کو روایت کرنا حرام ہے، اس شخص پر جس کو اس کے موضوع ہونے کا پتہ ہو، یا اس کے غالب گمان کے مطابق یہ موضوع ہو، پس جو شخص ایسی حدیث کو روایت کرے، جس کے موضوع ہونے کا علم، یا گمان ہو، اور وہ اس روایت کی حالت، اور موضوع ہونے کو بیان نہ کرے، تو وہ اس وعید میں داخل ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والوں کے زمرہ میں شامل ہوگا، اور اس پر گذشتہ وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے، جس میں یہ ہے کہ میرے بارے میں ایسی حدیث کو بیان کیا، جس کے جھوٹا ہونے سے وہ واقف ہے، تو وہ جھوٹ بولنے والوں میں سے ایک ہے (نووی شرح مسلم)

اور امام مناوی (المتوفیٰ: 1031ھ) فرماتے ہیں کہ:

فليس لراوى حديث أن يقول قال الرسول إلا إن علم صحته ويقول فى الضعيف روى أو بلغنا فإن روى ما علم أو ظن وضعه ولم يبين حاله أيدرج فى جملة الكذابين لإعانته المفترى على نشر فريته فيشاركه فى الإثم كمن أعان ظالما ولهذا كان بعض التابعين يهاب الرفع ويوقف قائلا الكذب على الصحابى أهون (فيض القدير للمناوى، ج٦ ص ١١٦، تحت رقم الحديث ٨٦٣١، حرف الميم)

ترجمہ: پس کسی حدیث کو روایت کرنے والے کے لئے جائز نہیں کہ وہ یہ کہے

کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' مگر اسی صورت میں جبکہ اس حدیث کے صحیح ہونے کو جانتا ہو، اور ضعیف حدیث کے بارے میں یہ کہے کہ ''روایت کیا گیا ہے، یا ہمیں یہ بات پہنچی ہے'' اور اگر ایسی روایت کو بیان کرے، جس کے بارے میں یہ علم ہو، یا گمان ہو کہ وہ گھڑی ہوئی ہے، اور اس کی حالت کو بیان نہ کرے، تو ڈر ہے کہ وہ جھوٹے لوگوں میں درج کر دیا جائے، جھوٹ گھڑنے والے کے جھوٹ کو نشر کر کے اس کی اعانت کرنے کی وجہ سے، پھر وہ اس کے ساتھ گناہ میں شریک ہو جائے، ظالم کی اعانت کرنے والے شخص کی طرح، اور اسی لیے بعض تابعین، حدیث کو مرفوع قرار دینے سے ڈرتے تھے، اور اس کو موقوف قرار دیتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ صحابی کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا (بنسبت حدیث کو مرفوع قرار دینے کے) ہلکی چیز ہے (فیض القدیر)

اور جس حدیث کو موضوع قرار نہ دیا جائے، لیکن اس کا ضعف شدید ہو، مثلاً اس کا راوی ''کذاب'' یا ''متهم بالكذب'' یا ''فاحش الغلط'' وغیرہ ہو، تب بھی وہ نا قابلِ عمل شمار ہوتی ہے، اور فضائل کے درجہ میں بھی اس کا اعتبار نہیں ہوتا، پھر اس طرح کی حدیث پر بعض علماء تحقیق، یا ضرورت کی بناء پر موضوع ہونے کا، اور بعض شدید ضعیف ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں، اور بعض علماء تحقیق، یا ضرورت نہ ہونے کی بناء پر صرف ضعیف ہونے کا حکم لگانے پر اکتفاء کرتے ہیں، اس سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔

کیونکہ مذکورہ تینوں درجہ کی روایات کسی درجہ میں بھی قابلِ عمل، وقابلِ قبول نہیں ہوتیں۔

جبکہ ہمارے یہاں بہت سی ایسی احادیث بغیر جرح کے فضائل کے باب میں نقل کر دی جاتی ہیں۔

مذکورہ رسالہ میں ہی موصوف سابق شیخ الحدیث: جامعہ مظاہر علوم، سہارنپور، انڈیا فرماتے ہیں:

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ نقلِ حدیث کے لیے اس کا منقول بالسند ہونا ضروری ہے، لیکن مضامین کے اعتبار سے اسانید میں تفصیل ہے، بعض جگہ نہایت مضبوط سند مطلوب ہوتی ہے اور بعض جگہ کمزور سند پر بھی اکتفاء کرلیا جاتا ہے، عقائد و احکام سے اگر تعلق ہے، تو صحیح وقوی سند درکار ہے، اور اگر فضائل و مناقب، ترغیب وترہیب، تفسیر وتاریخ سے تعلق ہے، تو ضعیف روایت بھی چند شرائط کے پائے جانے کی صورت میں کافی ہوجائے گی (الیواقیت الغالیۃ فی تحقیق وتخریج الاحادیث العالیۃ، ج۲ص۲۹۹، مضمون "۱۵شعبان کا قیام اورروزہ مستحب ہے، یا بدعت"، جواب، سوال نمبر2، ضعیف اور موضوع روایتوں کا اعمال میں کیا حکم ہے؟ ناشر: مجلس دعوۃ الحق، انگلینڈ، مطبوعہ: ایچ ایس آفسٹ پرنٹرز، نئی دہلی۲)

پھر سابق شیخ الحدیث: جامعہ مظاہر علوم، سہارنپور، انڈیا، ضعیف حدیث کی شرائط سے متعلق چند عبارات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

شروط سے مراد وہی شروطِ ثلاثہ سابقہ ہیں، جو حافظ ابنِ حجر کے حوالے سے گزر چکی ہیں۔ اور حافظ ابنِ حجر کی اتباع میں ان کے تلامذہ وغیرہ، جیسے علامہ سخاوی، علامہ زکریا اور علامہ سیوطی، شہاب الدین الخفاجی، شمس الدین الرملی، صاحب الدر المختار، علامہ جزائری وغیرہ سبھی نے ان کا ذکر کیا ہے۔

لیکن یہاں دو امر قابلِ غور ہیں:

اول تو یہ کہ جمہور کا یہ کہنا کہ حدیثِ ضعیف کا احکام میں اعتبار نہیں ہے اور پھر اسی سے استحباب کا ثابت کرنا جو بذاتِ خود ایک حکم ہے، بظاہر تناقض ہے۔

اس کا ایک جواب یہ ہوسکتا ہے کہ ممکن ہے کہ فضیلت سے مراد فضل ہو، یعنی اصل حکم تو احادیثِ معتبرہ سے ثابت ہو، اور اس کے فضائل، ضعیف احادیث سے ثابت ہوجائیں، یہ جواب علامہ شہاب الدین الخفاجی نے شرح الشفاء (ص

۱/۴۴۳) میں ذکر کیا ہے۔

علامہ دوانی نے ''انموذج العلوم ''میں ایک جواب یہ دیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی حدیث کسی عمل کی فضیلت کے بارے میں وارد ہو اور وہ عمل حرمت و کراہت کا احتمال نہ رکھتا ہو، تو اس پر عمل کر لینا مستحب ہے، اس لیے کہ اس میں نفع ہے، خطرہ نہیں۔

مگر علامہ خفاجی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ جواب سخاوی وغیرہ کی عبارتِ بالا سے جوڑ نہیں کھاتا۔

دوسرا امر یہ ہے کہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام، ابنِ دقیق العید، حافظ ابنِ حجر اور ان کے متبعین کا یہ فرمانا کہ عمل بالضعیف کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ کرے، بلکہ احتیاط کا قصد کرے، علامہ شمس الدین الرملی وغیرہ نے اس شرط کو محلِ اشکال قرار دیا ہے، اشکال بظاہر یہ ہے کہ اگر ثبوت کا اعتقاد نہ ہو، تو پھر عمل کیسا؟ کسی روایت کے مطابق عمل کرنا، اس کے ثابت ماننے کی فرع ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عمل جیسے ثبوت پر متفرع ہوتا ہے، ایسے ہی احتمالِ ثبوت پر متفرع ہوسکتا ہے، احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ عمل کر لیا جائے ، رہا عدمِ ثبوت کا احتمال، تو وہ مضر نہیں ہے، اس لیے کہ اگر چہ عدمِ ثبوت کی صورت میں یہ اشکال پیش آتا ہے کہ جو چیز صاحبِ نبوت سے ثابت نہ ہو، اس پر عمل کر لینا شریعت میں اضافہ کی ایک شکل ہے، جو بدعت ہے، لیکن یہ مضر اس لیے نہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی یہ شرط لگا دی ہے کہ وہ حدیثِ ضعیف کسی اصل عام کے تحت آتی ہو (الیواقیت الغالیة فی تحقیق وتخریج الاحادیث العالیة ، ج۲ص۳۰۳، مضمون''۱۵شعبان کا قیام اور روزہ مستحب ہے، یا بدعت''، جواب، سوال نمبر 2، ضعیف اور موضوع روایتوں کا اعمال میں کیا حکم ہے؟ ناشر: مجلس دعوۃ الحق، انگلینڈ، مطبوعہ: ایچ ایس آفسٹ پرنٹرز، نئی دہلی۲)

علامہ یوسف قرضاوی کا حوالہ

عالمِ اسلام کے مشہور ومعروف عالم ''شیخ یوسف القرضاوی'' (المتوفیٰ: 26، ستمبر 2022ء) اپنے مضمون ''کیف تتعامل مع السنة النبوية'' میں لکھتے ہیں:

الشروط الثلاثة التى اشترطها الذين أجازوا رواية الضعيف فى الترغيب والترهيب والرقائق ونحوها ،لم تراع ـ للأسف ـ من الناحية العلمية ،فأكثر الذين يشتغلون بأحاديث الزهد والرقائق ,لا يميزون بين الضعيف وشديد الضعف،ولا يدققون فى أن يكون الحديث مندرجا تحت أصل شرعى ثابت بالقرآن ،أو بصحيح السنة،بل ربما يغلب عليهم ـ كما قلت من قبل ـ الشغف بما كان فيه إثارة وإغراب،ولو منكرا شديد النكارة،أو تلوح عليه دلائل الوضع (كيف نتعامل مع السنة النبوية، ص ۹۴، الباب الثانى، الفصل الثالث :تحقيق القول فى رواية الحديث الضعيف فى الترغيب والترهيب،الحقيقة الثانية، الناشر: دارالشروق، القاهرة، الطبعة الثانية : ۱۴۲۳ھـ ، 2002م)

ترجمہ: وہ تینوں شرائط جن کے ساتھ علماء نے ترغیب وترہیب اور رقائق وغیرہ میں شرط لگا کر ضعیف روایت کی اجازت دی ہے، افسوس ہے کہ علمی جہت سے ان کی رعایت کو ملحوظ نہیں رکھا گیا، چنانچہ وہ اکثر حضرات جو زہد اور رقائق کی احادیث میں مشغول رہتے ہیں، وہ ضعیف اور شدید ضعیف کے درمیان تمیز نہیں کرتے ،اور اس کی بھی تحقیق نہیں کرتے کہ وہ حدیث ،قرآن ،یا صحیح سنت سے ثابت شدہ کسی اصلِ شرعی کے تحت داخل ہو، بلکہ بسا اوقات ان پر اسی بات کا غلبہ ہوتا ہے، جس کا میں نے ذکر کیا، یعنی عجیب وغریب چیزوں کو نقل کرنے کا، اگرچہ وہ شدید النکارة منکر ہوں، یا ان پر موضوع ہونے کے دلائل ظاہر کیوں نہ ہوں (کیف نتعامل مع السنۃ النبویۃ)

اس کے بعد شیخ موصوف نے اپنے اسی مضمون میں ضعیف حدیث کو بیان ونقل کرتے وقت ضعیف صیغوں کے ساتھ بغیر یقین وجزم کے بیان کرنے کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ آج کل کے خطباء، مذکرین اور مولفین ومصنفین ،اس شرط کا لحاظ کئے بغیر بلا دھڑک ضعیف احادیث کو

یقین وجزم کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ ۱؎

اس کے بعد موصوف نے اس ضرورت کا اظہار کیا ہے کہ جب تک صحیح اور حسن درجہ کی احادیث موجود ہوں، تو ان کو نظر انداز کر کے ضعیف احادیث کو ذکر کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ۲؎

۱؎ منع الرواية بصيغة الجزم:

الحقيقة الثالثة:

أن العلماء ذكروا هنا تنبيها مهما ،وهو ألا يقول فى الحديث الضعيف :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم -هكذا بصيغة الجزم والقطع.

قال ابن الصلاح فى النوع الثانى والعشرين من (علوم الحديث):۔

إذا أردت رواية (الحديث) الضعيف بغير إسناد فلا تقل فيه " :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا وكذا "وما أشبه هذا من الألفاظ الجازمة بأنه صلى الله عليه وسلم قال ذلک، وإنما تقول فيه : "روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا وكذا، أو بلغنا عنه كذا وكذا، أو ورد عنه، أو جاء عنه، أو روى بعضهم "وما أشبه ذلک .وهكذا الحكم فيما تشک فى صحته وضعفه، وإنما تقول: "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "فيما ظهر لک صحته بطريقه الذى أوضحناه أولاء، والله أعلم .

وما قاله ابن الصلاح وافقه عليه النووى ،وابن كثير ،والعراقى،وابن حجر ،وكل من كتب فى مصطلح الحديث.

ولكن الخطباء،والمذكرين والمؤلفين الذين يرون الأحاديث الضعيفة لا يلقون بالا لهذا التنبيه، ويصدرون أحاديثهم دائما بقولهم :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم(كيف نتعامل مع السنة النبوية، ص۹۵، الباب الثانى، الفصل الثالث :تحقيق القول فى رواية الحديث الضعيف فى الترغيب والترهيب،الحقيقة الثالثة، الناشر: دارالشروق، القاهرة، الطبعة الثانية : ۱۴۲۳ھ، 2002م)

۲؎ فى الصحيح والحسن ما يغنى:

الحقيقة الرابعة:

أنه إذا كان لدينا فى الموضوع الواحد حديث أو أكثر من صنف الصحيح والحسن،وحديث أو أكثر من صنف الضعيف ،فالأجدر بنا أن نستغنى بما لدينا من الصنف الأول عن الثانى ،ولا داعى لأن نعبء حوافظنا من الضعيف ،فإن ذلک سيكون حتما على حساب الصحيح .ولهذا ورد عن الصحابة :ما اجتهد قوم فى بدعة إلا أضاعوا مثلها من السنة .وهذا أمر مشاهد.

ومن هنا روى الخطيب فى "الكفاية "عن الإمام ابن مهدى ،قال :لا ينبغى للرجل أن يشغل نفسه بكتابة أحاديث الضعفاء ،فإن أقل ما فيه أن يفوته بقدر ما يكتب من حديث أهل الضعف يفوته من حديث الثقات.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور پھر اسی مضمون میں موصوف نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ بعض اوقات ضعیف احادیث کے ذریعہ سے لوگوں کے سامنے بہت بڑے اجر وثواب، یا ہولناک عذاب کا ذکر کیا جاتا ہے، جس کے سامنے صحیح احادیث میں بیان کردہ مضامین بھی بہت چھوٹے لگنے لگتے ہیں۔ [1]

اور پھر موصوف نے ضعیف حدیث کی شرائط پر روشنی ڈالی ہے، اور چند ضعیف، یا شدید ضعیف

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وإذا كانت طاقة الإنسان فى الحفظ والتذكر والاستيعاب والهضم محدودة ولا بد فليصرفها إذن فيما هو أحق وأولى،ولا يختلف اثنان أن الصحيح أولى بأن توجه إليه الطاقات ،وتصرف إليه الجهود والأوقات من الضعيف(كيف نتعامل مع السنة النبوية ، ص٩٥،٩٦، الباب الثانى، الفصل الثالث :تحقيق القول فى رواية الحديث الضعيف فى الترغيب والترهيب،الحقيقة الرابعة)

[1] التحذير من اختلال النسب بين الأعمال:

الحقيقة الخامسة:

أن أحاديث الرقائق والترغيب والترهيب - إن كانت لا تشتمل على حكم يحلل أو يحرم - نجدها تشتمل على شىء آخر ،له أهميته وخطورته،وإن لم يلتفت إليه أئمتنا السابقون ،وهو ما يترتب عليها (اختلال النسب) التى وضعها الشارع الحكيم للتكاليف والأعمال،فلكل عمل - مأمور به أو منهى عنه - وزن أو "سعر "معين فى نظر الشارع بالنسبة لغيره من الأعمال ،ولا يجوز لنا أن نتجاوز به حده الذى حده له الشارع،فنهبط به عن مكانته،أو نرتفع به فوق مقداره.

ومن أشد الأمور خطرا إعطاء قيمة لبعض الأعمال الصالحة،أكبر من حجمها وأكثر مما تستحقه ، بتضخيم ما فيها من ثواب،حتى تطغى على ما هو أهم منها وأعلى درجة فى نظر الدين.

وفى مقابل ذلک إعطاء أهمية لبعض الأعمال المحظورة ،وتضخيم ما فيها من عقاب بحيث تجور على غيرها.

وقد ترتب على التهويل والمبالغات فى الوعد بالثواب ،والوعيد بالعقاب :تشويه صورة الدين فى نظر المثقفين المستنيرين ،حيث ينسبون هذا الذى يسمعونه أو يقرء ونه إلى الدين نفسه ،والدين منه براء .

وكثيرا ما أدت هذه المبالغات - وخصوصا فى جانب الترهيب - إلى نتائج عكسية واضطرابات نفسية،وكثيرا ما بغض هؤلاء المبالغون رب الناس إلى الناس ،ونفروهم منه،وأبعدوهم عن رحابه.

والواجب أن نبقى الأعمال على مراتبها الشرعية،دون أن تقع فى شرک المبالغات التى تشدنا إلى أحد طرفى الإفراط والتفريط،كما قال على بن أبى طالب -رضى الله عنه :-عليكم بالنمط الوسط، الذى يرجع إليه الغالى (أى المبالغ) ويلحق به التالى (كيف نتعامل مع السنة النبوية ، ص٩٦، ٩٧، الباب الثانى، الفصل الثالث :تحقيق القول فى رواية الحديث الضعيف فى الترغيب والترهيب،الحقيقة الخامسة)

احادیث کی نشاندہی کی ہے۔ ل

ل روایة الحدیث الضعیف فی فضائل الأعمال لا تعنی إثبات حکم به(کیف نتعامل مع السنة النبویة، ص۹۷، الباب الثانی، الفصل الثالث :تحقیق القول فی روایة الحدیث الضعیف فی الترغیب والترهیب،الحقیقة الخامسة)

شرطان مکملان لقبول روایة الحدیث الضعیف:

الحقیقة السابعة والأخیرة:

أننا إذا أخذنا برأی الجمهور فی جواز روایة الضعیف فی الترغیب والترهیب بالشروط الثلاثة التی ذکروها،فینبغی ـ فی نظری ـ أن نضیف إلیها شرطین مکملین ذکرتهما فی کتابی "ثقافة الداعیة" وهما :ـ

1 ـ : ألا یشتمل علی مبالغات وتهویلات یمجها العقل أو الشرع أو اللغة ،وقد نص أئمة الحدیث أنفسهم أن الحدیث الموضوع یعرف بقرائن فی الرواة أو المروی.

فمن القرائن فی المروی ،بل من جملة دلائل الوضع،أن یکون مخالفا للعقل ،بحیث لا یقبل التأویل، ویلحق به ما یدفعه الحس والمشاهدة.

أو یکون منافیا لدلالة الکتاب القطعیة أو السنة المتواترة ،أو الإجماع القطعی ،منافاة لا یمکن معها الجمع بینها (أما المعارضة مع إمکان الجمع فلا) أو یکون خبرا عن أمر جسیم تتوفر الدواعی علی نقله بمحضر الجمع ثم لا ینقله منهم إلا واحد.!

ومنها :الإفراط بالوعید الشدید علی الأمر الصغیر ،أو الوعد العظیم علی الأمر الحقیر ،وهذا کثیر فی أحادیث القصاص.

ومما یؤسف له کثیرا من المحدثین لا یطبقون هذه القواعد عندما یروون فی الترغیب والترهیب ونحوه،وربما کان لهم عذر من طبیعة عصرهم .أما عقلیة عصرنا فلا تقبل المبالغات،ولا تهضمها، وربما تتهم الدین ذاته إذا ألقی مثل هذه الأحادیث.

ومما تمجه اللغة :کثیر من الأحادیث التی رواها بعض القصاص ،مثل :دراج (بن سمعان)، أبو السمح فی تفسیر کلمات من القرآن الکریم لها مدلولاتها الواضحة فی اللغة ،فروی لها تفسیرات غایة فی الغرابة والبعد عن المدلول اللغوی.

فمن حدیث دراج عن أبی الهیثم، عن أبی سعید، -رضی الله عنه -مرفوعا :ویل :واد فی جهنم یهوی فیه الکافر أربعین خریفا، قبل أن یبلغ قعره رواه أحمد والترمذی بنحوه إلا أنه قال :سبعین خریفا مع أن ویل کلمة وعید بالهلاک معروفة قبل الإسلام وبعده.

ومثل ذلک ما جاء عند الطبرانی والبیهقی عن ابن مسعود -رضی الله عنه -من تفسیر الغی فی قوله تعالی:"فسوف یلقون غیا"(مریم:59) قال :واد فی جهنم ،وفی روایة نهر فی جهنم.

وکذلک ما رواه البیهقی وغیره عن أنس بن مالک رضی الله عنه فی قوله:"وجعلنا بینهم موبقا"(الکهف:52) قال :واد من قیح ودم.

وأغرب منه ما رواه ابن أبی الدنیا عن شفی بن مانع :أن فی جهنم وادیا یدعی"أثاما "فیه حیات

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

محمد ناصر الدین البانی کا حوالہ

محمد ناصر الدین البانی (المتوفیٰ: 1420ھ) نے ''تمامُ المنة فی التعلیق علیٰ فقه السنة ''میں پہلے تو ضعیف حدیث کو بیان کرتے وقت اس کے ضعف کو واضح کرنا ضروری قرار دیا ہے، اور جو حضرات ضعیف حدیث کے ضعف کو بیان نہیں کرتے، ان کا تعاقب کیا ہے، اور موجودہ زمانہ میں ضعف بیان کرنے کے ضروری ہونے کی وجوہات کو بیان کیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وعقارب ... إلى آخره ,يشير إلى قوله تعالى:"ومن يفعل ذلک يلق أثاما"(الفرقان:68).

ومما يؤسف له أن الإمام المنذرى -رحمه الله -ذكر هذه الأحاديث فى كتابه "الترغيب والترهيب."

ولهذا أعرضنا عنها فى كتابنا "المنتقى من الترغيب والترهيب ."

2 ـ :ألا تعارض دليلا شرعيا آخر أقوى منها :ـ

مثال ذلک :الأحاديث الضعيفة التى رويت فى شأن عبد الرحمن بن عوف :أنه يدخل الجنة حبوا بسبب غناه.

فقد يقال :إن مثل هذه الأحاديث تندرج تحت أصل التحذير من فتنة المال ،وطغيان الغنى ،ولكن يجب أن نذكر أنها تعارض أحاديث صحيحة جعلت عبد الرحمن بن عوف من العشرة المبشرين بالجنة،فضلا عن وقائع ثابتة ،وروايات مستفيضة،ثبت أنه كان من خيار المسلمين ،وكبار المتقين، وأنه يمثل الغنى الشاكر حقا ،ولهذا توفى رسول الله صلى الله عليه وسلم ،وهو عنه راض ،وجعله عمر رضى الله عنه فى الستة أصحاب الشورى ،وجعل لصوته ميزة (كيف نتعامل مع السنة النبوية ، ص ١٠١، ١٠٢، الباب الثانى، الفصل الثالث :تحقيق القول فى رواية الحديث الضعيف فى الترغيب والترهيب، الحقيقة السابعة والأخيرة)

[1] لقد جرى كثير من المؤلفين ولا سيما فى العصر الحاضر على اختلاف مذاهبهم واختصاصاتهم على رواية الأحاديث المنسوبة إلى النبى صلى الله عليه وسلم دون أن ينبهوا على الضعيفة منها جهلا منهم بالسنة أو رغبة أو كسلا منهم عن الرجوع إلى كتب المتخصصين فيها وبعض هؤلاء -أعنى المتخصصين -يتساهلون فى ذلک فى أحاديث فضائل الأعمال خاصة!

قال أبو شامة:

"وهذا عند المحققين من أهل الحديث وعند علماء الأصول والفقه خطأ بل ينبغى أن يبين أمره إن علم وإلا دخل تحت الوعيد فى قوله صلى الله عليه وسلم " :من حدث عنى بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين "رواه مسلم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور پھر لکھا ہے کہ بہت سے اہلِ علم، اور طلابِ علم میں یہ بات مشہور ہے کہ ضعیف حدیث پر فضائلِ اعمال میں عمل کرنا جائز ہے، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں، حالانکہ یہ بات درست نہیں، کیونکہ بعض علماء، ضعیف حدیث پر کسی حال میں بھی عمل کے قائل نہیں، اور پھر اسی قول کو چند وجوہات کا ذکر کر کے راجح بھی کہا ہے۔

اور جمہور جو ضعیف حدیث پر عمل کو جائز کہتے ہیں، ان کے نزدیک تین شرائط کو بیان کیا ہے، جن میں ایک شرط موضوع نہ ہونے کی، اور دوسری شرط عامل کے عمل کے وقت اس کو ضعیف سمجھنے کی، اور تیسری شرط اس پر عمل کی شہرت نہ دینے کی ذکر کی ہے۔

اور پھر کہا ہے کہ عوام تو درکنار بہت سے علماء بھی ان شرائط میں تساہل اختیار کرتے ہیں، اور وہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

هذا حكم من سكت عن الأحاديث الضعيفة فى الفضائل !فكيف إذا كانت فى الأحكام ونحوها؟

واعلم أن من يفعل ذلک فهو أحد رجلين:

1۔ :إما أن يعرف ضعف تلک الأحاديث ولا ينبه على ضعفها فهو غاش للمسلمين وداخل حتما فى الوعيد المذكور .قال ابن حبان فى كتابه "الضعفاء " 1/7-8 :"فى هذا الخبر دليل على أن المحدث إذا روى ما لم يصح عن النبى مما تقول عليه وهو يعلم ذلک يكون كأحد الكاذبين على أن ظاهر الخبر ما هو أشد قال صلى الله عليه وسلم " :من روى عنى حديثا وهو يرى أنه كذب "... -ولم يقل :إنه تيقن أنه كذب -فكل شاک فيما يروى أنه صحيح أو غير صحيح داخل فى ظاهر خطاب هذا الخبر"

ونقله ابن عبد الهادى فى "الصارم المنكى "ص 166 - 165وأقره.

2۔ :وإما أن لا يعرف ضعفها فهو آثم أيضا لإقدامه على نسبتها إليه صلى الله عليه وسلم "دون علم وقد قال صلى الله عليه وسلم" :كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع 1"فله حظ من إثم الكاذب على رسول الله صلى الله عليه وسلملأنه قد أشار صلى الله عليه وسلم أن من حدث بكل ما سمعه -ومثله من كتبه -أنه واقع فى الكذب عليه صلى الله عليه وسلم محالة فكان بسبب ذلک أحد الكاذبين .الأول :الذى افتراه والآخر :هذا الذى نشره قال ابن حبان أيضا 9/1: "فى هذا الخبر زجر للمرء أن يحدث بكل ما سمع حتى يعلم علم اليقين صحته."

وقد صرح النووى بأن من لا يعرف ضعف الحديث لا يحل له أن يهجم على الاحتجاج به من غير بحث عليه بالتفتيش عنه إن كان عارفا أو بسؤال أهل العلم إن لم يكن عارفا وراجع "التمهيد "فى مقدمة الضيفة ص 12 - 10(تمام المنة فى التعليق على فقه السنة،ص ۳۲ الیٰ ۳۴، مقدمة،القاعدة الحادية عشرة لا يجوز ذكر الحديث الضعيف إلا مع بيان ضعفه)

احادیث کے ضعف کو معلوم کئے بغیر ہی ان پر عمل کرتے ہیں، اور اگر ان کو ضعف کا علم بھی ہوتا ہے، تو ضعف کی مقدار وحیثیت کا علم نہیں ہوتا کہ وہ خفیف ہے، یا شدید ہے، اور وہ اس پر عمل بھی شہرت کے ساتھ کرتے ہیں۔ [1]

---

[1] اشتهر بين كثير من أهل العلم وطلابه أن الحديث الضعيف يجوز العمل به في فضائل الأعمال ويظنون أنه لا خلاف في ذلك .كيف لا والنووي رحمه الله نقل الاتفاق عليه في أكثر من كتاب واحد من كتبه؟ وفيما نقله نظر بين لأن الخلاف في ذلك معروف فإن بعض العلماء المحققين على أنه لا يعمل به مطلقا لا في الأحكام ولا في الفضائل .قال الشيخ القاسمي رحمه الله في "قواعد التحديث "ص :94.

"حكاه ابن سيد الناس في "عيون الأثر "عن يحيى بن معين ونسبه في "فتح المغيث "لأبي بكر بن العربي والظاهر أن مذهب البخاري ومسلم ذلك أيضا ..وهو مذهب ابن حزم."..

قلت :وهذا هو الحق الذي لا شك فيه عندي لأمور:

الأول :أن الحديث الضعيف إنما يفيد الظن المرجوح ولا يجوز العمل به اتفاقا فمن أخرج من ذلك العمل بالحديث الضيف في الفضائل لابد أن يأتي بدليل وهيهات!

الثاني :أنني أفهم من قولهم ... " :في فضائل الأعمال "أي الأعمال التي ثبتت مشروعيتها بما تقوم الحجة به شرعا ويكون معه حديث ضعيف يسمي أجرا خاصا لمن عمل به ففي مثل هذا يعمل به في فضائل الأعمال لأنه ليس فيه تشريع ذلك العمل به وإنما فيه بيان فضل خاص يرجى أن يناله العامل به .وعلى هذا المعنى حمل القول المذكور بعض العلماء كالشيخ علي القاري رحمه الله فقال في "المرقاة" 381/2:"قوله :إن الحديث الضعيف يعمل به في الفضائل وإن لم يعتضد إجماعا كما قاله النووي محله الفضائل الثابتة من كتاب أو سنة."

وعلى هذا فالعمل به جائز إن ثبت مشروعية العمل الذي فيه بغيره مما تقوم به الحجة ولكني أعتقد أن جمهور القائلين بهذا القول لا يريدون منه هذا المعنى مع وضوحه لأننا نراهم يعملون بأحاديث ضعيفة لم يثبت ما تضمنته من العمل في غيره من الأحاديث الثابتة مثل استحباب النووي وتبعه المؤلف إجابة المقيم في كلمتي الإقامة بقوله " :أقامها الله وأدامها "مع أن الحديث الوارد في ذلك ضعيف كما سيأتي بيانه فهذا قول لم يثبت مشروعيته في غير هذا الحديث الضعيف ومع ذلك فقد استحبوا ذلك مع أن الاستحباب حكم من الأحكام الخمسة التي لا بد لإثباتها من دليل تقوم به الحجة وكم هناك من أمور عديدة شرعوها للناس واستحبوها لهم إنما شرعوها بأحاديث ضعيفة لا أصل لما تضمنته من العمل في السنة الصحيحة ولا يتسع المقام لضرب الأمثلة على ذلك وحسبنا ما ذكرته من هذا المثال وفي الكتاب أمثلة كثيرة سيأتي التنبيه عليها في مواطنها إن شاء الله.

على أن المهم ههنا أن يعلم المخالفون أن العمل بالحديث الضعيف في الفضائل ليس على إطلاقه عند القائلين به فقد قال الحافظ ابن حجر في "تبيين العجب "ص :4 - 3

"اشتهر أن أهل العلم يتساهلون في إيراد الأحاديث في الفضائل وإن كان فيها ضعف ما لم تكن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ہم اگرچہ جناب ناصر الدین البانی صاحب کے بجائے جمہور کے موقف کو راجح سمجھتے ہیں، اور ضعیف حدیث پر عمل کے لئے ان ہی شرائط کو معتبر سمجھتے ہیں، جو جمہور کی طرف سے مشہور ہیں، لیکن اسی کے ساتھ جناب البانی صاحب کے مندرجہ بالا رجحان کو گمراہانہ، یا اجماع کے خلاف نہیں سمجھتے، اور بہت سے علماء وعوام کی طرف سے ضعیف حدیث پر عمل کی ان شرائط کو نظر انداز کرنے کی شکایت سے متفق ہیں، جو جمہور کی طرف سے بیان کی گئی ہیں، اور ضعیف حدیث کو بیان کرتے وقت اس کے ضعف کے واضح کرنے کی ضرورت کو بھی راجح سمجھتے ہیں۔

اس باب کا خلاصہ

اس باب میں اب تک جو کچھ ذکر کیا گیا، اس کا خلاصہ یہ نکلا کہ احکام کا ثبوت صحیح، یا حسن درجہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

موضوعة وينبغي مع ذلک اشتراط أن يعتقد العامل كون ذلک الحديث ضعيفا وأن لا يشهر ذلک لئلا يعمل المرء بحديث ضيف فيشرع ما ليس بشرع أو يراه بعض الجهال فيظن أنه سنة صحيحة وقد صرح بمعنى ذلک الأستاذ أبو محمد بن عبد السلام وغيره وليحذر المرء من دخوله تحت قوله صلى الله عليه وسلم" :"من حدث عنى بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين "فكيف بمن عمل به؟ !ولا فرق فى العمل بالحديث فى الأحكام أو فى الفضائل إذ الكل شرع."

فهذه شروط ثلاثة مهمة لجواز العمل به:

1- :أن لا يكون موضوعا.

2- :أن يعرف العامل به كونه ضعيفا.

3- :أن لا يشهر العمل به.

ومن المؤسف أن نرى كثيرا من العلماء فضلا عن العامة متساهلين بهذه الشروط فهم يعملون بالحديث دون أن يعرفوا صحته من ضعفه وإذا عرفوا ضعفه لم يعرفوا مقداره وهل هو يسير أو شديد يمنع العمل به .ثم هم يشهرون العمل به كما لو كان حديثا صحيحا ولذلک كثرت العبادات التى لا تصح بين المسلمين وصرفتهم عن العبادات الصحيحة التى وردت بالأسانيد الثابتة.

ثم إن هذه الشروط ترجح ما ذهبنا إليه من أن الجمهور لا يريد المعنى الذى رجحناه آنفا لأن هذا لا يشترط فيه شىء من هذه الشروط كما لا يخفى(تمام المنة فى التعليق على فقه السنة، ص ٣٤،الیٰ ٣٧، مقدمة ،القاعدة الثانية عشرة ترک العمل بالحديث الضعيف فى فضائل الأعمال)

کی احادیث سے ہوتا ہے، ضعیف حدیث سے نہیں ہوتا۔

اور موضوع اور شدید ضعیف حدیث پر نہ تو عمل کرنا جائز ہے، نہ ہی اس کی حقیقت بیان کئے بغیر اس کو بیان ونقل کرنا جائز ہے۔

اور جہاں تک ہلکی ضعیف حدیث کا تعلق ہے، تو اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، بعض اہلِ علم حضرات ضعیف حدیث کے احکام کی طرح فضائل میں بھی قابلِ عمل ہونے کے قائل نہیں۔

اور یہ قول اگرچہ اکثر حضرات کے نزدیک مرجوح ہے، لیکن چونکہ اس قول کا بھی وجود ہے، اور یہ قول اجماع کے خلاف نہیں، اس لئے اس قول کے قائل کو اہل السنہ سے خارج، فاسق، یا گناہ گار تصور کرنا درست نہیں۔

اور اکثر حضرات کا موقف یہ ہے کہ ضعیف حدیث چند شرائط کے ساتھ فضائل کے باب میں قابلِ عمل ہوسکتی ہے، جن میں ایک بنیادی شرط تو یہی ہے کہ عقائد اور احکام کے باب میں ضعیف حدیث کو قبول نہیں کیا جاسکتا، اور یہ شرط خود ''فضائلِ اعمال'' کے الفاظ سے معلوم ہوتی ہے۔

اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس حدیث کے ثبوت وسنت کا عقیدہ نہ رکھا جائے، کیونکہ ثبوت کا تعلق عقیدہ سے اور سنت کا تعلق احکام سے ہے۔

اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ حدیث ''شدید ضعیف'' نہ ہو، بلکہ اس درجہ کی ضعیف ہو کہ اگر اس کی تائید میں دوسری اسناد، یا روایات موجود ہوتیں، تو ان کے ساتھ شامل ہوکر یہ حدیث ''حسن لغیرہٖ'' بننے کی صلاحیت رکھتی۔

اور چوتھی شرط یہ ہے کہ جس عمل کا اس حدیث میں ذکر ہے، یہ شریعت کے کسی عام اصول کے تحت داخل ہو۔

اور پانچویں شرط یہ ہے کہ یہ حدیث اپنے سے قوی درجہ کی حدیث، یا دلیل کے خلاف نہ ہو۔

اور مذکورہ شرائط پر عمل کرنا، اس پر موقوف ہے کہ ضعیف حدیث کا ضعیف ہونا بھی معلوم ہو،

پس کسی ضعیف حدیث کو اس طرح بیان ونقل کر دینا کہ جس سے دوسروں کو اس کا ضعیف ہونا معلوم نہ ہو سکے، اور وہ اس کو صحیح، یا حسن سمجھ بیٹھیں، وہاں اس حدیث کے ضعیف ہونے کو واضح کرنا بھی ضروری ہوگا۔

جہاں تک ضعیف حدیث سے مستحب عمل کے ثبوت کا تعلق ہے، تو راجح یہ ہے کہ ضعیف حدیث سے براہِ راست کسی عمل کا مستحب ہونا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ مستحب بھی سنت، یا مکروہ کی طرح ''احکام'' سے تعلق رکھتا ہے، اور ضعیف حدیث کے ثبوت کا عقیدہ رکھنا بھی جائز نہیں ہوتا، البتہ جب کسی حدیث پر عمل کا مستحب ہونا، احتیاط کے اصول سے ثابت ہو، تو پھر وہ عمل اس اصول کی وجہ سے مستحب کہلائے گا، نہ کہ اس ضعیف حدیث کی وجہ سے۔

اور بعض حضرات نے ایک شرط یہ بیان کی ہے کہ اس پر عمل کو شہرت نہ دی جائے، اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ جب اس پر عمل کو شہرت دی جاتی ہے، تو عوام الناس، اس عمل کو ثابت، یا سنت، یا مستحب وغیرہ سمجھتے ہیں۔

بعض حضرات نے مذکورہ شرائط میں سے کسی ایک، یا زیادہ شرطوں کو مستقل طور پر ذکر نہیں کیا، بلکہ ایک شرط میں ہی دوسری شرط کو بھی داخل اور معتبر مان لیا، اس لئے ان کی بیان کردہ شرطوں کی تعداد کم ہوگئی۔

پس ہماری بیان کردہ مذکورہ شرائط کو دوسرے حضرات کی بیان کردہ شرائط کی تعداد کے خلاف نہ سمجھا جائے۔

ہمارے معاشرہ میں عوامی اور علمی دنیا میں مختلف شکلوں میں ضعیف حدیث سے متعلق مذکورہ شرائط کی بکثرت خلاف ورزی لازم آ رہی ہے، اور ضعیف حدیث کے عنوان سے بہت سی شدید ضعیف اور موضوع ومنگھڑت احادیث کی بھی اشاعت وتبلیغ کی جارہی ہے، جبکہ بہت سے علماء تو ضعیف اور غیر ضعیف کا امتیاز وفرق کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے، اور وہ بلا تفریق ہر قسم کی احادیث وروایات کو بیان کرتے ہیں، اور بعض علماء نے اس میں مزید یہ توسع

بھی پیدا کر دیا ہے کہ انہوں نے اسرائیلی روایات کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے ساتھ خلط ملط کر کے بیان کرنا شروع کر دیا، جس کی وجہ سے اسرائیلی و غیر اسرائیلی روایات میں فرق نہ رہا، اور اس طرح غیر نبی کی بات کو نبی کی حدیث سمجھنے کا دروازہ کھل گیا، جو انتہائی خطرناک طرزِ عمل ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ مذکورہ اور اس جیسی افراط وتفریط پر مبنی باتوں سے مکمل اجتناب واحتیاط کو اختیار کیا جائے، اور حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت واہمیت، اور نزاکت و شفافیت کے تمام امور کو بروئے کار لانے کا اہتمام کر کے دنیا وآخرت کے وبال سے اپنے آپ اور دوسروں کو بچانے کی کوشش کی جائے، اور محض اپنے آباء واجداد، یا بزرگوں، یا مسلک کی حمایت وتعصب میں مبتلاء ہو کر اپنی عاقبت وآخرت کو خراب نہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ تعصب سے بچ کر اعتدال کو اختیار کرنے اور اس پر مضبوطی سے قائم رہنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

محمد رضوان خان

یکم/ جمادی الاولیٰ/ 1445ھ-16/ نومبر/ 2023ء، بروز جمعرات

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

علمی و تحقیقی رسائل

ہمارے معاشرہ میں عوامی اور علمی دنیا میں مختلف شکلوں
میں ضعیف حدیث سے متعلق مذکورہ شرائط کی بکثرت خلاف
ورزی لازم آرہی ہے، اور ضعیف حدیث کے عنوان سے بہت سی
شدید ضعیف اور موضوع و من گھڑت احادیث کی بھی اشاعت و تبلیغ کی
جارہی ہے، جبکہ بہت سے علماء تو ضعیف اور غیر ضعیف کا امتیاز و فرق
کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے، اور وہ بلا تفریق ہر قسم کی احادیث
و روایات کو بیان کرتے ہیں، اور بعض علماء نے اس میں مزید یہ توسع بھی
پیدا کر دیا ہے کہ انہوں نے اسرائیلی روایات کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کی احادیث کے ساتھ خلط ملط کر کے بیان کرنا شروع کر دیا، جس کی
وجہ سے اسرائیلی و غیر اسرائیلی روایات میں فرق نہ رہا، اور اس
طرح غیر نبی کی بات کو نبی کی حدیث سمجھنے کا دروازہ کھل
گیا، جو انتہائی خطرناک طرزِ عمل ہے۔
(صفحہ نمبر 717، 718)